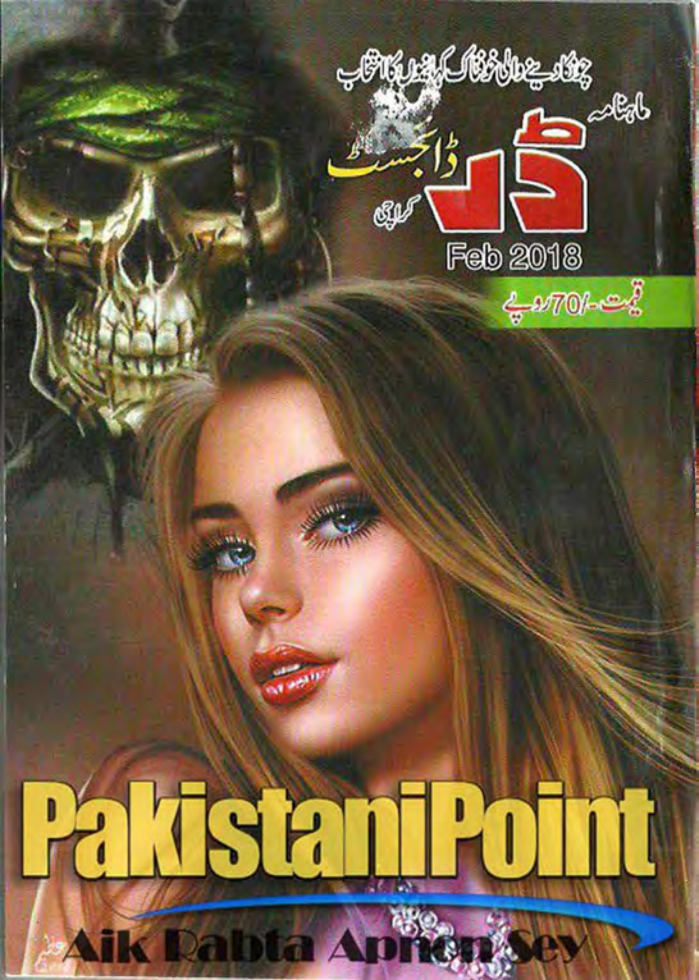

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب
ماہنامہ
ڈر
ڈائجسٹ
کراچی
Feb 2018
قیمت -/70 روپے
PakistaniPoint
Aik Rabta Apnon Sey

18 — ایس امتیاز احمد
شیطان
ذہن سے برسوں محو نہ ہونے والی ایک ایسے شخص کی کہانی جو شیطان کا دوسرا روپ تھا

35 — صائمہ شاہد
روح کا انتقام
ایک روح کا خونی انتقام اس نے لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا...... دل گرفتہ کہانی

39 — طارق محمود
بھوت گلی
رات کے دل دہلاتے اندھیرے میں جنم لینے والی اپنی نوعیت کی عجیب ڈراؤنی کہانی

49 — محمد شعیب
روگ عاشقی
ایک عاشق کی حیرتناک روداد جو کہ پڑھنے والوں کو ہلا کر رکھ دے گی، پڑھ کر دیکھیں

54 — راشد نذیر طاہر
جان لیوا
ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

83 — رضوان قیوم
جناتی آتما
ڈر اور خوف کی وجہ سے رگوں میں خون کو منجمد کرتی ......وحشت ناک اور خوفناک کہانی

95 — بتول فاطمہ
سیکنڈ فلور
نافرمانی کی سزا......اکثر بھگتنا ہی پڑتی ہے......حقیقت کہانی میں...... پنہاں ہے

105 — فاطمہ خان
روح کی فریاد
خوف وہراس کے لبادے میں لپٹی ہوئی دل کو مبہوت کرتی خوفناک ڈراؤنی کہانی

110 — ملک این اے کاوش
کالا جادو
خوف وہراس کے گرداب میں غوطہ زن عجیب وغریب دل کو مبہوت کرتی جادو کی کہانی

120 — ملک فہیم ارشاد
اندھیرے سے اجالا
حقیقت سے روشناس کراتی اپنی نوعیت کی عجیب وغریب دماغ سے محو نہ ہونے والی روداد

143 — محمد حنیف شاکر
آسیبی مسکن
حقیقی کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے ......ایک حقیقی......اور حیرت ناک......کہانی

153 — گلاب خان سولنگی
خوف کا سایہ
دل ودماغ پر لرزہ طاری کرتی خوف وہراس کے سمندر میں غوطہ زن خوفناک کہانی

162 — شاہد رفیق سہو
روح سے نجات
ایک سنگ دل روح کا دل دہلاتا حیرتناک خوفناک وحشت ناک ناقابل فراموش واقعہ

174 — محمد خالد شاہان
اسرار
صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چمکارتی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

203 — مریم فاطمہ
روح کی دوستی
ایک خوبرو حسینہ کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد بھی اپنے دوست کا ساتھ دیتی تھی

214 — رضوان علی سومرو
کفارہ
ایک ایسے نوجوان کی داستان حیرت جو جوش انتقام میں...... دیوانہ......ہو گیا تھا

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

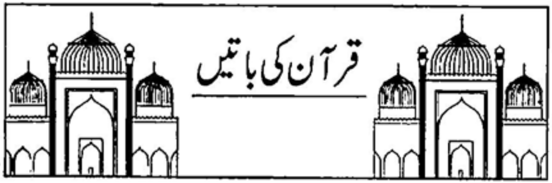

قرآن کی باتیں

☆ مومنو! اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر آخرالزماں پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روز قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔ (سورۃ نساء 4 آیت 136)

☆ اور جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے لڑائی بھڑائی کے بغیر دلوایا ہے اس میں تمہارا کچھ حق نہیں کیونکہ اس کے لئے تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو مال اللہ نے اپنے پیغمبرؐ کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ اللہ کے اور پیغمبرؐ کے اور پیغمبرؐ کے قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجت مندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور ان مفلسان تارک الوطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج اور جدا کر دیئے گئے ہیں اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے ایماندار ہیں۔ (سورۃ حشر 59 آیت 6 سے 8)

☆ اور کسی مومن کو شایاں نہیں کہ مومن کو مار ڈالے مگر بھول کر اور جو بھول کر بھی مومن کو مار ڈالے تو ایک تو ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور دوسرے مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کرے۔ ہاں اگر وہ معاف کر دیں تو ان کو اختیار ہے۔ اگر مقتول تمہارے دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود مومن ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہئے اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو، جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو تو وارثان مقتول کو خون بہا دینا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہئے اور جس کو یہ میسر نہ ہو، وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ کفار اللہ کی طرف سے قبول توبہ کے لئے ہے۔ اور اللہ سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (سورۃ نسا 4 آیت 92 سے 93)

☆ ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے کہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے جو کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں رب عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے کیا تم اس کلام سے انکار کرتے ہو اور اپنا وظیفہ یہ بناتے ہو کہ اسے جھٹلاتے ہو۔ (سورۃ واقعہ 56 آیت 75 سے 82)

☆ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے اور کہتے ہیں کہ اے رب تو نے اس مخلوق کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے۔ تو قیامت کے دن ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو اے رب جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اسے رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں اے رب ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لئے پکار رہا تھا یعنی اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے اے رب ہمارے گناہ معاف فرما۔ اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا اے رب تو نے جن جن چیزوں کے ہم سے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے وعدے کئے ہیں، وہ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیو کچھ شک نہیں کہ تو خلاف وعدہ نہیں کرتا۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 191 سے 194)

☆ کوئی ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور وہی اسے کشادہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 245)

☆ اور اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل اور ان کے علاوہ اور اعضا بخشے تاکہ تم شکر کرو۔ (سورۃ نحل 16 آیت 78)

☆ کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی سیر کرتے تو دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا وہ ان سے زور و قوت میں کہیں زیادہ تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا جو انہوں نے آباد کیا۔ اور ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آتے رہے تو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ (سورۃ روم 30 آیت 9)

☆ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا۔ آسمان کی چھت بنائی۔ اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے رزق بہم پہنچایا۔ جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مد مقابل نہ ٹھہراؤ۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 22)

☆ ہاں ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے اور بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ (سورۃ اشراح 94 آیت 5 سے 7)

☆ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اور کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔ (سورۃ انعام 6 آیت 61)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

Pakistanipoint

خطوط

مسز زینت خان ،مروات سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹرز صاحبان، رائٹرز، دیگر لکھنے والے اور قارئین۔ نئے سال کا پہلا شمارہ زیر تبصرہ ہے۔ میں ہر ماہ ڈر کا شمارہ مکمل پڑھنے کے بعد اپنی رائے دیتی ہوں۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ڈر کی کوئی کہانی نہیں پڑھی اور تبصرہ لکھ دیا۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہوتا۔ اور اس شمارے سے متعلق بھی صرف رائٹرز کی کہانیوں پر بات ہوگی۔ سب سے پہلے ”رولوکا“ کا اختتامیہ پڑھا جسے لکھا تھا اے وحید صاحب نے۔ رولوکا اپنے منطقی انجام کو پہنچی ہوئی ایک ایسی سلسلہ وار کہانی تھی جسے اگر مزید طول دیا جاتا تو اپنا معیار کھو دیتی۔ اختتامیہ صحیح تھا۔ اس کے بعد ذکر کروں گی عمران قریشی صاحب کی کہانی کا جو ”روح“ کے موضوع پر لکھی گئی تھی۔ یہ ایک فینٹاسی کہانی تھی اور ایک تخیلاتی کہانی لکھنا ایک فن ہے جسے ”گپ“ بنانے سے بچانا صرف ایک رائٹر کا ہی کام ہے ورنہ تو ایسے دقیق موضوع پر لکھنا اتنا آسان نہیں ہوتا اور عمران قریشی صاحب کی ”محبوب حویلی“ ایک بہت زبردست کہانی تھی۔ پھر ایس امتیاز احمد صاحب کی کہانی ”گمنام درندہ“ شکاریات کے موضوع پر لمحہ بہ لمحہ تجسس پیدا کرتی ایک بہترین کہانی تھی، بہت خوب۔ کسی بھی ڈائجسٹ کی پہلی اور آخری کہانی اس ڈائجسٹ کی جان ہوتی ہے۔ شکیل نیازی صاحب نے پہلی کہانی ”نیند“ لکھ کر یہ بات ثابت کردی کیونکہ ان کی یہ کہانی اس مرتبہ کے نئے سال کی ٹاپ کی کہانی ہے اور اس میں حیرت کا ایک جہاں آباد ہے جسے پڑھتے ہوئے قاری کا دل نہیں کرتا کہ کہانی چھوڑے یا یہ کہانی ختم ہو۔ بہت زبردست شکیل نیازی صاحب اس Fantasy story میں آپ کے قلم کا جادو ڈر ڈائجسٹ میں سرچڑھ کر بولتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ کہانی سب کو ایک مرتبہ ضرور پڑھنی چاہئے۔ کمال کی کہانی ہے۔ ”آستین کا سانپ“ اس شمارے کی آخری کہانی ہے جسے بہتر انداز میں لکھا جاسکتا تھا لیکن پھر بھی پلاٹ کے اعتبار سے اور کرداروں کے لحاظ سے اچھی کہانی تھی۔ امید کرتی ہوں کہ اس نئے سال میں ایس حبیب خان اور فلک زاہد صاحبہ خواتین رائٹرز دونوں منجھی ہوئی لکھاری ہیں، کی کہانیاں ہمیں ڈر ڈائجسٹ میں دکھائی دیں گی اور اللہ تعالیٰ احسان الحق صاحب کو صحت دے تاکہ ان کی جانب سے بہترین کہانیاں ہمارے دلوں میں بس سکیں جیسا کہ ان کی ساتھ کہانیوں کا مزا ابھی تک برقرار ہے۔ سب سے بڑی بات ایک نیا خیال ہے۔ اور احسان الحق صاحب کے پاس ہر کہانی میں ایک خاص خیال ہوتا ہے اور کہانی کی شگفتگی کی بدولت کہانی ناقابل فراموش ہو جاتی ہے۔ سر احسان الحق! میں دعا کرتی ہوں کہ اس سال آپ بہت سی کہانیاں لکھ سکیں، آمین۔ باقی آئندہ۔ نیک تمنائیں۔

☆☆ زینت صاحبہ: ہر ماہ آپ قلبی لگاؤ سے کہانیوں پر مفصل تجزیہ پیش کرتی ہیں جو کہ رائٹروں کے لئے بہت اہم ہوتا ہے اور رائٹر حضرات اس پر عمل کرکے ہر دل عزیز لکھاری بن سکتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتندرستی دے تاکہ آپ ہر ماہ رائٹروں کو اچھے اچھے مشورے دے سکیں۔ Thanks۔

خدیجہ فاطمہ ،اسلام آباد سے، السلام علیکم انکل! ابھی ڈیٹ شیٹ نہیں آئی اس لئے کہانیاں پڑھنے کے بعد یہ خط لکھ رہی ہوں۔ آپ کو نیا سال مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور اللہ تعالیٰ احسان الحق صاحب کو بھی صحت کاملہ عطا فرمائے، آمین۔ اس مرتبہ جو کہانی میں نے حیرت کے عالم میں پڑھی ہے کیونکہ ہر ہر سطر میں حیرت اور دلچسپی تھی، وہ کہانی ہے (نیند) جسے شکیل نیازی نے لکھا اور قارئین کے لئے آخر میں صرف تکلیف دہ آنسو بہنے دیے۔ بہت زبردست کہانی لکھی۔ ٹاپ کلاس۔ آپ کی اگلی کہانی کا انتظار رہے گا۔ دیگر میں ایس امتیاز احمد، عمران قریشی اور شہزادہ جاندزیب عباسی چھائے رہے۔ باقی کہانیاں بھی ٹھیک رہیں۔ سلسلے وار کہانی ”رولوکا“ کا اینڈ ہوا ویسے بھی کہانی کسی صورت نیا پہلو نہیں لے سکتی تھی۔ اس موضوع پر اب انتہا تک لکھا جاچکا تھا۔ باجی ایس حبیب خان اور فلک زاہد کی کہانیوں کی منتظر ہوں۔ اللہ کرے کہ اس سال ان کی اور احسان الحق صاحب کی کافی ساری کہانیاں پڑھنے کو مل جائیں، آمین۔ اس ماہ اتنا ہی لکھنا تھا۔ آپ کے لئے دعا گو،

☆☆ خدیجہ صاحبہ: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا تجزیہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیاب وکامران کرے، کہانیوں کی تعریف اور خط لکھنے کے لئے بہت بہت شکریہ۔

مسز فرحین حامد ،رحیم یار خان سے، السلام علیکم محترم ایڈیٹر صاحب اور ادارہ ڈر ڈائجسٹ۔ زندگی کی مصروفیات ہیں کہ

بڑھتی ہی جاتی ہیں لیکن جب جب ستانے کی مہلت ملتی ہے تو ڈائجسٹ کی کہانی پڑھنے سے ذہن اس مصنوعی سی زندگی سے ہٹ جاتا ہے۔ کچھ اور دیات وہ اثر نہیں رکھتیں، نہ کیبل ٹی وی چینلز میں وہ اٹریکشن باقی ہے۔ یا اللہ پاک کو یاد کرکے اور یا پھر کسی کتاب اور ڈائجسٹ سے (بعد کتاب اللہ) تعلق جوڑ کر اس زندگی کے جھمیلوں سے دماغ ہلکا ہوسکتا ہے۔ پھر ڈر ڈائجسٹ جب ہاتھوں میں آتا ہے تو ایک امید بندھتی ہے کہ اس مرتبہ کہانیوں کا انتخاب چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں پر مشتمل ہوگا۔ نیا سال سب کو مبارک ہو۔ اس مرتبہ مجھے ☆ نیند ☆ کہانی نے بہت مزا دیا بلکہ آخری حصے کو پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ یہ نئے سال کی Five Star کہانی تھی۔ عمران قریشی صاحب نے بھی زبردست کہانی پیش کی۔ اور ایس امتیاز احمد صاحب تو ڈر کے دیرینہ رائٹر ہیں جن کے بغیر ڈر ڈائجسٹ ادھورا محسوس ہوتا ہے۔ احسان الحق صاحب کو ڈر میں ہر ماہ لکھتے رہنا چاہئے۔ میرے فیورٹ رائٹر ہیں۔ ان کی کہانی کو ڈر میں ایک عرصہ سے Miss کررہی ہوں۔ اللہ پاک انہیں صحت وتندرستی عطا فرمائے، آمین۔ اب اجازت، شکریہ سب کے لئے سلام۔

☆☆ فرحین صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے ویری ویری تھینکس، عمران قریشی واقعی اچھا لکھتے ہیں ان کی گرفت کہانیوں پر بہت مضبوط ہوتی ہے اور ہاں احسان الحق صاحب نے اپنے پڑھنے والوں کی خوشی کے لئے بہت جلد اپنی کہانیاں شامل اشاعت کرانے والے ہیں، اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وتندرستی دے۔ (آمین)

ایس حبیب خان کراچی سے، السلام علیکم! امید کرتی ہوں کہ ڈر کی ٹیم اور اس کے چاہنے والے خیریت سے ہوں گے۔ ڈر کا تازہ شمارہ میرے ہاتھ میں ہے جسے میں ابھی تک مصروفیت کے باعث پڑھ نہیں سکی۔ مگر پورا یقین ہے کہ تمام کہانیاں اچھی ہوں گی۔ خطوط میں شہباز حمد کا خط پڑھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے والد صاحب کی مغفرت فرمائے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ جن دوستوں نے میری تحریروں کو مس کیا ان سے معذرت خواہ ہوں۔ وجہ آپ سب کو معلوم ہے۔ میری والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں جس کی وجہ سے میں لکھ نہیں پارہی ہوں، آپ سب سے گزارش ہے ان کے لئے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفاء کاملہ اور درازی عمر عطا فرمائے۔ کیونکہ دنیا میں ماں سے زیادہ میرے لئے کچھ بھی اہم نہیں ہے۔ امید ہے آپ سب میری غیر حاضری کو درگزر کریں گے۔ میری کوشش ہے کہ جلد کچھ لکھوں۔ ڈر کے لئے دعا گو۔

☆☆ ایس حبیب صاحبہ: ہماری اور قارئین کی دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ماما کو کلی صحت کرے اور خوشیوں سے نوازے۔ ماں باپ سے بڑھ کر دنیا میں اور کچھ نہیں۔

مسز سندس اقبال ،راولپنڈی سے، محترم ایڈیٹرز ڈر ڈائجسٹ، السلام علیکم۔ اس ماہ کا ڈر نئے سال کی آمد کا ایک انوکھا شاہکار ڈائجسٹ تھا جس میں ایک ایسی کہانی شامل تھی جس نے ایک لمحہ کے لئے بھی ڈائجسٹ کو ہاتھوں سے علیحدہ نہیں ہونے دیا۔ وہ کہانی ’نیند‘ تھی۔ کہانی سائنس فکشن اور فینٹاسی کے موضوع پر ایک ایسی اچھوتی کہانی تھی جو محسوس ہوا کہ ایک حقیقی کہانی ہے لیکن شکیل نیازی صاحب نے قارئین کو اس کہانی میں حیرت کے وہ مناظر دکھلائے جن کی نظیر ڈر میں کسی سائنس فکشن کہانی میں نہیں ملتی۔ اس کہانی کے اینڈ پر جو جذباتی و دل خراش خط تھا، اس نے آنکھیں نم کردیں۔ پھر تین دن ایسے گزرے کہ کہانی کا سحر اترنے نہیں پایا اور یقیناً تا حال قائم ہے۔ میرے ہزبینڈ کی بھی کم وبیش یہی رائے ہے۔ وہ خیالات میں کھوئے رہے اور مجھ سے ایک ہی بات کرتے رہے کہ انتہائے کمال ہی لکھا ہے۔ واقعی میں ایسی کہانیوں کے لیے اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے۔ یہ واحد کہانی جو ڈر ڈائجسٹ میں شکیل نیازی کی جانب سے نئے سال کا بہترین آغاز ثابت ہوئی۔ پھر محبوب حویلی اور آستین کا سانپ نیز گمنام درندہ نے بھی اپنی جگہ ایک سحر طاری رکھا۔ محمد شعیب صاحب اس مرتبہ بھی کچھ خاص پیش نہ کرسکے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس مرتبہ کچھ اثر قائم نہ کیا۔ دیگر کہانیوں کے متعلق یہی کہوں گی کہ مشق جاری رکھیں۔ واقعی میں مسز زینت خان صاحبہ کی بات دل کو لگتی ہے کہ کہانی لکھنے والوں کا مطالعہ کافی وسیع ہونا چاہئے اور پھر کہانی لکھنے کا فن بھی آتا ہو تو ایک عام سے موضوع پر لکھی کہانی میں بھی جان آسکتی ہے۔ میں ذاتی طور پر مسز زینت خان صاحبہ کی مشکور ہوں کہ وہ اپنے تبصروں میں رائٹرز کے لئے بہت سی راہنمائی فراہم کرتی ہیں اور کاش میں کچھ لکھنا جانتی اور مجھے لکھنے کا فن آتا تو ان کے مشوروں پر بہت دھیان سے عمل کرتی۔ بہت شکریہ اس مرتبہ کے لئے بس اتنا ہی۔ والسلام

☆☆ سندس صاحبہ: آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ ارسال کرنے کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں، آپ کا تجزیہ پڑھ کر دل کو خوشی ہوئی، زینت صاحبہ واقعی فراخ دل کی مالک ہیں جو کہ قلبی لگاؤ سے رائٹروں کو اپنی قیمتی رائے سے نوازتی ہیں۔ Thanks۔

نینا خان کراچی سے۔ السلام علیکم! جناب ایڈیٹر صاحب امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے، اور تمام ڈر کے اسٹاف کو بھی السلام علیکم اور سال نو کی ڈھیروں مبارکباد، اللہ تعالیٰ گزشتہ سالوں کی طرح اس نئے سال میں بھی ڈر ڈائجسٹ کو خوب کامیابی سے نوازے۔ (آمین) نئے سال کے پہلے ماہ جنوری میں اپنی اسٹوری ''حاسدہ'' پڑھی اور ساتھ ہی اپنی شاعری ''قوس قزح'' میں پڑھ کر دل خوش ہوا، اس کے لئے آپ سب کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اپنی مزید شاعری اور کہانیاں ادارے کی نذر کر رہی ہوں یہ سلسلہ انشاء اللہ یونہی بنا رہے آپ کے تعاون کے ساتھ۔ ماہ جنوری میں سب سے پہلی کہانی ''نیند'' جسے لکھا ہے، شکیل نیازی صاحب نے کہانی بہت اچھی اور مختلف تھی جسے پڑھ کر اچھا لگا۔ بس ہارر نہیں تھی پھر بھی مختلف تھی جو بہت اچھی لگی۔ اور سب سے اچھا پیغام اپنی کہانی میں جو دیا ہے وہ ہیں ''ڈاکٹر عامر شہزاد'' ان کی ''شیطان نگری'' پڑھ کر کوئی تعریف نہ کرے ایسا ممکن نہیں۔ بہت خوب ڈاکٹر صاحب اچھی کہانی لکھی۔ آپ نے ''شیخ صاحب'' کی ''سنگ چور'' اچھی Informative اسٹوری تھی۔ ''گمنام درندہ'' ''بھوت'' ''موت کا میلا'' محمد شعیب کی ''رات سے پہلے'' عمران قریشی کی ''محبوب حویلی'' بھی زبردست تھی۔ ''کالا ناگ'' ''چڑیل اور ''آستین کا سانپ'' جیسی تمام کہانیاں بہت اچھی رہیں۔ ''گلاب خان سولنگی صاحب'' کی ''آسیبی درندہ'' میں پاک چین دوستی پر کہانیاں لکھنے کی Advice بہت اچھی لگی۔ اچھا اب اجازت اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ یہ نیا سال ہم سب کے لئے کامیابی اور خوشیوں کا سبب ہو۔ (آمین)

☆☆ نینا صاحبہ: آپ کی کہانی اس ماہ شائع نہ ہو سکی، اس کے لئے معذرت، آئندہ ماہ ضرور شائع ہوگی۔ کہانیوں کی تعریف اور آئندہ بھی خط لکھنے کے لئے بہت بہت شکریہ قبول کریں۔

رشک نور فیصل آباد سے۔ السلام علیکم! امید کرتی ہوں ڈر کا تمام اسٹاف ٹھیک ہوگا، انکل جی پیپرز ہو رہے تھے اس لئے حاضری دے نہیں پائی۔ لیکن کوشش کروں گی کہ آئندہ ہر ماہ خط ضرور بھیجوں، انکل جی ڈر ڈائجسٹ تو اب جیسے زندگی کا حصہ بن گیا ہے، ہر ماہ کچھ یاد رہے نہ رہے ڈر لازمی یاد رہتا ہے، اتنے کم وقت میں جو ڈر ڈائجسٹ نے ترقی کی ہے، امید ہے کچھ وقت میں یہ اور ترقی کا فاصلہ طے کرے گا، انکل جی اسٹوری انتقام بھیج رہی ہوں امید ہے ضرور فروری کے شمارے میں جگہ دیں گے، اور آخر میں اللہ تعالیٰ ڈر ڈائجسٹ کو ایسے ہی ترقی دیتا رہے اور پاکستان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین۔

☆☆ رشک نور صاحبہ: آپ کی کہانی بہت لیٹ موصول ہوئی اور قوی امید ہے کہ آئندہ ماہ ضرور شائع ہوگی۔ ہر ماہ آپ کے خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

فاطمہ خان علی پور مظفر گڑھ سے۔ السلام علیکم! سال نو گویا میری زندگی میں بے شمار خوشیاں لے کر آیا ہے۔ کہتے ہیں اللہ جسے بھی دیتا ہے چھپر پھاڑ کے دیتا ہے۔ بس جناب وہی صورت حال میرے ساتھ بھی ہے۔ تھکا دینے والے دن کے بعد جب اکیڈمی سے واپس آئی تو ٹیبل پر خاکی لفافے میں لپٹی ایک چیز کو اپنا منتظر پایا۔ اٹھا کر دیکھا تو اوپر ''ڈر'' کا ٹائٹل آویزاں تھا۔ کھولا تو ''ڈر'' اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود تھا۔ یقین کریں زندگی میں اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی جتنی اس بیش قیمت تحفے کو وصول کرکے ہوئی۔ اس وقت تو خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں رہا جب ''ڈر'' میں اپنی کہانی ''موت کا میلہ'' دیکھی تو گویا سال نو کا تحفہ دے دیا آپ نے، بہت بہت شکریہ! اب جب تمام کہانیوں کو پڑھ ڈالا ہے تو خط لکھ کر تبصرہ کرنے کا ارادہ بھی کرلیا۔ تو جناب جنوری کا شمارہ زبردست رہا۔ ٹائٹل سب سے اعلیٰ اور رنگوں سے بھرپور تھا۔ کہانیوں میں نینا خان کی ''حاسدہ'' اور مریم فاطمہ کی کہانی ''بھوت'' سبق آموز کہانیاں تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ''رات سے پہلے'' ''آسیبی درندہ'' ''چڑیل'' ''اندھیرے سے اجال'' ''محبوب حویلی'' ''گمنام درندہ'' ''شیطان کی نگری'' اور ''سنگ چور'' ایک سے بڑھ کر ایک رہیں۔ قوس قزح میں لکھاریوں نے اپنے زور قلم سے ''ڈر'' کی رنگینیوں میں مزید اضافہ کردیا۔ سب سے بڑھ کر جو بات تھی وہ یہ کہ ہر کہانی کا ''ٹائٹل'' بہترین تھا۔ "We Done Keep It up"! اتنا جلدی ''ڈر'' حاصل کرنے کی خوشی، پھر جنوری کے شمارے میں میری کہانی شائع ہونے کی خوشی پھر آپ کی طرف سے ہر ماہ مجھے اعزازی کاپی بھیجے کی خوشی تمام خوشیوں نے مل کر زندگی میں رنگ سے بھر دیئے۔ میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

☆☆ فاطمہ صاحبہ: خط لکھنے کہانیوں کی تعریف اور نئی کہانی بھیجنے کے لئے ویری ویری تھینکس۔ کہانی شامل اشاعت ہے، خوش ہو جایئے۔

مریم فاطمہ کراچی سے۔ السلام علیکم! جنوری 2018ء کا شمارہ مجھے جلد ہی مل گیا تھا۔ ٹائٹل بہت منفرد تھا۔ میری کہانی بھوت شائع کرنے کے لئے بہت بہت شکریہ۔ محسن عزیز صاحب کے آپریشن کا پتا چلا۔ خدا آپ کو صحت تندرستی عطا فرمائے۔ (آمین) یہ بہت

بڑی بات ہے کہ آپ نے اتنی طبیعت خرابی میں بھی کہانی لکھی۔ آپ واقعی ڈر سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ آپ کی کہانی کا انتظار رہے گا۔ ابھی میں نے کہانیاں پڑھ کر نہیں دیکھی ہیں۔ دراصل اپنی نئی کہانی ''سزا'' پوسٹ کرنی تھی تو جلدی میں خط لکھ ڈالا۔ بہرحال کہانیاں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔ میں جلد ہی پڑھ کر دیکھوں گی۔ ''سزا'' کے شائع ہونے کا انتظار رہے گا۔ خدا ڈر ڈائجسٹ کو مزید ترقی دے۔ (آمین)

☆☆ مریم صاحبہ: آپ کی سزا بہت جلد شائع کردی جائے گی، خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ قبول کریں۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا بھولیں گی نہیں۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے۔ السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا! ماہ رواں کا ڈر ڈائجسٹ سامنے ہے، خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ تمام تر سلسلے خوب رہے، Story`s کا انتخاب لاجواب رہا۔ قلمکار اپنے ڈر کے قلم سے Story`s کو مزید خوفناک بنا رہے ہیں جو کہ ڈر ہی کا خاصہ ہے۔ ہمارے آرٹیکلز لگانے کا تھینکس! ارسال خدمت ہیں۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں۔ آپ کو اور دیگر اسٹاف اور ڈر ڈائجسٹ کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹر اور تمام خوب صورت پڑھنے والے وویورز کو دعا سلام اپنا خیال رکھیے گا!

☆☆ امتیاز صاحب: جیسوی پرانا سال گزر گیا اور نیا سال آ گیا مگر افسوس صد افسوس کہ نوازش نامہ کے ساتھ تجزیہ نہیں آیا۔ پلیز غور کیجئے گا۔

عمران قریشی کوئٹہ سے۔ امید کرتا ہوں آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ جنوری کے شمارے میں اپنی تحریر ناتونی کے تعریفی خطوط پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، مجھے اتنے خطوط کی توقع نہیں تھی۔ تمام قارئین کا مشکور ہوں۔ جنہوں نے میری تحریر کو نہ صرف سراہا بلکہ خوب صورت الفاظ میں میری محنت کو خراج تحسین بھی پیش کیا۔ خصوصی طور پر مسز زینت خان، مسز سندس اقبال، فرحین حامد، احسان الحق اور گلاب خان سولنگی، ان سب کے تعریفی خطوط میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں ہیں۔ ڈر ڈائجسٹ کے ایڈیٹر خالد علی اور شاہد علی کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے میری تحریر کو قابل توجہ گردانا۔ شکریہ۔ ایک عرصہ ہوا ہمارے ساتھ کو۔ اللہ تادم زندگی قائم ودائم رکھے۔ میں نے بہت کچھ اس ماہنامے سے سیکھا۔ اور اب بھی سیکھ رہا ہوں۔ یہ میرے لئے کسی یونیورسٹی سے کم حیثیت نہیں رکھتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آج مجھے دوسرے ماہناموں میں بھی اہمیت دی جا رہی ہے۔ لیکن جو محبت ڈر سے ملی اسے فراموش کرنا ممکن نہیں۔ شاید اسی لئے کہا جاتا ہے کہ پہلی محبت کو انسان تمام زندگی بھلا نہیں پاتا۔ ایک مزید بات ڈر کے توسط سے کہنا چاہوں گا کہ خدارا اپنی تحریروں میں انگلش کے الفاظ کا استعمال نہ کیا کیجیے۔ تحریر کی تمام خوب صورتی اردو اور انگلش کے امتزاج سے ماند پڑ جاتی ہے۔ تحریر پر کام شروع کرنے سے قبل اس بات کو ذہن نشین کرلیا کیجیے کہ آپ اپنی تحریری خدمات اردو ماہنامے کے توسط سے پڑھنے والوں کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ تو اگر یہ خدمات خالص اردو میں ہوں تو نا صرف حق ادا ہو جاتا ہے بلکہ پڑھنے والوں کے دل میں آپ کی تحریر قدر و منزلت کا مقام بھی حاصل کر لیتی ہے۔ اب اجازت چاہوں گا۔

☆☆ عمران صاحب: آپ کی محبت بھی ڈر ڈائجسٹ سے قبل دید ہے اور اس خلوص کا منہ بولتا ثبوت اچھی اچھی کہانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتندرستی دے اور خوشیوں سے نوازے تاکہ آپ ہر ماہ اپنے چاہنے والوں کو خوش کرتے رہیں۔ Thanks۔

احسان الحق محترم ایڈیٹرز صاحبان ڈر ڈائجسٹ۔ سب کو نیا سال دل وجان سے مبارک ہو۔ سب کے لئے دعاؤں کے ساتھ عرض یہ ہے کہ ڈر اپنے جوبن پر بہت زبردست اور خوب جا رہا ہے اور اس مرتبہ کی کہانی نیند نے تو دل پر چوٹ کی۔ انتہائی باکمال اور زبردست کہانی تھی۔ عمران قریشی صاحب کے قلم سے محبوب حویلی نے بھی گہرا تاثر چھوڑا۔ گمنام درندہ اور آستین کا سانپ بھی مزے دار کہانیاں تھیں۔ ردلوکا کا منطقی اختتام ہوا۔ نئے سال کے ساتھ ساتھ نئے قلمکاروں کا اضافہ رہا۔ جن میں شیخ ثناء اللہ، ڈاکٹر عامر شہزاد، ملک نعیم ارشاد، خلیل جبار اور اشتیاق احمد صاحب نے اپنے رنگ جمائے۔ بھوت، مورتیاں اور حاسدہ اچھی کہانیاں تھیں۔ مشق جاری رہی تو مزید نکھار آتا چلا جائے گا۔ رات سے پہلے، آسیبی درندہ اور موت کا میلا بھی کسی سے کم نہ تھیں۔ اپنی پسندیدہ رائٹرز جن میں ایس حبیب خان اور فلک زاہد صاحبہ کا نام ٹاپ پر ہے سے التجاء عاجزانہ کرتا ہوں کہ اپنی کوئی خاص کہانی پڑھنے کو دیجئے، شکریہ۔ شکیل نیازی صاحب اور عمران قریشی کا خاص الخاص شکریہ کہ اس نئے سال کا بہترین تحفہ ان کی جانب سے (نیند اور محبوب حویلی) کی صورت میں سامنے آیا۔ ایس حبیب خان صاحبہ کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے ایک حقیر بندے کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی رائے کے مطابق یہ

ناتیز 2017 میں نمبرون پر رہا حالانکہ سچ تو یہ ہے کہ ایس حبیب خان صاحبہ خود ناچیز سے زیادہ اچھا لکھنے والی اور منجھی ہوئی رائٹر ہیں اور یہی رائے فلک زاہد صاحبہ کے متعلق میں دل سے دیتا ہوں۔ عمران قریشی صاحب کا نام صف اول پر ہے اور تیزی سے ابھرتے ہوئے رائٹر شکیل نیازی صاحب ہیں۔ اللہ کریم ان سب رائٹرز کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور ان کے قلم میں مزید تاثیر کا جادو بھر دے، آمین، کہانیاں زیر تحریر ہیں، مرض کی وجہ سے اور یکسوئی کم ہونے کی وجہ سے زیادہ بیٹھ نہیں سکتا، ورنہ اتنی تاخیر نہ ہوتی۔ دعاؤں کے لئے شکریہ۔ آپ سب کے لئے دل وجان سے دعا گو ہوں، والسلام وخیر اندیش۔

☆☆ احسان الحق صاحب: خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، قلبی لگاؤ سے خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے اور آئندہ نئی کہانی بھیجنے کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں، اور امید ہے دیگر رائٹرز بھی آپ اور قارئین کی خوشی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہانی ارسال کریں گے۔

میاں یاور حسین، اسلام آباد سے، السلام علیکم انکل! نیا سال مبارک ہو۔ ڈر ڈائجسٹ کا سرورق قدرے اچھا ہوا ہے اور اس مرتبہ بہترین کہانیاں نمبرون (نیند) نمبر ٹو (محبوب حویلی) اور نمبر تھری (گمنام درندہ) تھی۔ اس مرتبہ شہزادہ جانزیب عباسی کی کہانی (آستین کا سانپ) پڑھنے کا بھی مزا آیا۔ احسان الحق سر کی کہانیوں کا انتظار ہے۔ ساتھ میں فلک زاہد اور ایس حبیب خان کی کہانیوں کا بھی شدت سے منتظر ہوں۔ اس مرتبہ دیگر کہانیوں کے پلاٹ اچھے تھے۔ اب امید ہے کہ ڈر ڈائجسٹ میں کسی اچھے سلسلے کا آغاز ہوگا کیونکہ دلو کا کہانی کا اینڈ ہوا ہے۔ اور انکل پلیز سلسلے وار نئی کہانی کسی منجھے رائٹر سے لکھوایئے گا۔ پلیز، بہت شکریہ۔

☆☆ یاور صاحب: لیجیے حسب خواہش ایک اچھی کہانی ”جان لیوا“ سال اشاعت ہے اور قوی امید ہے کہ پسند آئے گی۔ آئندہ ماہ نوازش نامہ بھیجنا بھول نہ جائے گا مت۔ Thanks۔

شاھد عظیم، راولپنڈی سے السلام علیکم امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے، سب کو نیا سال مبارک ہو۔ اس ماہ ڈر ڈائجسٹ کے سرورق پر خوفناک کہانیاں کے اجرا کی خبر شائع ہوئی۔ لیکن یہ پڑھ کر حیرت ہوئی کہ یہ رسالہ خواتین کے لئے ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ ادارہ پہلے سے ہی صائمہ کے نام سے خواتین کا ایک ڈائجسٹ شائع کر رہا ہے۔ ایک درخواست ہے کہ فلک زاہد اور ایس حبیب خان صاحبہ کو ڈر ڈائجسٹ کا ہی رائٹر رکھیے گا۔ تاکہ ڈر میں کہانی پڑھنے کو ملتی رہے۔ میرے خط کو توڑ موڑ مت دیجیے گا، پلیز۔ خدارا ایسا مت کیجیے گا۔ میں ان دونوں خواتین کی کہانیوں کا بہت فین ہوں۔ یہ دونوں خواتین ڈر ڈائجسٹ کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ اس مرتبہ ٹاپ کی کہانیاں ”نیند“ (شکیل نیازی) ”گمنام درندہ“ (ایس امتیاز احمد) ”محبوب حویلی“ (عمران قریشی) اور ”آستین کا سانپ“ (شہزادہ جانزیب عباسی) کی لکھی تھیں جنہیں پڑھ کر انتہائی محظوظ ہوا۔ سب کو سلام۔

☆☆ شاہد صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے Thanks۔ ویسے تمام قارئین کی رائے کو مقدم رکھتے ہوئے حتمی قدم اٹھایا جائے گا۔ نئے ڈائجسٹ کے لئے قارئین کی خوشی ادارے کی خوشی ہے۔ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

محمد شعیب فیصل آباد سے، السلام علیکم! امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ جنوری کے شمارے کا سرورق انتہائی عمدہ تھا۔ خطوط کی محفل میں پہلا خط ایس حبیب خان صاحبہ کا تھا۔ پورے سال کو جیسے کوزے میں بند کر دیا۔ بہت اچھے سے تمام کہانیوں کی یاد تازہ کی اور میری کہانیوں کو بھی اپنی پسند کی لسٹ میں شامل کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ مسز زینت خان کا ناتوانی پر جامع تبصرہ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ احسان الحق، عبدالجبار رومی، گلاب خان سولنگی اور ڈاکٹر رانا عامر شہزاد کے تبصرے بھی بخوب تھے۔ کہانیوں پر نگاہ دوڑائی گئی تو سب سے پہلے شکیل نیازی کا ناولٹ نیند تھا۔ سسپنس سے بھرپور کہانی قابل تعریف ہے۔ جونی کی موت نے انجام کو زبردست بنا دیا۔ سنگ چور میں سانپوں کی قسم کو اچھے سے بیان کیا گیا۔ ویلڈن شیخ ثناء اللہ صاحب! بھوت بھی اچھی تحریر تھی۔ ایس امتیاز کا گمنام درندہ سسپنس سے بھرپور رہی۔ ایسے درندے اکثر انسانوں کے خطرہ بن جاتے ہیں۔ عمران قریشی کی محبوب حویلی کا انجام اچھا رہا۔ جو جیسا کرتا ہے، ویسا بھرتا ہے۔ اس کے علاوہ باقی کہانیاں موت کا میلا، کالا ناگ، چڑیل اور شیطان نگری بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ آج کل ڈر کے لیے ایک ناول تحریر کر رہا ہوں۔ کہانی کا پلاٹ تو عرصے سے ذہن میں تھا، بس اب لکھنا باقی ہے۔ دیکھیں، کب خیالات الفاظ کا روپ لیتے ہیں؟ اور آغاز اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔ اگلے ماہ تک اجازت، اللہ حافظ

☆☆ شعیب صاحب: نئی کہانی کے لئے آپ سوچ رہے ہیں اس کے لئے شکریہ مگر ہر ماہ کہانیاں بھیجنا بھول نہ جایئے گا کیونکہ بہت

سارے لوگ آپ کو ”ہر ماہ“ پڑھنا چاہتے ہیں۔

مہر پرویز احمد دولو میاں چنوں سے، سرورق کی حسینہ دو کھوپڑیوں کا منہ چڑا کر بڑے نخرے سے نیلی آنکھوں کے متوالے پن سے اپنے سادہ مگر دل میں گھر کے لینے والے حسن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ قرآن کی باتیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو گیا۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیات میں شراب، جوا اور پانسے پھینکنے کو حرام قرار دیا، خطوط میں ایس حبیب خان نے خوب محنت کی مسز فرحین حامد کی محبتوں کا مشکور ہوں، نینا خان یاد فرمانے کا شکریہ، بتول فاطمہ آپ کی چاہتوں کے طفیل کچھ پڑھنے کے قابل ہوا ہوں، محترم احسان الحق صاحب آپ کے کلمات میرے لئے نشان پاکستان سے کم معتبر نہیں۔ آپ جیسے سینئر ادیبوں کا تراشا ادب پڑھ کر کچھ پڑھنے لکھنے کے قابل ہوا ہوں۔ آپ کی محبتوں کا بہت ممنون ہوں، اچھا ادب تخلیق کرنے کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا پلاٹ حقیقت پرمبنی ہوتا ہے جسے آپ اور دیگر ملکر ادیبوں نے پسند فرمایا۔ شکیل نیازی صاحب نے آنے والے حالات کو اور وہ بھی خلا میں بڑے خوبصورت انداز سے روشنی ڈالی، پریشانی کی باوجود ویلا جین کا خاندانی غرور عروج پر تھا۔ شیخ ثناء اللہ کے سنگ چور نے رام پال جیسے خاندانی سپیرے کو موت کی نیند سلا دیا۔ مریم فاطمہ کے بھوت کو جان کا دشمن ہونے کے باوجود لیزا سے موزی اور شینا نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا، یہ ہے انسانیت، اے وحید کا ردلو کا کڑوی کسیلی، سبق آموز اور پیار ومحبت سے لبریز نصائح سمیٹتا ہوا اپنے اختتام کو پہنچا، گمنام درندہ نے آخر کار بداعمالی پر موت کا ذائقہ چکھا طارق محمود کیموری خوبصورت تحریر تھی۔ اگرچہ اس کی وجہ سے ارباز خان اور یگر کومت کا راہی بننا پڑا مگر شہباز نے مرحوم سے کیا وعدہ پورا کیا اور اس خونی مورتی سے جان چھڑائی۔ نینا خان کی حاسدہ میں سگی بہن کی غلط رہنمائی نے بھائی کا لخت جگر قتل کروا دیا، رانا عامر صاحب نے بڑے خوبصورت انداز میں شیطان نگری کا نقشہ کھینچا ہے۔ عمران قریشی نے لالچ بری بلا پر اصلاحی بیان تحریر کیا ہے۔ رشتے کھو کر حویلی پانا، گھاٹے کا سودا ہے۔ اب اجازت میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ مزید ترقی کرے۔

☆☆ مہر پرویز صاحب: خلوص نامہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی۔ جناب میں کسی کو حکم تو نہیں دے سکتا لیکن التجا تو کر سکتا ہوں، کیونکہ کچھ رائٹرز کی تحریریں اگر شمارے میں نہ ہوں تو عجیب سا لگتا ہے، اور ہر انسان اپنوں سے ہی کسی خواہش کا اظہار کرتا ہے، خیر آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ کا انتظار رہے گا۔ Thanks۔

ماسٹر محمد خالد عباس ننکانہ صاحب سے، محترم ایڈیٹر صاحب، قارئین سب کو میری طرف سے سلام قبول ہو مگر اب ہمت کر کے آپ کو خط لکھ رہا ہوں اس دفعہ ڈر ڈائجسٹ کی تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں اشعار اور غزلیں بھی بہت اچھی تھیں محمد حنیف شاکر، ڈاکٹر عامر شہزاد، نینا خان، مریم فاطمہ اور خدیجہ فاطمہ اچھا لکھ رہی ہے میری دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ خوب سے خوب ترقی کرے (آمین)

☆☆ خالد صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید خط لکھنے اور کہانیوں کے لئے شکریہ قبول کریں۔ اور قوی امید ہے کہ ہر ماہ نوازش نامہ بھیج کر شکریہ کا موقع دیں۔

محمد اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم، خیر وعافیت اور نیک دعاؤں کے ساتھ حاضر ہوں، فرصت ملی شہر جانے کا سوچا جب بک اسٹال پر پہنچا تو نئے سال 2018ء ماہ جنوری کے تازہ پرچے سے اچانک ملاقات ہوگئی سرورق بڑے کمال کا تھا، جنوری کا ڈر ڈائجسٹ کسی پھولوں کے گلدستہ سے کم نہیں تھا ویسے بھی پرچے کا اپنا ایک معیار ہے۔ اندر جھانکا تو رنگ برنگی تحریروں سے ملاقات ہوگئی قرآن کی باتیں اچھا سلسلہ ہے قارئین کے خطوط پڑھ کر ڈر ڈائجسٹ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے ایسے کامیاب پرچے کو چلانا آپ ہی کا کام ہے۔ غزل اور خطوط میں خط قوس قزح میں تعاون کرنے کا بہت بہت شکریہ نیا آنے والا سال ڈر ڈائجسٹ کے لیے خدا کرے اچھا ثابت ہو۔ آج موسم بہت خوشگوار ہے دھوپ کی کرنوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اس بار غزلوں کا سلسلہ کچھ بہت ہی مختصر تھا۔ کہانیاں اپنے لحاظ سے اچھی تھیں ویسے جن سے میں متاثر ہوا کالا ناگ، نیند، سنگ چور، موت کا میلا، رات سے پہلے وغیرہ وغیرہ۔ پرچہ مقررہ تاریخ تک ملتا ہے۔ زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا پرچے پر ذرا توجہ دیں تو بہتر ہو جائے گا۔ سرورق پرچے کی جان ہوتا ہے۔ بے شک آپ دور ہیں مگر خط سے آدھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ جاتے ہوئے سال میں آپ نے میرے ساتھ تعاون کیا میں آپ کا بے حد مشکور ہوں، امید کرتا ہوں کہ نیا سال 2012ء میں بھی آپ میرے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔

☆☆ اسلم صاحب: آپ کا خط ہر ماہ چاہت بھرا ہوتا ہے جسے پڑھ کر خوشی ہوتی ہے۔ یہی اخلاق ہے انسانیت ہے کہ دوسرے خوش

ہوں، انسان چلا جاتا ہے اور سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے۔ آئندہ ماہ بھی چاہت بھرے خط کا انتظار رہے گا۔ Thanks۔

مجب گل اداسی ٹنڈو الہ یار سے، امید ہے کہ تمام اسٹاف اور قارئین کرام خیر و عافیت سے ہوں گے۔ نیا سال آ گیا، سردی آ گئی، ڈر ڈائجسٹ میں چاند زیب عباسی کی واپسی آ گئی۔ ہمارے محلے کے غفور بھائی کے سر کے بال آ گئے۔ سب کچھ آ گیا لیکن افسوس! افسوس! افسوس! پانچ مہینے پہلے میری بھیجی گئی کہانیاں ڈر ڈائجسٹ میں نہیں آئیں۔ مانا کہ میری رائٹنگ کچھ ٹھیک نہیں ہے لیکن اتنی بھی بری نہیں کہ کسی کو سمجھ میں نہ آئے۔ پلیز پلیز میری کہانیاں ڈر کے کسی کونے میں لگا دیں۔ آئندہ میں اپنی رائٹنگ میں امپروو (improve) لانے کی پوری کوشش کروں گا۔ آخر میں اپنی کہانیوں کے لئے ایک شعر عرض کروں گا۔

بہت دیر سے در پہ آنکھیں لگی تھیں
حضور نے آتے آتے بہت دیر کردی

☆☆ مجب گل صاحب: آپ کی کہانی بھی آئے گی، فکر نہ کریں، دراصل آپ کی رائٹنگ سے کمپوزیٹر پریشان ہوتے ہیں۔ آپ ذرا کوشش کریں تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے، پہلے کہانی لکھیں پھر اس کو ری رائٹ کریں تو بہتری آ سکتی ہے۔

عبدالعزیز بلوچ کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے ڈر کا پورا اسٹاف سارے لکھاری و قارئین حضرات خیریت سے ہوں گے۔ نئے سال کا پہلا شمارہ ایک خوب صورت سرورق کے ساتھ 25 تاریخ کو ملا، شمارے میں سب سے پہلے قرآن کی باتیں اور دوستوں کے خطوط پڑھے جو کہ بہت خوب رہے، کہانیوں کی فہرست میں شکیل نیازی کی نیند اچھی اسٹوری رہی، سنگ چور، شیخ ثناءاللہ بہت خوب، بھوت مریم فاطمہ آپ نے تحریر بہت اچھے انداز میں لکھا۔ گمنام درندہ ایس امتیاز احمد صاحب آپ کی ہر کہانی بہترین ہوتی ہے۔ مورتیاں، طارق محمود بھائی آپ بہت ہی خوب لکھتے ہیں۔ اب نیک دعاؤں کے ساتھ سب دوستوں کو اللہ حافظ۔

☆☆ عبدالعزیز صاحب: خط لکھنے کہانیوں کی تعریف اور آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنے کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔

محمد حنیف شاکر ننکانہ صاحب سے، السلام علیکم! جناب اس دفعہ مورخہ 21 دسمبر کو ہی بک اسٹال سے جنوری کا شمارہ خود جا کر پکڑا، ٹائٹل پر نظر پڑی تو اس بار واقعی ڈر سا آ گیا۔ سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہانیوں کے عنوانات والے صفحہ کو دوست میں کھنگال لیا، قرآن کی باتیں پڑھنے پر روح تازہ ہو گئی، خطوط کے صفحات کو مکمل دل جمعی سے پڑھا۔ سب نے اپنے اپنے انداز خوب بیان کئے۔ شرف الدین جیلانی صاحب آپ نے میری بھانجی کے لئے دعائے خیر کرنے پر جناب کا بہت بہت مشکور ہوں، اللہ پاک آپ کو اس کا اجر عطا کرے، شہباز احمد کے والد صاحب کو اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ سب غزلیں اپنی مثال آپ ہیں ان میں چھپے پیغامات سمجھنے والوں کو بہت کچھ سمجھا جاتے ہیں۔ قوس قزح میں صائمہ امجد اور چوہدری محمد کامران کے اشعار دل کو اچھے لگے۔ جناب! اس بندہ ناچیز کا لیٹر اور غزل شائع کرنے کا شکریہ، اس بار ڈاکٹر عامر شہزاد کی کہانی شیطان نگری واقعی شیطان نگری ہے۔ نینا خان کی ''حاسدہ'' حسد سے بھرپور ہے۔ ''بھوت'' مریم فاطمہ کے قلم سے نکلا ہوا تیر اپنی مثال آپ ہے۔ ''نیند'' شکیل نیازی صاحب کی ''سنگ چور'' شیخ ثناءاللہ کی، ردلو کا اے وحید کی، ''گمنام درندہ'' بہت اچھی اسٹوریاں ہیں۔ اشتیاق احمد کی ''چڑیل'' اور فاطمہ خان کی ''موت کا میلہ'' زبردست رہیں۔

☆☆ حنیف صاحب: خوش ہو جایئے آپ کی کہانی آسیبی مسکن شامل اشاعت ہے۔ محنت جاری رکھیں، بہت جلد لکھاری بن جائیں گے۔

محمد اسحاق انجم قصور سے، السلام علیکم! سال نو 2018ء کا ڈر ڈائجسٹ میرے سامنے اپنے روایتی ٹائٹل کے ساتھ ہے۔ 19 سال اور چار ماہ کا ساتھ واقعی بہت اچھا چل رہا ہے اب تو ڈر ڈائجسٹ کو ساتھ چلتے ہوئے بچے جوان ہو گئے اور کچھ اپنے پاؤں پر کھڑے نئی منزل کی جانب گامزن ہو رہے ہیں۔ ایس حبیب خان کا تبصرہ خوب سال بھر کا رہا۔ شمارہ جنوری میں شکیل نیازی صاحب کی تحریر نیند بہت پسند آئی، دیگر تحریروں میں سنگ چور، بھوت، گمنام درندہ، مورتیاں، محبوب حویلی، موت کا میلا، چڑیل بھی اچھی تحریریں ہیں۔ ردلو کا اختتام کو پہنچی۔ جناب ملک نعیم ارشاد صاحب بھی ''اندھیرے سے اجالا'' لے کر حاضر ہوئے، پہلی قسط خوب رہی اور آئندہ کا انتظار رہے گا۔ شہزادہ چاند زیب عباسی صاحب جب بھی آتے ہیں نئی تحریر لے کر آتے ہیں اس بار آستین کا سانپ لے کر آئے ہیں اچھا انداز ہے پسند آئی! تمام دوستوں کو خلوص دل سے محبت بھرا اسلام، اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں! شکریہ اجازت!

☆☆ اسحاق صاحب: ہم نے آپ کو دعاؤں میں یاد رکھا ہوا ہے۔ آپ بھی ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا، کیونکہ دعاؤں سے

بڑھ کر کچھ نہیں، آئندہ بھی خلوص نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

اسد اللہ بھکر سے، السلام وعلیکم ماہ جنوری 2018 کا شمارہ سامنے پڑا ہے۔ سرورق مزید محنت طلب تھا غور کیجئے گا، قرآن کی باتوں سے دل کو کافی حد تک سکون پہنچا۔ شمارے کی اول تحریر شکیل نیازی کی کہانی نیند زبردست رہی ویسے کہانی کا مرکزی خیال انگلش پکچر (Passenger) کی طرح تھا غور کیجئے گا۔ ردلو کا اے وحید صاحب کی آخری قسط بہت شاندار رہی۔ آخری کہانی آستین کا سانپ چاند زیب کی کہانی خوب رہی جس کے لئے شکریہ قبول کریں تہہ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ احسان الحق صاحب کو کلی صحت عطا فرمائیں۔ تمام اہل اسلام کو Happy New year اگلے ماہ تک اجازت چاہتا ہوں، ایک کہانی میل کر دی ہے پلیز دیکھیے گا، نیز فروری میں میری سالگرہ ہے اس پر بھی غور کیجئے گا آخر میں ڈر کی ترقی کے لئے شب و روز دعا گو! اگلے ماہ تک اجازت۔

☆☆ اسد اللہ صاحب: سالگرہ بہت بہت مبارک ہو ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر جائز کام میں ترقی دے اور خوشیوں سے نوازے، آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ بھیجنا بھول نہ جانا۔

خضر حیات روڈو تھل سے، السلام علیکم! جناب محترم ہمارے پیارے انکل صاحب آپ کیسے ہیں امید کرتا ہوں آپ خیریت سے اور ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے پورے اسٹاف کو سدا خوش سلامت رکھے اور لمبی عمر دے۔ ڈر کے سب قارئین ڈر کے سب رائٹرز اور ڈر کو پڑھنے اور چاہنے والوں کو میرا پیار بھرا اسلام ہو۔ جنوری کے لئے سال کا شمارہ ایک خوبصورت اور خوفناک ٹائٹل کے ساتھ 4 دسمبر کو مل گیا۔ ٹائٹل اتنا خوبصورت اور خوفناک تھا کہ پورے شمارے کو آٹھ چاند لگا دیئے۔ ٹائٹل ایک طرف اور شمارہ ایک طرف، جب شمارے کے اندر گیا تو دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا شمارہ بہت ہی زبردست اور اچھا تھا۔ شمارے میں شامل سب کی سب کہانیاں بہت بہت زبردست، اچھی عمدہ اور زبردست تھیں۔ سب کی سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ فلاں کی کہانی اچھی تھی فلاں کی بری تھیں تو یہ سراسر زیادتی ہوگی۔ اب تک کے لئے اتنا ہی زندگی نے وفا کی تو آئندہ پھر ملاقات ہوگی۔ دعا ہے ڈر دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین

☆☆ خضر صاحب: ہر بات کہنے سے پہلے اسے تولنا چاہئے۔ محترم آپ سے کوئی دشمنی تو نہیں کہ آپ کا خط نہیں لگتا، اگر آپ کا خط دیر سے موصول ہوتا ہے تو اس کا جواب آپ خود سوچئے گا۔

ڈاکٹر رانا عامر شہزاد ننکانہ صاحب سے، جنوری کا شمارہ جلدی مل گیا اس شمارے میں اپنی کہانی شعر اور غزل دیکھ کر خوشی ہوئی، میری کہانی ''روح کی چاہت'' کو پسند کرنے پر ایس حبیب خان، خدیجہ فاطمہ، محمد شعیب اور محمد حنیف شاکر کا تہہ دل سے شکریہ، ہمیشہ کی طرح قرآنی صفحہ پڑھ کر روح خوش ہو گئی، اس بار سرورق بہت خوبصورت اور ڈراؤنا تھا خطوط میں ایس حبیب خان مریم خان، خدیجہ فاطمہ، نینا خان، فاطمہ علی، ماریہ نشاء، ایس امتیاز احمد، احسان الحق، محمد اسلم جاوید، محمد حنیف شاکر، اور محمد شعیب نے بہترین تبصرے لکھے کہانیوں میں شکیل نیازی کی ''نیند'' مریم فاطمہ کی ''بھوت'' ایس امتیاز احمد کی ''گمنام درندہ'' نینا خان کی ''حاسدہ'' عمران قریشی کی ''محبوب حویلی'' فاطمہ خان کی ''موت کا میلا'' اور طارق محمود کی ''مورتیاں'' اچھی کہانیاں ثابت ہوئیں باقی زیر مطالعہ ہیں۔ خیر دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ خوب ترقی کرے۔

☆☆ عامر شہزاد صاحب: معذرت کہ آپ کی کہانی نئے شمارے میں شائع نہ ہو سکی لیکن اگلے شمارے میں وہ ضرور شائع ہوگی۔ بہر حال کہانیوں کی تعریف اور آئندہ ماہ بھی تجزیہ کے لئے شکریہ قبول کریں۔

ملک محمد اقبال مبارک پور ملتان سے، السلام علیکم میں 2007ء سے ڈر مسلسل پڑھ رہا ہوں بس خط و کتابت کا سلسلہ پہلی مرتبہ شروع ہو رہا ہے، ایک انوکھے موضوع کی کہانی لے کر حاضر ہو رہا ہوں، امید ہے آپ اسے ضرور شائع کریں گے۔ شکریہ۔ اگر اس میں کوئی غلطی ہو تو پلیز درست کر لینا، پہلی مرتبہ لکھنے کی کوشش کی ہے، اس کہانی کا نام ہے ''بے چاری'' یا پھر جو آپ کو اچھا لگے۔ وہ رکھ دیں انشا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

☆☆ اقبال صاحب: آپ کی کہانی مل گئی ہے اس کے لئے شکریہ، ابھی پڑھی نہیں، اچھی ہوئی تو اصلاح کر کے شائع ہو جائے گی اور ہاں ہر ماہ خط لکھنا بھولئے گا مت Thanks۔

☆☆

شیطان

ایس امتیاز احمد - کراچی

اچانک لڑکی کے تیور بگڑ گئے اس کی آنکھوں میں شعلے دھکنے لگے خوبصورتی کی جگہ چہرہ کرخت ہوگیا، مترنم آواز کی جگہ اس کے منہ سے بھاری آواز نکلی تو سامنے کھڑا فادر حیران رہ گیا کہ پھر اچانک......

ذہن سے برسوں محو نہ ہونے والی ایک ایسے شخص کی کہانی جو شیطان کا دوسرا روپ تھا

فادر گریگوری نے آ کر فادر جیمز سے سینٹ مائیکل گرجا گھر کا چارج لیا تھا۔ ساری کارروائی مکمل ہوچکی تھی۔ اور اب فادر جیمز قصبے کے نئے پادری کو وہاں کے لوگوں کے بارے میں جزوی طور پر بتا رہا تھا۔ رات نصف بیت چکی تھی۔ اور دونوں راہب کدے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''مجھے سب سے زیادہ جس شخص کے بارے میں تشویش ہے وہ گارتھ ہے'' فادر جیمز نے کہا۔ ''یہ ایک بڑا گھمبیر اور الجھا ہوا مسئلہ ہے اس لڑکی جس کی عمر سولہ سال ہے اس کے لئے عذاب بن گئی ہے۔ اس کی ماں مر چکی ہے اور اس پر دورے پڑتے ہیں ڈاکٹروں کو دکھایا لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ میں نے اس کے باپ پر زور دیا ہے کہ اسے کسی ماہر نفسیات کو دکھائے۔''

فادر جیمز کہتا رہا اور اس کا ذہن اس کی باتوں سے دور پرواز کرتا رہا۔ ''سولہ سالہ لڑکی پر دورے پڑتے ہیں! یہ لفظ بڑا افسردہ اور دقیانوسی ہے۔ نوجوان لڑکیوں پر جو ہسٹریائی دورے پڑتے ہیں۔ وہ عموماً جنسی ہیجان ہوتا ہے۔ جنسی تشنگی جب نکاس کا راستہ نہیں پاتی ہے تو دوسرے رخ اختیار کر لیتی ہے......''

''اچھا، اب میں چلوں'' گریگوری جیمز کی آواز سے چونکا جو اپنی جیبی گھڑی میں وقت دیکھ رہا تھا۔ ''مجھے بہت دور جانا ہے۔''

گریگوری اسے چھوڑنے دروازے تک گیا، وہ رک کر بولا ''اس کا نام سوزن ہے۔''

''کس کا؟'' گریگوری نے پوچھا۔ ''اس لڑکی کا، گارتھ کی لڑکی کا......'' جیمز نے کہا۔

''اوہ، اچھا یہ نام مجھے یاد رہے گا'' گریگوری نے سرسری طور پر کہا۔ اور اس کے روانہ ہونے پر مطالعہ گاہ میں آ کر فوم کی کرسی میں دھنس گیا۔ اس کا ذہن اپنے موجودہ گرجا اور سابقہ جگہ کے مابین موافقت اور مطابقت کے فاصلے ناپنے لگا۔ معاً صدر دروازے کی گھنٹی زور سے چیخی اور وہ اس غیر متوقع مداخلت سے گڑبڑا گیا۔ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔ کہ فادر جیمز اپنی کوئی چیز بھول گیا ہوگا اور اسے لینے کے لئے لوٹ آیا ہوگا۔ لیکن اس نے دروازہ کھولا تو اس کے سامنے ایک لحیم شحیم شخص کھڑا تھا۔

''بے وقت زحمت دینے کی معذرت چاہتا ہوں فادر۔'' اس نے کہا ''مجبوری ہے'' اس نے خفت سے کہا۔ ''لیکن مجبوری ہے اس لڑکی کا معاملہ ہے۔''

لڑکی جو اس کے پیچھے چھپنے کی ناکام کوشش

کررہی تھی اسکول کی طالبہ لگتی تھی اور گریگوری سے نگاہ چرارہی تھی۔ ''اگر واقعی اہم مسئلہ ہے تو کوئی بات نہیں'' گریگوری نے کہااور انہیں اندر لاکر کرسیوں پر بیٹھادیا۔

''تمہارے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم گارتھ ہواور یہ سوسن ہے'' فادر نے دونوں کے چہرے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہاں تو میں تم لوگوں کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

''ہم آپ سے ملنے کے لئے بہت دیر سے باہر انتظار کررہے ہیں'' گارتھ نے کہا ''لیکن میں چاہتا تھا کہ فادر جیمز چلے جائیں، تب اندر آؤں، انہوں نے آپ کوتو کچھ بتادیا ہوگا نا''

''مختصر طور پر بتایا ہے'' گریگوری نے کہا۔

''دیکھئے انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اسے ڈاکٹر کو دکھاؤں کسی اسپیشلسٹ کو، میرے خیال میں انہیں اس کے ذہنی توازن پر شبہ ہے'' گارتھ نے یہ کہہ کر فوراً کہا ''میں انہیں الزام نہیں دے رہاہوں، جو واقعہ پیش آیا اس کے پیش نظر انہیں یہی رائے قائم کرنی چاہئے''

''کون سا واقعہ؟'' گریگوری نے پوچھا۔

''انہوں نے آپ کو نہیں بتایا؟'' گارتھ نے تذبذب سے کہا۔ ''انہوں نے صرف اتنا ہی بتایا کہ......

''گریگوری نے اپنے چہرے پر لڑکی کی تپش محسوس کی، اور کہا۔ ''سوسن اگر دوسرے کمرے میں جائے تو مناسب ہوگا۔''

''نہیں فادر!'' سوسن نے دھیمی، شرمیلی آواز سے کہا ''میں یہیں ٹھہروں گی۔ آپ لوگ مجھ سے کچھ نہ چھپائیں۔''

اس کی جرأت مندی پر حیران ہوکر گریگوری نے کہا ''بہت خوب بہت خوب'' اور گارتھ کی طرف مڑکر کہنے لگا فادر جیمز نے مجھے اتنا ہی بتایا کہ ''سوسن ذہنی طور پر بے حد پریشان ہے اس پر سخت دورے پڑتے ہیں اور انہوں نے اسے کسی ماہر ڈاکٹر کو دکھانے کا مشورہ دیا ہے''

''ماہر نفسیات کو'' سوسن نے اسے ٹوکا۔ ''ہاں اسی کو'' گریگوری نے کہا۔

''انہوں نے بس یہی کچھ بتایا ہوگا آپ کو؟'' گارتھ نے پوچھا۔ ''ہاں اتنا ہی تم لڑکی کو کسی ماہر نفسیات کے پاس لے گئے تھے''

''نہیں'' گارتھ کی بجائے سوسن نے جواب دیا۔

''دیکھئے نا فادر!'' گارتھ جلدی سے بولا۔ ''پہلی بات تو یہ کہ وہ لوگ بہت زیادہ فیس لیتے ہیں اور میں اس کا متحمل نہیں ہوسکتا دوسری وجہ یہ کہ......''

''ڈیڈی'' سوسن اونچی آواز سے بولی۔

''دوسری وجہ یہ کہ یہ میری لڑکی کا ذہنی توازن بالکل ٹھیک ہے میرے یا اس کی ماں کے خاندان میں اس قسم کی بات کبھی نہیں ہوئی ہے تو لڑکی کا دماغ کیسے چل سکتا ہے ارے اس پر پڑنے والے دورے......تو یہ کچھ اور ہی بات ہے۔ میرے ایک رشتے کے چچا تھے ان پر بھی کبھی تشنج کے دورے پڑتے تھے۔ سوسن کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ چنانچہ میں نے اسے ایک نہیں دو ڈاکٹروں کو دکھایا انہوں نے اس کا تفصیل سے معائنہ کیا......''

''کیا کہتے ہیں''

''لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا'' گارتھ نے اپنی بات جاری رکھی ''ٹھیک'' گریگوری نے کہا۔ ''انہوں نے کیا بتایا۔''

''کچھ نہیں۔'' گارتھ بولا۔

''انہوں نے کہا کہ مجھے کسی ماہر نفسیات کو دکھایا جائے'' سوسن بول پڑی۔ ''مسٹر گارتھ گریگوری نے کہا ''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پیسے کی کمی راہ میں حائل ہے پیسے درختوں پر نہیں اگتے اور جیسا کہ آپ نے کہا ہے کہ نفسیات کے ماہر بھاری فیس لیتے ہیں۔ اس مسئلے کا ایک حل ہے میرا بہنوئی ایک بڑا ماہر نفسیات ہے اور......''

''نہیں یہ فضول ہے'' گارتھ نے ناگواری سے سر کو جنبش دی۔ ''اس میں حرج ہی کیا ہے''؟ گریگوری

نے کہا ''صرف پیسے کی کمی ہی واحد رکاوٹ نہیں ہے'' گارتھ بولا ''میں اپنی لڑکی کو ایسے ڈاکٹر کے پاس کیوں بھیجوں جو ذہنی مریضوں کا علاج کرتا ہے! میری لڑکی کو تو ایسا مرض نہیں ہے''

''اس میں لڑکی کے ذہنی مریض ہونے یا نہ ہونے کا سوال نہیں ہے ایک ماہر نفسیات......'' گارتھ نے ہونٹ بھینچ کر اور آنکھیں بند کرکے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ نہیں، وہ کہنے لگا ''مجھے معلوم ہے یہ دماغ کے ڈاکٹر اپنے دفتروں میں کیا کرتے ہیں۔ یہ انسان کے دل کی ساری بات کھینچ نکالتے ہیں وہ اس سے سب کچھ اگلوالیتے ہیں چاہتے ہیں کہ انسان ہر وہ گندا اور ذلیل خیال ان کے سامنے نکال کر رکھ دے جو اس کے ذہن میں کبھی گزرا ہو۔ یقیناً میں اس عمر کی لڑکی کے ساتھ نہیں ہونے دوں گا میں ہرگز یہ نہیں کروں گا اور فادر! مجھے آپ پر حیرت ہے، کیا کلیسا ایسی باتوں کی اجازت دیتا ہے۔''

''نہیں'' گریگوری نے سادگی سے کہا۔ ''مجھے اعتراف ہے کہ کلیسا اس کی اجازت نہیں دیتا ہے۔'' ''لیکن اس کے بالکل خلاف بھی نہیں ہے، ایک ماہر نفسیات کے سامنے ذہن کی پراگندگی اگلنے اور ایک پادری کے سامنے اعتراف گناہ کرنے میں کیا فرق ہے مسٹر گارتھ!''

''فادر! آپ جانتے ہیں کہ میں سوسن کو اس وقت آپ کے پاس کیوں لایا ہوں؟'' گارتھ نے اچانک بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ ''کیوں؟'' گریگوری نے پوچھا۔

''آج یہ گھر سے بھاگ رہی تھی'' میں نے پکڑلیا تو بولی کہ ''میں ماہر نفسیات کے پاس جاؤں گی کیونکہ تم مجھے اس کے پاس لے جاتے نہیں ہو''

''میں اسے یہاں لے آیا کہ آپ اسے سمجھائیں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ درست ہے'' گارتھ بات ختم کرکے اطمینان سے بیٹھ گیا۔

''کیا درست کہہ رہے ہیں فادر'' سوسن نے معصومیت سے پوچھا۔ گریگوری مسکرایا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ گارتھ بالکل غلط کہہ رہا ہے لیکن اس نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے کہا ''یہ درست کہہ رہے ہیں اور ہم تینوں سر جوڑ کر بیٹھیں گے تو کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا''

''ڈیڈی! اگر آپ انہیں اصل بات بالکل نہیں بتانا چاہتے تو میں بتاتی ہوں'' سوسن چہک کر بولی۔ ''تم بتاؤ گی؟'' گارتھ نے حیرت سے کہا ''جس بات کو میں پچاس سال کا بوڑھا نہیں کہہ سکتا تم بالشت بھر کی چھوکری کہہ دو گی......''

''میں اتنی بچی بھی نہیں ہوں، بہتر ہے آپ فادر کو بتادیں'' سوسن نے اطمینان سے کہا۔

''ایک روز میں اسے فادر جیمز کے پاس لے آیا۔'' گارتھ نے چبا چبا کر بات شروع کی ''اسی مطالعہ گاہ میں وہ اس سے تنہائی میں باتیں کرنے لگا اور میں باہر برآمدے میں انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اندر سے ایک ایسی آواز آئی جیسے کوئی چیز دھم سے گرگئی ہو۔ اور پھر گھٹی گھٹی سی چیخ سنائی دی۔ یہ چیخ سوسن کی نہیں تھی اس لئے فادر جیمز کی ہی ہوسکتی ہے وہ......رک جاؤ...... نہیں نہیں...... کہہ رہے تھے یا اسی قسم کے کچھ الفاظ تھے۔ میں ابھی فیصلہ نہ کرپایا کہ کیا کروں کہ ان کی چیخ بلند ہوئی ''بچاؤ بچاؤ'' میں دوڑ کر اندر گیا تو فادر جیمز کمرے کے وسط میں کھڑے تھے ان کا چہرہ ان کی قمیض کے کالر کی طرح سفید تھا۔ ان کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی وہ گھبرائی گھبرائی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ چند ثانیے بعد وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر باہر نکل گئے۔ اس واقعہ کے چند روز بعد میں نے سنا کہ انہوں نے اپنا تبادلہ کرالیا ہے'

''خیر اس واقعہ سے ان کے تبادلے کا کوئی تعلق نہیں ہے'' گریگوری نے اپنے تجسس پر قابو پاتے ہوئے کہا ''وہ یتیم خانے کا انتظام سنبھالنے کے لئے بہت دنوں سے کوشاں تھے۔ تمہیں اس واقعہ کا کوئی پس منظر کوئی تفصیل معلوم ہے؟''

''نہیں'' گارتھ نے جواب دیا ''البتہ جس وجہ سے میں سوسن کو فادر جیمز کے پاس لایا تھا وہ یہ تھی کہ تقریباً دو ہفتے قبل میں اور سوسن اتوار کو حسب معمول تیار ہوکر چرچ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو اچانک اس نے میرا ہاتھ چھڑایا اور بھاگ کھڑی ہوئی میں اس کے پیچھے دوڑا لیکن یہ ہاتھ نہ آئی گھر آکر میں نے اسے بہت پھٹکار کی لیکن یہ خاموش رہی۔ اگلی اتوار کو اس نے پھر جانے کی کوشش کی۔ کپڑے تبدیل کئے اپنے انداز سے بال سنوارے اور خوشی خوشی میرے ساتھ چل پڑی، لیکن جوں ہی ہم چرچ کے پاس پہنچے یہ پھر بھاگ کھڑی ہوئی اس مرتبہ میں اس کے پیچھے پیچھے گھر پہنچ گیا، چرچ نہ جانے کی لاکھ وجہ پوچھی لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا اس پر میں نے اسے ایک ہلکا سا چانٹا لگایا۔''

''زور سے مارا تھا'' سوسن درمیان میں بول پڑی اور گریگوری مسکرا دیا۔ ''یہی وجہ تھی کہ میں اسے فادر جیمز کے پاس لایا'' گارتھ نے اپنی بات مکمل کرلی۔

''اچھا اب تو بہت دیر ہوگئی ہے ہم اس موضوع پر اسی ہفتے میں کسی دن بات کریں گے'' گریگوری نے کہا اور باپ بیٹی کو رخصت کردیا۔

فادر جیمز کی رپورٹ پڑھ کر بشپ کونارڈ کریمنگر نے ایک گہری سانس لی۔ اپنی رہبانیت کے آغاز سے اس بلند منصب تک پہنچنے کے طویل عرصہ میں وہ پہلی بار ایک راہب کے ساتھ پیش آنے والی اس لرزہ خیز صورتحال سے دوچار ہوا تھا۔ فادر جیمز نے بڑی تفصیل سے اپنے ساتھ پیش آنے والی واردات کا حال لکھا تھا۔

گارتھ کو باہر ٹھہرنے کا کہہ کر اس نے مطالعہ گاہ کا کمرہ اندر سے بند کرلیا۔ دیدہ زیب جلدوں والی ضخیم کتابوں، جدید طرز کے چمک دار فرنیچر اور نظروں کو سکون پہنچانے والے رنگوں کے دبیز پردوں سے مرصع ماحول اور فرحت بخش فضا میں وہ دونوں تنہا رہ گئے۔

''میں چرچ سے نفرت نہیں کرتی'' سوسن بتانے لگی ''لیکن وہاں جانے سے گھبراتی ہوں، نہ جانے کیوں؟ کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ بس، اس کا تصور مجھے خائف کرنے لگتا ہے۔''

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور فادر جیمز ریسیور اٹھا کر ایک خاتون سے باتیں کرنے لگا۔ جو اس سے ایک مسئلہ پوچھ رہی تھی۔ جب وہ ریسیور کریڈل پر رکھ کر مڑا تو اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا سوسن مادرزاد برہنہ کھڑی تھی۔

اس نے اس سے پہلے کسی عورت کو برہنہ نہیں دیکھا تھا...... دودھیائی قمقموں میں سوسن کا کنوارا جسم پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا جسم کی نشیب وفراز ہوش وحواس کو مختل کئے دیتے تھے جیمز کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی۔ اور اس کی آنکھوں پر جیسے دہکتے ہوئے انگارے رکھ دیئے گئے تھے۔

''کپڑے پہن لو'' اس نے بڑی مشکل سے تین الفاظ منہ سے نکالے۔ ''آیئے ہم باتیں کریں'' سوسن نے ایک اجنبی آواز میں کہا ''کچھ کہیں کچھ سنیں'' وہ جیمز کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''لیکن چرچ جانے والے کے بارے میں نہیں بلکہ وہ باتیں جو آپ حقیقت کہنا چاہتے ہیں وہی کچھ کہیں جو آپ کے دل میں ہے کہیے کہ میں کتنی خوبصورت لڑکی ہوں اور میرا جسم کتنا دل کش ہے۔ وہ ساری باتیں اگل دیجئے جو میرا شباب دیکھ کر آپ کے ذہن میں کلبلا رہی ہیں۔ آپ مرد ہیں فادر اور سارے مرد یہی محسوس کرتے ہیں......''

جیمز بے جان بت بنا کھڑا تھا وہ آگے بڑھی اور اس کی گرم گرم سانسیں جیمز کے کانوں کی لوؤں کو جھلسانے لگیں۔ وہ لذت بخش سرگوشی میں ترغیب دلانے کی ایسی ایسی باتیں کررہی تھی جو جیمز نے اپنی ساری زندگی میں نہیں سنی تھیں پھر اس نے جھک کر جیمز کا ہاتھ پکڑلیا اور اسے کتے کی طرح چاٹنے لگی۔ جیمز کے جسم میں ایک برقی رو دوڑ گئی اور اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑالیا تو سوسن نے اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر سینے پر

رکھ لیا اور دبانے لگی۔

''ن...... نہیں...... نہ......'' وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹا تو سوسن نے اسے اپنے لمبے لمبے، پتلے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔ اور اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے پیوست کرکے زبان اس کے منہ میں گھسیڑ دی تو جیمز نے اسے زور سے دھکا دیا تو وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''منافق'' وہ پھر سے قدم فرش پر جما کر بولی ''مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کیجئے آپ کو بھی میری اتنی ہی طلب ہے جتنی مجھے آپ کی ہے اگر آپ کو تحفظ کا یقین ہو یہ یقین ہوگا کہ آپ کا بھانڈا نہیں پھوٹے گا تو آپ مجھے فوراً دبوچ لیں گے مجھے یہیں...... ٹھیک اسی جگہ گرالیں گے'' اس نے فرش پر پاؤں پٹخ کر کہا ''اور وہ سب کچھ کر گزریں گے جس کے لئے آپ کا دل مچل رہا ہے، اس میں کچھ بھی نہ چھوڑیں گے اپنی پوری تسکین کرلیں گے ایک سور کی طرح اپنی تشنگی بجھالیں گے۔ سور کی طرح مجھے جھنجھوڑیں گے اور اپنے پسینے میں مجھے نہلا دیں گے، اپنا آپ میرے اندر خالی کردیں گے، میرے جسم میں اپنی ساری غلاظت بھر دیں گے۔ دوغلے، ذلیل۔'' اور وہ کہتی ہوئی جیمز پر جھپٹ پڑی اور اپنے نوکیلے ناخن اس کی گردن میں گاڑ دیئے۔

''بچاؤ! بچاؤ!'' جیمز دیوانہ وار چیخا۔ جب گارتھ چیخ سن کر کمرے میں داخل ہوا، اور اس نے سوسن کے برہنہ جسم کو گھسیٹ کر جیمز سے جدا کیا تو اس کے ناخنوں کے سرے سرخ تھے۔

جیمز کی روداد پڑھ کر بشپ کونارڈ نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ٹیکسی منگوائی اور سینٹ مائیکل گرجا کا رخ کیا۔ محض اس لئے نہیں کہ اس قصبہ میں ایک جنونی اور خطرناک لڑکی تھی۔ اس لئے کہ وہاں کا پادری ایک جوان عمر آدمی تھا اور فادر گریگوری ایک زمانہ میں نہ صرف کثرت شراب نوشی کے لئے بدنام تھا بلکہ اس کے رسالوں میں چھپنے والے مضامین اس کی آزاد خیالی کے پرتو تھے۔

اس کی غیر متوقع آمد نے گریگوری کی ملازمہ مسز خارلی کو سکتے میں ڈال دیا۔ پھر وہ الٹے سیدھے قدموں گریگوری کو اطلاع دینے چلی گئی وہ بھی بھاگا بھاگا آیا اور اس نے جھک کر بشپ کونارڈ کے ہاتھ تعظیماً چوم لئے۔ دونوں مطالعہ گاہ میں جا بیٹھے اور کونارڈ اس سے اس کے موجودہ ماحول اور کام کے بارے میں پوچھتا رہا۔ رسمی باتوں کے بعد اس نے جیمز کی روداد اسے پڑھنے کے لئے دی تو وہ سناٹے میں آگیا۔ اتنے میں مسز خارلی نے آکر آہستہ سے اسے کچھ کہا تو وہ کونارڈ سے معذرت کرکے اٹھا اور بیرونی کمرے میں چلا گیا وہاں سوسن اس کی منتظر تھی۔

''ہیلو سوسن'' اس نے رسماً کہا۔

''ہیلو فادر'' سوسن نے جواب دیا۔ ''کیسے آنا ہوا'' گریگوری نے پوچھا۔

''میں نے سوچا...... ہوسکتا ہے آپ میری کچھ مدد کرسکیں...... ہم کہیں بیٹھ کر باتیں کرسکیں...... یا آپ جس طرح کہیں'' سوسن کی آواز میں لرزش تھی۔ اور گریگوری بھی لرز سا گیا۔

''تمہارے باپ کو معلوم ہے کہ تم یہاں آئی ہو'' اس نے پوچھا۔ ''جی ہاں!'' سوسن نے جواب دیا۔ ''اچھا تو سوسن تم غلط وقت پر آئی ہو اس وقت میرے پاس ایک مہمان بیٹھے ہیں......'' گریگوری نے بات ختم نہیں کی تھی کہ مسز خارلی نے آکر اسے بشپ کونارڈ کی ایک چٹ دی جس پر لکھا تھا کہ ''وہ سوسن کو اس سے ملوائے''

''میرا خیال ہے کہ وقت اتنا غلط بھی نہیں ہے'' اس نے چٹ جیب میں ڈالتے ہوئے سوسن سے کہا۔ ''سوسن میں تمہیں ہز ایکسلنسی بشپ کونارڈ کریمنگر سے ملواتا ہوں تمہیں اعتراض تو نہیں ہے''

''جی نہیں'' سوسن نے جواب دیا۔ ''تو آؤ'' گریگوری اسے مطالعہ گاہ میں لے گیا، تعارف کے بعد کونارڈ نے اسے جانے کو کہا اور کمرے میں وہ سوسن کے

ساتھ تنہا رہ گیا۔

"میرے قریب آؤ مس" کونارڈ نے کہا تو سوسن بددلی سے آگے بڑھی "تمہارا نام؟"

"سوسن گارتھ"

"میں خدا کے فضل وکرم سے بشپ ہوں۔ کیا یہی تمہارے مجھ سے گفتگو کرنے کا انداز ہے۔"

"جی نہیں...... یور...... ایکسی لینسی۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم ایک بری لڑکی ہو"

"میں ایک بری لڑکی ہوں، گندی زبان والی، گندے خباثت بھرے خیالات والی، خطرناک، شوریدہ سر، جس نے اپنے روحانی مشیر پر حملہ کیا اور جو چرچ کے دروازے سے یوں بدکتی ہے جیسے وہ جہنم کا دروازہ ہو کیا یہ سب درست ہے؟"

"درست ہے یور ایکسی لینسی۔"

"یہ بھی درست ہے کہ تم نے خدا کے نمائندے پادری کو گناہ کی ترغیب دی؟ اپنے ناپاک ہاتھوں سے اس کے جسم کے تقدس کو پامال کیا؟ اس کی ذات سے گناہ کی باتیں منسوب کیں؟"

سوسن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ ساری ہولناک باتیں درست ہیں؟ جی ہاں......"

"میری طرف دیکھ کر بات کرو" سوسن نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "سب کی سب بالکل درست ہیں۔"

کونارڈ اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے پرے پرے ہاتھ پیچھے باندھ کر چلنے لگا۔ پھر اس سے مخاطب ہوا "تمہیں یہ ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ میں تم سے جو باتیں کہہ رہا ہوں یہ وہ نہیں ہیں جو تم سے تمہارے باپ تمہارے اسکول کی سہیلیوں یا کسی پادری نے کہی ہیں تم اپنے بشپ کے روبرو ہو"

سوسن نے جھکا ہوا سر اثبات میں ہلایا۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کونارڈ نے حکم دیا اور وہ کھڑی ہوگئی۔ میرے قریب آؤ" وہ اس کے قریب چلی گئی۔ "میرا ہاتھ تھام لو" اس نے کونارڈ کا ہاتھ تھام لیا۔

اب کونارڈ بولا۔ "یہ دروازہ دیکھ رہی ہو وہ نہیں جو باہر جاتا ہے یہ دوسرا دروازہ جو سیدھا چرچ میں جاتا ہے تم اور میں ہاتھ میں ہاتھ دیئے اس دروازے سے چرچ میں جائیں گے"

"نہیں" سوسن نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا لیکن کونارڈ نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ "میں بشپ کی حیثیت سے تمہیں حکم دیتا ہوں" وہ گرجا۔

"نہیں...... نہیں...... میں نہیں جاؤں گی......

نہیں جاسکتی" اس نے زور لگا کر ہاتھ چھڑایا اور بیرونی دروازے کی طرف بھاگی۔ وہ باہر سے بند تھا گریگوری کنڈی چڑھا گیا تھا سوسن نے پوری طاقت سے اسے کھولنا چاہا اور ناکام ہوکر ڈھیلے سے فرش پر گر پڑی۔

کونارڈ نے ایک گہرا سانس لیا۔ جس دروازے کا اس نے کہا تھا وہ کچن میں جاتا تھا چرچ میں نہیں وہ پادری کی رہائش گاہ سے کافی دور تھا لیکن سوسن کو شاید یاد نہ رہا تھا۔ یا وہ دہشت زدہ ہوگئی تھی۔ کونارڈ نے جھک کر اسے اٹھایا اور ایک کرسی پر بٹھا دیا، اور خود بھی اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"تم ان ساری باتوں کو درست بتاتی ہو" اس نے ملائمت سے کہا "درست ہوں گی لیکن تم بری لڑکی نہیں ہو بالکل نہیں ہو۔"

"ہوں...... میں ہوں" سوسن منمنائی۔

"یہ کیسے ممکن ہے ڈیئر! تم یہ کہتے ہوئے لرز رہی ہو۔ ایک انسان متاسف نہیں ہوتا ہے تم نے ایسی باتیں کیوں کیں؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"کیا تم بتاسکتی ہو کہ ایسی باتیں کرتے ہوئے تم نے کیا محسوس کیا"

"کچھ یوں محسوس ہوتا ہے...... جیسے میں نہیں کوئی اور ہے"

کونارڈ اپنی کرسی پر پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا اب اس کی سمجھ میں سب کچھ آگیا تھا "آؤ ایک کھیل کھیلیں" اچانک اس نے کہا "کھیل؟"

"ہاں کھیل" اس نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا "ہم دو سکے لیتے ہیں ایک نصف ڈالر کا اور دوسرا چوتھائی کا۔ تم اپنی آنکھیں بند کرلو اور میں یہ سکے تمہارے بازو سے لگاؤں گا۔ تم بتاتی جانا کہ نصف ڈالر کا کون سا ہے اور چوتھائی ڈالر کا کون سا، سمجھ گئیں اب اپنی آنکھیں بند کرلو"

سوسن نے آنکھیں بند کرلیں تو کونارڈ نے چوتھائی ڈالر کا سکہ اس کے بازو سے لگایا "میرا خیال ہے نصف ڈالر ہے" سوسن نے سوچتے ہوئے کہا کونارڈ نے نصف ڈالر اس کے بازو سے لگایا۔

"صحیح اندازہ نہیں ہورہا ہے" سوسن بولی۔

"چوتھائی ڈالر ہے یا پھر وہی نصف......" کونارڈ نے چوتھائی ڈالر کا سکہ جیب میں ڈال لیا اور نصف ڈالر اس کے بازو پر رکھنے لگا۔ وہ اسے کبھی چوتھائی ڈالر بتاتی کبھی نصف، دیر تک یہی تماشا رہا۔ پھر کونارڈ نے دوسرا ہاتھ جیب میں ڈال کر چاندی کی ایک چھوٹی سی صلیب نکالی اور اس کے بازو سے لگادی۔

"آپ نے مجھے جلادیا......" سوسن نے چلا کر آنکھیں کھول دیں "آپ نے کس چیز سے میرے بازو کو داغا ہے کیا تھی وہ؟" وہ دوسرا ہاتھ اس جگہ رکھ کر بلبلانے اور رونے لگی۔ کونارڈ نے اس کا ہاتھ ہٹا کر اس جگہ کو دیکھا تو وہاں صلیب کا صرف معمولی سا نشان تھا۔

کھٹ سے دروازہ کھلا تو گریگوری اندر داخل ہوا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے تشویش سے پوچھا

"سوسن کو تکلیف پہنچی ہے" کونارڈ نے کہا "اگر ملازمہ کے پاس کوئی مرہم وغیرہ ہو تو اس کے بازو پر لگوادو" گریگوری سوسن کو اپنے ساتھ لے گیا اور چند منٹ بعد تنہا لوٹا۔ کونارڈ نے اسے سکے اور صلیب والی بات بتائی۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ اس کی آنکھیں بند تھیں" گریگوری نے ساری بات سن کر کہا "ہاں وہ واقعی بند تھیں" کونارڈ نے جواب دیا۔

"لیکن بند آنکھوں کے باوجود ایک گول سکے اور صلیب میں فرق کرنا چنداں مشکل نہ تھا" گریگوری نے جرح کیا "بازو کی جلد اتنی حساس نہیں ہوتی ہے" کونارڈ نے کہا تو گریگوری نے مزید اس کی تردید نہیں کی۔ "میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ لڑکی پر آسیب ہے اور ہمیں اسے دور کرنا ہے" اس وقت انہیں باہر کے کمرے سے سوسن کے قہقہوں کی آواز آئی اور باہر نکل کر انہوں نے دیکھا کہ وہ کمرے کے وسط میں کھڑی بے تحاشہ ہنسے جارہی ہے۔ سامنے دیوار پر کنواری مریم کی تصویر کا فریم جھول رہا تھا اس کا شیشہ چکنا چور ہوچکا تھا اس پر ایک موٹی کتاب پھینکی گئی تھی جو دیوار کے قریب پڑی تھی۔ انہیں دیکھ کر سوسن واہی تباہی بکنے لگی اور انہوں نے اسے گھسیٹ کر بالائی منزل پر لے جاکر خواب گاہ میں بند کردیا۔

کونارڈ نے اسے اندر بلالیا اور گریگوری نے ازراہ ہمدردی کہا کہ وہ کچھ دیر کے لئے سستالے۔ سوسن بلاچوں وچرا اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ کونارڈ نے گریگوری سے کہا کہ وہ انجیل مقدس کی وہ آیتیں پڑھے جو ابلیس کے بارے میں ہیں۔ گریگوری انجیل لے کر سوسن کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا اور بلند آواز سے پڑھنے لگا۔ جوں جوں وہ پڑھتا جاتا تھا سوسن کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا کچھ دیر بعد وہ دانت کچکچانے لگی اور پھر کچھ دیر بعد اس کے جسم میں اینٹھن ہونے لگی۔

معا وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور اندھا دھند بھاگی وہ سیدھی ایک دیوار سے ٹکرائی اور فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ کونارڈ دروازہ کھول کر چلایا "مسز خارلی! رسی لاؤ"

اگلے چند لمحوں میں وہ رسیوں سے جکڑی ایک مصلوب کی طرح پلنگ پر پڑی تھی، کونارڈ نے اس کے نیچے سے بستر بھی ہٹادیا تھا اور اسپرنگ اس کے جسم میں گھسے جارہے تھے گریگوری نے کتاب وہیں سے شروع کی جہاں چھوڑی تھی سوسن کے حلق سے غراہٹ نکلنے لگی ایک درندے کی غراہٹ جس میں نفرت بھی تھی اور غراہٹ بھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"بند کرو!" اس کے ہونٹوں سے ایک کرخت بڑبڑاہٹ نکلی "بند کرو یہ سوانگ!" گریگوری اور زور

زور سے پڑھنے لگا۔ "یہ کس کی آواز میری نسوں کو پارہ پارہ کیے دے رہی ہے!" سوسن بڑبڑائی اور گریگوری پڑھتا رہا۔

"کون مجھے اذیت پہنچا رہا ہے؟ کون یہ جرأت کررہا ہے" گریگوری پڑھتے پڑھتے رک گیا اور سوسن نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں پھر اس نے پوری آنکھیں کھول دیں اور گریگوری کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ ان کی آنکھوں میں بے پناہ نفرت تھی۔

"گستاخ! کمینے" وہ دانت کچکچا کر بولی۔

گریگوری اطمینان سے پڑھتا رہا "کون یہ حرکت کررہا ہے؟ کس کی شامت آئی ہے؟ اس ذلیل کا نام کیا ہے؟"

"بات صرف تمہارا نام معلوم کرنے کی ہے؟" گریگوری نے کہا "میرا نام......؟" سوسن کے منہ سے نکلا اور وہ فوراً سنبھل گئی "ہاں یہ جاننا تمہارا کام ہے"

"تم کون ہو!" گریگوری نے پوچھا۔ "میں؟ میں کون ہوں؟ کیوں تم تو جانتے ہو میں کون ہوں میں ایک چھوٹی سی لڑکی ہوں پیاری پیاری سی لڑکی۔ سنہرے بالوں والی ایک بچی ہاں، میں ایک بچی ہوں، ایک معصوم پاکیزہ بچی" یہ کہہ کر وہ قہقہے لگانے لگی۔

"بچی" گریگوری نے اس کی بات دہرائی، بچی

سوسن بولی "ایک معصوم بچی تم نے کہا ہے پاکیزہ بچی...... برف کی طرح صاف وشفاف، بے داغ ایک ہلکا سا دھبہ بھی نہیں۔ کیا تم وہی پاکیزہ، بے داغ بچی ہو جس نے فادر جیمو پر دست درازی کی تھی۔"

"جھوٹ...... ہے سب"

"تم اسے جھوٹ بتا رہی ہو"

"ہاں...... ہاں ہر ایک لفظ جھوٹ ہے تم میری بات پر یقین کرتے ہو نا"

"اچھا تو تم سچ سچ بتاؤ اپنے طور پر بتاؤ"

"اپنے طور پر بتاؤں؟ تمہیں سن کر خوشی نہیں ہوگی مجھے یقین نہیں کہ تم اسے سمجھ سکو۔ کیوں نہیں؟ تمہیں ان باتوں کے بارے میں کیا معلوم! تم مرد نہیں پادری ہو"

"میں پادری ہوں اور میں مرد بھی ہوں"

"تو سنو! میرے قریب آؤ! مرد گندگی کا ایک ڈھیر ہوتا ہے جو گندگی کے دوسرے ڈھیر میں ضم ہوجانے کا متلاشی ہوتا ہے" وہ کھوکھلی ہنسی ہنسی اور اسے اس گندگی میں ضم ہوجانے کو وہ بہت خوبصورت نام دیتا ہے اسے محبت...... وجدان کا نام دیتا ہے لیکن...... وہ جھوٹ بولتا ہے وہ ساری غلاظت ہے"

"اور تم؟ کیا تم بھی گندی ہو؟" گریگوری نے اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر کہا "کیوں نہیں میں بھی انسان ہوں۔ نہیں ہوں کیا؟ گندے خیالات رکھنے والی ایک چھوٹی سی لڑکی...... گندگی کا ڈھیر" گریگوری اپنی کرسی پر کسمسایا تو سوسن ہنس کر بولی "پھر کچھ پڑھ کر سنا رہے ہو"

گریگوری کتاب کھول کر پڑھنے لگا سوسن ساتھ ساتھ لقمہ دیتی جاتی تھی "آدمیت گندگی کا دوسرا نام ہے...... چرچ گندگی کا ڈھیر ہے گندگی کا وعظ گھر......"

گریگوری پڑھنے سے باز نہ آیا تو وہ بالآخر بولی "رک جاؤ" وہ پڑھتا رہا۔

"بند کرو" وہ پڑھتا رہا "بند کرو...... بند کرو...... بند کرو...... آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"گریگوری پڑھتے رہو" کونارڈ نے کہا میں گریگوری نے کچھ کہنا چاہا۔

"پڑھتے رہو" کونارڈ نے حکم دیا۔ گریگوری اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔ کونارڈ اس کے پیچھے لپکا اور پھر دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوگئے۔

"آپ اس کی حالت نہیں دیکھ رہے ہیں" گریگوری نے نظریں بدل کر کہا "اگر یہ عمل جاری رہتا ہی ہے تو آپ پڑھیں۔" اس نے کتاب کونارڈ کی طرف بڑھادی۔ "ہاں...... آپ خود پڑھیں! اس کی زندگی سے کھیلنا آپ کا مقصد ہے تو ضرور پڑھیں! لیجیے تھامیے یہ کتاب! کیا آپ یہ جسارت کریں گے؟"

"جسارت" کونارڈ نے کتاب اس کے ہاتھ

سے لے کر فرش پر پٹخ دی "مجھ میں ہے جسارت میں ہر وہ کام کرسکتا ہوں جو میرے اختیار میں ہے تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ میں یہ جسارت کرسکتا ہوں مجھ سے میں ڈھل مل نہیں ہوں اور نہ بزدل ہوں"

معاً کمرے سے سوسن کے قہقہے لگانے کی آواز آئی۔ یقیناً وہ فاتحانہ قہقہے تھے گریگوری نے شکست تسلیم کرتے ہوئے جھک کر کتاب اٹھائی، اسے جھاڑا اور کمرے کی طرف بڑھا کونارڈ بھی پیچھے پیچھے گیا "تم کون ہو؟" گریگوری نے سوسن پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

"تم یہ سوال پوچھ چکے ہو" جواب ملا "کون ہو تم" گریگوری نے لہجہ بدلے بغیر پوچھا "میرا نام سوسن گارتھ ہے عمر سولہ سال، سیکرڈ ہارٹ اسکول میں پڑھتی ہوں میرا گھر......"

پھر گریگوری نے پاس رکھی ہوئی صلیب اٹھا کر اس کے پاس لے جاتے ہوئے کہا "سچ سچ بتاؤ"

"سچ کیا ہوتا ہے" سوسن نے اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا "تم کون ہو، کیا ہو، کیا نام ہے؟" گریگوری نے صلیب اس کے چہرے کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"بس...... بہت ہو چکا" سوسن کراہ کر بولی۔

"میں کہتا ہوں اپنا نام بتاؤ؟"

"بس...... بس...... نام...... میرا نام......؟"

سوسن نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ پانی کونارڈ نے سرگوشی میں کہا اور مسز خارلی پانی لینے دوڑی اس دوران میں گریگوری کہتا رہا "اگر تم نے جھوٹ بولا اور سچ نہ بتایا تو میں تم پر سختی کروں گا بہت زیادہ سختی سے پیش آؤں گا"

مسز خارلی پانی کا گلاس لے کر لوٹی اور اسے سوسن کے ہونٹوں سے لگادیا۔ اس نے لمبے لمبے گھونٹ بھرے اور پانی اس کے چہرے اور کپڑوں پر بہہ نکلا۔

"میں......" سوسن کے منہ سے اتنی نحیف آواز نکلی کہ انہیں کان اس کے منہ کے پاس لے جانا پڑا "میرے کئی نام ہیں۔ صبح کا بیٹا روشنی کا پیغامبر، تاریکی کا شہزادہ، دشمن آدم، خبیث، عفریت، شیطان، ابلیس"

دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آخری زمانے میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے، وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کے لئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے اور ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا (ان کے بارے میں) فرمان ہے: کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں، یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرات کررہے ہیں؟ پس مجھے قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایک فتنہ کھڑا کروں گا جو ان میں سے عقل مندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کر چھوڑے گا۔ (جامع ترمذی)

صدقہ کی مختلف صورتیں

دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچنا صدقہ ہے۔

اندھے کو راستہ بتانا صدقہ ہے۔

مدد کیلئے پکارنے والے کی دوڑ کر مدد کرنا صدقہ ہے

بھٹکے ہوئے کو راستہ بتانا صدقہ ہے۔

راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے

کسی مصیبت زدہ حاجت مند کی مدد کرنا صدقہ ہے

بھوکے کو کھانا کھلانا صدقہ ہے۔

علم سیکھ کر مسلمان بھائی کو سکھانا صدقہ ہے۔

تمہارے درخت یا فصل سے جو کچھ کھائے وہ تمہارے لئے صدقہ ہے۔

نماز کیلئے چل کر جانے والا ہر قدم صدقہ ہے۔

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

گریگوری نے کونارڈ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی "اگر تم شیطان ہو تو اس لڑکی کو اذیت کیوں دے رہے ہو؟" گریگوری سوزن پر جھک کر بولا۔ "اسے اذیت تم دے رہے ہو؟؟" سوزن نے کہا "میری بات کا جواب دو"

"جواب ضرور ملے گا میں نے اس پر قبضہ کرلیا ہے تا کہ اسے خودکشی پر آمادہ کروں۔"

"کیوں"

"اس لئے کہ حرام موت مر کر یہ ہمیشہ کے لئے میری ہوجائے گی"

"یہ تا ابد میرے ساتھ جہنم کی آگ میں رہے گی جہاں وہ بھی ہوگا"

"وہ کون"

"جس نے اس کی عزت پر ہاتھ ڈالا میری؟ میرا مطلب ہے لڑکی کی" گریگوری جلدی سے بولا "یہ نہ پوچھیں تو بہتر ہے"

"تمہیں بتانا ہوگا"

"سنو تم بھی اس لذت سے آشنا ہوسکتے ہو"

"بکواس نہ کرو"

"تمہیں بے حد لطف آئے گا"

"میں کہتا ہوں وہ کون تھا؟"

"تم میرا جواب پسند نہیں کرو گے تم یقین نہیں کرو گے"

"اس کی تم فکر نہ کرو"

"بتاؤ وہ کون تھا؟ یسوع مسیح اور کنواری مریم کے نام پر بتاؤ"

"فادر......"

"جھوٹ ہے" کونارڈ بھیانک آواز سے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر چلایا، باہر بادل زور سے گرجا اور اندھیرے میں بجلی تلوار کی طرح چمکی تند و تیز ہوا کا جھونکا کھڑکیوں کے بند شیشوں سے ٹکرایا، اور دھائیں دھائیں بارش ہونے لگی۔

"یہ سفید جھوٹ ہے سراسر بہتان ہے" کمرے سے باہر نکل کر گریگوری کونارڈ سے کہہ رہا تھا "مجھے یقین ہے فادر جیمز یہ حرکت نہیں کرسکتے"

"تمہیں کس طرح یقین ہے کونارڈ" سرد لہجے میں بولا "خود آپ نے بھی تو اسے جھوٹ کہا ہے؟" گریگوری حیرانی سے بولا "وہ میں نے جوش میں آکر کہہ دیا تھا" کونارڈ نے لاپرواہی سے کہا "لیکن یہ ناممکن ہے" گریگوری نے احتجاج کیا۔

"حیرت انگیز کہو، ناقابلِ یقین کہو لیکن ناممکن نہیں ہے" کونارڈ بولا۔ "یورایکسی لینسی" گریگوری نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا "یہ مت بھولئے کہ یہ بہتان شیطان نے لگایا ہے آپ جھوٹ کے جدِ امجد کی بات مان لیں گے اس کے کہنے کو سچ مان لیں گے"

"یہ ضروری نہیں ہے" کونارڈ نے جواب دیا "لیکن اس کے کہے پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے آؤ چل کر دوبارہ اس کہانی کا تجزیہ کرتے ہیں"

دونوں کمرے میں گئے تو سوزن آنکھیں کھولے اسی طرح پڑی تھی۔ "سوزن" گریگوری نے گہری سنجیدگی سے کہا "اس بارے میں ذرا تفصیل سے بتاؤ وقت کیا تھا، کون سی جگہ تھی"

"اچ...... چھا!" سوزن تمسخر سے بولی "مجھے تمہاری دلچسپی کی وجہ معلوم ہے یہ راہبانہ نہیں تلذذ بخش ہے مزے لے لے کر ہونٹ چاٹ چاٹ کر اس کی تفصیل سنو گے"

گریگوری نے زور سے اسے چانٹا لگایا "گریگوری" کونارڈ چیخا۔ گریگوری نے دوسرا چانٹا لگایا تو سوزن بلبلا اٹھی اس کے منہ سے دبی دبی سسکیاں اور کراہیں نکلنے لگیں گریگوری نے پھر ہاتھ اٹھایا تو کونارڈ نے روک دیا۔

"کیا کر رہے ہو گریگوری" کمرے سے باہر ہوا کے جھکڑ بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور موسلا دھار بارش کا بے ہنگم شور تھا کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ معاً صدر دروازے پر دستک ہوئی "کوئی دستک دے رہا ہے" مسز خارلی بولی۔ "دینے دو" کونارڈ نے جھلا کر کہا۔

"مصلوب مسیح کے نام پر بتادو، کیا واقعی فادر جیمز نے سوزن گارتھ کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا" گریگوری نے گڑگڑا کر سوزن سے کہا کوئی دروازہ زور زور سے پیٹنے لگا۔

"یورایکسی لینسی" مسز خارلی نے کونارڈ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہی "کھٹکھٹانے دو" کونارڈ غرا کر بولا "میں نے فادر جیمز کا نام کب لیا" سوزن نے اطمینان سے کہا گریگوری اور کونارڈ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"تم ہی نے تو فادر کہا تھا" گریگوری نے گھٹنوں کے بل جھک کر کہا "کیا فادر صرف روحانی باپ کو کہتے ہیں؟" سوزن نے بناوٹی حیرت سے کہا۔ "فادر دوسرے معنوں میں بھی تو باپ کو کہتے ہیں"

"اگر وہ فادر جیمز نہیں تھا تو پھر کون تھا؟" گریگوری نے زچ آکر کہا "وہی جو اس وقت دروازے پر دستک دے رہا ہے" سوزن نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ گوریگوری تیزی سے دروازہ کھولنے چلا گیا۔

اس کے سامنے گارتھ کھڑا تھا سوزن کے الفاظ گریگوری کے کانوں میں گونج اٹھے اور وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا "ہٹ جاؤ میرے راستے سے" گارتھ، گریگوری کو دھکا دے کر اندر گھس آیا۔ گریگوری نے دروازہ بند کردیا۔

"کہاں ہے وہ؟" گارتھ گرد و پیش پر نظریں دوڑاتے ہوئے غصے سے بولا "وہ اوپر ہے اور بالکل ٹھیک ٹھاک ہے" گریگوری نے کہا "ذرا میری بات سنو"

"ہاں...... ہاں ضرور سنوں گا" گارتھ دانت کچکچا کر بولا "پہلے مجھے اپنی بیٹی کے پاس لے چلو"

"تمہاری بیٹی! تم اس کے باپ ہو" سوزن کے لئے کون سا باپ بدتر ہے، روحانی یا جس کے نطفے سے اس نے جنم لیا آؤ میرے ساتھ" اس نے گارتھ سے کہا۔

"اگر کسی نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہوگا یا اسے ذرا بھی تکلیف پہنچائی گئی ہوگی تو اچھا نہ ہوگا" گارتھ کہتا جارہا تھا "تو تم دروازہ پیٹ رہے تھے" کونارڈ نے گارتھ کو دیکھ کر کہا۔ "ہاں میں تھا" گارتھ نے کہا اور سوزن پر نظر پڑتے ہی دوڑ کر اس کے پاس گیا "بے بی ان لوگوں نے تمہارا کیا حشر کردیا" سوزن نے کوئی جواب نہ دیا۔ "میری بات سن رہی ہو جان یہ میں ہوں تمہارا ڈیڈی" اس نے یہ کہتے ہوئے پلٹ کر دونوں پادریوں کو دیکھا اور غضبناک ہوکر بولا "تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"مسٹر گارتھ" گریگوری نے کہنا چاہا "اسے نشہ آور چیز پلائی ہے؟"

"اس کا یہ حال کیوں ہے؟" اس نے چلا کر کہا "یاد رکھو کہ تم راہب کدے میں ہو اپنی زبان پر قابو رکھو۔" کونارڈ نے تنبیہ کی۔

"مجھے یہ دھونس مت دو۔ تمہیں یہ حساب چکانا ہوگا" گارتھ نے غصہ سے کہا "کیا تم ہمیشہ اسی طرح دستک دیتے ہو؟؟. کونارڈ بولا بہت تھکے لگ رہے ہو نیچے جا کر آرام کرلو۔"

"نہیں میں سوزن کو گھر لے جارہا ہوں" گارتھ نے سختی سے کہا۔ یورایکسی لینسی کیا آپ باہر آنے کی زحمت کریں گے؟" گریگوری نے کونارڈ سے کہا اور دونوں باہر چلے گئے۔

"اب کیا کرنا چاہئے؟ گریگوری نے کونارڈ سے کہا اور دونوں باہر چلے گئے۔

"اب کیا کرنا چاہئے؟ گریگوری نے کہا" کیا اسے بتادیں کہ کیا کچھ ہوا ہے کیا اس نے اندازہ نہیں لگالیا ہوگا؟" کونارڈ نے جواباً سوال کیا۔ "اچھا تو اب یہ مجھ پر چھوڑ دیجئے آیئے اندر چلیں۔" گریگوری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور دونوں کمرے میں چلے گئے۔

"اس سے پہلے کہ تم ہم سے جواب طلبی کرو، تم اپنے بارے میں بتاؤ۔" گریگوری گارتھ سے مخاطب ہوا۔ "اپنے اور سوزن کے بارے میں اپنے اور اپنی بیوی کے بارے میں چھ سال پہلے تمہاری بیوی مری تھی تو اس کے بعد کیا ہوا تھا؟ وہ کس طرح مری تھی؟"

"پتہ نہیں تم یہ کیا کہہ رہے ہو" گارتھ غرا کر بولا

"کیا مجھ پر کوئی مقدمہ چلایا جا رہا ہے"

"ابھی نہیں" گریگوری نے سرد مہری سے کہا "میں ٹھنڈے دماغ کا آدمی ہوں اور پولیس کو بلوانے سے پہلے تمہاری طرف سے صفائی سننا چاہتا ہوں"

"پولیس؟ میری صفائی؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو" گارتھ لال پیلا ہوتے ہوئے بولا۔ "فون زیادہ دور نہیں ہے میں پولیس کو فون کرنے جا رہا ہوں" گریگوری یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو!" پیچھے سے گارتھ نے کہا گریگوری رک گیا "چھپانے کی کوئی بات نہیں ہے سب کو معلوم ہے۔" گارتھ کہنے لگا۔ "اتوار کا دن تھا میں اپنی بیوی اور سوسن کو لے کر پکنک منانے نکلا۔ سوسن اس وقت دس سال کی تھی جس جگہ ہم گئے ایک پارک سا تھا اور اس کے قریب ہی دریا بھی تھا ہم نے کھانا کھایا اور ایک کشتی کرائے پر لی۔ میں کشتی کھینچنے لگا اور ہم بہت دور نکل گئے سوسن اپنی جگہ نہ بیٹھتی تھی کبھی کھڑی ہو جاتی اور کبھی اچھلنے لگتی میں اسے بار بار منع کرتا رہا لیکن وہ مانتی نہ تھی آخر ہونی ہو کر رہی وہ توازن قائم نہ رکھ سکی اور وہ پانی میں گر گئی میں نے چپو ہاتھ سے رکھ کر اس کے پیچھے چھلانگ لگا دی لیکن میرے جسم کے بوجھ سے کشتی بھی الٹ گئی مجھے اس کا علم اس وقت ہوا جب میں نے اپنی بیوی کی چیخیں سنیں وہ پانی میں بری طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی میں سخت مشکل میں تھا ایک طرف سوسن ڈوب رہی تھی اور دوسری طرف بیوی پانی کے بہاؤ پر تھی میں نے سوسن کو پکڑا تو وہ مجھ سے چمٹ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے بیوی...... گارتھ نے سر جھکایا۔

تو تمہاری بیوی ڈوب گئی" گریگوری کی آواز کمرے کے سکوت کو توڑتی ہوئی ابھری "میں اور سوسن بھی ڈوبنے والے ہی تھے لیکن ایک اور کشتی آ نکلی اور ہم بچا لئے گئے کشتی والوں نے میری بیوی کو بھی بچانے کی کوشش کی لیکن بے سود"

"اب بیوی کے بیمے کے بارے میں بھی بتاؤ" کونارڈ نے کہا۔ "کیا مطلب؟" گارتھ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی کہ تم نے بیوی کی زندگی کا بیمہ کرا رکھا تھا اور اس کے مرنے پر تمہیں معقول رقم ملی" کونارڈ نے کہا۔

"سنو میں اس طرح بیمے کی رقم حاصل کرنے والا دنیا کا واحد آدمی نہیں ہوں......" گارتھ نے کرختگی سے کہا۔

"یہ درست ہے" کونارڈ بولا "تم پہلے آدمی ہو نہ آخری لیکن تمہیں بھاری رقم کے ساتھ ایک اور چیز بھی ملی۔"

"وہ کیا؟"

"سوسن"

"کیا کہا......؟"

"سوسن......" گریگوری نے کونارڈ کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا "تمہیں سوسن مل گئی گھر میں بالکل تنہا، ماں کا کانٹا نکل گیا تھا اس عمر میں بھی وہ بڑے دلکش جسم کی مالک تھی تم اسے دلار سے گھٹنوں پر بٹھاتے تھے"

"ہاں" گارتھ نے خون کے آنسو پیتے ہوئے کہا "ایک باپ ایسا کرتا ہے"

"لیکن تمہارے معاملے میں یہ محض ایک باپ کی بات نہیں تھی" گریگوری نے اس کی بات کاٹی "تمہارے جذبات اس وقت کچھ اور ہی ہوتے تھے"

"تم بکواس کر رہے ہو؟" گارتھ گرجا۔

"جب بیوی نہ رہی تو تم نے سوسن کو اس کی جگہ دینا چاہی" گریگوری اس کی بات سنی ان سنی کر کے کہتا رہا۔ "اور یہی وجہ ہے کہ تم اسے ماہر نفسیات کے پاس لے جانے سے ڈرتے ہو"

"نہیں...... یہ غلط ہے........... سراسر غلط......"

گارتھ دہاڑا۔

"سچ ہے...... بالکل سچ" سوسن کی آواز سے سب چونک پڑے "بیوی کو مرے ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اس نے بیٹی کو ہوس کا نشانہ بنانا شروع کیا"

"سوسی!" گارتھ تڑپ کر چیخا اس سے کہتا رہا۔

"اسے اپنی ماں کی جگہ لینی چاہئے اس کی جگہ گھر کی

مالکن بننا چاہئے اسے ایک مکمل عورت بننا چاہئے......" "سوسن چپ رہو گارتھ پھر دہاڑا۔

"اور اس کے کہنے کے مطابق ایک لڑکی بہت سے طریقوں سے اپنے باپ کے ساتھ اظہار محبت کر سکتی تھی...... تمام طریقوں سے...... چند طریقے اس نے بتائے بھی......"

"ذلیل فتنہ!" گارتھ اچھل کر کھڑا ہو گیا سوسن نے قہقہہ لگایا اور گارتھ نیم جان سا دوبارہ بیٹھ گیا۔ "یہ جھوٹ ہے...... سارا کا سارا جھوٹ ہے" اس نے مری ہوئی آواز سے کہا "اس کی بات پر یقین مت کرو یہ بڑی خبیث اور گندے خیالات کی لڑکی ہے۔ اس نے خود...... خود اسی نے...... مجھے غلط راستے پر ڈالنا چاہا۔"

"کیا کوئی شخص بیوی کے قاتل کی بات مان لے گا" کونارڈ نے اسے گھورتے ہوئے کہا گارتھ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اداس لہجے میں کہنے لگا "ہاں میں جانتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ یہ بات کیسے لگی یہ شروع سے ہی کہہ رہی تھی کہ "تم نے ماما کو مرنے کیوں دیا؟" انہیں تم نے مارا ہے؟ ہاں تم نے انہیں مارا ہے تم نے، وہ زندہ تھیں تو تم ان سے اچھا سلوک نہیں کرتے تھے ان سے نفرت کرتے تھے، چاہتے تھے کہ وہ مر جائیں"

"میں مانتا ہوں کہ میں ایک اچھا شوہر نہیں تھا اور میری بیوی کا ڈوب جانا مشکوک ہو گیا اس کی واحد عینی شاہد سوسن تھی جو کہتی ہے کہ میں نے اس کی ماں کو مار دیا ہے اچھا اب میں اسے گھر لے جا رہا ہوں"

"نہیں۔ تم اسے نہیں لے جاؤ گے" گریگوری بولا گارتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ "دیکھو فادر مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ تمہارے پولیس کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں میں بھی انہیں بتاؤں گا کہ تم نے میری بیٹی کو قید کر رکھا ہے۔"

"یہ اس کی مرضی ہے۔" گریگوری نے کہا "تو اسے باندھ کیوں رکھا ہے، اسے کھول دو یا میں خود کھول دوں" گارتھ بولا۔ "تم ابھی پولیس کے پاس جا سکتے ہو"

گریگوری نے جواب دیا "ہم چاہتے ہیں کہ تم جاؤ۔"

"کیا سمجھتے ہو کہ میں خالی ہاتھ چلا جاؤں گا میں اپنی بیٹی کو لے کر جاؤں گا" گارتھ بولا۔ "تو یہیں ٹھہرے رہو اور جو کچھ ہم کریں اسے خاموشی سے دیکھتے رہو ہم صرف کتابیں پڑھیں گے" کونارڈ نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

گارتھ دھم سے بیٹھ گیا اور گریگوری سوسن کے پاس بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگا وہ دیر تک پڑھتا رہا اور سوسن آنکھیں بند کئے سنتی رہی گریگوری نے کتاب ختم کی اور ایک کونے میں رکھا ہوا عطر پاش اٹھا کر مقدس پانی کمرے میں چھڑکنے لگا۔

"مائی ڈیئر اب تم ٹھیک ہو؟" کونارڈ نے ملائمت سے پوچھا "جی ہاں" سوسن نے نحیف آواز میں بڑی تعظیم سے کہا "یور ایکسی لینسی اب میں، میں بالکل ٹھیک ہوں"

کونارڈ نے پلٹ کر گارتھ کی طرف دیکھا، اس کی کرسی خالی تھی گریگوری بھی اسے غائب دیکھ کر چونکا "گارتھ" وہ پکارتا ہوا کمرے سے باہر نکلا "تم کہاں ہو؟" گارتھ اس کی نظر مسز خارلی پر پڑی جو دو دو زینے طے کرتی ہوئی تیزی سے اوپر آ رہی تھی اوپر پہنچی تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا چہرہ لٹھے کی طرح سفید تھا اور آنکھوں سے دہشت ٹپک رہی تھی۔

"غیبی...... غیبی ہاتھ...... میں نے...... میں نے خود دیکھا اپنی آنکھوں سے دیکھا......" اس کے منہ سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے "کیا دیکھا؟ مسز خارلی تم نے کیا دیکھا" گریگوری نے حیرت سے پوچھا "وہ آسمان سے نکلا اور...... اور...... اسے زمین پر گرا دیا......" مسز خارلی کے ہوش بجا نہ تھے۔

"تم ہوش میں تو ہو" گریگوری نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا "کسے گرا دیا؟"

"اسے...... ابلیس" کو مسز خارلی کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ "اس گارتھ کو" اور وہ بے ہوش ہو کر گریگوری کی بانہوں میں جھول گئی۔

’’یاد رکھیے جو کچھ بھی آپ کہیں گے وہ آپ کے خلاف بطور شہادت استعمال ہوسکتا ہے۔‘‘ پولیس افسر لیفٹیننٹ فریک بیرارڈی نے دوسری یا تیسری مرتبہ کہا۔

’’ہاں میں جانتا ہوں اور اسی لئے بغیر کچھ سوچے سمجھے نہیں کہوں گا‘‘ گریگوری نے نیم مسکراہٹ سے جواب دیا۔ ’’آپ کے خیال میں گارتھ کی موت کس طرح واقع ہوئی؟‘‘ فریک نے پوچھا ’’میں کچھ نہیں کہہ سکتا‘‘ گریگوری نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ’’اور آپ فادر؟‘‘ فریک نے کونارڈ سے پوچھا۔

’’کچھ کہا نہیں جاسکتا سوائے اس کے کہ اس کی موت قدرتی تھی دست غیب نے اسے ہلاک کیا‘‘ کونارڈ بولا۔

’’تو آپ کے خیال میں ہر موت میں دست غیب شامل ہوتا ہے‘‘ فریک نے کہا ’’ہاں‘‘ کونارڈ نے جواب دیا ’’قتل میں بھی؟‘‘ فریک نے چبھتا ہوا سوال کیا ’’تو تمہارے خیال میں گارتھ کو قتل کیا گیا ہے؟‘‘ کونارڈ نے الٹا اس سے سوال کیا۔

’’میرا تعلق پولیس میں قتل کی تفتیش کے شعبہ سے ہے یور ایکسی لینسی الہذا قدرتی طور پر میرے ذہن میں یہ بات آرہی ہے‘‘ فریک بولا۔ ’’اس پر تو بجلی گری تھی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا پاس سے‘‘ مسز خارلی بول پڑی۔

’’بجلی گری ضرور تھی لیکن اس سے کچھ فاصلے پر‘‘ فریک نے بڑی تہذیب سے اس سے کہا ’’دور سے تمہیں یہی نظر آیا ہوگا کہ بجلی اس پر گری ہے کیا آپ نے گارتھ کا سابقہ ریکارڈ چیک کیا؟‘‘ گریگوری نے پوچھا۔

’’کیا مطلب ہے آپ کا فادر؟‘‘ فریک نے بھنویں اٹھا کر پوچھا ’’کوئی جنسی جرم‘‘ گریگوری نے کہا، ’’یا جب اس کی بیوی ڈوب کر مری تھی اس سلسلے میں کوئی تفتیش‘‘

’’اس سے آپ کیا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں؟‘‘

’’یہ ہوسکتا ہے کہ اسے اپنا جرم ظاہر ہوجانے کا خدشہ ہوگیا اور اس نے خودکشی کرلی ہو‘‘

’’ٹھہریئے!‘‘ مسز خارلی اچانک بول پڑی ’’اس طرف تو میرا خیال گیا ہی نہیں جب ہز ایکسی لینسی اور فادر چند لمحوں کے لئے لڑکی کے کمرے سے باہر گئے تھے اور گارتھ وہیں رہا تھا تو میں نے اسے جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالتے اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر منہ میں ڈالتے ہوئے دیکھا تھا اس سے کچھ دیر بعد ہی وہ سڑک پر جاکر مرگیا‘‘

’’شیشی‘‘ فریک چونکا ’’ہاں اس کی جیب سے ایک شیشی برآمد تو ہوئی ہے ٹھہریئے......‘‘ اس نے بڑھ کر فون اٹھایا۔ ’’ڈاکٹر فوسٹر میں فریک برارڈی بول رہا ہوں گارتھ کی جیب سے جو شیشی نکلی ہے اس پر لیبل کیا لگا ہے‘‘

’’لیبل نہیں ہے؟‘‘

’’اچھا تو آپ گولیوں کا کیمیائی تجزیہ کریں اور مجھے بتائیں۔‘‘

’’خودکشی‘‘ اس نے فون بند کرکے زیر لب کہا ’’اس سمت میں تو میرا ذہن گیا ہی نہیں اچھا اب میں اس کی لڑکی سے سوالات کروں گا۔‘‘ لیفٹیننٹ نے کہا۔ ’’لڑکی ابھی تمہارے سوالوں کا جواب دینے کے قابل نہیں ہے اسے تو اب تک اس کے باپ کی موت کا بھی نہیں بتایا گیا کچھ بھی ہو میں اس سے ملوں گا‘‘ فریک نے کہا۔

’’تم اس وقت اس سے نہیں مل سکتے! گریگوری نے سختی سے کہا۔ ’’وہ آسیب کے زیر سایہ رہی ہے اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے‘‘ کونارڈ نے مداخلت کی۔

’’میں پولیس والا ہوں جناب‘‘ فریک نے طنز سے کہا ’’ہم لوگ ہر کام روحانیت کے ذریعے نہیں کرتے ہیں‘‘

’’بہر حال تم اس سے نہیں مل سکتے‘‘ گریگوری نے عزم سے کہا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

’’تم اس وقت راہب کدے اور بشپ کے

روبرو ہو لیفٹیننٹ۔‘‘ کونارڈ نے گھمبیر لہجے میں کہا

’’میرے راستے سے ہٹ جاؤ‘‘ فریک اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے گریگوری سے بولا ’’میں اپنا فرض ادا کرنے جارہا ہوں کیا یہ ممکن ہے کہ گارتھ نے خودکشی کی ہو اور اسے زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہو۔‘‘

معاً گریگوری کے ذہن میں ایک بجلی سی کوندی اور اس کی چمک میں اسے فادر جمو پر سوسن کا حملہ یاد آیا۔ پھر اس کی گارتھ سے نفرت اس میں شامل ہوگئی وہ ابھی فیصلہ نہ کرپایا تھا کہ وہ فریک کا راستہ چھوڑ دے یا اسے بخوشی اندر جانے نہ دے کہ صدر دروازے کی گھنٹی بجی۔

’’گھنٹی نے آپ کو ناخوشگوار واقعہ سے بچالیا ہے فادر‘‘ فریک زہر خند سے بولا ’’میرا کوئی آدمی آیا ہوگا میں ابھی آتا ہوں، اور آکر سیدھا لڑکی کے پاس جاؤں گا‘‘ وہ دھم دھم کرتا گیا اور جب لوٹا تو اس کے ساتھ فادر جمز تھا۔

’’اوہ فادر! اچھا ہوا، آپ آگئے، یہاں بڑے عجیب واقعات ہورہے ہیں‘‘ مسز خارلی اسے دیکھتے ہوئے بڑی بے تابی سے آگے بڑھی اور اس کا ہاتھ چوم لیا۔ گریگوری نے لب بند اس سے ہاتھ ملایا۔

کونارڈ نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا ’’جمز میرے بچے کیسے آنا ہوا؟‘‘

’’میں اعتراف کرنے آیا ہوں‘‘ جمز نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا کمرے میں سکوت چھا گیا کونارڈ اور گریگوری کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

’’گارتھ ایک روز میرے سامنے اعتراف کرنے آیا تھا‘‘ جمز کہنے لگا ’’جمز‘‘ کونارڈ دھاڑا۔ ’’میں جانتا ہوں یور ایکسی لینسی کہ کلیسا کے مقدس قوانین سے انحراف کررہا ہوں‘‘ جمز کہتا رہا ’’لیکن میں مجبور ہوں‘‘

’’تم ایک کیتھولک میسیحی کا راز فاش کرنے کا گناہ کررہے ہو، اس نے تم پر روحانی باپ کی حیثیت سے اعتماد کیا تھا‘‘ کونارڈ نے غرا کر کہا ’’بیان جاری رکھیے فادر‘‘ فریک نے جمز سے کہا۔

’’وہ اپنے سینے پر کئی سالوں سے ایک بوجھ لئے پھر رہا تھا جسے وہ اعتراف گناہ کرکے ہلکا کرنا چاہتا تھا‘‘ جمز نے بات جاری رکھی ’’اس نے بتایا کوئی چھ سال قبل اس نے اپنی بیوی کو دریا میں ڈبو دیا تھا تاکہ اس کی زندگی کے بیمے کی رقم دس ہزار ڈالر حاصل کرلے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ تنہا اس رقم کا حقدار ہے تو اس نے بتایا کہ اس کی لڑکی اس میں برابر کی شریک ہے۔ میں نے اس سے نیک چلنی کی ضمانت طلب کی اسے باقاعدگی سے گرجا میں آتے جاتے رہنے اور اپنے گناہ کی معافی مانگتے رہنے کو کہا اور اس کا گناہ بخشے جانے کی دعائیں دے کر رخصت کیا لیکن اس کے جاتے ہی ایک انجانا سا خوف میرے ذہن کے آس پاس منڈلانے لگا وہ اس رقم کا واحد حقدار نہیں تھا اور سوسن اس کی لڑکی اس میں برابر کی حصہ دار تھی۔ تو کیا جب وہ دولت کے لئے ایک انسان کو قتل کرسکتا ہے تو دوسرے کو نہیں کرسکتا۔

یہی وسوسہ دن رات میرے ذہن پر چھایا رہا ایک قاتل میری نظروں کے سامنے تھا لیکن میں اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا کیونکہ کلیسا کے قوانین کے مطابق میں اس کا راز دوسروں پر افشا نہ کرسکتا تھا میں اسے آزادی سے گھومتے پھرتے دیکھتا تو میرے سینے پر سانپ لوٹ جاتے جی چاہتا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں، لیکن بے بسی میرا منہ چڑا رہی تھی۔

آخر مجھ سے نہ رہا گیا تو میں اس کے گھر گیا اور اسے سمجھایا کہ وہ پولیس کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کرلے۔ میرے سمجھانے بجھانے سے اس نے حامی تو بھرلی لیکن خود کو قانون کے حوالے کرنے میں ٹال مٹول کرتا رہا اس کے بعد میرے یہاں سے ٹرانسفر کے احکام آگئے اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ گارتھ سے چھٹکارا ملے گا لیکن اسی وقت میرے تصور کے دریچے میں سوسن آن کھڑی ہوئی اور میں لرز لرز اٹھا میں اس معصوم کو ایک بھیڑیے کے چنگل میں چھوڑ کر جارہا تھا یا

خدایا میں کیا کروں۔

اچانک قدرت کی طرف سے ایک اتفاق پیش آ گیا فادر گریگوری کے آنے پر میں لوگوں سے رخصت ہونے گیا تو کیسٹ لٹنی سی سے بھی ملنے گیا جب وہاں سے چلنے لگا تو اس نے پوچھا ”کیا میں گارتھ کے ہاں بھی جاؤں گا“ میرے ہاں کہنے پر اس نے ایک شیشی دے کر کہا ”میں اسے گارتھ کو دے دوں“ مصروفیت کی بناء پر وہ اس کے گھر نہ جا سکے گا گارتھ دل کا مریض تھا اور اس کا پرانا گاہک تھا میں نے وہ شیشی طوعاً وکرہاً گارتھ کو پہنچادی۔

”کیا اس پر گارتھ کے نام کا لیبل لگا تھا؟“ فرینک نے پوچھا۔ ”ہاں“ جیمز نے کہا ”لیکن اس کی جیب سے جو شیشی ملی ہے اس پر کوئی لیبل نہ تھا“ فرینک نے کونارڈ کی طرف دیکھ کر کہا تو اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ گارتھ نے خودکشی کرلی“ فرینک نے جیسے خود سے کہا ”حالات سے ظاہر تو یہی ہوتا ہے“ گریگوری نے کہا ”اسے اپنا جرم ظاہر ہونے کا خوف ہو گیا تھا“

”یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس کا ضمیر جاگ گیا ہو“ فرینک نے کہا۔

”تم اب بھی لڑکی سے پوچھ گچھ کرنا چاہو گے؟“ گریگوری نے پوچھا۔ ”ہاں لیکن اس وقت نہیں“ فرینک نے جواب دیا۔ ”قانونی کارروائی تو بہرحال پوری کرنی ہے۔“

اس واقعہ کو مہینوں گزر گئے تھے اور سوسن فادر جیمو کی تحویل میں یتیم خانے میں رہ رہی تھی۔ کرسمس کا روز آیا ایسے میں اپنے پرائے سب ہی یاد آتے ہیں۔ گریگوری کو سوسن یاد آئی اور اس نے اسے فون کیا۔ سوسن کی آواز مسرت اور تسکین سے لبریز تھی۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے کہا ”فادر! اگلے سال میں اٹھارہ سال کی ہو جاؤں گی اور نابالغ ہونے کا ٹھپہ مجھ پر سے اتر جائے گا میں اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے لئے آزاد ہو جاؤں گی بیمے کے دس ہزار ڈالر بھی مل جائیں گے“ گریگوری نے تمسخراً کہا۔

”ہاں“ سوسن نے ایک عجیب سنجیدگی سے جواب دیا ”مل جائیں گے“ گریگوری نے اسے پیشگی مبارکباد دی اور حوصلہ افزائی کی چند باتیں کہہ کر فون رکھ دیا۔ پھر اس نے بشپ کونارڈ کا نمبر ملایا۔ اسے کرسمس کی مبارکباد دی، اس سے دعائیں لیں اور اسے اپنی اور سوسن کی گفتگو کے بارے میں بتایا۔

”یور ایکسی لینسی“ اس نے ساری گفتگو بتا کر کہا ”میرے اس رشتے کے بھائی نے جو ماہر نفسیات ہے جس نے شک شبے کا اظہار کیا تھا آج مجھے اس پر کچھ یقین سا آ رہا ہے“

”اس ماہر نفسیات کا کہنا تھا کہ“ ”گارتھ نے خودکشی نہیں کی اس کی جیب میں گولیوں کی شیشی بدل دی گئی۔ اس کی جگہ زہر کی شیشی رکھ دی گئی اب دیکھیے نا فادر جیمو کو اسے شیشی دیئے ہوئے کئی روز گزر گئے تھے اگر وہ غلط شیشی ہوتی تو وہ کب کا مر چکا ہوتا، زہر کی شیشی اس کی جیب میں اس کی موت سے ایک آدھ دن یا چند گھنٹے پہلے ڈال دی گئی۔“

”لیکن یہ کون کرسکتا تھا؟“

”کیا سوسن......؟“ کونارڈ نے پوچھنا چاہا۔

”ہاں سوسن“ گریگوری نے اس کا جملہ اچک لیا۔ ”وہ ایک ذہین لڑکی ہے۔ ماں کی موت نے اسے باپ سے متنفر کردیا تھا اور وہ اس سے انتقام لینے کے مختلف طریقوں پر غور کرتی رہی۔ دوسری طرف اسے بیمے کی رقم کا بلاشرکت غیرے مالک بھی بننے کی ادھیڑ بن تھی چنانچہ اس نے ایک طویل اور پیچیدہ منصوبہ تیار کیا اور اس میں اپنا کردار بڑی کامیابی سے ادا کیا، قانون اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا...... کچھ نہ بگاڑ سکے گا، شیطان نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ شیطان اس کے اندر موجود تھا یعنی وہ خود شیطان تھی۔

روح کا انتقام

صائمہ شاہد-ٹوبہ ٹیک سنگھ

وہ رات طوفانی اور خوفناک تھی بجلی کڑک رہی تھی بادلوں کی گرج نے دلوں کو دہلا کر رکھ دیا تھا اور اس پر بارش نے اور بھی غضب ڈھا رکھا تھا کہ......

ایک روح کا خونی انتقام اس نے لوگوں کو دہلا کر رکھ دیا تھا......دل گرفتہ کہانی

وہ اک طوفانی اور خوفناک رات تھی۔ بجلی کڑک رہی تھی۔ بادلوں کی گرج دلوں کو دہلا رہی تھی۔ تیز بارش تو یوں برس رہی تھی کہ آج کی رات سب کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے جائے گی۔ بجلی چمکتی تو ایک پل کو منظر روشن ہو جاتا۔ اس محل نما حویلی کے وسیع و عریض لان میں کھڑے طویل درخت خوش نما منظر پیش کرتے، مگر جب اندھیرا چھا جاتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے لمبے اور طویل قد کے بھوت آپس میں سر جوڑے بین کر رہے ہوں۔

حویلی کی اوپری منزل میں طویل قطاروں میں بیڈ رومز میں سے ایک بیڈ روم میں وہ دونوں تھے۔ یہ رات بے شک خوفناک تھی مگر ان دونوں کے لئے یہ ایک حسین اور یادگار رات تھی۔ یہ وہ رات تھی کہ جس کے خواب دیکھے جاتے ہیں۔ زندگی بھر جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

آج کے دن لارڈ ولیم کی بیوہ میرانڈا اور اینڈریو کی

میرج کینٹرل میں اور آج کی رات ان کے سپنوں کی رات تھی۔ وہ دونوں خود کو خوش قسمت تصور کر رہے تھے کیونکہ جو انہوں نے چاہا تھا وہ پایا تھا۔ انہوں نے اک دوسرے کو چاہا تھا اور اک دوسرے کو پا بھی لیا تھا دونوں نے بے تحاشہ دولت مند ہونے کے سپنے دیکھے تھے ان کے یہ سپنے بھی تکمیل کو پہنچے تھے۔

میرانڈا ایک حسین ترین عورت تھی اور لارڈ ولیم بے تحاشہ دولت مند تھے اور حسین صورتوں کے اسیر بھی۔ لارڈ ولیم نے میرانڈا کو اک تقریب میں دیکھا تھا اور اس کے حسن کے مریض بن بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنی دولت کے بل بوتے پر جو چاہا تھا وہ پایا تھا، سو انہوں نے مرانڈا کو بھی حاصل کرلیا ویسے مرانڈا ایک حریص اور لالچی عورت تھی مگر اس کی معصوم صورت نے اس کے عیبوں پر پردے ڈال رکھے تھے۔

دراصل اس تقریب میں لارڈ ولیم کا سامنا محض اتفاق نہیں تھا بلکہ یہ ایک سوچا سمجھا گیا منصوبہ تھا۔ مسٹر لارڈ اولاد سے محروم تھے اور دو بیویوں کو طلاق بھی دے چکے تھے۔ تو مرانڈا اور اینڈریو نے سوچی سمجھی سازش کے تحت لارڈ ولیم تک رسائی حاصل کی۔ آخر مرانڈا لارڈ ولیم کی بیوی بن کر اس محل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوگئی۔

آخر اپنی مکاری اور معنوی محبت سے لارڈ صاحب کے دل اور دماغ اور دولت پر قابض بن بیٹھی۔ اس سارے عرصے میں اینڈریو منظر نامے سے غائب ہوگیا۔

اور آخر ایسی ہی اک سیاہ اور طوفانی رات میں دونوں نے مل کر سوئے ہوئے لارڈ ولیم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اپنی چالاکیوں اور مکاریوں سے لارڈ کی موت کو حادثے کا رنگ دینے میں کامیاب ہوگئے۔

اور آج کے دن اک دوسرے کے جیون ساتھی بن گئے اس بات سے بے خبر کہ آج کی رات ان کے لئے روح فرسا بننے والی ہے۔

مرانڈا شاور روم میں اسٹیم شاور لے رہی تھی اور اینڈریو جہازی سائز شاہی بیڈ پر اپنے دونوں ہاتھ دسر کے نیچے لگا کے لیٹا ہوا مرانڈا کا انتظار کر رہا تھا۔

اچانک اس کی نگاہ کھڑکی کی جانب گئی۔ اس نے سوچا برستی بارش کا نظارہ کیا جائے۔ وہ بیڈ سے اٹھ کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کا پردہ سرکایا اور گنگناتے ہوئے لان میں برستی بارش کو دیکھنے لگا۔ اسے یہ طوفانی بارش بھی آج کی رات کی طرح حسین لگی۔

اچانک اسے لگا کہ جیسے لان میں کوئی انسانی وجود ہے۔ اس قدر سرد رات میں کون ہوسکتا ہے؟ سارے ملازم اپنے اپنے کوارٹرز میں دبکے ہوئے تھے ویسے بھی ان دونوں نے لارڈ کے نمک خور ملازموں کو فارغ کر دیا تھا۔ اب گنے چنے ملازم تھے۔ جنہیں آج کی رات اپنے اپنے کوارٹرز میں رہنے کا آرڈر تھا کیونکہ وہ دونوں آج کی رات کسی کی بھی موجودگی نہیں چاہتے تھے۔ اینڈریو نے دوبارہ بجلی کے چمکنے کا انتظار کیا۔

بجلی پھر سے چمکی اور ساتھ ہی بادلوں کی گھن گرج نے دل دہلا دیا۔ مگر اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے تجسس ہوا کہ آخر جو کوئی بھی تھا اتنی جلدی کہاں غائب ہوسکتا ہے......؟"

"خیر جانے دو...... میرا وہم بھی ہوسکتا ہے بس آج کی فسوں خیز رات کے بارے میں سوچو۔" اس نے خود سے کہا اور پردہ گرا کر ٹیبل پہ پڑا میگزین اٹھالیا۔ وہ میگزین کے ورق پلٹنے لگا۔

میگزین کے درمیانی صفحے پہ لارڈ ولیم کی بڑی سی تصویر کے ساتھ لارڈ کے مرنے کی خبر تھی اس کی زندگی پر رپورٹ تھی۔

اینڈریو نے تمسخرانہ نگاہوں سے لارڈ ولیم کو دیکھا۔ مگر اس کی آنکھیں اینڈریو کو خود کو گھورتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اینڈریو نے گھبرا کر میگزین رکھ دیا۔

دفعتاً اسے بیڈ روم کے دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس کے ماتھے پہ ناگواری سے بل پڑ گئے۔ دستک پھر سے سنائی دی۔ وہ بادل نخواستہ دروازے تک گیا۔ دروازہ کھول کر دیکھا مگر کسی کو نہ پا کر واپس پلٹا۔ دستک پھر سے سنائی دی۔ وہ بڑبڑاتا ہوا دروازہ کھول کر کوریڈور میں نکلا مگر کوئی بھی وجود نمودار نہ تھا۔

وہ جھنجھلاتا ہوا سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔ اسے سیڑھیاں اترنے کی چاپ سنائی دی وہ جلدی سے سیڑھیاں اترنے لگا مگر......"

☆......☆......☆

مرانڈا شاور لینے کے بعد خود کو باتھ ٹاول میں لپیٹے، بیڈ روم میں داخل ہوئی۔ اینڈریو اس کی جانب پیٹھ کیے بیڈ پہ بیٹھا تھا اور اس کے ہاتھ میں وہی میگزین تھا جس میں لارڈ ولیم کے مرنے کی خبر تھی۔

"اینڈی...... مائی ڈیئر" مرانڈا نے اسے پکارا مگر وہ بت کی مانند بیٹھا رہا۔ وہ اس کی جانب بڑھی اور پیچھے سے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اس نے پلٹ کر مرانڈا کی جانب دیکھا۔ مگر...... مگر مرانڈا جنونیوں کی طرح چیخنے لگی۔ وہ اندھا دھند اس سے دور ہو کر بھاگنے لگی مگر اسے یوں لگا جیسے وہ کبھی حرکت کر ہی نہ پائے گی وہ اس کے ساتھ چپک کر رہ گئی۔

اینڈریو سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ اسے مرانڈا کے بے پناہ چیخنے کی آواز آئی وہ سب کچھ بھول کر اوپری منزل کی جانب بھاگا، وہ تیزی سے بھاگتا ہوا بیڈ روم میں داخل ہوا۔ مرانڈا بیڈ کے پاس کھڑی بے تحاشہ چیخ رہی تھی۔ اینڈریو نے آگے بڑھ کے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"کیا ہوا ہے ڈیئر......" اینڈریو نے اس سے پوچھا مگر وہ چیختی ہی رہی۔

"ہوا کیا ہے آخر......؟ یہ میں ہوں تمہارا اینڈی...... کیا ہوا ہے تمہیں......؟" وہ ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا۔

"اینڈی......!" وہ سسکتے ہوئے اینڈریو کے گلے لگ گئی۔

"اینڈی......! اینڈی وہ یہاں تھا۔" مرانڈا نے بیڈ کی جانب اشارہ کیا۔

"کون...... کون یہاں تھا میری جان؟"

"وہ...... وہ یہاں بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے جکڑ لیا تھا۔ میں نے خود اسے دیکھا تھا۔ وہ زندہ ہے...... وہ زندہ ہے......" مرانڈا مسلسل چیخ رہی تھی۔

"مگر یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"میں نے خود دیکھا تھا اسے...... وہ...... وہ...... ولیم تھا یہاں۔" مرانڈا نے بیڈ کی جانب اشارہ کیا۔

"نہیں...... یہاں کوئی نہیں ہے۔ ذرا دیکھو تو غور سے...... ولیم مر چکا ہے۔"

"وہ زندہ ہے۔ وہ زندہ ہے......" مرانڈا بری طرح سے گھبرا گئی تھی۔ گویا اس پہ جنون طاری ہو چکا تھا۔

"گھبراؤ مت میری جان...... تمہارا وہم ہوگا...... ولیم مر چکا ہی۔ ہم سب نے مل کر اسے سپرد خاک کیا ہے۔ خود کو سنبھالو" وہ اس کی پیٹھ سہلا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ مرانڈا نارمل ہوگئی، مگر وہ اس بات کو بھولی نہیں تھی۔

"ڈیئر...... دیکھو آج کی رات کس قدر حسین رات ہے۔ یہ لمحات بہت قیمتی ہیں آؤ مل کر ان لمحوں کو یادگار بنائیں...... بھول جاؤ...... وہ سب تمہارا وہم تھا۔" اینڈریو اس کے کانوں میں سرگوشیاں کرتے ہوئے اسے بیڈ تک لے آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جسارت کرتا دروازے پہ دستک پھر سے سنائی دی۔ دستک کی آواز سن کر مرانڈا گھبرا گئی اور اینڈریو سے لپٹ گئی۔

"بی کول...... مائی ڈیئر......" اینڈریو نے اسے تسلی دی اور اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھا۔ دروازہ کھول کر کوریڈور میں جھانکا اسے کوئی سیڑھیوں سے اتر کر نچلی منزل کی جانب جاتا دکھائی دیا۔ وہ تھوڑا سا پریشان ہوا مگر اس کے پیچھے چل دیا۔

اب کے وہ اس دستک کا معمہ حل کرنا چاہتا تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں اترا۔ اب اسے وہ وجود دوسری منزل کے کوریڈور سے گزرتا دکھائی دیا۔ اینڈریو جلدی سے اس جانب لپکا مگر وہ راہداری کی دوسری جانب مڑ چکا تھا۔ اینڈریو اس طرف لپکا راہداری مڑنے پہ اس نے لارڈ ولیم کے بیڈ روم کا دروازہ بند ہوتے دیکھا۔

"یہ کون ہوسکتا ہے؟ جو اس طرح لکا چھپی کھیل رہا ہے......؟ کوئی جان بوجھ کر ہمیں خوفزدہ کرنے کی

کوشش کر رہا ہے۔ اس کی خیر نہیں میرے ہاتھوں۔'' وہ دل ہی دل میں سوچتا ہوا لارڈ ولیم کے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

مگر بیڈ پہ لیٹے وجود کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا بیڈ پہ چت لیٹا تھا، اور سر سے لے کر پاؤں تک سفید چادر اوڑھ رکھی تھی۔

''کون ہو تم؟'' اینڈریو نے پوچھا مگر جواب ندارد وہ اس کے قریب گیا اور ایک جھٹکے سے اس کے چہرے پر سے چادر ہٹا دی۔ لیکن اسے دیکھ کر اینڈریو خوف سے منجمد ہو گیا۔

وہ لارڈ ولیم تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ مگر ان آنکھوں میں سفیدی تھی۔

اینڈریو کی چیخ نکل گئی۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر اس نے لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر اینڈریو کی گردن پکڑ لی۔ ان بے جان اور یخ بستہ ہاتھوں کی ٹھنڈک اینڈریو کو اپنے وجود میں گھستی محسوس ہوئی اس نے پورا زور لگا کر اس سے دور ہونے کی کوشش کی مگر وہ بازو میکینکی انداز میں لمبے ہوتے گئے اور گرفت مضبوط ہوتی گئی۔ وہ بری طرح سے ان ہاتھوں کے شکنجوں میں پھنس چکا تھا۔ خود کو چھڑانے کی کوشش میں وہ مزید پھنستا جا رہا تھا۔

وہ تڑپنے لگا۔ اب تو اس کی آواز بھی نہ نکل پا رہی تھی۔ پھر بھی جہاں تک اس سے ہو چکا اس نے ہاتھ پاؤں مارے اس قدر بڑی حویلی میں کوئی بھی اسے بچانے والا نہیں تھا۔ اب وہ اپنے لالچ پہ پچھتا رہا تھا، مگر افسوس اب تو اس کی آخری سانسیں تھیں۔

☆......☆......☆

مرانڈا اینڈریو کے انتظار میں بیٹھی تھی اور خود کو سمجھا رہی تھی کہ وہ ایک وہم تھا اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں لارڈ ولیم سچ میں مر چکا ہے، اور اب وہ اس کی بے تحاشہ دولت کی مالک ہے اور اپنے خوابوں کے شہزادے کی بیوی بھی ہے۔ اس نے وہ سب کچھ پا لیا ہے جو اس نے چاہا تھا۔ ابھی اینڈی آجائے گا تو پھر ہم مل کر سپنوں کی اس رات کی تکمیل کریں گے۔''

اس نے خمار آلود نگاہوں سے بیڈ کی اس سائیڈ پہ دیکھا جہاں کچھ دیر قبل اینڈریو بیٹھا تھا مگر...... مگر اس کی چیخ نکل گئی کیونکہ اب وہاں لارڈ ولیم اپنی سفید آنکھوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ وہ اسی کی جانب گھور رہا تھا۔ مرانڈا چیختی ہوئی دروازے کی جانب لپکی اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی مگر دروازہ لاک تھا۔ وہ زور آزمائی کرنے لگی مگر ناکام رہی۔ اس نے خوف سے پلٹ کر دوبارہ دیکھا کہ شاید اب کے بھی یہ اس کا وہم ہو۔ لیکن لارڈ ولیم نے بیڈ پہ بیٹھے بیٹھے ہی اپنے بازو مرانڈا کی جانب بڑھانے شروع کر دیے۔ اس کے بازو میکانکی انداز میں بڑھتے بڑھتے مرانڈا تک پہنچے مگر اس سے پہلے کہ وہ بازو اسے اپنی گرفت میں لیتے وہ خوف کی شدت سے چکرائی۔ اس کی آنکھوں کے آگے تاریکی چھا گئی۔ وہ سر سے لے کر پاؤں تک پسینے میں نہا چکی تھی۔ اسے لگا اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔

☆......☆......☆

اگلے دن ملازمین نے مرانڈا کو اپنے کمرے میں اور اینڈریو کو لارڈ ولیم کے کمرے میں مردہ حالت میں پایا۔

پولیس آئی...... لاشوں کا پوسٹ مارٹم ہوا......

مرانڈا کی موت کی وجہ شدید ہارٹ اٹیک تھا۔ لیکن اینڈریو کی موت کی وجہ سمجھ میں نہ آئی، ملازمین سے تفتیش ہوئی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا اینڈریو کی موت معمہ ہی بنی رہی۔

لارڈ ولیم کی روح مسکرائی کیونکہ اب ولیم کی روح نے اپنا انتقام لے لیا تھا۔

ملازمین میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ اب جتنے بھی ملازم رہ گئے تھے، سب کے سب ملازمت چھوڑ کر چلے گئے اور آج یہ حویلی ویران کھنڈر میں تبدیل ہو چکی ہے۔

☠

بھوت گلی

طارق محمود۔ کامرہ اٹک

اچانک اندھیرے کا سینہ چیرتی دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی اور رگوں میں خون کو منجمد کرتی دل دھڑکاتی خوفناک اور دہشت ناک کہانی

رات کے دل دہلاتے اندھیرے میں جنم لینے والی اپنی نوعیت کی عجیب ڈراؤنی کہانی

اپریل کا مہینہ اور گرمی ایسے پڑ رہی تھی جیسے کہ جون، جولائی ہو، میں ہیپر دے کر آ رہا تھا بارہ سے اوپر کا وقت ہوگا موٹر سائیکل جیسے تپ رہی تھی اوپر سے سورج کی تپش، گرمی سے برا حال تھا گاؤں میں داخل ہوا ہی تھا کہ سامنے اس اسپتال پر نظر پڑی جس کے نچلے کوارٹروں کو شہتوت کے درختوں نے گھیر رکھا تھا اس حلیہ میں وہ عمارت بھوتوں کا مسکن لگتی تھی لوگ اس کے قریب سے بھاگتے بھاگتے گزرتے تھے میں بھی ان کوارٹروں سے تیزی سے گزرنے کی کوشش کرتا تھا باقی لوگ تو اسپتال کے اس پورشن سے سنی سنائی باتوں سے کتراتے تھے۔

لیکن میں نے تو خود ان کوارٹروں سے عورت کی چیخوں اور ہنسنے کی آوازیں سنی تھی وہ ایسی آوازیں تھیں جیسے کہ کوئی عورت نشے میں ہو بس اس دن سے میں ان کوارٹروں کے پاس سے تیزی سے گزرنے کی کوشش کرتا تھا۔

وہ شام کے بعد کا وقت تھا ابھی ہفتہ ہی ہوا ہے اس بات کو کہ میں کرکٹ کھیل کر گنگناتا ہوا واپس آرہا تھا کہ میں کوارٹروں کی بڑی دیوار پر مجھے زیتون کا پودا نظر آیا حالانکہ ہمارے علاقے میں زیتون بالکل نہیں میں اس پودے کو دیکھ کر بہت حیران ہوا اور دیوار پر چڑھ کر اس کو اکھاڑنا چاہا، ابھی میں نے دیوار پر چڑھنے کے لئے جمپ لگا کر اوپر کی دیوار پکڑی ہی تھی کہ مجھے اندر سے کسی عورت کی ہذیانی قہقہوں اور چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں اس عورت کا ہنسنا ایسا تھا جیسے نشے میں بندہ مدہوش ہوتا ہے ان آوازوں کے کان میں پڑتے ہی مجھے کرنٹ سا لگا اور میرا ہاتھ دیوار سے چھوٹ گیا میں دیوار کے ساتھ رگڑ کھاتا ہوا زمین پر بری طرح سے گرا بظاہر کوئی بڑی چوٹ تو نہ تھی لیکن خراشیں اور گھٹنوں پر خوب لگی میں وہاں سے لنگڑا کر ایسا بھاگا کہ اپنی گلی میں داخل ہو کر دروازہ کے سامنے پہنچ کر دم لیا۔

اچانک کوارٹروں کے درمیان پہنچتے ہی موٹر سائیکل بند ہو گئی میں نے جلدی سے پیٹرول چیک کیا ٹنکی پیٹرول سے چھن چھن کر رہی تھی جسے دیکھ کر میں بدحواس ہو گیا اور جلدی سے کک ماری لیکن موٹر سائیکل اسٹارٹ نہ ہوئی میں دیوانوں کی طرح کک پر کک مارنے لگا۔ لیکن وہ تو اسٹارٹ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی میری نظر کوارٹروں پر پڑی مجھے ایسا لگا جیسے کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہو۔

اسی وقت مجھے ہلکا سا ایک سر دیوار کے پیچھے غائب ہوتا نظر آیا اس سر پر دو بڑے بڑے سینگ اتنی تیز دھوپ میں، میں نے صاف طور پر دیکھے مجھے چکر آئے ساتھ ہی ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے میں گرنے ہی لگا تھا کہ مجھے دو مضبوط ہاتھوں نے گرنے سے بچا لیا میں نے ڈرتے ڈرتے پیچھے دیکھا تو اپنے سامنے سورج بابا کو کھڑے پایا ان کے لمبے لمبے بال پسینے سے تر تھے ایسا لگتا تھا جیسے وہ کہیں دور سے بھاگ کر یا پھر کوئی مشقت والا کام کر کے آرہے ہوں۔

”حوصلہ رکھ......“ سورج بابا کی سخت آواز میرے کان میں سرگوشی کر گئی ان کا ایک ہاتھ میرے سر پر ٹک گیا میں جو وہاں سے بھاگنے کے لئے پر تول رہا تھا ان کا ہاتھ سر پر ٹکتے ہی مجھ میں عجیب سا ایک حوصلہ آگیا سورج بابا نے میرے کندھے پر آہستہ سے تھپکی دی اور کوارٹروں کے ایک طرف جہاں دیوار کی اونچائی تھوڑی کم تھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے بڑھ گئے میں بھی ان کے پیچھے چل پڑا۔

سورج بابا ہمارے گاؤں میں ایک پراسرار شخصیت تھے انہیں اس گاؤں میں آئے سال ہوا تھا گھنی سفید داڑھی لمبی لمبی زلفیں اور چمکتا چہرہ لوگوں کو ان کا نام تک معلوم نہیں، دن کو وہ گاؤں کے باہر ایک ٹیلے پر بیٹھے سورج کی طرف دیکھتے رہتے تھے اسی لئے ان کا نام سورج بابا پڑ گیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک مضبوط اور لمبا سا بانس بھی رہتا تھا جو کہ اب بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔

میں ان کے پیچھے محتاط قدموں سے چل رہا تھا کہ انہوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر کھینچا اور آگے کی طرف دھکا دے کر دیوار پر چڑھا دیا، میں اوپر چڑھ کر دیوار پر بیٹھ گیا اور دوسری طرف اترنے سے جھجکنے لگا۔

سورج بابا دو قدم پیچھے ہوئے اور دوڑ کر جمپ لگایا اور دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئے، میری طرف دیکھ کر بڑے غصہ سے اپنے سر سے اترنے کا اشارہ کیا۔

اب چونکہ سورج بابا آگے آگے تھے اسی لئے میں نے بھی ہمت کی اور ان کے پیچھے اتر گیا یہ بائیں طرف سے پہلا کوارٹر تھا جس کے چھوٹے سے صحن میں جھاڑیوں کی بہتات تھی اس کوارٹر میں دو بڑے کمرے تھے جن میں سے ایک کا دروازہ پیچھے گیلری کی طرف بھی تھا برآمدہ میں پہنچتے ہی مجھے عجیب سی بو محسوس ہوئی جیسے کہ کوئی صندل وغیرہ کا دھواں ہوتا ہے باہر بہت گرمی تھی لیکن وہ جگہ بہت ہی ٹھنڈی تھی مجھے وہاں جاتے ہی سکون سا ملا۔

سورج بابا کے پیچھے جب میں اندر داخل ہو رہا تھا تو ایسا لگا کہ کوئی تیز تیز قدموں سے پچھلے دروازے سے باہر نکلا ہو، بس چند ساعت کے لئے یہ محسوس ہوا ہم نے وہ پورا کوارٹر دیکھ ڈالا لیکن ہمیں وہاں کوئی نہ ملا کوارٹر

صاف ستھرا تھا بالکل بھی مٹی دھول نہ تھی ایسا لگتا تھا جیسے وہاں کوئی رہ رہا ہو اس کے بعد سورج بابا نے مجھے اگلے کوارٹر کی طرف جانے کا اشارہ کیا میں نے جلدی سے نہ میں سر کو ہلایا۔

میری نظروں کے سامنے اس وقت وہ سر آگیا جس پر دو سینگ بھی تھے سورج بابا نے گھور کر مجھے دیکھا اور ہونٹوں کو آپس میں ملا کر عجیب سے انداز سے موٹے موٹے بنا لئے ان کا یہ حلیہ دیکھ کر میں پیچھے کھسکا۔

لیکن انہوں نے آگے بڑھ کر مجھے پکڑ لیا۔

”حوصلہ کر۔“ ایک دفعہ پھر ان کی تیز آواز کی سرگوشی سنائی دی اور ایسا لگا جیسے کان میں سرسراتے ہوئے سیدھا دماغ میں جا لگی ہو۔ میرا ذہن سن سا ہو گیا اور میں چپ چاپ سورج بابا کے پیچھے چل پڑا۔

”چل بھئی عاطف شتر بے مہار۔“

ہم دونوں محتاط انداز میں چلتے ہوئے دوسرے کوارٹر میں دیوار کے ذریعے کود ے جہاں شہتوت کے درختوں نے صحن کو ایسا گھیرا ہوا تھا کہ اندھیرا سا ہو رہا تھا میرے دل میں ہول سے اٹھنے لگے فضا میں بو اور دھواں پھیلا ہوا تھا۔ سورج بابا بو سونگھ کر ناک چڑھانے لگے اور مجھے وہ دن یاد آگئے جب یہ اسپتال نیا نیا بنا تھا سارے کوارٹر صاف ستھرے اور رہنے کے قابل تھے ، اسپتال کی انچارج ڈاکٹر دلکش نینوں والی گوری سی عورت تھی جس کا شوہر ایئر فورس میں آفیسر تھا میں اس وقت چھوٹا سا تھا چھ سات سال کا لیکن مجھے اب بھی وہ فیملی اچھی طرح یاد ہے جن کی ایک پیاری سی ہماری ہم عمر بچی تھی میری رنگت بھی صاف ستھری تھی اور مجھے امی ہمیشہ نہلا دھلا کر رکھتی تھی کیونکہ تین بہنوں کے بعد منتوں مرادوں سے میں دنیا میں آنے والا بچہ تھا اسی لئے وہ بچی مجھ سے کھیلتی تھی اور رات دیر تک ہم ان کے گھر وی سی آر پر فلمیں دیکھتے رہتے تھے۔

ایک فلم تو مجھے اب تک یاد ہے مسٹری اور سسپنس لئے فلم تھی عمارت کے دوسرے فلور پر ایک سیف پڑا تھا ایک وچ ہوتا ہے جو کہ ایک جادوئی عمل کرتا ہے اور اس کا راز ایک ڈائری میں لکھ کر اس سیف میں رکھ دیتا ہے اور پھر جادو کے ذریعے اسے اوپر والے فلور پر رکھ دیتا ہے خود وہ کہیں یاترا پر نکل جاتا ہے۔

اس کا راز سب سے پہلے اس کی ملازمہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے اس کے لئے نکلنے سے پہلے وہ اپنے پڑوسی کو اس کے بارے میں بتاتی ہے لیکن جب وہ ملازمہ اس سیف کو کھولنے کے لئے چھوتی ہے تو اسے کرنٹ لگتا ہے اور اس کے منہ سے بہت زوردار چیخ نکلتی ہے اور وہ ایک ربڑ کا ہنٹر بن کر ادھر ہی گر جاتی ہے جادوگر نے اس سیف پر کوئی جادوئی عمل کیا ہوتا ہے اس کے بعد کئی آدمی جادو میں دلچسپی لینے والے اس سیف تک پہنچتے ہیں لیکن اسے چھوتے ہی ہنٹر بن کر رہ جاتے ہیں اس فلم کا آخری سین تو بہت ہی زبردست اور فائٹنگ والا تھا۔

جب چار پانچ آدمی اس سیف تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو گرانے کی تگ و دو کرتے ہیں اور آپس میں لڑتے ہوئے چار گر جاتے ہیں اور ایک سیف تک پہنچ جاتا ہے وہ سیف کو چھونے ہی لگتا ہے کہ پیچھے سے عامل جو کہ یاترا سے واپس آتے ہی سیف کو دیکھنے کے لئے آتا ہے آ جاتا ہے اور وہ آدمی ہنٹر بننے سے بچ جاتا ہے۔

☆......☆......☆

سورج بابا نے مجھے ڈنڈے کی نوک چبھائی تو میں نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا وہ مجھے اندر کمروں کی طرف جانے کا اشارہ کر رہے تھے میں اندر جانے سے ڈر رہا تھا سورج بابا نے مجھے بائیں بازو سے مضبوطی سے پکڑا اور دھکیل کر کمرے کے اندر کر دیا، میں نے ڈرتے ڈرتے ادھر ادھر دیکھا کمرہ خالی تھا دوسرا کمرہ بھی خالی تھا لیکن وہاں ایک چٹائی بچھی تھی جس کے اوپر اور فرش پر سگریٹ کے ٹوٹے بکھرے ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر سورج بابا نے میری طرف دیکھتے ہوئے سر ہلایا یہ سب دیکھ کر مجھے کچھ حوصلہ ہونے لگا کیونکہ یہ سب یہاں انسانوں کے ہونے کی نشانیاں تھیں اس کے بعد ہم نے تیسرا اور پھر چوتھا کوارٹر بھی دیکھ ڈالا لیکن وہاں ہمیں کوئی

آدمی نہ ملا سورج بابا بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا منہ ہی منہ کچھ بڑبڑانے لگے اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لاٹھی فرش پر زور زور سے لگنے لگی وہ بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے ان ڈنڈے سے فرش کو زور زور سے ٹھونک رہے تھے۔

اچانک ان کی لاٹھی کی ضرب تھم گئی ان کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطہ پر جم گئیں اور انہوں نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے تیسرے کوارٹر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

میرے منہ سے نکلا ''یا اللہ خیر'' کوارٹر میں داخل ہوتے ہی بابا تیسرے اور چوتھے کوارٹر کی درمیانی دیوار کے پاس چلے گئے اور اسے لاٹھی سے ٹھونک بجا کر دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے زور سے چوٹ ماری تو ایک اینٹ دوسری طرف کھسک گئی میں سوچ رہا تھا کہ ''بابا نیم پاگل ہیں جب کوئی نہ ملا تو بھاگ گئے ہوں گے اب دیوار توڑنے کا کیا فائدہ۔''

ابھی میں نے اتنا ہی سوچا تھا کہ بابا نے تین چار اینٹیں اور اکھاڑ دیں اسی وقت بابا نے میری طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ ''جاؤ دوسری طرف دیوار دیکھو۔'' ان کا حکم سنتے ہی مجھے کرنٹ سا لگا اور میں بھاگتے ہوئے چوتھے کوارٹر میں پہنچا۔

دونوں کوارٹروں کی مشترکہ دیوار کو دیکھ کر مجھے حیرت کا جھٹکا لگا وہاں سے تو ایک اینٹ تک نہیں اکھڑی تھی دوسری طرف سے ٹھپ ٹھپ اور ایک چیخ کی آواز گونجی میں بھاگتے ہوئے اس طرف پہنچا جہاں دیوار کے پاس سورج بابا لاٹھی تانے کھڑے تھے اور ان کے سامنے تین آدمی زمین پر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے، ان میں سے ایک کے سر پر عجیب سی وگ تھی، جس کے اوپر دو سینگ تھے نزدیک سے غور سے دیکھنے پر ہی وگ کا پتہ چلتا تھا ورنہ تو سینگ اور وگ سر ہی محسوس ہو رہا تھا۔

اس آدمی کا چہرہ بھی کافی بھیانک دکھائی دے رہا تھا اس کے بعد بابا دیوار کے ایک کونے میں ایک دروازے میں داخل ہو گئے ان کے پیچھے میں بھی گھس گیا پرانی دیوار کے ساتھ فاصلہ چھوڑ کر ایک دیوار اتنی مہارت سے بنائی گئی تھی کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ یہ ایک نہیں دو دیواریں ہیں اور ان کے بیچ اتنا خلاء تھا کہ چار پانچ آدمی آسانی سے بیٹھ اور سکڑ سمٹ کر لیٹ بھی سکتے تھے۔

سورج بابا غصہ سے بھنا رہے تھے اندر خلاء میں ایک کونے میں دو گٹھڑیاں سی پڑی نظر آ رہی تھیں جب میں نے آگے ہو کر ان کو غور سے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا وہ گٹھڑیاں نہیں بلکہ دو عورتیں تھیں دونوں ہی نشہ میں دھت لگ رہی تھیں جب انہوں نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو مجھے ایک اور جھٹکا لگا کیونکہ ان میں ایک شادو تھی۔

میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کو سہارا دے کر اٹھایا وہ نشہ میں دھت تھی مجھے اسے اس حالت میں دیکھ کر بہت دکھ ہوا شادو پچھلے چار دنوں سے غائب تھی، سب لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہوگی جبکہ میرا دل اس بات کو تسلیم نہیں کرتا تھا جب سورج بابا نے وہاں دو لڑکیاں خاص طور پر شادو کو دیکھا تو ان کی آنکھیں الو کی طرح گول گول گھومنے لگیں وہ گہری سوچ میں پڑ گئے، میں نے جلدی جلدی تینوں مضطرب آدمیوں کو ان ہی کی قمیض سے کس کر باندھ دیا۔

سورج بابا نے کچھ سوچنے کے بعد مجھے وہیں رکنے کا کہا اور خود شادو اور دوسری لڑکی کو لے کر وہاں سے نکل گئے ٹھیک آدھے گھنٹے بعد ایک بند گاڑی میں بیٹھ کر آئے اور ان تینوں کو اس گاڑی میں بیٹھا کر لے گئے ، میں ان سے پوچھتا ہی رہ گیا کہ ''وہ کون ہیں اور یہ سب کیا ہے۔ شادو اور وہ لڑکی کہاں ہے۔'' لیکن انہوں نے میرے کسی سوال کا جواب نہ دیا جمعہ کی پہلی اذان ہونے لگی تھی اور ان کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی میں سوچوں میں گم موٹر سائیکل کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ ہاتھ جھٹک کر پھونکیں مارنے لگا موٹر سائیکل اس قدر گرم ہو رہی تھی کہ بہت مشکل سے میں موٹر سائیکل کو لے کر گھر پہنچا میری سوچ کی سوئی شادو پر ہی اٹکی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

شادو جس کا اصل نام شاہدہ تھا یتیم بچی تھی اس کا

باپ امریکہ میں کافی عرصہ رہا اور مرنے سے پہلے اپنے سالے یعنی شادو کے ماموں کو اپنے پاس بلایا اور امریکہ میں سیٹل کیا لیکن وہ خود اس کے بعد جلد ہی چل بسا شادو کی ماں پہلے ہی فوت ہو چکی تھی اب وہ اپنے ماموں کے گھر یعنی کے مامی کے ساتھ ہمارے ہی گاؤں میں رہتی تھی وہ مجھ سے چھ سال بڑی تھی لیکن ہم بہت اچھے دوست تھے بچپن ہی سے ہماری جوڑی خوب ہلا گلا کرتی اور شرارتیں لوگوں کے ناک میں دم کرنا ہمیں بہت مزہ دیتا تھا۔ شادو ایم اے کر چکی تھی اب بھی اس میں بچپنا زندہ تھا۔

ابھی کچھ دن پہلے ہی شام کے وقت نہر کے پاس بیٹھا میں پیپر کی تیاری کر رہا کہ مجھے گھوڑے کے قدموں کی ٹاپ اور تانگہ کی ٹن ٹن سنائی دی میں پڑھائی میں ہی مگن رہا پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

''اوئے پوسٹ گریجویٹ ذرا پلٹ کر ہماری طرف بھی دیکھ لو۔'' شادو کی آواز نے مجھے چونکا دیا میں نے پلٹ کر دیکھا تو اسے بالکل کوچوان کے انداز میں سر پر سفید دوپٹے کی ہلکی سی پگڑی ہاتھ میں چابک اور گھوڑے کی باگ میں اسے حیرت سے اس حلیہ میں دیکھتا رہ گیا۔

''یوں تو نہ دیکھو مجھے شرم آ رہی ہے۔'' اس نے چہرہ پر سرخی بکھیرتے ہوئے کہا۔

میرے منہ سے بے ساختہ قہقہہ نکل گیا اور مجھے وہ دن یاد آئے جب وہ مجھے محویت سے دیکھتی تھی اور میں شرما جاتا تھا تو وہ کہتی تھی کہ۔

''اوئے شرمانا تو مجھے چاہئے میں لڑکی ہوں۔ تم لڑکے ہو کر شرما رہے ہو۔'' اس کے جواب میں، میں شرمندہ سا مسکرا دیا۔

''چل چلیے دنیا دے اوسے نکڑے جتھے بندہ نہ بندے دی ذات ہووے۔''

اس نے چابک ہوا میں لہرایا گھوڑا ہنہنانے لگا اور شادو اپنی سریلی جھنکی جیسی آواز میں گانے لگی۔ شادو بہت خوب صورت لڑکی تھی لیکن اس کی آواز...... بس نہ پوچھیں میں نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے اس نے تانگہ سے کسی ہیرو کی طرح چھلانگ لگائی میں کتابوں کی طرف متوجہ ہوا اتنی دیر میں اس نے پیچھے سے میری، دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈالے اور مجھے کسی بچے کی طرح اٹھا لیا۔

''اوئے ایک منٹ کتابیں تو سمیٹنے دو۔'' میرے منہ سے بمشکل نکلا اس دن شام کے نکلے ہم رات گئے واپس آئے چاندنی رات تھی۔

☆......☆......☆

ادھر میرے پیپر ختم ہوئے ادھر شادو کی طرف سے بلاوا آ گیا میں بھاگتا ہوا اس کے گھر پہنچا اس سے پہلے بھی میں اس کے گھر کے چکر بے چینی سے لگاتا رہا لیکن وہ نہ تھی۔

اس دن نشہ میں، میں نے اسے بمشکل پہچانا لیکن آج میرے سامنے وہ پرانی شادو بیٹھی تھی اس نے اپنے ہاتھ سے آم کا جوس بنا کر میرے سامنے رکھا مجھے آج وہ بہت ہی سنجیدہ لگ رہی تھی۔

''عاطف وہ جو کچھ بھی ہوا...... پلیز اسے بھول جاؤ بس اتنا یقین کرو کہ اس میں میری غلطی بالکل نہ تھی میرا قصور نہ تھا۔''

میں نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا اس کے الفاظ لڑکھڑا سے گئے۔

''میں نہیں سمجھتی کہ تمہارے لئے وہ سب جاننا ضروری ہے ہاں مگر تمہارے لئے یہ جاننا بلکہ...... میرے لئے تمہیں یہ بتانا کہ میں اور ممانی امریکہ جا رہے ہیں۔'' اس کی آخری بات سن کر میں حیرت سے کھڑا ہو گیا کیونکہ یہ وہی شادو تھی جو مجھے کہتی رہتی تھی کہ۔

''عاطف میں امریکہ جانے کے بارے میں سوچ تک نہیں سکتی۔''

''حیران نہ ہو...... انسان کو اپنی زندگی میں کبھی کبھی کچھ ایسے فیصلے بھی کرنے پڑتے ہیں جن کے بارے میں اس نے کبھی سوچا تک نہیں ہوتا۔''

جوس میں نے آدھا پی کر ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور کھڑا اس کی بات سن رہا تھا اچانک وہ اٹھی اور بھرائی ہوئی آواز

میں بولی۔

''عاطف میرا دل نہیں کرتا یہاں سے جانے کو لیکن...... مجبور ہوں۔'' اس نے ایسی حرکت کی کہ میں چونک پڑا۔ اور وہ آنسو پونچھتی ہوئی دیوار کے ساتھ جا کھڑی ہوئی اس کے دیوار تک پہنچتے ہی مجھے ہوش آیا اور میں نے رومال نکال کر جلدی سے دائیں گال کو رگڑ ڈالا اسی وقت باہر قدموں کی آواز سنائی دی میں جوس کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگالیا تاکہ اگر لپ اسٹک اس کے ہونٹوں کی گال پہ رہ بھی گئی ہو تو نظر نہ آئے میری یہ حرکت دیکھ کر شادو مسکرانے لگی آنکھوں سے بہتے آنسو اور چہرے پر پھیلی مسکراہٹ بڑا ہی عجیب منظر تھا۔ اس نے مجھے ایک گھڑی گفٹ کی اور اسی رات گیارہ بجے ان کی فلائٹ تھی میں اس سے محبت تو نہیں کرتا تھا لیکن دوست ہونے کے ناطے میرا دل بڑا اداس تھا ہم دونوں کی بہت ہی خوشگوار یادیں تھیں۔

☆......☆......☆

میں نے ایف اے کا امتحان دیا تھا اب بالکل فارغ تھا ابو مزدوری کرتے تھے لیکن مجھے پڑھانا چاہتے تھے۔ پڑھائی میں، میں آٹھویں کلاس تک بہت لائق اسٹوڈنٹ تھا پھر اچانک ذہن ڈھل ڈھل سا ہونے لگا پہلے تو پڑھنے کو دل ہی نہ چاہتا اگر پڑھنے لگ ہی جاتا تو زیادہ یاد نہ کر پاتا بس جیسے تیسے میٹرک سے ایف اے اور اب امتحان دے کر فارغ تھا اسی لئے میں نے ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور میں سیلز مین کی ملازمت کرلی صبح دس سے رات گیارہ، بارہ ہو جاتے تھے۔

رات جب میں چھٹی کرکے آتا تو سیدھا راستہ جو کہ کچھ لمبا تھا استعمال کرنے کی بجائے شارٹ کٹ راستہ استعمال کرتا جس پر ایک پرانا قبرستان تھا۔ اسپتال کے کوارٹروں میں سے جن اور چڑیل وغیرہ تو نہ نکلی لیکن ہر انسان کے اندر ان سے ڈر قدرتی طور پر موجود ہے مجھے بھی اس قبرستان کے پاس سے گزرتے ہوئے خوف محسوس ہوتا تھا اسی لئے میں وہاں سے تیزی سے گزرتا تھا ایک رات لاہور سے کچھ سامان آیا تو وہ اتارتے اتارتے کافی لیٹ ہوگیا جب میں اس راستہ پر آیا جہاں سے سامنے ہی قبرستان نظر آتا تھا تو میرا سارا جسم ٹھنڈا سا ہونے لگا اس قبرستان کے پاس پہنچتے ہی راستہ دائیں طرف گاؤں میں داخل ہوتا تھا عین اس وقت جب میں گاؤں کے راستہ پر مڑنے والا تھا میری نظر قبرستان کی طرف اٹھ گئی اس سے پہلے میں بہت ہی احتیاط کرتا تھا۔

قبرستان کی طرف دیکھتا تک نہ تھا لیکن اس رات میں نے دیکھا کہ قبرستان کے بائیں کونے والی قبر پر روشنی سی پڑ رہی ہے بس ایک نظر میں نے اس روشنی کو دیکھا اور دائیں مڑ گیا اسی اسپیڈ میں، میں اترائی اترتے ہوئے دل میں آیا کہ ایک دفعہ پھر دیکھوں میری نظر کا دھوکہ ہے یا واقعی اس قبر پر روشنی پڑ رہی ہے میں نے موٹر سائیکل کھڑی کردی اور پلٹ کر ایک طرف دیکھا لیکن اب وہاں کوئی روشنی نہ تھی میرے دل میں ڈر بھی تھا لیکن مجھے اس معاملہ کو جاننے کا ایک تجسس سا ہو رہا تھا۔

میں ڈرتے ڈرتے آہستہ آہستہ اس طرف چل پڑا میں سر جھکائے اس موڑ تک پہنچا جہاں سے مجھے قبر پر پڑتی روشنی دکھائی دی تھی میں نے آہستہ سے سر اٹھا کر اس طرف دیکھا جہاں سے مجھے صاف نظر آیا کہ قبر پر روشنی کی لکیر سی ہے۔ اس روشنی کو دیکھتے ہی میں واپس موٹر سائیکل کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کے بعد پتا نہیں کیسے میں گھر پہنچا مجھے نہیں یاد ہاں اتنا یاد ہے کہ مجھے تین چار دن تک سخت بخار رہا، جب بخار ٹھیک ہوا تو مجھے کافی کمزوری محسوس ہونے لگی میں اسٹور سے مسلسل چھٹی کرنے لگا۔

اب میری محفل گاؤں کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے باغ میں جہاں میری طرح نکمے آکر بیٹھتے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے باتوں باتوں میں ایک دن میں نے قبر پر روشنی والا واقعہ ان نکموں کو سنایا تو دو تین گروپ بن گئے۔

کوئی کہتا کہ ''جنات اور چڑیلیں وغیرہ ہوتی ہیں۔'' ایک نے کہہ دیا کہ ''روحیں بھی ہوتی ہیں۔'' میں

نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اسپتال والا چکر بھی میرے سامنے ہی تھا۔

''یار یہ میں مانتا ہوں کہ جنات ہیں لیکن ان کی اپنی دنیا ہے اور بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ انسانوں اور جنات کا ٹکراؤ ہو۔ بدروح کا وجود ایک افسانوی ہے ہاں روحیں ہیں لیکن وہ عالم ارواح میں ہوتی ہیں انہیں اس دنیا میں آنے کی اجازت نہیں۔''

اسی وقت ایک لڑکے نے مجھے چیلنج کردیا۔ ''عاطف ہماری آبادی میں سچ میں جنات ہیں۔'' فلاں گلی میں رات دس کے بعد کوئی نہیں گزرتا کیونکہ وہاں سے کچھ آدمی ڈرتے ہیں۔''

میں اس طرف دھیان ہی نہیں دے رہا تھا لیکن دو تین نکموں نے ایسے ہیری پھیری چلائی کہ میں نے چیلنج قبول کرلیا اور رات گیارہ کے بعد اس گلی سے گزرنے کی حامی بھرلی حالانکہ مجھے پتا تھا یہ سب فضول میں ہو رہا ہے۔

وہ جمعرات کی رات تھی میرے دماغ میں ایک سنسنی سی پھیلی ہوئی تھی ساڑھے گیارہ بجتے ہی میں نے اس گلی میں داخل ہو جانا تھا اگر آج مجھے کوئی جن وغیرہ نظر نہ آتا تو دوسری پارٹی ہم کو ہوٹل میں کھانا کھلاتی اور اگر واقعی کوئی جن وغیرہ ہوتا تو اس سے ڈر کر اگر میں زندہ رہ جاتا تو کھانا ہم کو کھلانا پڑتا۔ ابھی ساڑھے گیارہ بجنے میں دو تین منٹ تھے مجھے جو بھی آیت یاد تھی وہ پڑھ رہا تھا۔

کیونکہ اندر سے میں ڈرا ہوا تھا ساڑھے گیارہ بجتے ہی میں اس گلی میں داخل ہوگیا وہ گاؤں کی ایک محلہ کو دوسرے محلہ سے ملانے والی طویل گلی تھی جس کی چوڑائی اتنی تھی کہ اگر کوئی موٹر سائیکل وہاں سے گزرتا تو پیدل جانے والے سکڑ کر دیوار کے ساتھ جا لگتے میرا دل کر رہا تھا کہ تیز تیز چلوں اور یہاں سے نکل جاؤں لیکن قدم اتنے بھاری ہو رہے تھے کہ اٹھائے ہی نہیں جا رہے تھے۔ پہلا موڑ مڑتے ہی کچھ حوصلہ سا ہوا کہ چلو کچھ فاصلہ تو طے کرلیا لیکن یہ گلی تو شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہی لمبی ہوتی جا رہی تھی اب سامنے تھوڑی سی چڑھائی تھی۔

جس پر چڑھتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا راستے میں بالکل سامنے ہی کوئی زمین پر آڑھا ترچھا پڑا تھا میں ادھر ہی کسی مجسمہ کی طرح کھڑا اسے دیکھنے لگا میرا جسم ٹھنڈا ہوگیا میرے دل میں آیا کہ آگے بڑھ کر دیکھوں کہ حقیقت میں ہے کیا چیز۔ میں نے بہت مشکل سے قدم اٹھایا ہی تھا کہ میری پیٹھ پر عین دل کی جگہ پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا مجھے ایسا لگا کہ میرا دل اچھل کر باہر آجائے گا میں ادھر کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ پیچھے مڑ کر دیکھتا اس ہاتھ کا وزن آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

اچانک سامنے گلی سے چند لوگوں کی دوڑنے اور شور مچانے کی آوازیں آنے لگیں اور ایک ٹارچ کی روشنی بھی جھلملانے لگی۔

''تم انسان اپنی حدود میں رہا کرو اور ہمیں اپنی حد میں رہنے دیا کرو۔''

''بالکل یخ ٹھنڈا لہجہ میرے کان میں سرگوشی کر گیا میرے دماغ پر ایک انجانا سا بوجھ پڑا اسی وقت میرے تمام نکمے دوست دوڑتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے سب سے پہلے زمین پر گرے ہوئے لڑکے کو اٹھایا گیا جو کہ ہماری ہی محفل کا تھا۔ ان کا پلان مجھے بعد میں پتا چلا کہ مجھے ہرانے کے لئے اس موڑ پر چھپ کر بیٹھتے اور میرے آتے ہی عجیب آوازوں سے مجھے ڈراتے جس کا انتظام انہوں نے ایک چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈ میں کیا ہوا تھا۔

لیکن مجھ کو ڈرانے سے پہلے ان دونوں نے کوئی انہونی مخلوق دیکھ لی جو کہ بہت ہی لمبے قد کا کوئی آدمی تھا ایک تو اسے دیکھتے ہی وہ گر گیا جبکہ دوسرا کچھ دل گردے والا تھا اس نے بھاگ کر سب دوستوں کو بتایا اور انہیں ساتھ لے آیا کہ ہو سکتا ہے اتنی پلٹن سے وہ لمبا آدمی جس کا قد کسی بجلی کے کھمبے جتنا تھا ڈر جائے وہ مجھ سے ہار گئے تھے لیکن حقیقت میں جیت گئے تھے بظاہر میں ڈرا نہ تھا لیکن یہ مجھے پتا تھا کہ میں تو اندر سے اتنا ڈر گیا تھا کہ میری

حرکت قلب بند ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ اس کے بعد میرے دل پر پیٹھ کی طرف ایک بوجھ سا رہا اور وہ ٹھنڈی سرگوشی کبھی کبھی میرے کانوں میں گونجتی رہی۔

خیر وقت گزرتا رہا اور تقریباً دس سال اسی طرح دندناتے ہوئے گزر گئے اس تمام عرصہ میں میری پیٹھ سے ہاتھ کا بوجھ نہ اترا مجھے ایسا لگتا کہ وہ ہاتھ ابھی بھی پیٹھ پر جم ہوا ہے اور وہ سرگوشی راتوں کو مجھے نیند سے بیدار کردیتی ہے امی نے مجھے کہاں کہاں نہیں دوڑایاں جہاں معلوم ہوتا کہ کوئی دم درود والے بزرگ ہیں ہم ان کے پاس پہنچ جاتے تعویز پہنے دم کیا ہوا پانی پیا افاقہ ضرور ہوتا تھا لیکن ان سے میری جان نہ چھوٹ سکی وہ واقعہ میرے ساتھ اگست میں پیش آیا تھا اس کے بعد ان ہی راتوں میں مجھے ڈراؤنے خواب آتے ایسے کہ میری چیخیں نکل جاتیں میں ساری ساری رات ڈر کے مارے جاگتا رہتا اور میرے ساتھ میرے گھر والے بھی پریشان رہتے۔

دوسری طرف مجھے ادھر ادھر ٹھوکرے کھاتے ہوئے بہت تجربہ ہوگیا تھا میں نے اپنے گاؤں ہی میں ایک چھوٹی سی دکان کھول لی وہ دکان کا تیسرا دن تھا موبائل عام ہوچکے ہیں میرے پاس بھی سام سنگ کا ایک سیٹ ہے میں صبح دکان پر جلدی آتا ہوں اور درمیان میں آٹھ نو بجے ناشتہ کے لئے گھر کا ایک چکر لگاتا ہوں۔

اس دن میں دکان بند کرکے گھر کی طرف چلا ہی تھا کہ مجھے کال آنے لگی میں نے اسکرین پر نمبر کو دیکھا تو کسی باہر کے ملک کا تھا ہمارے گاؤں کے بہت سے آدمی باہر تھے ان میں میرے کزن بھی تھے میں نے کال اٹینڈ کی، کچھ دیر خاموشی رہی پھر میں نے ''ہیلو'' کہا۔

''اوئے عاطف کیا حال ہے۔'' یہ آواز تو میں عمر کے ہر موڑ پر پہچان سکتا ہوں وہ شادو تھی دس گیارہ سال کے بعد ہم ہمکلام ہورہے تھے۔

''شادو......'' میرے منہ سے اتنا ہی نکل سکا اور دوسری طرف سے ہلکی سی سسکی کی آواز آئی خاموشی کچھ طویل ہوگئی۔

''ہاں میں ہوں۔'' اس نے اتنا ہی جواب دیا۔

اس کے بعد کچھ منٹ گلے شکوے ہوتے رہے اس نے مجھے بتایا کہ وہ امریکہ میں ایک بہت اچھی کمپنی میں جاب کرتی ہے اس نے میرا پوچھا تو میں نے بھی اپنی داستان حیات سنادی کافی لمبی کالی ہوئی باتوں باتوں میں، میں نے اسے اگست کی رات میں اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بھی بتایا۔

''اتنے سالوں بعد بھی تمہیں وہ رات تنگ کررہی ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں یار تمہیں کیا بتاؤں امی مجھے پیروں فقیروں کے پاس اب تک لے کر جارہی ہیں۔''

''اوہ...... پہلے تمہارا یہ مسئلہ حل کرواتے ہیں اس کے بعد تمہیں دوسرا کام دوں گی۔''

''دوسرا کام...... وہ کون سا ہے۔؟'' میں پوچھتا رہا لیکن اس نے نہیں بتایا بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ امریکہ میں ان کے ایک پیر ہیں پاکستانی کیمونٹی کے بہت سے لوگ ان کے مرید تھے بلکہ امریکہ میں اس علاقہ میں رہنے والے کئی مسلمان ان کو اپنا پیر مانتے تھے پیشہ کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے ڈاکٹر سید نصر میری پہلی ملاقات ان سے لیپ ٹاپ کے ذریعے ہوئی میرا مسئلہ سننے کے بعد انہوں نے کہا۔

''دیکھو عاطف میاں انسان اشرف المخلوقات ہے باقی ساری مخلوق سے اشرف ہے لیکن اللہ کے قائم کئے حدود وقیود کے مطابق زندگی گزارے۔ دنیا کمانا گناہ نہیں لیکن اپنی پیدائش کے مقصد کو بھول کر دنیا ہی میں کھوجانا...... سراسر نقصان ہے۔ ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ بندہ حج کرتا ہے اللہ فرماتا ہے کہ جو حج کرتا ہے وہ ایسے ہوجاتا ہے جیسے کہ ماں کے پیٹ سے بچہ دنیا میں آتا ہے۔ یعنی کہ اس کے گناہ خطا ئیں معاف ہوجاتی ہیں لیکن اب اس حاجی صاحب کا کام ہے نہ کہ حاجی بن کررہ ہے نماز کی پابندی کرے اپنی طرف سے پوری کوشش کرے کہ غلط کاموں سے بچے اخلاق، معاملات اپنی طرف سے پورے کرے۔ قرآنی آیات میں بہت

اثر ہے دم وغیرہ بھی ہے لیکن بیمار کو چاہئے کہ دوائی لے لیکن ساتھ میں پرہیز بھی کریں۔ لیکن تمہیں بھی چاہئے کہ نماز پڑھو، ذہن کو صاف رکھو باوضو رہو قرآن کی تلاوت کو اپنا معمول بناؤ ہمارا کام ہے عمل کرنا۔''

میں شاہ صاحب کی تمام بات سمجھ گیا تھا اور اس پر پورا عمل کرنے کا ارادہ کرلیا انہوں نے لیپ ٹاپ پر بیٹھ کر ہی میرا روحانی علاج شروع کیا وہ دوسری رات تھی مارچ کا وسط تھا لیکن مجھے گرمی محسوس ہورہی تھی میرے سارے گھر والے رضائیاں اوڑھے سورہے تھے اور میں باہر سردی میں کھڑا سکون کی تلاش کررہا تھا کہ اچانک وہ ہی ٹھنڈی سرگوشی میرے کان میں سنائی دی۔

''تم انسان اپنی حد میں رہا کرو اور ہمیں اپنی حد میں رہنے دو۔'' اس سرگوشی کو سنتے ہی میرے اندر ایک سناٹا سا چھا گیا۔

میرے دائیں سے ایک سایہ گزرا اور صحن میں گم ہوگیا۔

اسی وقت میری پیٹھ پر عین دل کے مقام پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا چند ساعت بعد اندھیرا چھٹ گیا میں حیران رہ گیا ڈر سے میرے دل میں سوئی سی چبھنے لگی میں اسی لمبی گلی میں کھڑا تھا اور میرے سامنے...... آہ...... اسے دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اتنی سردی میں بھی میرے ماتھے سے پسینہ نکلنے لگا وہ سفید کپڑوں میں کوئی انسان ہی تھا بجلی کے کھمبے جتنی لمبائی میرا دماغ اسے دیکھ کر سن ہونے لگا۔

وہ آہستہ آہستہ نیچے بیٹھنے لگا اور میرے دماغ میں اچانک سید صاحب کا بتایا ہوا ورد آگیا میں نے آہستہ آہستہ ورد شروع کردیا ابھی میں نے چند ہی الفاظ ادا کئے تھے کہ وہ لمبا آدمی غائب ہوگیا اور میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گھر آگیا۔ دروازہ کی کنڈی کھلی تھی مطلب میں دروازہ ہی سے گیا تھا میں نے گھر میں داخل ہوکر کنڈی چڑھادی گھر والے اسی طرح سورہے تھے میری وہ پوری رات جاگتے گزر گئی۔

دوسرے دن میں نے شادو سے رابطہ کیا اور اسے سید صاحب سے جلد رابطہ کرنے کا کہا کیونکہ اسی کے لیپ ٹاپ سے سید صاحب سے بات ہوتی تھی اسی شام سید صاحب سے لیپ ٹاپ پر اسکائپ پر ایک طویل نشست ہوئی اور انہوں نے دم کیا ہوا پانی کوریئر کے ذریعے بھجوادیا جو کہ تیسرے دن مجھے مل گیا۔

سید صاحب کے روحانی علاج دم کئے ہوئے پانی اور میرے ہمیشہ باوضو رہنے اور پانچ وقت کی نماز پڑھنے سے میری زندگی میں سکون آنے لگا اور چند ماہ کے اندر مجھے اس سرگوشی اور ہاتھ کے دباؤ سے نجات مل گئی۔

اس دوران شادو نے میری ہمت بندھائی شادو چاہتی تھی کہ اس کے پیسے کو استعمال کرکے اپنے گاؤں میں ترقیاتی کام کئے جائیں اور اس کے لئے وہ مجھے اپنی طرف سے پیسے بھیجنا چاہ رہی تھی پہلے ہم دونوں میں بحث ہوتی رہی میں کہتا کہ ''یہ ترقیاتی کام کروانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔''

وہ کہتی کہ ''حکومت ان دیہات کا کہاں خیال کرتی ہے اسے تو اپنے بکھیڑوں سے فرصت نہیں ہوتی۔''

ویسے کہتی تو وہ ٹھیک ہی تھی ہمارے گاؤں میں داخل ہونے والے چاروں طرف سے چار بڑے راستے تھے جن میں دو کی حالت کچھ ٹھیک تھی لیکن دو بالکل خراب حالت میں تھے اور پھر شادو نے پیسے بھجوانے شروع کردیئے، میں نے فلاحی کام شروع کردیئے شادو نے یہ بھی کہا تھا کہ ''گاؤں کے لوگوں کو یہ پتہ نہ چلے کہ یہ سب کام شادو کروارہی ہے۔'' اس نے مجھے اتنا پیسہ بھیجا کہ گاؤں کی بہت سی گلیاں نکاسی آب کا کام واٹر فلٹر پلانٹ اور چھوٹے اسکولوں میں واٹر کولر اور سولر سسٹم تک لگ گئے یہ نہیں کہ وہ بس پیسے بھیجتی رہتی تھی بلکہ نیٹ پر میں ہر مکمل کرنے والا کام کمپلیٹ اسے دکھاتا تھا تب وہ مطمئن ہوتی تھی ان سب کاموں کے لئے مجھے باقاعدہ وہ معاوضہ دیتی یعنی کے ان سب کاموں میں میرا کمیشن تھا حالانکہ میں نے

بہت انکار کیا لیکن وہ نہ مانی۔

"شادو تمہارے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آیا ہے اور تم یہ سب کیوں کر رہی ہو۔"

ایک دن میں نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگی۔

"یہ سب پیسہ میرے ابو کے اکاؤنٹ میں تھا اور ساتھ میں، میں خود بھی تو کما رہی ہوں میرا پیسہ بھی اچھے کام پر لگ جائے تو کتنا اچھا ہے کروڑوں ڈالر پڑے ہیں ابو کے اور میرے اکاؤنٹ میں آخر میں نے اتنا پیسہ کیا کرنا ہے اور دوسرا میں یہ سب کیوں کر رہی ہو یہ میرے ابو کی خواہش تھی اور میرا بھی دل چاہتا ہے کہ جب کبھی گاؤں آنا ہو تو یہ گندی گلیاں کچے راستے جگہ جگہ کچرہ نہ ہو بلکہ صاف ستھرا ماحول ہو۔"

میں اس سے پوچھنے ہی لگا تھا کہ اسے پیسوں کی ضرورت کیوں نہیں آخر اس کے بچے ہوں گے گھر بھر ہوگا لیکن اس کے پاس کچھ لوگ آ گئے تب ہمیں بات ختم کرنی پڑی۔

وہ ایک بہت ہی خوشگوار دن تھا صبح صبح ہی میری سید صاحب سے روحانی محفل ہوئی تھی ان کے روحانی علاج اور دم شدہ پانی اور میری طرز زندگی بدلنے سے میں بالکل ٹھیک ہو گیا تھا لیکن جب بھی کبھی اس گلی سے گزر ہوتا میرے دل میں کھٹک سی ہوتی۔ شادو کے کئے گئے کاموں کے کمیشن نے مجھے بھی ترقی دی تھی میری چھوٹی سی دکان تھوڑا بڑا اسٹور بن گئی تھی میں نے ایک چھوٹی سی کار لے لی تھی میں اب بھی اسپتال کے ان کوارٹروں کے پاس سے گزرتا تو انہیں دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہوتا بالکل ویران اور جھاڑ جھنکار سے بھرے ہوئے میرے ذہن میں خیال آیا ہمارے محلہ میں لڑکوں کے لئے پرائمری اسکول نہ تھا اس سلسلے میں میں نے اپنے محلہ کے معزز اور بزرگ آدمیوں کو ساتھ ملایا اور ایم این اے ضلع ناظم اور ڈی سی او وغیرہ کے پاس چکر لگانے لگے لیکن کام نہ بنا اس سلسلے میں گاؤں کے اسپتال کی لیڈی ڈاکٹر سے بھی میں کتنی ہی دفعہ ملا وہ بھی اس کے لئے ایگری تھی اور وزیر اعلیٰ وغیرہ کو خط بھی لکھ دیئے ان ہی دنوں بلدیاتی الیکشن کی اجازت حکومت نے دے دی ہمارے محلہ والوں نے مل کر ایک کمیٹی تشکیل دی اور اس کمیٹی نے گاؤں کی یونین کونسل ناظم کے لئے میرا نام دیا میرے منع کرنے کے باوجود بھی میرے کاغذ جمع کرا دیئے گئے حالانکہ گاؤں کے بہت سے لوگ میرے خلاف تھے جو کہ کہتے تھے کہ میرے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آیا جس سے میں نے ترقیاتی اور فلاحی کام کروائے۔

اللہ کا خصوصی کرم ہوا اور میں جیت گیا میرے ناظم بنتے ہی چند دن بعد میری اسپتال کی لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ شادی ہو گئی جو کہ اسی ڈاکٹر کی بیٹی ہے جو شروع شروع میں ہمارے گاؤں کے اسپتال میں انچارج تھی اور یہ لڑکی یعنی مائلہ میری بیوی ہو گئی وہ لڑکی جس سے میں بچپن میں کھیلتا تھا۔

اختیارات ملتے ہی میں نے اور مائلہ نے اس اسپتال کے ویران کوارٹروں میں ایک ویلفیئر اسکول کھول لیا چاروں کوارٹروں کو صاف ستھرا کرنے کے بعد رنگ و روغن اور بہترین حالت دے دی یہ وہ ہی کوارٹر تھے جن کے قریب سے گزرنے پر لوگ ڈرتے تھے اب ان ہی میں کسی جن بھوت کی چیخوں اور ہنسنے کی نہیں بلکہ بچوں کی پڑھنے کی آواز آتی ہے اس اسکول کا افتتاح شادو نے اپنے ہاتھوں سے کیا اور اسکول کے لئے اتنی ڈونیشن دی کہ بچوں سے فیس لئے بغیر ہی دس سال تک اسکول چل سکتا تھا۔

میری شادی کا سن کر شادو کے چہرے پر سوگوار سی مسکراہٹ آ گئی اور جب میں نے پوچھا کہ "تمہاری شادی ہوئی ہے کہ نہیں؟" تو وہ ٹال گئی۔

وہ پہلے سے کافی کمزور ہو گئی تھی یا پھر مجھے لگ رہی تھی۔ واپس جاتے ہوئے وہ کافی اداس تھی سید صاحب کی دی ہوئی ایک وظیفے کی کتاب اور ان کا دم کیا ہوا آب زم زم مجھے دے کر وہ واپس چلی گئی۔

روگِ عاشقی

محمد شعیب۔ فیصل آباد

اچانک کمرے میں ایک ہیولہ نمودار ہوا، اس کے لب ہلے اور آواز سنائی دی، عاشقی مرتی نہیں، میرا جسم تو فنا ہوگیا مگر میری عاشقی ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے اور رہے گی، اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھنا لیکن......

ایک عاشق کی حیرتناک روداد جو کہ پڑھنے والوں کو دہلا کر رکھ دے گی، پڑھ کر دیکھیں

"**دفع** ہو جاؤ، میری نظروں کے سامنے سے۔" اس نے انتہائی کرخت لہجے میں کہا۔ وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔ اگرچہ دل کرچی کرچی ہو کر بکھر چکا تھا مگر محبوب کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت اس میں نہ تھی۔ آنکھوں میں آنسو اللہ آنے کے لیے بے تاب تھے مگر وہ ان پر بند باندھنا جانتا تھا۔ آخر عاشق نے بھی تو سکھایا تھا۔ اپنے جذبات کو سفید چادر میں لپیٹ کر خود کو دوسروں کے سامنے ہنستے ہوئے پیش کرنا۔ لبوں پر مسکراہٹ کے ساتھ اپنے درد کو دوسروں پر عیاں نہ کرنا۔

"آئندہ میری نگاہوں کے سامنے آنے کی جرأت بھی کی تو میں بھول جاؤں گی کہ میں کبھی تمہاری دوست ہوا کرتی تھی۔" اس کی آنکھوں میں انتہا کی سفاکیت اتر آئی تھی۔ دیکھنے والے تماشبین تھے اور آگے بڑھ کر کسی کے درد کی دوا کرنے سے قاصر دکھائی دیتے

تھے۔ وہ گردن کو ہلکا سا خم دیئے بس اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ہاتھوں میں ایک عدد گٹار تھا۔ جسے پکڑنے کی سکت اگرچہ ختم ہوچکی تھی مگر وہ اس کو تھامے ہوئے تھا۔

''اب جاسکتے ہو یہاں سے۔'' اس نے گہری ضرب لگائی۔ اپنی صفائی دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ آخر جرم ہی کیا کیا تھا اس نے؟ فقط اظہار محبت؟ کیا کسی سے اپنی محبت کا اظہار کرنا جرم ہے؟ کیا محبوب کو اپنی عاشقی کے بابت بتانا ناقابل تلافی درد ہے؟

اس کی پلکیں بھیگ چکی تھیں۔ قریب تھا کہ ابرنیساں موتیوں کے مانند زمین بوس ہوجاتے۔ وہ پیچھے کی جانب کھسکا۔ قدم ڈگمگائے مگر وہ سنبھل گیا۔ لب اب بھی نہ ہلے تھے۔ دل میں کسی کنول کی مانند سامنے والا چہرہ ،اس کو آنکھیں دیکھ رہا تھا اور خاموشی سے کھسکتا نظر آرہا تھا۔ کسی کی ایک نہ سننے والا اپنے دل کی سن کر آج درد کی ٹھوکریں کھانے کے لیے تیار تھا۔

سمیر راجپوت، ہزاروں دلوں کی دھڑکن، سنگیت کی دنیا کا نامور آدمی، اپنی کولیگ کی محبت میں ایسا گرفتار ہوا تھا کہ اپنا مقام، اپنا مرتبہ سب کچھ بھول گیا۔ جہاں بھر کی نعمتیں ایک طرف اور محبوب کا ساتھ ایک طرف...... وہ سائرہ کی خاطر کچھ بھی کرنے کے لیے تیار تھا مگر اس کی آنکھوں میں سمیر ایک پل کے لیے بھی نہیں جچتا تھا۔ اس کے ساتھ کام کرنا، اس کی مجبوری تھی مگر آج جب سمیر نے اپنے دل کا حال سائرہ کے سامنے رکھا تو وہ اسے قطعاً برداشت نہ کرسکی اور ایک طمانچہ اس کے رخسار پر دے مارا تھا۔ عاشقی کا مجسمہ سمیر راجپوت ہونقوں کی طرح دیکھتا رہا۔ دل کے ٹوٹنے کے بعد کے منظر کی وہ اپنے گانوں میں عکاسی اگرچہ کرتا تھا مگر درد کی شدت شاید وہ جانتا ہی نہ تھا اور آج وہ اس ذائقے سے بھی آشنا ہوچکا تھا۔

کتنا میٹھا سا ہے
درد جو تم نے دیا ہے
مرہم نہ کوئی دوا ہے
مرضِ عشق ایسا گناہ ہے

اپنے ہی گانے کے الفاظ آج اسے اچھے سے سمجھ آچکے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے انہی لمحوں کے لیے اس نے وہ الفاظ کہے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے پلٹتا جارہا تھا کہ یکدم اس کی آواز نے ایک بار پھر ان قدموں کو روک دیا تھا۔

''ٹھہرو......!'' وہ امید کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ ایک وقار کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی۔

''یہ لو، اپنا تحفہ......'' وہ پھول جو اس نے بڑی ہی چاہ سے اس کے لیے خریدے تھے۔ اس کے منہ پر مار دیئے گئے۔ پنکھڑیاں ہوا میں بکھرتی چلی گئیں۔ ہر ٹہنی جدا ہوگئی، خوشبو نے فضا کو معطر کیا تھا مگر درد پر مرہم لگانے کی بجائے جلتی پر نمک کا کام کیا۔ اب آنکھوں کو ضبط میں رکھنا محال تھا۔ ایک شبنم سا قطرہ بہہ ہی نکلا تھا۔

☆ ☆ ☆

گرفتار جو ہوا محبت میں
عاشقی اُس کی سزا ہے

محبت کو دھتکارے جانے کے بعد سنگیت کے دنیا کا یہ ستارہ جیسے ڈھل ہی چکا تھا۔ تمام کنسرٹ اس نے ملتوی کردیئے اور تمام البم کو نذر آتش کردیا۔ اپنے آپ کو چار دیواری میں قید کرکے بس اپنی عاشقی کو یاد کرتا۔ گھر والے اور دوست احباب اس کی حالت پر اگرچہ فکرمند تھے مگر وقت کی موجوں پر چھوڑ کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

''دل ٹوٹا ہے ابھی...... کچھ دنوں بعد دیکھنا پہلے جیسا ہوجائے گا۔'' تقریباً سب کی باتوں کا یہی مفہوم نکلتا تھا مگر کوئی کیا جانے عاشقی کا روگ؟

بند کمرے میں جہاں اس نے جگہ جگہ سائرہ کی تصاویر اپنے پوسٹرز کے ساتھ لگائے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھتا جاتا اور گٹار کے تاروں سے درد بھرا سر بکھیرتا۔ آج بھی وہ اپنی عاشقی کے قصے خاموش در و دیوار کو سنا رہا تھا کہ اس کے دل مضطر نے کسی انہونی کی خبر دی تھی۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ بادلوں سے سجا آسمان کسی طوفان کا پیش خیمہ تھا۔ کھڑکیوں کے دونوں دروازے زوردار آواز کے ساتھ خود بخود کھلتے اور بند ہوتے جارہے تھے۔ اس نے حسرت کے ساتھ باہر کی طرف دیکھا اور

گٹار کو بیڈ پر رکھ کر اس جانب مڑا۔ وہ سفید جینز اور اسی رنگ کی ہائی نیک میں ملبوس تھا۔ چاندی رنگت پر یہ لباس خوب جچ رہا تھا۔

''سائرہ......! تم ٹھیک تو ہو؟'' اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔ جواب گہری خاموشی سے دیا گیا تھا۔ دل کی بے چینی بڑھنے لگی۔ بادلوں کا شور اور رم جھم اس کے سکون کو تباہ و برباد کررہی تھی۔ وہ مٹھیاں بھینچے کبھی دروازے کی طرف بڑھتا تو کبھی بالکونی کی طرف۔ اسے ایک پل کے لیے چین نہیں آرہا تھا۔

''یہ کیا ہورہا ہے مجھے؟ ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے سائرہ کسی مصیبت میں ہے؟'' اس نے اپنے گاتے ہوئے پوسٹر کی جانب دیکھا تھا۔ جہاں اس کے عین پیچھے سائرہ کھڑی تھی۔ وہ لمحے بھی کیا لمحے تھے؟ محبوب محبت سے آشنا تو نہ تھا مگر ساتھ تو تھا؟ درد ایک بار پھر ابھرنے لگا تھا۔

''مجھے فون کرکے پوچھنا چاہیے۔'' اپنی اتنی ذلت برداشت کرنے کے باوجود وہ اس کے بارے میں فکرمند تھا۔ فون ملایا تو وہ سوئچ آف نکلا۔

''موبائل سوئچ آف مگر کیوں؟'' فکر پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ اب وہ وہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ جس حال میں تھا، اسی حال میں اپنے محبوب کی خاطر چل دیا۔ نہ موسم کی فکر تھی اور نہ رات کے اس پہر کی خبر۔

''سمیر......!'' اس کی موم نے اس کو گیراج کی طرف جاتا دیکھا تو پکارنا چاہا مگر وہ ان کے الفاظ کیونکر سن سکتا تھا؟ دل مضطر میں بس محبوب سمایا ہوا تھا۔

بارش خوب برس رہی تھی۔ بادلوں کی گرج نے فضا میں موجود ہر آواز کو دبا دیا تھا۔ ایسے میں وہ تیز ڈرائیو کرتے ہوئے کار کو اجنبی منزل کی طرف گامزن کیے ہوئے تھا۔ سنسان سڑک، جس کے دونوں اطراف بوسیدہ سے درخت تھے، ایک وحشت کا منظر پیش کررہے تھے۔ آنکھوں میں سائرہ کا چہرہ سموئے ہوئے وہ کئی بار موڑ کاٹتے ہوئے حادثے سے بچا تھا۔ اس بار بھی جب وہ دائیں جانب مڑا تو یک دم بریک لگائی۔ آنکھوں میں ایک کسک نے جنم لیا۔ سامنے سائرہ کی کار تھی۔ جو دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔

وہ بنا سوچے سمجھے باہر آیا اور تیزی کے ساتھ سائرہ کی کار کی طرف بڑھا جو اندر سے بالکل خالی تھی۔ کوئی وہاں موجود نہ تھا۔ دو لمحوں میں ہی وہ مکمل طور پر بھیگ چکا تھا مگر اسے اپنے آپ کی بجائے سائرہ کی فکر تھی۔

''سائرہ اس ویرانے میں کار چھوڑ کر کہاں جا سکتی ہے؟'' اس نے پیشانی سے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے سوچا تھا۔ تبھی بارش کی رم جھم میں اسے پائل کی چھنکار سنائی دی۔ کوئی تیزی کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ قدموں کی چاپ بھی اس چھنکار میں شامل ہورہی تھی۔

وہ حیرت سے پلٹا۔

''یہ آوازیں......؟'' اس نے سوچا اور سامنے کی طرف بھاگا۔ آواز قریب سے قریب تر ہوتی جارہی تھی۔

''بچاؤ...... بچاؤ......'' اب مدہم سی آواز بھی سنائی دی تھی۔ ذرا غور سے سنا گیا تو وہ سائرہ کی آواز تھی۔ اس کے جسم میں جیسے ایک کرنٹ دوڑ گیا تھا۔ بھاگتے ہوئے اس آواز کا تعاقب کیا گیا۔

وہاں سائرہ اکیلی بھاگ رہی تھی۔ دلہن کے لباس میں...... اس کے پیچھے کئی غنڈے تھے، جو اس کا تعاقب کرنے کی کوشش میں تھے۔ سمیر نے یہ دیکھا تو ان غنڈوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''چھوڑ دو اس کا پیچھا کرنا، ورنہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔'' اس نے دھمکی دی تھی۔ شناسا آواز سماعت سے ٹکرائی تو وہ پلٹی، سمیر کو وہاں دیکھ کر وہ خاصا چونکی تھی مگر امید کی کرن نظر آنے پر اس کی جان میں جان آئی تھی۔ مہندی کے فنکشن کے لیے وہ بیوٹی پارلر سے اکیلے گھر کی طرف جارہی تھی کہ خراب موسم کے باعث انجن میں پانی بھر آیا۔ ایسے میں غنڈے وہاں آموجود ہوئے اور اپنی جان بچانے کی خاطر وہ بس بھاگتی جارہی تھی۔

''اب تو ہمیں بتائے گا کہ ہمارے لیے کیا اچھا ہے کیا نہیں؟'' وہ تین تھے اور یہ اکیلا۔ سب نے مل کر اس پر وار کیے تھے۔ سائرہ نے آگے بڑھ کر انہیں روکنا چاہا مگر اتنے میں وہاں ولید آچکا تھا۔ وہ اسی تلاش میں آیا تھا۔

جب فون بار بار سوئچ آف مل رہا تو اسے بھی فکر ہوئی تھی۔ تبھی اسے ڈھونڈنے آ نکلا تھا۔

’’ولید...... اچھا ہوا، تم آ گئے۔ وہ دیکھو سمیر اکیلے ان غنڈوں سے لڑ رہا ہے۔ پلیز اس کی مدد کرو، وہ مار دیں گے اسے۔‘‘ سائرہ نے درد بھرے لہجے میں ولید سے مدد کی درخواست کی مگر اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

’’پاگل ہو گئی ہو کیا؟ وہ بدمعاش ہیں۔ چلو یہاں سے۔ کسی کے معاملے میں بلاوجہ نہیں پڑنا چاہیے۔‘‘ وہ اس کا ہاتھ کھینچتے ہوئے وہاں سے لے گیا اور اپنی کار میں بٹھایا۔ وہ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی۔ ایک کپکپی اس کے جسم پر طاری تھی مگر نگاہیں برجستہ بار بار پلٹ کر دیکھ رہی تھیں جہاں سمیر بری طرح گھائل ہو چکا۔ برستی بارش میں خون بھی شامل ہو چکا تھا۔ وہ ان کے سامنے بری طرح ہار چکا تھا۔ سر پر لگی چوٹ کے سبب خون بہہ رہا تھا۔ آنکھیں بھی بوجھل محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر آ گرا تھا۔ گردن کو ہلکا سا اٹھا کر دیکھا تو سامنے سائرہ کار میں بیٹھی دور جاتی دکھائی دی۔ ہاتھ بڑھا کر اسے بلانا چاہا مگر پیچھے سے ایسی ضرب لگی کہ وہ وہیں زمین پر ڈھیر ہو گیا اور آنکھیں کھلی تھیں اور سائرہ کو اپنے سے دور جاتا دیکھ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

’’سمیر......‘‘ اس کی دفعتہً آنکھ کھل گئی تھی۔ جسم پسینے سے شرابور تھا۔ اس نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا اور گہرا سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پورا کمرہ سرخ گلابوں سے سجا ہوا تھا۔ آج اس کی اور ولید کی شادی کو پورے چار سال بیت چکے تھے۔ آج ہی کے دن سمیر کی موت ہوئی تھی اور تب سے آج تک کوئی ایسی رات نہیں گزری تھی جب اس نے سمیر کو خواب میں مرتے ہوئے نہ دیکھا ہو۔ ہر رات وہ ان آنکھوں میں اپنے لیے محبت دیکھتی تھی مگر تسلیم کرنے سے انکاری تھی۔ اس کی محبت اس کا شوہر ولید تھا۔ جو ہر پل اس کے ساتھ تھا۔ آج وہ اس کے لیے خاص تحفہ لانے جا رہا تھا۔

’’اب بس ولید آتے ہی ہوں گے۔‘‘ وہ تیار ہونے کے لیے واش روم میں گئی اور دس منٹ بعد ایک سرخ رنگ کی ساڑھی پہنے واپس آئی تھی۔ یہ ساڑھی صبح ولید نے ہی اسے پہننے کو کہا تھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنے بال کنگھا کر رہی تھی کہ اسے اپنے پیچھے کسی کے ہونے کا شبہ ہوا۔ وہ پلٹی مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے وہم سمجھ کر اپنے خیال کو جھٹک دیا اور دوبارہ کنگھا کرنے لگی۔ اسے ایک بار پھر آئینے میں کوئی شبیہ دکھائی دی۔ وہ بری طرح گھبرائی اور پلٹ کر دبے دبے لہجے میں استفسار کیا۔

’’کک کون ہے وہاں؟ ولید آپ ہو؟‘‘ اس نے کنگھا ڈریسنگ پر رکھا اور دھیمے قدموں سے آگے بڑھی اور سامنے پردوں کو لہراتا ہوا پایا۔ اس نے خوف کو دباتے ہوئے پردے ہٹائے مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ اس کی جان میں جان آئی۔

’’لگتا ہے میرا وہم تھا۔‘‘ اس نے گہرا سانس لیا اور پلٹی تو خوف کے مارے پیچھے کی جانب اچھل پڑی۔ وہاں ولید کھڑا تھا۔ اچانک اسے اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر وہ بری طرح چونکی تھی۔

’’ولید......!!‘‘ وہ بری طرح چیخی تھی۔

’’ہاں میں...... کیوں کسی اور کو گمان کر رہی تھی کیا؟‘‘ اس نے ہنستے ہوئے رومانوی انداز میں کہا تھا۔

’’نن نہیں......‘‘ اس نے ہکلاتے ہوئے تردید کی تھی۔

’’لیکن ڈر تو ایسے گئی تھی جیسے کوئی بھوت آ کھڑا ہوا ہو۔‘‘ اس بار وہ سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا تھا۔ وہ مسکرا دی اور دوبارہ ڈریسنگ کی طرف چل دی۔

’’آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کسی بھوت وغیرہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ اس نے پرمطمئن لہجے میں کہا تھا۔

’’اتنا یقین ہے مجھ پر؟‘‘ اس کا انداز ذومعنی تھا اور دھیرے قدموں کے ساتھ آگے بڑھا۔ اپنے ہاتھوں میں ایک باریک سی ڈوری کو لپیٹنے لگا تھا۔

’’خود سے بھی زیادہ۔‘‘ وہ آئینے میں دیکھ رہی تھی۔

’’تو آج اس یقین کو بھی توڑ دیتا ہوں۔‘‘ بس

اتنا کہنا تھا کہ اس نے اس ڈوری کو سائرہ کے گلے میں لپیٹ دیا اور اسے بری طرح کسنے لگا۔ سائرہ اس حملے کے لیے قطعاً تیار نہ تھی اور اکھڑتی سانسوں کے ساتھ اپنی بقا کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ سوال پوچھنے کا وقت نہیں تھا اور نہ ہی کوئی جملہ زبان سے ادا ہو سکتا تھا۔ سانسیں لینا بھی دشوار ہو چکا تھا۔ ڈوری اتنی باریک مگر مضبوط تھی کہ اس کے گلے کی رگوں کو بھی چیر سکتی تھی۔

’’بہت بار میرے حملوں سے بچ گئی تم مگر آج نہیں...... آج تمہیں مرنا ہوگا۔‘‘ وہ جبڑے بھینچے کہہ رہا تھا۔ ایک جنون اس کے سر پر سوار تھا۔ اس نے ولید کے چنگل سے نکلنا چاہا مگر ناکام رہی۔ اب اسے اپنا آخری وقت معلوم ہوا تھا کہ ایک آواز سماعت سے ٹکرائی تھی۔

’’چھوڑ دو سائرہ کو۔‘‘ آواز شناسا تھی۔ ولید اس آواز کو سن کر بری طرح چونکا تھا کیونکہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے سے تمام کھڑکیاں دروازے بند کر دیے تھے پھر یہ آواز؟ وہ پلٹا تو ایک بہت بڑا دھچکا لگا۔ سامنے سمیر اسی طوفانی رات والے لباس میں کھڑا تھا۔

’’سمیر؟‘‘ ولید کی زبان سے جاری ہوا تو سائرہ بھی کھانستے ہوئے پلٹی، وہاں واقعی سمیر تھا۔ آنکھیں حقیقت کو تسلیم کرنے سے قاصر تھیں۔

’’تم کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔‘‘ یہ کہتے ہی سمیر کی آنکھوں سے عجب روشنی نکلی تھی اور ولید اس روشنی کی تابناکی کو برداشت نہ کر سکا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ سائرہ یہ سب سمجھنے سے قاصر تھی۔

’’سمیر...... تم زندہ ہو؟‘‘ وہ ہکلاتے ہوئے کہہ رہی تھی اور ولید کو یوں مرتا ہوا دیکھ کر اس کا دل دہل چکا تھا مگر جو اس نے کیا تھا، اس کے بعد کوئی جذبہ ہمدردی نہ تھا۔

’’عاشق مرتے نہیں ہے سائرہ...... میرا جسم تو اس رات فنا ہو گیا مگر میری عاشقی تمہارے ساتھ ہمیشہ رہی تھی اور تمہیں اس شخص کے فریب سے بچاتی رہی۔‘‘ بس اتنا کہنا تھا کہ وہ عکس آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ سائرہ کی آنکھوں میں آنسو تھے اور حالات کو سمجھنے سے قاصر دکھائی دیتے تھے۔ تبھی اس کا دماغ چکرایا اور ایک ایک بات سمجھ میں آ گئی۔

اس رات ولید اسے بچانے نہیں بلکہ یہ دیکھنے آیا تھا کہ سائرہ مری یا نہیں مگر سمیر نے وقت پر آ کر سائرہ پر آئی موت کو اپنے سر لے لیا۔

شادی کے بعد جو گھر میں آگ لگی تھی۔ اس وقت بھی ولید وہاں موجود تھا مگر اس نے اسے بچانے کی کوشش نہ کی مگر سمیر کی عاشقی نے بچنے کی راہیں ہموار کیں۔ کچن کے عقب میں ہمیشہ سے بند کھڑکی، آج غیر معمولی انداز میں خود بخود کھلی تھی۔

سیڑھیوں پر کسی نے تیل پھینک دیا تھا اور کچھ دیر پہلے وہاں سے گزر ولید کا ہی ہوا تھا مگر وہ پھسلا نہیں اور جیسے ہی سائرہ نے اپنا پہلا قدم رکھا تو اس کا پاؤں پھسل گیا مگر کسی نے اس انداز میں اسے پکڑا تھا کہ اسے محسوس نہ ہوا۔ اس کا دوپٹہ بری طرح سیڑھی کے ساتھ جنگلے میں پھنس گیا اور وہ منہ کے بل گرنے سے بچ گئی۔

اس دن بھی وہ اپنی ڈرائیونگ سیٹ کی بیلٹ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ولید اسے جلدی کرنے کو کہہ رہا تھا۔ تبھی اس کا سارا دھیان بیلٹ کی طرف تھا، تبھی غیر ارادی طور پر اس کا سر آگے کی جانب جھک گیا، جیسے کسی نے زور سے دھکا دیا ہو۔ اس سے پہلے وہ واپس اپنا چہرہ اٹھاتی، ایک فائر کی آواز سنائی دی۔

آج ان تمام رازوں سے پردہ فاش ہو چکا تھا۔ اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ ولید کی لاش سامنے تھی مگر یہ آنسو اس کے لیے نہیں تھے بلکہ اس عاشق کے لیے تھے جو مرنے کے بعد بھی اپنی عاشقی نبھاتا رہا۔ وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی اور اپنی قسمت کو کوسنے لگی کہ کیوں اس نے محبت جیسی نعمت کی توہین کی تھی؟ کیوں؟ سمیر کی عاشقی کو برا جانا حالانکہ وہ تو خالصتاً اسے چاہتا تھا تبھی تو ہر لمحہ عاشقی نبھاتا رہا۔

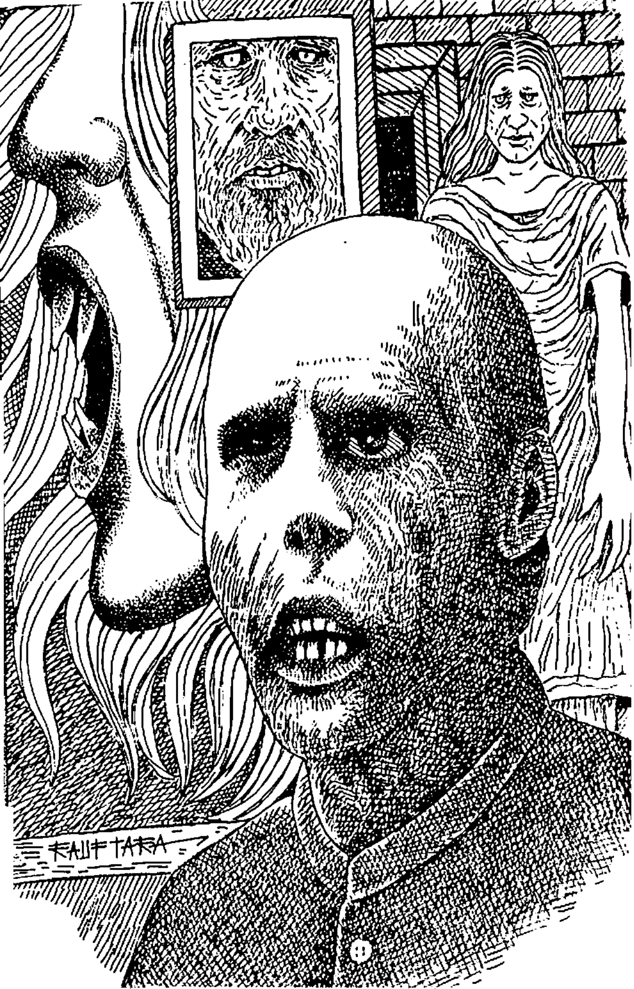

جان لیوا

راشد نذیر طاہر

قسط نمبر:1

برس ہا برس سے پراسرار قوتوں کو مسخر کرنے کے لئے سرگرداں انسانوں کی پراسرار ہولناک داستان حیرت، قدم قدم پر سحر جادو اور عملیات کی حیرت انگیز مناظر پڑھنے والوں کو انگشت بدنداں کرکے اچنبھے میں ڈال دیں گے، ایک بالکل نئے طرز کی حیرت ناک دلوں پر دہشت طاری کرتی کہانی۔

ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

میرا نام شکیل جان آقال ہے۔ اور اس آخری لفظ کی وجہ سے ہی شاید میں اس طویل اور پراسرار داستان کا کردار بنا ہوں۔ کیونکہ آقال میری ذات ہے اور میرے تمام جدی پشتی لوگ عملیات وغیرہ کے ماہر گردانے جاتے تھے۔

خود میرا باپ بھی ایک مشہور عامل تھا۔ اس کا نام سکندر آقال تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے ہمیشہ ان کے گرد لوگوں کا ہجوم دیکھا تھا۔ انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ خود کوئی شمع ہو اور انہیں پروانوں نے گھیر رکھا ہو۔

میں دو بہنوں کا اکلوتا اور لاڈلا بھائی تھا، لیکن میں ابھی کم سنی میں ہی تھا کہ میری دونوں بہنیں اچانک ہی پراسرار قسم کی موت کے ہاتھوں خالق حقیقی سے جا ملیں۔

مجھے ٹھیک طرح سے اندازا نہیں کہ اس واقعہ سے میرے باپ پر کیا گزری تھی، البتہ میری ماں ضرور نیم دیوانی سی ہوگئی تھی، وہ اکثر راتوں کو اٹھ کر روتی تھی۔ اکثر اس کی ہچکیوں سے میری آنکھ کھل جاتی اور میں بے ساختہ پوچھتا۔

"کیوں رو رہی ہو ماں......؟ کیا ہوا؟"

"اب ہونے کے لئے کیا رہ گیا ہے......" اس کا جواب ہوتا۔ "تو پریشان مت ہو سو جا بیٹا......سو جا۔"

ایک رات تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اسے سمجھانے کے انداز میں بولا۔

"اتنا نہیں روتے اماں...... بری بات ہوتی ہے تم ان دونوں کے لئے روتی ہو نا؟"

"ہاں بیٹا......!" وہ بلک اٹھی۔ "میں صرف رو سکتی ہوں اور کچھ تو میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

"لیکن رونے سے کیا ہوگا ماں......تم خود ہی تو کہتی ہو کہ وہ اب بہت دور چلی گئی ہیں اور کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گی۔"

"ہاں......!" اس نے سر ہلایا۔ "میں خود ہی یہ بات کہتی ہوں شکیل بیٹا!"

"تو پھر روتی کیوں ہو......؟"

"کیا کروں......؟ اگر میں آنکھوں کے ذریعے اپنے دل کی بھڑاس نہ نکالوں تو میرا دل پھٹ جائے گا۔"

یہ سن کر میں نے خاموشی سے اپنی ماں کے سینے پر سر رکھ دیا تھا، اس نے مجھے بری طرح بھینچ لیا تھا مجھے آج تک یاد ہے کہ اس کا وجود کس طرح ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

میں نے اپنے باپ کو رات کے وقت بہت کم گھر کے اندر دیکھا تھا...... بلکہ یہ گھر کیا تھا......پرانی

اور قدیم حویلی تھی...... جس کا ایک حصہ میرے باپ نے صرف اور صرف اپنے مصرف کے لئے رکھا ہوا تھا۔

اور پھر ایک دن میں نے اپنے باپ اور ماں کا جھگڑا دیکھا، یہ تکرار کس بات پر شروع ہوئی تھی، اس بارے میں مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا۔ میں اسکول سے واپس آیا تھا اور میں نے اپنا بستہ تخت پر رکھا ہی تھا کہ اندرونی کمرے سے مجھے اپنے باپ کی دہاڑ سنائی دی۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہوں؟ کیا پاگل ہوگئی ہو......؟''

''تمہارے پاس میری باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے...... اسی لئے تم مجھے یہ لقب دے رہے ہو۔'' ماں کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''لیکن تم اس بات کو مانو کہ تمہارے ہی کسی عمل نے میری دونوں بچیوں کی جان لی ہے۔ ضرور تم سے کسی عمل میں کوتاہی ہوئی ہے یا پھر کسی نے تم سے اپنی دشمنی نکالی ہے۔''

میں اور قریب چلا گیا اور کمرے کی دیوار سے لگ کر ان کی باتیں سننے لگا۔

میرا باپ کہہ رہا تھا۔

''دیکھو سمجھو...... اس وہم کو اپنے دل سے نکال دو...... وہ میری بھی اولادیں تھیں...... مجھے بھی ان سے اتنا ہی پیار تھا، جتنا کہ تمہیں تھا...... لیکن میں تمہیں اپنا دل تو چیر کر نہیں دکھا سکتا...... مگر اب کوئی کر بھی کیا سکتا ہے...... انہیں ناگہانی موت سے دوچار ہونا تھا...... یہی ان کا نصیب تھا اور بس اتنی ہی زندگی تھی۔''

''لیکن میں یہی کہوں گی کہ یہ تمہارے کسی عمل کا نتیجہ ہے...... ورنہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔''

''تم پھر وہی الٹی بات کر رہی ہو......'' میرا باپ جھلا کر بولا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ وہ دونوں کہاں غائب ہوگئی تھیں؟'' اماں کا لہجہ تیز تھا۔

''وہ کھیلنے کے لئے نکلی تھیں......'' اس نے قدرے پرسکون لہجے میں کہا۔

''اتفاق سے وہ جھیل میں گریں اور......''

وہ بولتے بولتے خاموش ہوگیا میری اماں بھی چپ رہ کر اسے گھورے جا رہی تھی، پھر اسی نے یہ سکوت توڑا۔

''یہ سراسر من گھڑت کہانی ہے۔ وہ کبھی اکیلے اس طرف کھیلنے نہیں جاتیں۔ کیونکہ میں نے ان کی سہیلیوں کے گھر جا کر بھی معلوم کیا تھا۔ ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔''

''اب تم بال کی کھال مت نکالو سمجھا......'' میرا باپ ایک بار پھر جھلا اٹھا۔ ''اب گڑے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ کیا ان لڑائی جھگڑوں سے وہ واپس آجائیں گی...... بتاؤ۔''

''تم تو چاہتے ہی یہی ہو کہ میں خاموش ہو جاؤں اور میری بچیوں کی موت پر پردہ پڑا رہے۔'' اماں کی آواز گونجی۔

''کیونکہ تمہارے ہی کالے کرتوتوں کی وجہ سے وہ دنیا سے روٹھ گئیں تمہارا ہی کوئی سفاک عمل انہیں کھا گیا۔''

''سمجھو......'' اس بار میرے باپ کی آواز سے گویا در و دیوار ہل گئے تھے۔

اب مجھ میں برداشت کی سکت نہیں رہی تھی۔ میں اپنے باپ کی آواز کے اس بھیانک تاثر سے خوف زدہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں ان دونوں کو 'میدان جنگ' میں چھوڑ کر اسکول کے یونیفارم میں ہی گھر سے باہر نکل آیا تھا۔

مجھے آج تک یاد ہے کہ ہمارا یہ چھوٹا سا شہر...... کسی خوب صورت گاؤں سے کسی طور بھی کم نہیں تھا...... اس کے چاروں طرف دلکش ہریالی کا پہرہ تھا۔ چونکہ ہمارا علاقہ شہری حدود کے قریب واقع تھا، اس لئے ہریالی کا حسین منظر بہت نزدیک سے دیکھنے کا پورا پورا موقع ملتا تھا۔

اس حدود کے ختم ہوتے ہی سالام کا گھنا جنگل تھا اور اس جنگل کی یہ خاص بات تھی کہ اس میں خونی درندے یا خوں خوار جانور ہرگز نہیں تھے۔ البتہ ہرن اور بارہ سنگھے ضرور آبادی کے قریب اکثر نکل آتے

تھے۔ چنانچہ کسی کو موقع ملتا تو وہ انہیں شکار بھی کر لیتا تھا۔

میں خود بھی اکثر اپنے اسکول کے دوستوں کے ساتھ رانی جھیل کی طرف نکل آتا تھا اور یہ کام ہم لوگ اسکول کی چھٹی ہونے کے بعد کیا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت یہ گھبراہٹ بھی طاری ہوتی تھی کہ گھر والے منتظر ہوں گے...... اس کے باوجود کئی لڑکے کافی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھیل کے کناروں پر موجود چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو بوتلوں میں ڈال کر ''گرفتار'' کر لیا کرتے تھے۔

یہاں مرغابیاں بھی ہوا کرتی تھیں، لیکن ان کی آمد صرف صبح سویرے ہوتی تھی...... ان کے جھنڈ کے جھنڈ منہ اندھیرے یہاں آ کر اترتے تھے، اور اس وقت ان کی چہکار دور دور تک گونجنے لگتی تھی۔

سورج کی تمازت بڑھنے سے قبل ہی وہ مرغابیاں کسی اور طرف روانہ ہو جایا کرتی تھیں...... ہاں۔ ان کا شکار کرنے والے بھی بہت تھے۔

گھر سے باہر نکلا ہی تھا کہ مجھے سدو مل گیا نام تو اس کا سعید تھا لیکن سب ہی اسے سدو کہہ کر پکارتے تھے۔

اس کا رخ کسی اور طرف تھا، لیکن مجھے دیکھتے ہی وہ میری طرف لپکا۔

''ارے شکیل...... تم جلتی دھوپ میں باہر کیوں نکل آئے ہو۔''

یہ حقیقت تھی...... قیامت کی سی گرمی پڑ رہی تھی...... کیونکہ آموں کی پکائی کا موسم چل رہا تھا...... میرا باپ یہی کہتا تھا کہ گرمی اور تیز لو سے ہی آموں کی پکائی ہوتی ہے اور اسی وجہ سے گرمی پڑتی ہے۔

''بس یار یونہی......'' میں نے بات گھما دی۔ ''دراصل ابھی اماں کھانا پکا رہی ہے۔ اس لئے دیر لگے گی۔''

''ہوں......'' سدو نے گردن ہلائی۔ ''میری تو پوچھو ہی مت...... نہ کھانا تیار ہے اور نہ ہی ماں گھر پر ہے۔ کہیں کسی کام سے گئی ہے۔ نہ جانے کب واپس آئے گی۔''

''میرے ساتھ کچھ ایسا تو نہیں ہوا......'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''لیکن آج گھر میں دل گھبرا سا رہا تھا۔ اس لئے باہر نکل آیا۔''

''بہت اچھا کیا......'' سدو نے دانت نکالے۔ ''چلو...... جھیل کی طرف چلتے ہیں......''

''نہ بابا......'' میں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

جب سے میری دونوں بہنوں والا حادثہ ہوا تھا۔ میری اماں نے مجھے سختی سے وہاں نہ جانے کی تاکید کی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ کچھ دنوں تک تو وہاں علاقے کا کوئی بھی فرد نہیں بھٹکا تھا لیکن پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ واقعہ لوگوں کے ذہن سے محو ہوتا چلا گیا...... پہلے بڑوں نے وہاں قدم رکھا اور پھر بچوں نے بھی کھیل کود شروع کر دیا اسکول سے بھی اکثر بچے وہاں جاتے تھے لیکن میں ابھی تک اپنی ماں کی ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔

''کیوں......؟'' سدو نے حیرت سے میری شکل دیکھی۔

''میری ماں نے مجھے منع کیا ہے۔''

''اوہ...... ہاں......'' سدو چونک کر بولا۔

شاید اسے وہ سانحہ یاد آگیا تھا۔ پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوا۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے شکیل...... لیکن اب وہاں ایسا تھوڑی ہوگا...... دیکھو نا...... روزانہ کتنے لوگ وہاں جاتے ہیں اور پھر واپس بھی آجاتے ہیں۔''

''ہاں...... لیکن میں وہاں نہیں جاؤں گا۔''

''آج چلو گے......'' سدو بھی اڑ گیا۔ ''ویسے بھی دوپہر کا وقت ہے۔ وہاں کوئی نہیں ہوگا، دیکھو...... کتنی گرمی ہے...... جھیل کے ٹھنڈے پانی میں نہانے میں بڑا لطف آئے گا چلو نا۔''

آخر کار اس کی ضد کے آگے مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے، اور پھر ہم دونوں جھیل کی طرف روانہ ہوگئے۔

واقعی دور دور تک سناٹا تھا یوں بھی اس بلاخیز گرمی میں کون نکلنے والا تھا......؟ ہم دونوں تو سرپھرے تھے۔

جھیل کے کنارے پہنچ کر سدو رک گیا اور بولا۔

''وہ سامنے کٹا ہوا درخت ہے ادھر ہی اپنے کپڑے ٹانگ دیتے ہیں۔''

''ارے......'' میں اچھل پڑا۔ ''تو کیا ہم دونوں......؟''

''ہاں......'' اس نے جلدی سے میری بات کاٹی۔ ''ارے بے وقوف...... اگر آج کپڑوں سمیت نہاؤ گے تو گھر پر پکڑے جانے کا پورا پورا انتظام ہوسکتا ہے۔ میری تو خیر ہے...... لیکن اگر تمہاری اماں کو پتا چل گیا کہ تم جھیل پر گئے تھے تو وہ تم پر خوب غصہ کرے گی۔ پھر کیا کرو گے؟''

میں سوچ میں پڑ گیا، سدو واقعی ٹھیک کہہ رہا تھا۔

''کیا سوچنے لگے......؟ جلدی کپڑے اتارو......!''

''لیکن......'' میں ہچکچایا۔ ''اگر کوئی ادھر آ گیا تو......؟''

''ارے...... کوئی نہیں آئے گا اس وقت...... چلو...... پھر جلدی سے نہا کر واپس لوٹ جائیں گے۔ لو...... میں شروع کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر سدو نے اپنا لباس اتار کر کٹے ہوئے درخت کی ایک موٹی سی ٹہنی پر ڈال دیا۔ اس کے فوراً بعد ہی اس نے جھیل میں چھلانگ لگا دی۔

تھوڑی دیر بعد میں بھی لباس کی قید سے آزاد ہو کر جھیل میں کود چکا تھا۔

گرمی کی شدت میں جھیل کے اس ٹھنڈے پانی نے جسم کو بے حد سرور کیا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسی جھیل میں نہاتے ہوئے شام ڈھل جائے۔

سدو نے میری طرف دیکھا اور زور سے ہنس کر بلند آواز میں بولا۔

''ننگے...... بے شرم۔''

''اوہو......'' میں بھی بول اٹھا۔ ''تو تم کون سے شرم دار ہو۔ تم خود بھی تو ننگے ہو...... ہاں؟''

''مذاق کر رہا ہوں......'' وہ جلدی سے بولا۔ ''اس وقت کون یہاں آئے گا جو ہمیں دیکھے گا......؟ آپس میں تو ہم دوست ہیں۔ اور دوستوں میں یہ سب چلتا ہے۔''

باہر نکلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر تک ہم دونوں جھیل میں ہی منڈلاتے رہے۔ سدو مجھ سے اسکول کی اور گھر کی باتیں کرتا رہا۔

اچانک ہی میری نظر سامنے موجود درختوں کے درمیان میں پڑی اور میں بری طرح چونک اٹھا۔

''کیا ہوا شکیل......؟'' سدو نے میرا چہرہ پڑھ لیا تھا۔ ''کہاں دیکھ رہے ہو؟''

''وہ...... وہ...... سامنے......!'' میں نے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا۔

سدو نے بے ساختہ میرے ہاتھ کے اشارے کی طرف نگاہ دوڑائی اور کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔

''کون ہے؟ کس کو دیکھ رہے ہو تم...... مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔''

''وہ دیکھو......'' میں نے کہا۔ ''وہ...... کالے رنگ کا بڑا سا پردہ دکھائی دے رہا ہے۔ سامنے ہی تو نظر آ رہا ہے...... غور سے دیکھو۔''

اور واقعی یہ حقیقت تھی کہ میں صاف طور پر اس کالے رنگ کے بڑے سے پردے کو دیکھ رہا تھا۔ جو سامنے والے درختوں کے درمیان اس طرح لٹکا ہوا دکھائی دے رہا تھا جیسے اس پردے میں کوئی چھپا ہوا ہو۔ کیونکہ وہ پردہ کافی حد تک لپٹا ہوا نظر آ رہا تھا۔

لیکن میں جس چیز کو صاف طور پر دیکھ رہا تھا، سدو اسے اندھوں کی طرح ٹٹول رہا تھا۔ گویا وہ اسے دکھائی ہی نہیں دے رہی تھی۔

آخر کار سدو تنگ آ کر بولا۔

''تم اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ شکیل...... یا پھر تمہاری آنکھوں میں جھیل کا پانی چلا گیا ہے...... ہوسکتا ہے کہ پانی کے ذریعے کوئی گند آنکھوں میں چلی گئی ہو اور اسی وجہ سے تمہیں سامنے کالا پردہ دکھائی دے رہا ہے۔''

''آنکھوں کا علاج تم کروانا۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ اتنا بڑا پردہ ہے کہ کسی اندھے کو بھی نظر آ جائے گا۔''

وہ مجھ سے بحث کرتا رہا اور پھر میرے لہجے کے یقین نے اسے قدرے پریشان کر دیا اور وہ بولا۔

''تمہاری آنکھوں میں واقعی کوئی چیز جا کر جم گئی ہے۔ ادھر آؤ۔''

یہ کہہ کر اس نے غور سے میری آنکھوں کا معائنہ کیا اور پھر مایوسی کے انداز میں بولا۔

''نہیں...... ان میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

''اوہ......'' میرے منہ سے نکلا۔

میں سامنے دیکھ رہا تھا اور وہ پردہ اب اور بھی واضح ہو کر سامنے آ رہا تھا، اب میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اس پردے کو کسی لمبے چوڑے انسان نے خود کو چھپانے کے لئے اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا۔

''اب...... کیا ہوا......؟'' سدو نے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

''وہ آگے بڑھ رہا ہے۔'' میں پریشان ہو کر بولا۔ ''یہ ضرور کوئی آدمی ہے اور اس نے خود کو پردے میں چھپا رکھا ہے۔ ہاں سدو۔''

''پتا نہیں کیا چکر ہے......'' سدو بڑبڑایا۔ ''باہر نکلو اور جلدی سے کپڑے پہن کر گھر کی طرف چلو...... مجھے لگ رہا ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

پھر وہ جلدی سے کنارے کی طرف لپکا تھا میں بھی خاموشی سے اسی کی جانب ہو لیا۔

ہم دونوں نے جلدی جلدی کپڑے پہنے تھے، اس دوران میری کوشش تھی کہ اس کالے رنگ کے ہیولے کی طرف نہ دیکھوں...... لیکن کپڑے پہننے کے بعد ایک بار پھر میری نگاہ خود بہ خود سامنے کی طرف اٹھ گئی اور میں حیرت زدہ سا رہ گیا۔

درختوں کے درمیان سے وہ ہیولہ غائب ہو چکا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا، لیکن اسے نہ جانے زمین کھا گئی تھی یا پھر وہ اس لو جیسی ہوا میں کہیں گھل گیا تھا...... یا پھر اسے آسمان نے نگل لیا تھا۔

وہ...... غائب تھا......

میں نہیں جانتا کہ ماں کو کس نے یہ خبر دی تھی میں جیسے ہی گھر پہنچا انہوں نے مجھے آڑے ہاتھوں لے لیا تھا۔

''کہاں گیا تھا تو......؟'' دونوں ہاتھوں کو کمر پر رکھتے ہوئے اس نے مجھے آگ بگولہ نگاہوں سے گھورا۔

''میں...... میں دوستوں کے ساتھ...... کھیل رہا تھا۔'' بمشکل میرے منہ سے نکلا تھا۔

''تو جھوٹ بول رہا ہے۔'' وہ گرجی۔ ''میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ تو کہاں گل چھرے اڑا رہا تھا۔ میں نے تجھے جھیل کی طرف بھٹکنے سے بھی منع کیا تھا۔ اور تو کھانا پینا بھی بھول کر اس میں کود پڑا۔''

وہ زوردار طمانچہ مجھے آج بھی شدت سے یاد آتا ہے۔ کیونکہ اپنے ہوش و حواس میں مجھے یاد نہیں تھا کہ میری ماں نے کبھی مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہو۔

میں دھاڑیں مار مار کر روتا رہا، نہ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی، میرے آنسو تھے کہ تم ہی نہیں رہے تھے۔

پھر اچانک ہی کسی وجود نے مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا، میں نے سر اٹھا کر دیکھا، یہ ابا جی تھے، جو پیار بھرے انداز میں میری طرف دیکھ رہے تھے۔

''کیا ہوا بیٹا......؟ کیوں روئے جا رہے ہو؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیونکہ خاموش ہو جانے کے بعد میری ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

ابا جی نے فوراً ہی مجھے پانی پلایا۔ اس سے میری کچھ ڈھارس بندھی تھی۔

''تمہاری ماں کہاں ہے......؟'' ابا جی نے پوچھا۔

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مجھ پر ہاتھ اٹھانے کے بعد اماں گھر سے باہر نکل گئی تھیں۔

ابا جی کا انداز اتنی محبت سے پر تھا کہ میں نے مختصراً انہیں اس واقعہ کے بارے میں بتا دیا۔ جھیل کا ذکر کرنا بھی ضروری خیال کیا تھا، کیونکہ اب چھپانے سے

کوئی فائدہ نہیں تھا۔

وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ میں اس کالے پردے والی بات ان سے چھپا گیا تھا مجھے ڈر تھا کہ اگر انہوں نے جھیل کی طرف جانے پر پابندی لگادی تو پھر میں اس طرف جانے کے لئے عمر بھر تک محروم ہوجاؤں گا۔ میں اپنی ماں کے لاڈ میں اس کا حکم نظر انداز کرسکتا تھا، لیکن اباجی کے رعب اور غصے سے میں بے انتہا خائف رہتا تھا۔

یہ الگ بات تھی کہ آج وہ جس انداز میں مجھ سے باتیں کررہے تھے۔ وہ میرے لئے بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ وگرنہ میں نے ان کے چہرے پر ہمیشہ خشکی اور سنجیدگی کا عنصر دیکھا تھا۔

میں چپ ہوا، تو وہ سر ہلا کر بولے۔

''اس میں تمہاری ماں کا کوئی قصور نہیں ہے، گزرے ہوئے حادثے نے اس کے دل کو بہت سہادیا ہے لیکن وہ اس بات سے واقف نہیں ہے کہ تمہیں کوئی انگلی بھی نہیں لگا سکتا...... میں نے تمہارے گرد ایک ایسا حصار کردیا ہے کہ کوئی دیکھی یا ان دیکھی شے تمہیں ہلکا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی...... خیر...... یہ تمہارے سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں...... کیونکہ تم ابھی کم عمر ہو...... نادان ہو...... میں یہ سب کچھ تمہیں ضرور سکھاؤں گا...... جیسے میں نے اپنے باپ دادا کی پیروی کی ہے۔ اسی طرح تم بھی میرے نقش قدم پر چلو گے......''

میں کچھ نہیں بولا تھا، کیونکہ ان کی باتیں اس وقت میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔

لیکن مجھے کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا۔ چنانچہ میں نے ہونٹوں کو جنبش دی۔

''لیکن اباجی...... وہ گئی کہاں ہیں۔''

''پریشان نہ ہو۔'' وہ مسکرائے۔ ''وہ کہیں نہیں جائے گی...... اسی محلے میں کسی کے گھر جا بیٹھی ہے۔ ذرا غصہ ٹھنڈا ہوگا تو خود بہ خود ہی واپس آجائے گی۔''

''مجھے بہت زور کی بھوک لگی ہے۔''

''اوہ...... اچھا......'' انہوں نے چونک کر سر ہلایا۔ ''میں کھانا نکال دیتا ہوں۔''

''آجاؤ میرے بچے...... میں ہوں ناں...... تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔''

☆......☆......☆

واقعی ماں شام ڈھلے کے بعد واپس آگئی تھی۔

لیکن وہ قطعی خاموش تھی دوپہر والے واقعے کا اس نے دوبارہ ذکر بھی نہیں چھیڑا تھا۔ البتہ اس نے مجھ سے مختصر سے الفاظ میں کھانے کی بابت ضرور معلوم کیا تھا۔

اباجی اس طرف بہت ہی کم آیا کرتے تھے۔ زیادہ تر وہ حویلی کے اسی حصے میں رہا کرتے تھے، جہاں انہوں نے اپنا ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ اسی طرف سے ان سے ملنے جلنے والوں کا بھی راستہ کھلتا تھا۔

ہمیں اندازہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ان سے کون ملاقات کررہا ہے، یا پھر وہ خود اس وقت کیا کررہے ہیں۔ البتہ وہ کھانے کے وقت ضرور ہم لوگوں کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کرتا تھا کہ وہ رات کے کھانے میں غائب ہوتے تھے۔

اپنی دونوں بہنوں کے مرنے کے بعد میں نے اباجی کے چہرے پر مسلسل گھمبیر قسم کی سنجیدگی کا پہرہ دیکھا تھا۔ میری دانست میں یہ بیٹیوں کے بچھڑ جانے کا دکھ تھا۔ لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوسکا کہ میری سوچ قطعی غلط تھی۔ یوں بھی میں اس عمر میں کیا سوچ سکتا تھا؟ یہ ضرور تھا کہ میں غیر معمولی طور پر ذہین تھا...... مگر نوعمری تو پھر نوعمری ہی ہوتی ہے۔

اس رات کو بھی میں حسب معمول اپنی اماں جی کے ساتھ ہی لیٹا تھا۔ ابھی تک وہ خاموش تھی۔ میں بھی بار بار اس کے چہرے کی طرف دیکھتا اور پھر دوسری طرف گردن گھمالیتا۔

پھر ماں جاگ اٹھی تھی اس نے میری طرف کروٹ لی اور مجھے پکارا۔

''شکیل...... شکیل۔''

میں نے اپنی آنکھوں کو اور بھی مضبوطی سے بند کرلیا، میں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ ان کی بات میں نے سنی ہی نہ ہو۔ جیسے نیند کی آغوش نے مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کردیا ہو

لیکن وہ بھی میری ماں تھی، ہنس کر اس نے میرے سر پر چپت لگائی اور بولی۔

''مکاری کسی اور کو دکھانا۔ اب آنکھیں کھولو اور میری بات سنو۔''

میں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور اماں کی طرف دیکھنے لگا۔ انہوں نے بڑے پیار سے میرا ہاتھ تھاما اور بولیں۔

''دیکھ بیٹا...... میں نے تجھے اس وقت غصے کے مارے طمانچہ لگایا تھا۔ لیکن وہ غصہ بھی میری چاہت کا ایک رنگ تھا۔ دیکھ بیٹا...... میں اپنی دو لخت جگر کھو چکی ہوں اور اب تم ہی میری زندگی کا آخری سہارا ہو۔ تم ہی میری سانسوں کی امید ہو۔ جس اندھے کنوئیں میں ان دونوں کو کسی نے دھکیل دیا تھا میں ہرگز نہیں چاہتی کہ تم اس کنوئیں کے قریب بھی جاؤ...... میرے زخم بھی ابھی بھرے نہیں ہیں اور تم نے یہ حرکت کرکے ان ہی زخموں کو پھر سے چرکا لگادیا۔''

''میں شرمندہ ہوں اماں......'' میں خلوص دل سے بولا۔ ''میں آئندہ اس جھیل کی طرف نہیں جاؤں گا۔''

''بس...... تم نے کہہ دیا...... میرے دل کو سکون مل گیا۔'' وہ بولیں پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد پوچھا۔ ''اچھا یہ بتاؤ دوپہر کو کھانا خود کھایا تھا؟''

''نہیں اماں جی......!'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیا......؟'' وہ چونک اٹھیں۔ ''تم نے کھانا نہیں کھایا تھا؟''

''اباجی نے نکال کردیا تھا۔'' میں نے گویا انکشاف کیا۔

''اوہ......'' ان کے منہ سے نکلا۔

پھر ایک طویل خاموشی چھا گئی تھی، میں نے گردن گھما کر اپنی ماں کی طرف دیکھا، ان کا چہرہ اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہیں۔

میں منتظر رہا، آخر کار کافی دیر بعد ان کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''شکیل بیٹا...... سوگئے؟''

''نہیں......''

''میں سوچ رہی ہوں کہ تمہیں تمہارے ماموں کے گھر بھیج دوں۔''

''قاسم ماموں کے گھر......'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں......''

''کیوں اماں جی۔''

''بس......'' انہوں نے طویل سانس لی۔ ''میں چاہتی ہوں کہ تم یہاں نہیں رہو۔ کیونکہ اس عمر میں......''

وہ بولتے بولتے رک گئیں۔

''تم خاموش کیوں ہوگئیں اماں جی۔''

''چھوڑو ان باتوں کو...... یہ ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔'' وہ بولیں۔

''میں قاسم بھائی سے بات کروں گی۔ میں خود ان کے گھر جاؤں گی۔ ہاں......''

☆......☆......☆

اباجی میں واضح طور پر تبدیلی آرہی تھی، مجھے اپنی ماں کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن میں خود بہت حیران تھا کہ اباجی مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہورہے تھے۔

وہ میرے لئے کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتے، میرے پاس بیٹھ کر مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے۔ کبھی کبھی اسکول کا کام بھی دیکھ لیتے۔

لیکن میں نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ اباجی جس وقت میرے نزدیک ہوتے اور مجھ سے باتیں کررہے ہوتے تھے۔ اس وقت ماں کو جیسے چپ سی لگ جاتی تھی وہ کبھی لیٹ کر چھت کو گھورنے لگتی اور کبھی کسی کام میں مصروف ہوجاتی۔ ویسے اس کی کوشش یہی رہتی تھی کہ وہ ہمارے قریب ہی رہے۔ جان بوجھ کر وہ لاپروائی کا اظہار کرتی تھی، وگرنہ اس کی قوت سماعت اسی

طرف لگی رہتی تھی۔

اور جب اباجی اٹھ کر چلے جاتے تو وہ ایک طویل سانس لیتیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی بوجھ ان کے سر سے ہٹ گیا ہو۔

ابھی تک میں نے گھر کے اس حصے میں قدم بھی نہیں رکھا تھا، جہاں اباجی عملیات اور تعویذات کا کام کیا کرتے تھے۔ البتہ گھر کے دوسرے حصے کے خارجی دروازے پر میں نے اکثر لوگوں کی آمدورفت دیکھی تھی۔ نئے نئے چہرے ہوا کرتے تھے۔ میں اس طرف کم ہی جایا کرتا تھا کیونکہ اس طرف سے حویلی کا راستہ تنگ گلیوں کی طرف جانکلتا تھا۔

شام ڈھلتے ہی اباجی اس حصے میں لوبان کی دھونی دیتے تھے، جس کی خوشبو پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی تھی۔ اباجی پابندی سے یہ کام کرتے تھے، ہوش سنبھالنے سے اب تک میں نے کوئی دن ایسا نہیں دیکھا تھا کہ جب انہوں نے اس دھونی میں ناغہ کیا ہو۔

جب تک اس دھونی کی مہک اور اس کا دھواں حویلی کی فضاء میں قائم رہتا، ایک عجیب سا تاثر پیدا ہوجایا کرتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پوری عمارت کسی کے سوگ میں مبتلا ہوگئی ہو۔

ان دنوں میں نے ایک بات اور بھی نوٹ کی تھی ،اور وہ یہ کہ اباجی جب اس حصے میں آیا کرتے تھے جو ہماری طرف تھا۔ تو اکثر ان کے چہرے پر میں پریشانی کے آثار دیکھتا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہم سے کوئی بات چھپا رہے ہوں۔

وہ نارمل بھی دکھائی دیتے۔ لیکن جب پریشان ہوتے تو ان کی آنکھیں بھی چغلی کھاتی تھیں کہ وہ کسی الجھن میں گرفتار ہیں ان کی لال بھبھوکا آنکھیں اس بات کی غماز ہوتی تھیں کہ اندرونی طور پر وہ کشمکش میں مبتلا ہیں۔

لیکن مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے انہوں نے اماں جی سے کبھی کسی قسم کا کوئی تذکرہ نہیں کیا اور نہ ہی اپنی کوئی الجھن ان کے سامنے ظاہر کی۔

وہ بہت مختصر اور جامع بات کرنے کے عادی تھے۔ اگر میری ماں ہی کوئی ذکر نکال بیٹھتی تو یہ باتیں طویل ہوجاتی تھیں ورنہ رات کا کھانا کھا کر بھی اباجی دوبارہ اپنے ڈیرے پر چلے جایا کرتے تھے۔ شاذونادر ہی کبھی ایسا ہوا تھا کہ وہ ہم لوگوں کے ساتھ سوئے ہوں۔

اماں جی تو کہتی تھیں کہ وہ رات بھر جاگ کر عملیات اور مختلف وظائف کا ورد کرتے ہیں۔

’’یہ عملیات اور وظائف کیا ہوتے ہیں اماں جی۔‘‘ میں نے بھولپن سے پوچھا تھا۔

’’ابھی تمہیں کیا بتاؤں......؟‘‘ انہوں نے غور سے میری طرف دیکھا۔ ’’جب تم بڑے ہوجاؤ گے تو ان کے بارے میں خود یہ خود ہی جان لوگے۔ لیکن اس وقت سے پہلے ہی میں تمہیں یہاں سے نکال دینا چاہتی ہوں۔‘‘

’’کیوں اماں جی......تم ایسا کیوں بول رہی ہو؟‘‘

’’اس لئے کہ میں نہیں چاہتی کہ تم ان چکروں میں پڑو......تم ان سب باتوں سے جتنا دور رہو اتنا ہی اچھا ہے۔‘‘

’’اچھا......جیسا تم کہو گی اماں جی......میں ویسا ہی کروں گا۔‘‘ میں نے صدق دل سے کہا۔

’’شاباش......‘‘ یہ کہہ کر انہوں نے مجھے اپنے گلے سے لگالیا۔

ماں کے وجود سے اٹھنے والا لمس...... دنیا کی ہر خوشبو سے برتر ہوتا ہے اور مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ آنے والے وقت میں یہ لمس بھی مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھین لیا جائے گا۔

☆......☆......☆

قاسم ماموں کی شخصیت بہت شاندار تھی، قد او کاٹھ کے لحاظ سے وہ میرے اباجی ہی کی طرح پروقا اور بارعب دکھائی دیتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس ا کے ہونٹوں پر ہمیشہ ایک نرم سی مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ میری اماں جی ان کے بارے میں اکثر مجھ

بتاتی رہتی تھیں، چنانچہ میری ذہنی معلومات کے مطابق قاسم ماموں کا گھر بہت شان دار تھا۔ وہ سرکاری ملازم بھی تھے اور ان کا کپڑوں کا کاروبار بھی تھا۔ اسی بنا پر وہ کافی خوش حال اور خوش پوش انسان تھے۔

اتنے عیش اور فراوانی دولت کے باوجود یہ حیران کن بات تھی کہ وہ چالیس سال کی عمر میں بھی کنوارے تھے۔ یہ بات بھی مجھے اماں جی کے ذریعے معلوم ہوئی تھی۔

وہ ہمارے گھر کبھی کبھار ہی آتے تھے۔ انہیں آخری بار میں نے اپنی بہنوں کی میت پر دیکھا تھا۔ اور اب ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد وہ یہاں دکھائی دے رہے تھے۔

ان کے آنے کا اماں جی کو شاید پہلے سے ہی علم تھا کیونکہ آج انہوں نے رات کے کھانے میں کئی چیزیں تیار کی تھیں۔

قاسم ماموں نے اندر داخل ہوتے ہی مجھے گلے سے لگالیا اور بولے۔

’’ارے بھئی ...... تم تو کافی بڑے ہوگئے ہو......میں تو تمہیں کافی چھوٹا سا دیکھ کر گیا تھا۔‘‘

’’سالوں کے بعد آؤ گے تو یہی ہوگا......‘‘ اماں جی مسکراتے ہوئے بولیں۔ اب بھی تمہیں پیغام بھجوایا ہے تو تم آئے ہو۔‘‘

’’بس باجی......‘‘ انہوں نے طویل سانس لی۔ ’’مصروفیت ہی اتنی ہے کہ کیا بتاؤں۔‘‘

’’اس طرف آنا ہی نہیں ہوتا۔‘‘

’’میں خوب سمجھتی ہوں۔‘‘ اماں جی کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ’’تم اپنے بھائی صاحب سے کتراتے ہو......اسی لئے یہاں آنا پسند نہیں کرتے۔‘‘

’’ایسی کوئی بات نہیں ہے باجی۔‘‘ وہ ہنس کر بولے۔ ’’بھئی ان کی اپنی زندگی ہے۔ اپنا طریقہ کار ہے۔ میں اپنے حساب سے چلتا ہوں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک انسان کسی دوسرے انسان کو بھی اپنے رنگ میں ڈھال لے۔ اگر میں وہ سب کچھ پسند نہیں کرتا کہ جو وہ کرتے ہیں تو اس سے انہیں کیا فرق پڑے گا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ نہ میں ان پر انگلی اٹھاؤں اور نہ ہی وہ مجھ سے خفا ہوں۔ سب کو حق ہے کہ وہ اپنی مرضی سے منزل کا تعین کریں۔

’’یہ تو ہے......‘‘ اماں جی نے ٹھنڈی سانس بھری۔

’’چھوڑو ان باتوں کو......میں ابھی انہیں بھی بلا کر لاتی ہوں پھر ہم ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔ لیکن ان کے آنے سے پہلے میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔‘‘

’’ضرور باجی...... بولیں۔‘‘ وہ پوری طرح متوجہ ہوگئے۔

پھر ان دونوں میں کیا باتیں ہوئیں مجھے اس کا قطعاً علم نہیں ہوسکا کیونکہ وہ سرگوشیوں میں بول رہے تھے۔

میں صرف اتنا دیکھ سکا کہ جب اماں جی بات شروع کرتیں تو قاسم ماموں کافی غور سے سن کر گردن ہلاتے تھے۔ کافی دیر تک یہ ’’خفیہ‘‘ سی محفل جمی رہی پھر اماں جی ایک دم سے اٹھ کر بولیں۔

’’میں تمہارے بھائی صاحب کو بلا کر لاتی ہوں۔‘‘

☆......☆......☆

اباجی نرم گرم سے انداز میں ان سے ملے تھے، تھوڑی سی رسمی گفتگو کے بعد کھانے کا دسترخوان بچھ گیا۔

مجھے یہ سب کچھ بہت اچھا لگتا تھا، میں چاہتا تھا کہ گھر میں لوگ آئیں......خوب باتیں ہوں، کھانا پینا ہو اور ہلہ گلہ ہو۔

لیکن اس قسم کی باتیں میں صرف سوچ ہی سکتا تھا، کیونکہ میں ددھیال کی طرف کے رشتے داروں سے محروم تھا۔ اباجی اپنے خاندان کے اکلوتے تھے۔ نہ دادا نہ دادی نہ چاچا اور نہ ہی کوئی اور......ننھیال میں ضرور کچھ رشتہ دار موجود تھے، مگر قاسم ماموں کے علاوہ کوئی اور ہم لوگوں سے نہیں ملتا تھا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ یہ بات مجھے اس وقت معلوم نہیں ہوسکی تھی۔ اپنی اس طویل داستان میں بہت سے معاملات کا ذکر میں موقع اور محل دیکھ کر کروں گا۔ رشتہ داروں سے یہ دوری بھی اپنے اندر ایک کہانی سموئے ہوئے تھی، لیکن ابھی اس سے

متعلق کوئی بات کرنا قطعی ناموزوں ہوگا۔

خیر...... تو پھر کھانے سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے ہوئے قاسم ماموں بار بار اپنی بڑی بہن کے ہاتھ کے ذائقے کی تعریفیں کرتے رہے۔

''بھئی...... مجھے تو آپ کے ہاتھ کا کھانا ہی کھینچ کر لے آتا ہے۔'' وہ منہ چلاتے ہوئے بولے۔ ''اتنی لذت تو کسی اچھے ہوٹل میں بھی دستیاب نہیں ہوتی۔''

''اب زیادہ چڑھاؤ مت......'' اماں جی نے ٹوکا۔ ''اور آج تم نے اپنے دل کی بات کہہ دی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ چونک اٹھے۔

''مطلب یہ کہ تمہیں ہم سے بالکل محبت نہیں ہے۔'' وہ مسکرائیں۔ ''تم صرف منہ کے چٹخارے لینے یہاں آتے ہو۔''

یہ سن کر قاسم ماموں نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا تھا، ان دونوں کی باتوں پر اباجی بھی دھیرے دھیرے مسکرا رہے تھے۔

کھانے کے بعد قاسم ماموں نے اباجی سے کہا۔

''بھائی صاحب......! میں اپنے پان لانا بھول گیا ہوں۔ چلیں باہر چلتے ہیں، میں پان بھی کھا لوں گا اور ذرا چہل قدمی بھی ہو جائے گی۔ پیٹ بہت فل ہو چکا ہے چلنے پھرنے سے ہی ہلکا ہوگا۔''

''ضرور چلو......'' اباجی نے سر ہلایا اور پھر دونوں باہر کی طرف نکل گئے۔

ان کے جاتے ہی اماں جی نے دسترخوان سمیٹتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''شکیل......!''

''جی اماں......''

''تم اپنے ماموں کے ساتھ جاؤ گے؟''

''کہاں اماں جی......؟''

''ان کے گھر...... اور کہاں......!''

''تو کیا تم واقعی مجھے یہاں سے نکال رہی ہو۔'' میں نے ان کی شکل دیکھی۔

انہوں نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور آہستہ سے بولیں۔

''ہاں...... کیونکہ میں تمہیں خود سے دور تو کر سکتی ہوں، لیکن تمہیں کھو دینے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔''

''اس بات کا مطلب کیا ہے ماں جی......؟'' میں الجھ کر بولا۔ ''میں سمجھا نہیں ہوں۔''

''وقت تمہیں سب کچھ سمجھا دے گا۔'' وہ بولیں۔ ''ابھی تم وہی کرو...... جو میں کہہ رہی ہوں...... کیونکہ میں نے اب تک......''

حسب عادت وہ پھر بولتے بولتے رک گئیں۔

میں بے چین ہو گیا تھا۔

''بولو نا اماں جی...... آپ خاموش کیوں ہو گئیں......؟''

''میں جب تمہاری بہنوں کا ذکر اپنی زبان پر لاتی ہوں، تو میرا دل دہل جاتا ہے۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔ ''ان کو گنوا دینے کے بعد مجھے تمہاری طرف سے دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اگر تم میری نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہو تو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔''

''تو پھر مجھے بھیج کیوں رہی ہو؟'' میں نے اپنی عقل کے حساب سے بہترین سوال کیا۔ ''جب تم مجھے خود سے دور نہیں کر سکتی ہو تو مجھے ماموں کے حوالے کیوں کرنا چاہتی ہو؟''

''اس لئے کہ...... تم وہاں محفوظ رہو گے۔'' انہوں نے کہا۔ ''تم نظروں سے دور ہو جاؤ گے، لیکن میرے دل سے تو قریب رہو گے۔''

''اماں جی...... میری کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا۔'' میں نے منہ بنایا۔

''ارے نادان...... اس گھر میں ہر طرف ان دیکھے سائے منڈلاتے ہیں۔ یہاں بہت کچھ ایسا ہے جو دکھائی نہیں دیتا اگر تم اس کی زد میں آ گئے تو...... بس...... اب تم اس بات کو چھوڑو...... اور بحث مت کرو...... جو میں کہہ رہی ہوں وہی کرو۔ آج میں نے قاسم کو اسی لئے یہاں بلایا ہے کہ وہ تمہارے باپ سے اس موضوع پر بات کرے کیونکہ وہ خود تمہیں یہاں سے

لے جانے کا خواہش مند ہے۔''

''اچھا اماں جی...... ٹھیک ہے......'' میں نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا۔

اباجی اور قاسم ماموں کی واپسی ہوئی تو خود مجھے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا کیونکہ اباجی کے چہرے پر جھنجلاہٹ تھی اور قاسم ماموں حد سے زیادہ سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے، میں نے انہیں کبھی اس موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔

اباجی تو وہاں رکے بھی نہیں تھے وہ فوراً ہی حویلی کے دوسرے حصے کی طرف چل دیئے۔

اماں جی کا ماتھا تو پہلے ہی ٹھنکا ہوا تھا چنانچہ ان کے جاتے ہی وہ قاسم ماموں کی طرف متوجہ ہو کر بولیں۔

''کیا ہوا......؟ تم نے شکیل کی بات کی......؟''

''ہاں......''

''تو پھر...... کیا جواب ملا......؟'' اماں جی نے بے چینی سے پوچھا۔

''صاف انکار......'' قاسم ماموں نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''انہوں نے کہہ دیا ہے کہ شکیل کسی قیمت پر بھی یہاں سے نہیں جائے گا۔''

☆......☆......☆

اماں جی نے میرے والد صاحب سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی، البتہ اس دن کے بعد سے ان دونوں کے درمیان ایک سرد جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔

اس دوران ایک نئی بات اور بھی سامنے آئی تھی، جو خود میرے لئے بھی حیرت کا باعث تھی۔

اباجی کافی مہربان دکھائی دینے لگے تھے، ماں جی سے تو ان کی بات چیت بند تھی چنانچہ وہ اب مجھے کافی وقت دینے لگے تھے۔ میرے لئے کھانے پینے کی چیزیں خرید کر لاتے اور اکثر رات کے وقت بھی آ جاتے اور مجھ سے خوب باتیں کرتے تھے۔

ماں جی یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہی تھیں، نہ جانے کیوں انہیں چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ اب مجھ سے بھی زیادہ بات نہیں کرتی تھیں۔

اباجی کا یہ رویہ میرے لئے کافی کشش کا باعث تھا، کہاں تو ان کے پاس میرے لئے وقت ہی نہیں ہوتا تھا اور کہاں اب وہ گھنٹوں میرے پاس بیٹھے رہتے تھے۔

اور جب تک وہ میرے قریب رہتے ماں جی کسی بے جان مورتی کی طرح ایک طرف پڑی رہتیں۔ یوں لگتا تھا جیسے گھر میں ان کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

ایک دن وہ کسی کام سے نکلی ہوئی تھیں اسی وقت اباجی اس طرف نکل آئے۔ مجھے اکیلا دیکھ کر بولے۔

''کہاں گئی تمہاری ماں......؟''

''کسی کام سے گئی ہیں اباجی۔''

''ہوں......'' انہوں نے سر ہلا کر ہنکارا بھرا۔

پھر وہ کچھ سوچ کر مجھ سے مخاطب ہوئے۔

''آؤ میرے ساتھ......''

''کہاں اباجی......'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''جہاں میں رہتا ہوں......'' وہ مسکرائے۔

''اب تم کچھ عرصے میں ہی اس لائق ہونے والے ہو کہ بہت سی باتوں کو سمجھو...... تم جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والے ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ تمہیں ان باتوں سے آہستہ آہستہ آگاہ کیا جائے۔ جو آئندہ تمہارے کام آئیں گی۔ کیونکہ تم بھی اسی روش پر چلو گے جس پر تمہارے دادا پردادا نے اپنی زندگی بتا دی۔ اور انہیں بہت کچھ پانے کے لئے بہت کچھ کھونا بھی پڑا، لیکن جو کچھ انہوں نے حاصل کیا، اس کی وجہ سے دنیا ان کے پیچھے بھاگتی تھی...... لوگ سلام کرنے کے لئے دور دور سے ان کے دروازے پر آیا کرتے تھے۔''

''اچھا......'' میرے منہ سے نکلا۔

''ہاں میرے جگر کے ٹکڑے......'' ان کی آواز میں جوش تھا۔ ''اور یہ عزت، یہ مرتبہ ہمارے خاندان کی پہچان ہے۔ تم نہیں جانتے...... ورنہ بڑی بڑی کاروں والے امیر لوگ ہمارے سامنے ہاتھ باندھ کر

اور سر جھکا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات وہ ایسے مسئلوں میں پھنس جاتے ہیں کہ جن کا حل صرف ہم جیسے عاملوں کے پاس ہوتا ہے...... چنانچہ اپنی غرض اور مجبوری کے تحت بڑے بڑے لوگ ہمارے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔"

وہ بولے جارہے تھے اور میں خاموشی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا...... میرے چہرے پر جذبہ کے آثار دیکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"کیا ہوا......؟ کیا بات ہے...... بولو......!"

"کچھ نہیں ابا جی......"

"مجھے بتاؤ میرے بچے......" انہوں نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"مجھے...... اماں نے منع کیا ہے۔" باپ کے پیار نے میری زبان کھلوادی۔ "وہ کہتی ہیں کہ مجھے ان چیزوں سے دور رکھیں گی...... وہ مجھے آپ جیسا نہیں بننے دیں گی۔"

"ارے......" ابا جی ہنس پڑے۔ "تمہاری ماں کو کیا معلوم...... اور پھر زندگی تو تمہیں گزارنی ہے اس لئے فیصلہ تم خود کرو گے۔ مجھے بتاؤ کہ وہ کام کیسا ہوگا جس میں دنیا تمہارے آگے جھک جائے۔ یا کوئی تمہیں سلام کرے تمہاری عزت کرے تو کیا ایسا کام برا ہے؟"

میں خاموش تھا، ابا جی میری طرف غور سے دیکھتے رہے، پھر خود ہی بولے۔

"تم اپنی ماں کی فکر مت کرو...... اسے میں سنبھال لوں گا...... وہ تمہیں قاسم کے حوالے کرنا چاہتی تھی۔ تم خود سوچو...... کیا ماں باپ سے دور رہ کر تم خوش رہ سکتے ہو؟"

یہ بات تو واقعی میرے ذہن میں بھی آئی تھی۔

"آؤ میرے ساتھ......" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ "میں تمہیں آج وہ دربار دکھاتا ہوں جس کا میں بادشاہ ہوں...... آؤ......"

اور پھر وہ مجھے اس حصے میں لے کر آگئے، جہاں میں نے کبھی قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ یہ کافی بڑا ہال نما کمرہ تھا۔ فرش پر دریاں بچھی ہوئی تھیں اور ایک جانب وہ مسند تھی، جہاں ابا جی بیٹھ کر لوگوں کو تعویذ وغیرہ دیا کرتے تھے۔

یہاں دیواروں پر آویزے نصب تھے، کچھ لوگوں کی تصویریں بھی فریم میں لگی ہوئی تھیں۔

ابا جی نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کیا، میں نے دیکھا کہ وہ ایک ضعیف اور بوڑھے آدمی کی تصویر تھی...... اس کے سر پر عورتوں کی طرح لمبے لمبے سفید بالوں کی زلفیں دکھائی دے رہی تھیں، سفید مونچھیں اور لمبی داڑھی کے ساتھ یہ شخص کافی رعب دار نظر آرہا تھا۔

"یہ تمہارے دادا جان مرحوم کی تصویر ہے......!" ابا جی نے بتایا۔ "سامنے جو مسند نظر آرہی ہے اس پر مجھ سے پہلے وہی بیٹھا کرتے تھے...... اور اب میرے بعد یہ جگہ تمہاری ہے۔"

"لیکن ابا جی...... میں یہاں بیٹھ کر کیا کروں گا؟" میں نے پریشان ہوکر پوچھا۔

"وہی جو میں کررہا ہوں......!" وہ سنجیدگی سے بولے۔ "وہی جو میرے باپ دادا نے کیا تھا...... تم بھی ہمارے ہی نقش قدم پر چلو گے۔ میں تمہیں عملیات سکھاؤں گا اور تم ان کے ذریعے لوگوں پر راج کرو گے۔"

"عملیات سے کیا ہوگا ابا جی......؟"

"یہ سوال خوب کیا تم نے......!" وہ مسکرائے۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

یہ کہہ کر وہ مجھے داہنی طرف موجود ایک اور کمرے میں لے آئے، یہ اس ہال کی نسبت کافی چھو کمرہ تھا۔

اس میں کچھ چیزیں قابل ذکر تھیں۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ مجھے وہ کمرہ آج بھی اس طرح ہے جیسے میں نے کل ہی وہ کمرہ دیکھا ہو۔

ایک کونے میں میز رکھی ہوئی تھی، جس پر لوبان کا برتن رکھا ہوا تھا، جس کی دھونی سے پوری حو

مہک جاتی تھی۔ ایک جانب چٹائی بچھی ہوئی تھی، جس کے سرے پر ایک گاؤ تکیہ رکھا ہوا تھا، اسی تکیے کے سرہانے پر چند کتابیں بھی رکھی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

ان سب چیزوں سے ہٹ کر ایک کونے میں بڑا سا پنجرہ بنا ہوا تھا اور اس میں جو جانور موجود تھے، میں ان سے کافی حد تک واقف تھا، کیونکہ رانی جھیل والے جنگل میں بھی یہ جانور بکثرت موجود تھے۔

"ارے...... ابا جی...... آپ نے الو بھی پالے ہوئے ہیں؟" میرے منہ سے نکلا۔

"ہاں بیٹا......!" وہ جلدی سے بولے۔ "کبھی کبھار مجھے ان کی بھی ضرورت پڑجاتی ہے۔ میں تمہیں ان کے بارے میں بھی بتاؤں گا۔ فی الحال تو تم یہ ذہن نشین کرلو کہ میں تمہیں اسی کمرے میں عملیات سکھاؤں گا۔ تم رات کو یہاں آجایا کرنا اور کچھ وقت گزار کر واپس اپنی ماں کے پاس سوجانا...... لیکن اس پر یہ بات قطعی ظاہر نہیں ہونے دینا کہ تم یہاں آتے ہو۔"

"لیکن ابا جی...... اگر وہ رات میں کسی وقت اٹھ گئیں...... اور میں انہیں نہیں ملا تو وہ سمجھ جائیں گی۔"

"تم اس کی فکر مت کرو......" وہ پراسرار انداز میں مسکرائے۔ "وہ رات میں اس وقت تک نہیں اٹھے گی جب تک تم وہاں نہ پہنچ جاؤ۔"

عین اسی وقت کسی نے بیرونی دروازے پر دستک دی۔ "ابا جی چونک اٹھے اور مجھ سے مخاطب ہوکر بولے۔

"اب تم جاؤ...... شاید کوئی ملنے والا آگیا ہے۔ تم کل رات میں یہاں اس وقت آجانا، جب تمہاری ماں سوجائے...... اب...... جاؤ......"

☆......☆......☆

یہ محض اتفاق ہی تھا کہ جب میں واپس لوٹا تو اسی وقت اماں جی بھی گھر میں داخل ہورہی تھیں۔ ان کا چہرہ بتارہا تھا جیسے وہ کافی تھک گئی ہوں۔ یوں لگ رہا تھا کہ انہوں نے ایک طویل مسافت طے کی ہو۔

"کہاں چلی گئی تھیں اماں جی......؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ تم نے اور تمہارے باپ نے کھانا کھالیا......؟"

"جی اماں......" میں نے فوراً کہا۔ "کھالیا تھا۔"

"ہوں...... وہ آئے تھے یہاں......؟"

"جی ہاں......"

"کوئی بات تو نہیں ہوئی......؟" انہوں نے غور سے مجھے دیکھا۔

میں قدرے رکا اور پھر گلہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں اماں جی۔"

"ہوں......" انہوں نے ہنکارا بھرا۔ "میں تمہیں اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتی۔ لیکن کبھی کبھی مجبوری آڑے آجاتی ہے۔"

"تم گئی کہاں تھیں اماں جی۔"

"کام سے گئی تھی۔" انہوں نے سوچ میں ڈوب کر کہا۔ "کیونکہ جب سیدھی انگلی کام نہ آئے تو اسے ٹیڑھا کرنا پڑتا ہے۔ تمہارا باپ آج کل تم پر جتنا نچھاور ہورہا ہے میں اتنی ہی پریشانی میں مبتلا ہورہی ہوں۔ میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ ورنہ تمہارے باپ کو ہمیشہ عملیات اور چلوں سے محبت رہی ہے۔ وہ شخص تم سے کیا محبت کرے گا اگر اسے ہم لوگوں سے محبت ہوتی تو یہ گھر اس طرح نہ اجڑتا...... میری دونوں بچیوں کو اس کے عملیات ہی کھاگئے...... ہاں......!"

☆......☆......☆

اور پھر میری راتوں کا کچھ وقت ابا جی کے ساتھ گزرنے لگا، وہ مجھ سے بہت خوش تھے، ان کا کہنا تھا کہ وہ ابھی مجھے صرف ہر چیز کا مشاہدہ کروائیں گے...... ابھی میرے لئے عمل کا وقت نہیں آیا تھا۔

یہ بات واقعی حقیقت تھی کہ رات گئے تک بھی لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے رہتے تھے۔ اکثر تو وہ خود بے زار ہوکر بہت سوں کو بھگا دیا کرتے تھے۔

میں رات میں جس وقت ان کے پاس پہنچتا

تو اس وقت بھی وہ کسی نہ کسی کو تعویذ وغیرہ دیتے ہوئے دکھائی دیتے۔ کبھی کوئی مٹھائی کا ڈبہ انہیں دے رہا ہوتا اور کوئی ان کی مٹھی گرم کر کے چلتا بنتا...... میں واقعی اس بات سے کافی متاثر ہوا کہ اباجی کے چاہنے والوں کی کافی کثیر تعداد تھی۔

اور پھر جب ان کے پاس سے رش ختم ہو جاتا تو وہ مجھے ساتھ لے کر چھوٹے والے کمرے میں چلے آتے۔ یہاں میں کچھ دیر بیٹھتا تھا اس کے بعد اباجی مجھے سونے کے لئے بھیج دیتے۔

میں واپس آتا، تو اماں جی بے خبر سو رہی ہوتیں یہ بات میرے لئے حیرت کا باعث تھی کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی انہیں ایسی غفلت سے سوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

اسی سلسلے میں ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے جس کی اہمیت اور توجیہہ مجھے بعد میں جا کر معلوم ہو سکی تھی۔

میں جب پوشیدہ طور پر اباجی کی طرف راغب ہوا تو اباجی میری ماں کا بے حد خیال رکھنے لگے تھے۔ نہ جانے دل کی کون سی گہرائیوں سے ان کی محبت اُمڈ آئی تھی۔

روپے پیسے کی تو یوں بھی انہیں کوئی کمی نہیں تھی، البتہ خاص طور پر اماں جی کے لئے پھل وغیرہ لانا، ان کے لئے روزانہ ایک گلاس دودھ کا بنانا اور انہیں اپنے ہاتھوں سے دینا...... اب ان کا معمول بن چکا تھا۔

یہ کڑھائی والا دودھ وہ خود ہی باہر سے لایا کرتے تھے اور رات میں اماں جی کے سونے سے پہلے انہیں پیش کیا کرتے تھے۔

اس توجہ اور مہربانی پر خود اماں جی بھی انگشت بدنداں تھیں۔ لیکن یہ کایا پلٹ کافی خوش گوار تھی۔ چنانچہ انہوں نے زیادہ حیل و حجت کرنا مناسب نہ سمجھا۔

لیکن میں نے اندازہ لگایا تھا کہ جس دن سے یہ دودھ اماں جی کے حلق سے اترا تھا وہ رات میں بے حد غفلت کی نیند سونے لگی تھیں۔ پھر ایک دن میں نے اباجی کو دودھ کے گلاس میں کوئی چیز ملا کر چمچے سے ہلاتے ہوئے بھی دیکھا۔

یہ کام اباجی اس وقت انجام دیتے تھے جب ان کی ''اکلوتی بیوی'' سونے کی غرض سے بستر پر لیٹ جایا کرتی تھیں۔

میں نے اباجی کی یہ حرکت نوٹ کر لی تھی، وہ اس وقت کچن میں تھے۔

میں نے فوراً ہی انہیں ٹوکا۔

''اباجی...... آپ دودھ میں کیا ملا رہے ہیں؟''

میری آواز سن کر جیسے وہ اچھل ہی پڑے تھے، فوراً ہی میری طرف گھومے، پہلے تو مجھے سنجیدگی سے دیکھتے رہے پھر بے ساختہ ہنس کر بولے۔

''زہر نہیں دوں گا تمہاری ماں کو...... ! یہ طاقت سے بھرپور جڑی بوٹی کا سفوف ہے تمہاری ماں اب بہت کمزور ہو چکی ہے اسی لئے میں پھل فروٹ کے ساتھ ساتھ یہ طاقت ور دودھ بھی اس کے لئے تیار کرتا ہوں...... مجھے احساس ہے کہ گزری ہوئی زندگی کے چند صدمات نے اس کے اعصاب کمزور کر کے رکھ دیئے ہیں۔ اب اگر اس کی طرف توجہ نہ دی گئی تو وہ بھی بیمار پڑ جائے گی اور ہم دونوں کو پریشان ہونا پڑے گا۔ کیوں؟ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں۔''

میں نے مطمئن ہو کر اثبات میں سر ہلا دیا ویسے بھی اباجی کے اندر آنے والی تبدیلی بے حد خوش گوار تھی۔

اسی بات کو موضوع بناتے ہوئے ایک دن اماں جی نے مجھ سے کہا۔

''کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ تمہارے باپ کو آج کل کیا ہو گیا ہے؟''

''جی......؟'' میں چونکا...... ''جی نہیں......!''

''ہوں......!'' انہوں نے طویل سانس لی اور پھر بولیں۔ ''لیکن میں جانتی ہوں۔''

میں نے فوراً ہی ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ''تو کیا اماں کو میرے بارے میں بھی معلوم ہو گیا ہے۔'' میں نے دل میں سوچا۔

پھر ڈرتے ڈرتے میں پوچھ بیٹھا۔

''آپ کیا جانتی ہو اماں جی......''

اسماء الحسنٰی ــــ کامیابی کا راستہ

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہو جایا کرتی ہیں

پریشانیوں سے چھٹکارہ

ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

شادی کرنی ہو یا کروانی ہو

جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو

شوہر یا بیوی کی اصلاح

اولاد کا نہ ہو یا ہو کر مر جانا

گھریلو ناچاقی

کاروباری بندش

جنات کا سایہ

دیگر مسائل

سید فرمان شاہ کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہو گئی ہو اور ہر عامل ناکام ہو گیا ہو ہم سے مشورہ ایک بار ضرور لیں عامل وہ جس علم سات سمندر پار چلے کالے و سفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہو گا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید فرمان شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

سسرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام 100% رازداری کے ساتھ

کلام الٰہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

خواہش

زندگی کی کوئی بھی خواہش ہے کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہوگی انشاء اللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزما لیجئے

ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔

نوٹ: جو خواتین و حضرات خود نہیں آ سکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

وہ علم ہی کیا جس میں اثر نہ۔ وہ آنکھیں کی کیا جن میں شرم نہ ہو۔ وہ علم ہی کیا جس عمل نہ ہو۔ وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو۔

سید فرمان شاہ

اچھرہ شاپ مین بازار اچھرہ لاہور پاکستان

0300-6484398

”وہ مجھ پر بھی آج کل بہت مہربان ہیں اور تم پر بھی۔“ وہ بولیں۔ ”اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں ان سب باتوں کے عوض تمہیں ان کے حوالے کردوں، تاکہ وہ تمہیں اپنی شاگردی میں لے کر تمہیں بھی اپنی خاندانی روش پر چلائیں تمہارے قاسم ماموں کو تو انہوں نے بھگا دیا۔ اب ان کی نظر میں میدان صاف ہے۔ اسی میدان کو مزید ہموار کرنے کے لئے تمہارا باپ یہ کھیل، کھیل رہا ہے لیکن میں بھی پوری تیاری پر ہوں جب بھی انہوں نے تمہیں اپنے ساتھ لگانے کی کوشش کی میں اسی دن تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔ میں کسی قیمت پر بھی تم کو یہ کام نہیں کرنے دوں گی۔“

”اماں جی...... ایک بات پوچھوں......؟“ میں کچھ سوچ کر بولا۔

”ہاں...... ضرور پوچھو......!“

”اس کام میں کیا برائی ہے؟“

”برائی...... !“ انہوں نے میری شکل دیکھی۔ ”کیا یہ برائی کم ہے کہ میں اپنی معصوم بچیوں کو کھو بیٹھی......؟ ارے نادان...... اس کام میں ہوائی مخلوق سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور جب وہ ہوائی مخلوق حملہ کرتی ہے تو کچھ بھی نقصان پہنچا سکتی ہے...... تمہارے دادا پردادا بھی اسی طرح دنیا سے چلے گئے تھے۔ اب خود دیکھ لو...... تمہارے باپ کے خاندان میں کوئی موجود ہے......؟ نہیں...... کیونکہ ان سب کا یہی کام تھا...... اور سب کے سب اسی کام کے ہاتھوں فنا ہو گئے۔“

”اوہ......“ میرے منہ سے نکلا۔ ”لیکن اماں جی...... یہ ہوائی مخلوق کیا ہوتی ہے؟ یہ کہاں رہتی ہے؟“

”یہ بات تم اپنے باپ سے پوچھنا۔“ وہ کچھ سوچ کر بولیں۔ ”مجھ سے زیادہ انہیں اس بارے میں معلومات ہیں...... ہاں......!“

☆......☆......☆

میں اس دن اباجی والے حصے میں کافی جلدی پہنچ گیا تھا، کیونکہ اماں جی جلدی سوگئی تھیں۔ چونکہ اب میں بھی رات میں دیر سے سونے کا عادی بن چکا تھا اس لئے یہاں اکیلے رہنے سے بہتر تھا کہ اباجی کی طرف نکل جاؤں...... کیونکہ وہاں اکثر نئے نئے چہرے اور ان کے درمیان ہونے والی باتیں میرے لئے دلچسپی کا باعث بن جایا کرتی تھیں۔

اس وقت بھی اباجی کے گرد کچھ لوگ بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان میں دو مرد تھے اور دو بڑی عمر کی عورتیں...... ان کے ساتھ ایک نہایت حسین لڑکی بھی موجود تھی۔

ان میں سے ایک عورت اباجی سے کچھ کہہ رہی تھی اباجی خاموشی سے سن رہے تھے اور کبھی کبھار اپنا سر اثبات میں ہلا دیتے۔

میں دری پر ایک جانب چپ چاپ ہو کر بیٹھ گیا۔ میری کوشش تھی کہ میں اس عورت کی باتیں سن لوں۔ لیکن اس کی آواز کچھ اس طرح کی تھی کہ میرے پلے کچھ بھی نہیں پڑ رہا تھا۔ شاید اس کے گلے میں خرابی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ ان چاروں کے درمیان میں بیٹھی ہوئی وہ لڑکی بار بار اباجی کو گھورنے لگی تھی اور جب اباجی اس کی طرف متوجہ ہوتے تو وہ منہ پھیر لیتی۔

عورت خاموش ہوئی تو اباجی شاہانہ انداز میں بولے۔

”ہوں......! اس کی کب سے یہ حالت ہے......؟“

”باباجی...... لگ بھگ چھ ماہ......“ ایک مرد بول اٹھا۔ ”نہ جانے ہم نے اس کی خاطر کہاں کہاں کی خاک چھانی ہے...... کسی نے ہمیں آپ کے بارے میں بتایا تو ہم یہاں چلے آئے۔“

”ہوں...... !“ اباجی نے پھر ہنکارا بھرا۔ ”جو ہوگا بہتر ہوگا...... میرے بزرگوں کی دعا سے سب اچھا ہو جائے گا...... اچھا ذرا اسے میرے سامنے کرو۔“

”جی بہتر......“ مرد جلدی سے بولا۔

پھر وہ اسی خوب صورت لڑکی سے مخاطب ہوا۔

”سدرہ......!“

”آں......“ وہ چونکی۔ ”جی...... جی ماموں......؟“

”آگے آؤ...... باباجی تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں......“ مرد نے کہا۔

لڑکی نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر قدرے جھجکتے ہوئے انداز میں اٹھ کر آگے کی طرف ہوگئی۔

اب وہ اباجی کے بالکل سامنے موجود تھی۔

”بیٹی...... نام کیا ہے تمہارا......؟“ اباجی نے سوال کیا۔

”جی...... میں...... سدرہ ہوں......“ وہ ہچکچا کر بولی۔

ساتھ ہی اس نے عجیب سی نگاہوں سے اباجی کو گھور کر دیکھا تھا۔ میں نے اباجی کے چہرے پر مسکراہٹ ابھرتے دیکھی، نہ جانے وہ کیوں مسکرائے تھے۔

پھر دفعتاً سنجیدہ ہوئے اور سدرہ نامی لڑکی سے کہا۔

”اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھاؤ۔“

لڑکی نے بے ساختہ ہاتھ آگے کر دیا، میں نے دیکھا کہ اباجی نے فوراً ہی اس کی چھوٹی والی انگلی کو تھام لیا۔

اب اباجی کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں، ساتھ ہی ساتھ ان کے ہونٹ حرکت میں آگئے وہ کچھ پڑھ رہے تھے۔

میں اور قریب کھسک آیا، دیکھنا چاہتا تھا کہ اس صورت حال کا کیا انجام ہوتا ہے۔

اباجی کی پڑھائی جاری تھی...... لڑکی ٹکر ٹکر ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں غصہ اور جھنجلاہٹ نمودار ہونے لگی...... اور اس کی آنکھیں سرخ ہونا شروع ہوگئیں۔

اس کے چہرے پر کرختگی صاف دکھائی دے رہی تھی اور اب وہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح اباجی کو گھور رہی تھی۔

دفعتاً اس نے اپنے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا اور مردانہ قسم کی غرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”چھوڑ دے مجھے...... میں کہتا ہوں چھوڑ دے ورنہ......“

”ورنہ کیا کرے گا......؟“ اباجی نے لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

لڑکی کے ساتھ آنے والوں کے چہروں پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں، شاید اس کا یہ روپ ان لوگوں کے لئے نیا اور انوکھا تھا۔

خود مجھے بھی لڑکی کی آواز نے شدید حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس حسین چہرے پر ایسی بھاری آواز بالکل میل نہیں کھا رہی تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے عقب سے کوئی اور بول رہا ہو۔

اباجی کی گرفت بہت مضبوط تھی، لڑکی مچھلی کی طرح تڑپی اور بولی۔

”میں تجھے جلا کر راکھ کر دوں گا۔“

”یہ کام تو میں بھی بہ خوبی کر سکتا ہوں۔“ اباجی بے خوفی سے مسکرائے۔

”میں تو خود آگ ہوں......“ لڑکی نے اکڑ کر کہا۔ ”تو بھلا آگ کو کیا جلائے گا۔“

”لوہا...... لوہے کو کاٹتا ہے...... تجھے نہیں معلوم؟“ اباجی نے طنزیہ انداز میں پوچھا، پھر وہ بھی رعب سے بولے۔

”تو مجھے نہیں جانتا...... میں آقالی ہوں......!“

اور میرے بڑوں نے تجھ جیسے نہ جانے کتنے سورما پیس دیئے...... نام کیا ہے تیرا......؟“

”نہیں بتاؤں گا......“ لڑکی بھنا کر اسی لہجے میں بولی۔

”ہوں...... نہیں بتائے گا......“ اباجی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ”ٹھہر جا......!“

یہ کہہ کر انہوں نے منہ ہی منہ میں پھر کچھ پڑھا اور لڑکی پر پھونک ماردی۔ لڑکی جیسے درد سے تڑپ اٹھی۔

اس نے ایک بار پھر خود کو چھڑانے کے لئے زور لگایا لیکن اباجی کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ لڑکی اپنی انگلی چھڑانے

میں بری طرح ناکام رہی۔

"بول..... جلدی اپنا نام بتا..... ورنہ اسی اذیت میں تیرا کام تمام ہوجائے گا۔"

"ططمراش ..... میں طمراش ہوں....." لڑکی کراہ کر بولی۔ "اب ..... اب تو چھوڑ دے مجھے ظالم ......آہ......"

"تو لڑکی کو چھوڑ دے..... میں تجھے چھوڑ دوں گا۔"

"میں اسے نہیں چھوڑ سکتا..... ہاں....."

"بس تو پھر ..... میں آج ہی تجھے فنا کردیتا ہوں۔"

"ٹھہرو....." لڑکی نے اباجی کو پکارا۔ "میں اسے تین دن بعد آزاد کردوں گا۔"

"تین دن نہیں..... ابھی آزاد کر۔"

"ابھی نہیں کرسکتا....." جواب ملا۔ "لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تیسرے دن اس کے جسم سے علیحدہ ہوجاؤں گا۔"

"تو اپنا آپ بچانے کے لئے مجھ سے فریب کررہا ہے۔"

"نہیں..... میں پکا وعدہ کرتا ہوں۔"

"کھا پھر حضرت سلیمان کی قسم.....!"

"نہیں کھاؤں گا....." وہ بولا۔

فوراً ہی اباجی نے لڑکی کی جکڑی ہوئی انگلی کو ایک جھٹکا دیا لڑکی کے منہ سے کراہ سی نکلی۔

"چھوڑ دے مجھے....." لڑکی کے وجود سے طمراش غرایا۔

"اب بھی تجھ میں دم خم ہیں۔" اباجی کا لہجہ کافی مزے دار تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس صورت حال سے محظوظ ہورہے ہوں۔

لڑکی کے رشتے دار اب بھی دم بہ خود تھے اباجی نے پھر کہا۔

"بول..... قسم کھاتا ہے یا تجھے بھسم کردوں؟"

"میں..... میں..... اف..... طمراش جیسے کسی تکلیف میں مبتلا تھا۔

"بول..... جلدی.....!" اباجی اس بار غرائے تھے۔

"میں..... حضرت سلیمان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تین دن بعد میں اس لڑکی کو چھوڑ دوں گا۔"

یہ سن کر اباجی نے ہونٹوں میں کچھ پڑھا اور لڑکی پر پھونک مارنے کے بعد اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

لڑکی کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر آرہی ۔وہ بے ہوش ہوچکی تھی۔

اس کے رشتہ دار ہڑبڑا گئے ،ایک عورت تو فوراً ہی اٹھ کر اس کی طرف لپکی۔

"ہائے میری بچی..... میری بچی.....!"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اباجی نے باوقار انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ابھی اپنی اصل حالت میں آئی ہے۔ اس پر طمراش نامی جن کا قبضہ ہے..... تین دن کے بعد اس لڑکی کو میرے پاس اسی وقت لانا ہوگا۔ اگر طمراش نے اپنے قول کو پورا نہ کیا تو پھر مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔"

"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سدرہ جناتی اثر میں ہوگی....." ایک مرد نے زبان کھولی۔

"ایک ماہ سے یہ بے چاری نفسیاتی ڈاکٹر کے زیر علاج ہے اور دواؤں پر دوائیں کھارہی ہے۔"

"دوا اچھی چیز ہے.....!" اباجی مسکرائے۔

"لیکن دعا اس سے بھی زیادہ اچھی چیز ہے۔ اب میں اسے ہوش میں لارہا ہوں۔ اسے ذرہ برابر بھی علم نہ ہوگا کہ تھوڑی دیر پہلے یہ کس حال میں تھی اور نہ ہی اسے کچھ بتانے کی ضرورت ہے۔ ابھی آپ لوگ آرام سے گھر جاؤ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں کچھ نقش دوں گا جو پلانے کے ہوں گے اور تین دن بعد جو تعویذ دوں گا وہ لڑکی کے گلے میں ڈالنا ہوگا۔ وہ تعویذ حفاظت کا ہوگا تاکہ آئندہ کبھی کوئی ہوائی مخلوق اس پر قبضہ نہ کرسکے۔"

"ہوائی مخلوق....." میں بے ساختہ بڑبڑایا۔

میری یہ ہلکی سی آواز نہ جانے کس طرح اباجی کے کانوں تک جا پہنچی انہوں نے فوراً ہی میری طرف گردن گھمائی اور دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولے۔

"ہاں..... ہوائی مخلوق ..... بالکل ہوا کی مانند..... کیا ہوا دکھائی دیتی ہے؟ ہرگز نہیں لیکن اس کے باوجود جب وہ اپنے زوروں پر آتی ہے تو بڑے بڑے درختوں کو زمین بوس کردیتی ہے۔ گھروں کی چھتیں اڑا لے جاتی ہے کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس ان دیکھی چیز میں کتنی طاقت ہے۔ اس ہوا کی کوئی شکل نہیں ہے۔ کوئی جسم نہیں ہے، اس کے باوجود بھی یہ ہمیں ہروقت اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہے۔ جنات اور دوسری بلاؤں کا وجود بھی ہوا کی طرح ہے۔ یہ بھی مجسم ہونے کے باوجود انسانی آنکھ سے اوجھل ہیں...... بالکل ہوا کی مانند..... ہاں.....!"

"باباجی....." ایک عورت بول اٹھی۔ "تو کیا ہم اس کی دوائیں بند کردیں؟" یہ سن کر اباجی بے ساختہ ہنسے اور بولے۔

"اگر اسے واقعی نفسیاتی مریضہ بنانا ہے تو بے شک جاری رکھیں..... ارے بھئی اب ان دواؤں کی کیا ضرورت ہے.....؟ یہ نفسیاتی نہیں بلکہ ماورائی کیس ہے..... اسے دوائیں ضرور کھلائیں لیکن وہ نہیں بلکہ طاقت کی دوائیں۔"

"ہاں..... لیکن ابھی نہیں..... اس جن کے نکل جانے کے بعد لڑکی کو طاقتور اشیاء کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ یہ جن چھ ماہ سے اس کے جسم میں داخل تھا۔ اور جب وہ اس جگہ کو چھوڑے گا تو وہ جگہ کمزور ہوجائے گی۔ یعنی دل اور دماغ۔ یہ چیزیں ان ہی جگہوں پر اثر انداز ہوتی ہیں..... شکر ہے کہ ابھی اس جن کے قیام کی مدت زیادہ نہیں ہوئی تھی ورنہ وہ لڑکی کے خون میں شامل ہوجاتا اس صورت میں لڑکی کو آزاد کرنا میرے بس میں نہ ہوتا۔"

اتنا کہہ کر اباجی خاموش ہوئے اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ مجھے اس وقت یوں لگا جیسے کوئی بہت خاص بات ان کے ذہن میں گردش کررہی ہو......

تھوڑی دیر بعد لڑکی خود بہ خود ہوش میں آگئی۔ یوں جیسے وہ نیند سے جاگی ہو، بے حد ہشاش بشاش تھی۔

اباجی نے اسے گھر لے جانے کا اشارہ کردیا تھا، سب ہی اباجی سے مرعوب دکھائی دے رہے تھے، چنانچہ مرد حضرات ان کے ہاتھوں کو چوم کر باہر نکلے تھوڑی دیر بعد اس کمرے میں ہم دونوں ہی رہ گئے۔

یک بیک مجھے اماں جی کا دھڑکا ہوا مجھے اس صورت حال کا انجام دیکھنے میں کافی دیر ہوگئی تھی ایسا نہ ہو کہ وہ جاگ کر مجھے تلاش کرتی ہوئی ادھر آنکلیں۔ چنانچہ میں نے اپنا خدشہ اباجی پر ظاہر کردیا۔

وہ سر ہلا کر بولے۔

"وہ مزے سے سو رہی ہوگی...... لیکن اب تم بھی جاکر آرام کرو..... رات بہت ہوگئی ہے۔ کل دوپہر کا کھانا ساتھ ہی کھائیں گے۔ شب بخیر۔"

☆......☆......☆

یہ دوستوں جیسا رویہ..... یہ شفقت..... یہ محبت ......میرے ذہن کو اکسانے پر پوری طرح آمادہ تھی کہ میں صرف اور صرف اباجی کے احکامات بجا لاؤں، دوسرا کوئی بھی خیال اپنے ذہن سے نکال دوں۔

لیکن جب میں اپنے سینے میں دھڑکتے ہوئے دل کی پکار سنتا تو مجھے ماں کی آواز تذبذب میں ڈال دیتی۔ جو کہہ رہی ہوتی تھی۔

"بیٹا..... میرے بچے..... میرے جگر کے گوشے..... میرے دل کے آنگن میں کھلنے والے آخری پھول..... میری آرزوؤں کے مندر کے تنہا چراغ..... تو میری بات مان لے..... جہاں تیرا باپ تجھے لے جارہا ہے وہ دلدل ہے۔ ایسی دلدل کہ اس میں پھنس کر دوبارہ نکلنا ممکن نہیں ہے۔ یہ وہ راستہ ہے کہ جو صرف چلتا رہتا ہے واپس نہیں مڑتا۔ اور آخرکار چلتے چلتے مسافر اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا ہے۔ تمہارے باپ نے پہلے اپنے ماں باپ کو کھویا اور پھر اپنی اولاد کو..... میرے بچے..... اس راستے میں بلائیں

ہیں...... مصیبتیں ہیں...... پریشانیاں ہیں اس راستے میں ایسے عفریت ہیں جو مقابلے میں ہارنے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ چھین لیتے ہیں...... دیکھ لو...... تمہاری دونوں بہنیں چھین لی گئیں...... اب صرف تم ہی بچے ہو، اور میں تمہاری زندگی کی خواہاں ہوں...... ان سب چیزوں سے دور رہو میرے بچے......"

میں گھبرا اٹھتا تھا...... ماں اور باپ کے درمیان ہونے والی اس جنگ میں میری عقل دنگ تھی کہ کس کا ساتھ دے؟

ایک دن ایسے ہی خیالات میں الجھ کر جب زیادہ پریشان ہوا تو اٹھ کر باہر جانے لگا۔

اسی وقت اماں جی نے پکارا۔

"کہاں جا رہے ہو شکیل......؟"

وہ صحن میں بیٹھ کر چاول چن رہی تھیں......

میں نے گھوم کر ادھر ہی سے جواب دیا۔

"باہر جا رہا ہوں اماں جی...... ابھی آتا ہوں......"

"ادھر آؤ...... میرے پاس......" انہوں نے غور سے مجھے دیکھا تھا۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے......؟"

"کچھ نہیں اماں جی......"

"کچھ تو ضرور ہے......" انہوں نے غور سے مجھے دیکھا۔" میں تمہاری ماں ہوں ......اگر میں نہ جانوں گی تو کسے معلوم ہوگا۔ بتاؤ تم کیوں پریشان ہو؟"

"ایسا کچھ نہیں اماں جی......" میں خواہ مخواہ ہنسا "آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ اتنا بڑا گھر ہے اور افراد اتنے کم ہیں...... یہ ویرانی کبھی کبھی اکتاہٹ میں مبتلا کر دیتی ہے۔"

"اس ویرانی کا ذمہ دار تمہارا باپ ہے۔" ان کا لہجہ تیز تھا۔" نہ وہ کسی کو نقصان پہنچاتا اور نہ اسے یہ نقصان ہوتا۔ سانپ کو بھی جب تک چھیڑو گے نہیں وہ تمہیں ڈسے گا نہیں۔ جب کسی کو پریشان کرو گے تو پھر خود بھی پریشان رہو گے۔ تمہارا باپ ہواؤں سے لڑتا ہے۔ انہیں قابو میں کرنے کے جتن کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ ان دیکھی طاقتوں پر فتح حاصل کر کے اپنے جھنڈے گاڑ دے اور پھر دنیا اسے سلام کرے...... یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہوتا۔"

"ہاں اماں جی......" میں آہستہ سے بولا۔" آپ ٹھیک کہہ رہی ہو...... اب جلدی سے کھانا بنا لو...... مجھے بھوک لگنی شروع ہو چکی ہے جب تک میں باہر سے ہو کر آتا ہوں۔"

پھر میں وہاں رکا نہیں تھا، جلدی سے باہر نکلا...... میرا رخ سدو کے گھر کی طرف تھا...... اتفاق سے وہ گلی میں ہی مل گیا۔

مجھے دیکھتے ہی اس کی باچھیں کھل اٹھیں۔

"ارے یار...... تم تو بڑے وقت پر آئے ہو...... میں سوچ ہی رہا تھا کہ تمہاری طرف کا چکر لگا لوں۔"

"کیوں......؟ کوئی کام تھا۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں یار...... بس بوریت ہو رہی ہے...... اسکول کی چھٹیاں پڑی ہیں تو اب گھر میں کب تک گزارہ ہوگا۔"

"میرا بھی یہی حال ہے......"

"چلو پھر...... رانی جھیل کا چکر لگائیں......" اس نے ہنس کر کہا۔

"نہ بابا......" میں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔" اس دن وہاں جو کچھ میرے ساتھ ہوا، وہ میں ہی جانتا ہوں بات کافی پرانی ہے، لیکن مجھے آج بھی یاد ہے۔"

"تمہارا وہم تھا جانی۔" سدو نے رائے دی۔ "بابا جی کے بیٹے کو بھی جن بھوت ہی دکھائیں دیں گے ورنہ میں بھی تو تھا وہاں۔"

"اب میں کیا کہوں...... مجھے تو لگتا ہے کہ وہاں ضرور کوئی اثر ہے۔"

"ارے یہ سب فالتو باتیں ہیں......" سدو نے

ہاتھ ہلا کر جیسے مکھی اڑائی تھی۔" میں نے تو اس دن خوب انجوائے کیا تھا...... قسم سے......"

"میں وہاں نہیں جاؤں گا......" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"اچھا تو پھر......!" سدو کہتے کہتے سوچ میں ڈوب گیا۔

میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا، دفعتاً سدو نے زور سے چٹکی بجائی اور بولا۔

"جنگل کی طرف چلتے ہیں، وہاں بھی ایک چشمہ ہے۔ بہت ٹھنڈا پانی ہوتا ہے اس کا...... قسم سے مزا آ جائے گا......" بولو...... وہاں چلیں؟"

"چلو بھئی......!" میں ہار مان کر بولا۔" تمہیں تو نہانے کے علاوہ اور کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے۔"

☆......☆......☆

اس چشمے کا نظارہ واقعی بہت دلکش تھا، میں اس طرف کبھی نہیں آیا تھا، درختوں کے درمیان بہنے والا یہ چشمہ کافی چوڑا تھا، سدو نے مجھے بتایا کہ اس کا پانی کافی دور تک نکلنے کے بعد جھیل میں ہی جا کر گرتا ہے۔

"اوہ......" میں نے کہا۔" جب ہی جھیل کا پانی ہمیشہ ٹھنڈا اور صاف ستھرا ہوتا ہے۔"

"ہاں......!" سدو نے سر ہلایا۔" تم نے ٹھیک سمجھا۔"

دونوں اس چشمے کے قریب ہی کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ دوپہر کے اس وقت میں دور دور تک ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔

سدو نے کہا۔

"چلو...... اب اتارو کپڑے...... چشمے میں اترتے ہیں۔"

"نہیں......!" میں نے نفی میں سر ہلایا۔" اب ہم بڑے ہو گئے ہیں...... کپڑوں سمیت ہی نہاتے ہیں۔"

"پاگل ہو گئے ہو کیا......؟" سدو ہنسا کر بولا۔" تم کوئی لڑکی ہو، جو شرماتے ہو۔ چلو اتارو...... میں بھی اتارتا ہوں۔"

یہ کہہ کر سدو نے پھرتی سے اپنا لباس اتار پھینکا، اب وہ مسکرا کر میری طرف دیکھ رہا تھا...... مجبوراً مجھے بھی اس پر عمل کرنا پڑا تھا۔

پھر دونوں نے چشمے میں قدم رکھ دیئے، یہ چشمہ واقعی کافی گہرا اور چوڑا تھا۔

"ویسے ایک بات ہے ......" سدو شرارت بھرے انداز میں ہنس کر بولا۔

"کیا......؟" میں نے پوچھا۔

"جوان ہو کر تم لڑکیوں کے لئے قیامت بن جاؤ گے۔ بہت کشش ہے تمہارے جسم میں۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو......؟" میں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

وہ پھر ہنس پڑا، ہم کافی دیر تک اس ٹھنڈے پانی سے لطف اندوز ہوتے رہے...... اچانک ہی مجھے ایک آہٹ سی سنائی دی۔

شاید سدو نے وہ آواز نہیں سنی تھی، میں نے بے ساختہ گردن گھما کر دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے سانس ہی سینے میں اٹک گیا ہو۔

وہی کالا لبادہ ایک بار پھر میرے سامنے تھا۔ وہی کالا لبادہ...... جو کافی عرصے پہلے مجھے رانی جھیل پر دکھائی دیا تھا۔

☆......☆......☆

میرے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر سدو چونک اٹھا، اس نے فوراً ہی پوچھا تھا۔

"کیا ہوا شکیل......؟ کیا بات ہے؟"

"وہ......وہ......!"

"ارے وہ کیا......؟ بتاؤ بھی......!" وہ جھلایا۔

"وہی...... !وہی ہے...... وہ سامنے......!" میری آواز میں دہشت تھی۔

"کون وہی......؟"

"جو...... جو مجھے رانی جھیل پہ نظر آیا تھا......" میری آواز میں لغزش تھی۔" سدو......! وہ سامنے کھڑا

ہے۔“

”کیا مذاق ہے یار......“ سدو نے منہ بنایا۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے! کتنی پرانی بات تھی وہ...... ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔“

”میں نہیں جانتا...... لیکن وہ مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے۔ چلو سدو...... کپڑے پہنو اور یہاں سے نکلو۔“

میں کالے ہیولے سے نظریں چراتے ہوئے چشمے سے باہر نکل آیا۔ سدو نے بھی میرا ساتھ دیا تھا پھر جلدی جلدی کپڑے پہنے تھے اور تیز قدموں سے وہاں سے چل پڑے تھے۔

میں نے پھر دوبارہ اس ہیولے کی طرف نہیں دیکھا تھا، البتہ دھک دھک کرتے ہوئے دل کے ساتھ میں تیز قدم اٹھانے کی بھرپور کوشش کررہا تھا۔

بے چارہ سدو حیران و پریشان سا ہوکر میرے پیچھے آرہا تھا۔ میں نے سدو کی بڑبڑاہٹ بھی سنی تھی۔

”میں اب تمہارے ساتھ نہیں آؤں گا...... جب بھی تمہیں کہیں لے کر آتا ہوں۔ کوئی نہ کوئی ڈرامے بازی ہوجاتی ہے...... چاہے مجھے اکیلے ہی آنا پڑے لیکن میں تمہیں ساتھ نہیں لاؤں گا۔“

میں خاموش رہتا تھا...... جواب دیتا بھی تو کیا......؟ یہ چکر خود میری اپنی سمجھ سے بالاتر تھا...... اس بے چارے کا اس میں کیا قصور تھا۔؟

ویسے میں فیصلہ کرچکا تھا کہ اس بات کا ذکر اب اباجی سے ضرور کروں گا۔

☆......☆......☆

معمول کے مطابق اباجی نے رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھایا تھا، وہ ماں جی کے لئے دودھ پہلے ہی لے آئے تھے، چنانچہ انہوں نے گلاس بھر کر دودھ ان کے سامنے رکھ دیا۔

ماں جی نے پہلے دودھ کا گلاس دیکھا اور پھر اباجی کی طرف دیکھ کر بولیں۔

”میں دودھ نہیں پیوں گی۔“

”کیوں......؟“ اباجی چونک اٹھے تھے۔

میں بھی ان دونوں کی طرف متوجہ ہوچکا تھا۔

”اس کے پینے سے مجھے نیند آجاتی ہے۔“ وہ بولیں۔

اباجی فوراً ہی ہنس پڑے اور پیار سے بولے۔

”ارے تو نیند کون سی بری چیز ہے۔ مجھے دیکھو...... یہ ظالم نیند مجھ سے کوسوں دور رہتی ہے...... نہ رات کو آتی ہے اور نہ دن کو۔“

”جب تمہارے باپ دادا ہی نہ سو سکے تو تم کیا سوؤ گے......“ وہ بولیں۔ ”وظیفوں سے فرصت ملے گی تو نیند آئے گی نا۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو......“ اباجی نے طویل سانس لی۔ ”کیا کروں...... مجبوری ہے...... جو کام وہ لوگ میرے ذمے لگا گئے ہیں وہ تو مجھے کرنا ہی ہے۔“

”شوق سے کرو......“ ماں جی تڑ سے بولیں۔ ”لیکن میرے اس بچے کو دور ہی رکھنا...... اپنے کاموں میں اسے نہ الجھانا۔“

اباجی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر انہوں نے دودھ کا گلاس اٹھایا اور ماں جی کی طرف بڑھا کر بولے۔

”لو...... تم دودھ پیو۔“

☆......☆......☆

ماں جی کے خراٹے کمرے میں گونجنے شروع ہوئے تو میں آہستگی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ چشمے والا واقعہ بار بار میرے ذہن میں کسی فلم کے سین کی طرح چل رہا تھا اور اس وقت تو اسے یاد کرکے میرے جسم کے روئیں بھی تن رہے تھے۔

میرا رخ اباجی کی طرف تھا۔ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا میں ہال نما کمرے میں داخل ہوگیا۔

یہاں اباجی اکیلے بیٹھے ہوئے کسی قسم کے تعویذ بنا رہے تھے پورے ہال میں اگر بتیوں کی مہکار پھیلی ہوئی تھی۔

انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا اور بولے۔

”کیا ہوا بیٹا......؟“

”جی...... کچھ نہیں......!“ میں بھی چونکا تھا۔

”کچھ تو ہے...... تم بھاگ کر کیوں آئے ہو؟“

”بس یونہی......! ڈر سا لگ رہا تھا۔“

”کیوں......؟“ انہوں نے غور سے میری طرف دیکھا۔

”دن کے وقت کچھ ایسا واقعہ ہوا تھا کہ اس کا اثر ابھی تک ہورہا ہے......“ میں نے جواب دیا۔

یہ سن کر اباجی نے قلم اور کاغذ ایک طرف رکھ دیئے اور پوری طرح میری طرف متوجہ ہوکر بولے۔

”کیا ہوا...... مجھے بتاؤ۔“

”ضرور بتاؤں گا......“ میں نے کہا۔ ”لیکن پہلے آپ مجھے کچھ بتائیں...... مجھے آپ سے بہت سی باتیں معلوم کرنی ہیں۔“

”کون سی باتیں میرے بچے......“ انہوں نے مجھے غور سے دیکھا تھا۔

”ماں جی اکثر کہتی ہیں کہ ہمارے خاندان کے کئی لوگ بھینٹ چڑھ گئے ہیں...... ان میں خاص طور پر میرے دادا، پردادا اور میری دونوں بہنیں شامل ہیں...... کیا یہ بات درست ہے......؟“

یہ سن کر اباجی نے مجھے گھور کر دیکھا تھا مجھے ڈر ہوا کہ کہیں انہیں غصہ نہ آگیا ہو...... چہرے پر تاثرات ہی کچھ ایسے ابھر آئے تھے۔

”سمجھو تو پاگل ہوگئی ہے...... اپنی دونوں بیٹیوں کا صدمہ مجھے بھی ہے...... لیکن کیا کوئی نصیب سے یا مقدر سے لڑسکتا ہے۔“

”تو کیا ماں جی نے غلط کہا ہے......؟“

”ہوسکتا ہے کہ یہ بات ٹھیک ہو......؟“ اباجی نے کہا۔ ”لیکن کیا اس دنیا میں کوئی انسان ایسا بھی ہوسکتا ہے جو اپنی زندگی سے زیادہ جی سکے......؟“

”نہیں اباجی......“ میں نے فوراً کہا۔

”بس تو پھر...... جس کی زندگی جب تک کی ہے اسے وہی گزارنی ہے۔ نہ وہ اس مقررہ وقت سے زیادہ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی اس سے پہلے اسے موت آسکتی ہے...... یہ بات میں ضرور مانتا ہوں کہ موت ہمیشہ بہانوں کا روپ بدل کر آتی ہے...... کوئی ایکسیڈنٹ سے مرتا ہے، کوئی بیماری سے، کوئی گولی سے اور کوئی خودکشی سے، موت کی نہ جانے کتنی شکلیں ہیں اور وہ مقدر کے حساب سے انسانوں کے سامنے کسی نہ کسی روپ میں آکر اسے دبوچ لیتی ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں جی کو غلط فہمی ہوگئی ہے......“ میں نے سر ہلایا۔ ”ہمارے خاندان کے لوگ کسی کی بھینٹ نہیں چڑھے۔“

”ہمارے خاندان کا ایک دشمن ہے تو سہی......“ اباجی نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”لیکن مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ دشمنی میں اس حد تک چلا جائے گا کہ کسی کی جان ہی لے ڈالے۔“

”دشمن ہے......؟“ میں چونکا۔ ”وہ کون ہے اباجی......؟“

”اسے میں بھی نہیں جانتا......“ وہ بولے۔ ”لیکن میں نے اس کے بارے میں اپنے بڑوں سے بہت کچھ سنا ہے۔“

”کیا سنا ہے اباجی......؟“ میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

”وہ بہت طاقتور شے ہے......“ اباجی کے لہجے میں جوش عود کر آیا۔ ”اگر وہ قابو میں آجائے تو اس کے ذریعے بڑے بڑے معرکے سر کئے جاسکتے ہیں۔ تمہارے دادا جی نے اس شے کو اپنے حصار میں لینے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ ناکام رہے...... ان سے بھی پہلے ان کے باپ نے بھی اس پر قابو کرنے کے لئے بڑے جتن کئے تھے...... مگر وہ بھی ناکام ہی رہے تھے۔“

”اوہ......!“ میرے منہ سے نکلا۔ ”لیکن یہ تو بتائیں کہ وہ ہے کیا چیز......؟“

”رہنے دو...... تم کہیں ڈر نہ جاؤ......“ انہوں نے کہا۔

”میں تو پہلے ہی ڈرا ہوا ہوں اباجی......“ میرے منہ سے نکلا۔ ”اب مزید کیا ڈروں گا۔“

”کیا مطلب......؟“

”اب میں آپ کو بتاؤں اباجی......“ میرے لہجے میں بے چارگی تھی۔ ”میری تو سمجھ میں نہیں آرہا...... آپ کو کیسے بتاؤں......؟“

”تم نادان ہو...... تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے......“ وہ بولے۔ ”جو بات ہے وہ مکمل کر بتادو۔“

”میں ضرور بتاؤں گا...... پہلے آپ مجھے اس دشمن کے بارے میں بتائیں......“ میں نے اصرار کیا۔

”ہوں......“ اچھا تو سنو۔ ”ابھی تک اس کے بارے میں کسی کو بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کیا شے ہے۔ یا تو وہ جن ہے یا پھر کوئی بھٹکتی ہوئی روح...... میرے والد نے بھی حسب روایت مجھے اس پر قابو پانے اور اس سے محفوظ رہنے کے لئے عملیات بتائے تھے۔ میں نے کئی مرتبہ اس کو بلانے اور اس کے گرد اپنا حصار کھینچنے کی کوشش کی، لیکن اس پر قابو پانا واقعی بہت مشکل ہے۔ میرے والد نے مجھے یہ بھی تاکید کی تھی کہ میں اس کو اپنے دام میں پھانسنے کی کوشش اس وقت کروں...... جب میں عملیات کرنے میں بہت مہارت حاصل کرلوں...... ورنہ بصورت دیگر نقصان کا بھی خدشہ ہے......“ وہ کہتے چلے گئے۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماں جی نے ٹھیک کہا تھا۔“ میں بولا۔ ”آپ نے اس پر قابو پانے کی کوشش کی اور اس نے آپ کی اولاد چھین لی۔“

”تم تو ایسی بات نہ کرو میرے بچے......“ اباجی نے فوراً کہا۔ ”تم کافی عقل مند اور ذہین ہو...... تمہاری ماں کا ذہن تو صدمات سے متاثر ہوچکا ہے۔“

”تو پھر یہ سب کیا ہے......“ میں نے پوچھا۔ ”اس گھر میں ویرانی کیوں آگئی؟“

”امتحان میرے بچے...... یہ صرف اور صرف امتحان ہے۔“ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ”یہ راستہ ایسا ہی ہے ...... اس میں قدم قدم پر مشکلوں اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔“

”تو آپ یہ سب کچھ چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟“

میں نے غور سے انہیں دیکھا۔

”یہ ناممکن ہے میرے بچے۔“ ان کا لہجہ مضبوط تھا۔ ”ہمارا تعلق آقال قبیلے سے ہے۔ ہمارے باپ دادا اسی روش پر چلتے تھے، اور اب میں بھی اسی راستے پر اپنی جاں نثار کردوں گا...... میں اسی لئے تمہیں تربیت دینا چاہتا ہوں کہ میرے بعد تم نے آقال قبیلے کی اس سرداری کو سنبھالنا ہے...... اس جگہ پر تم ہی بیٹھو گے اور پھر میں تمہیں بھی اس دشمن کو زیر کرنے کے نسخے بتاؤں گا اگر میں بھی اس پر قابو پانے میں ناکام رہا تو میرے بعد تم اپنی صلاحیتیں آزمانا...... یقین کرو کہ اگر تم نے اسے حاصل کرلیا تو ہماری روحیں تمہیں سلام کیا کریں گی اور پھر تم اس کے ذریعے جو چاہو حاصل کرسکتے ہو...... دنیا کے خزانے تمہارے قدموں میں ڈھیر ہوجائیں گے۔“

”کیا آپ نے کبھی اسے دیکھا ہے؟“ میں نے پوچھا۔ ”وہ کیا چیز ہے؟ اس کی شکل کیسی ہے؟ کیا کبھی آپ کا اس سے سامنا ہوا ہے؟“

”ہاں......“ اباجی نے سر ہلایا۔ ”میں نے والد صاحب کا دیا ہوا مخصوص عمل اب تک چار مرتبہ کیا ہے وہ عمل خاص طور پر اسی کے لئے تھا۔ اور عمل کے دوران وہ میرے سامنے آکھڑا ہوا۔“

”اوہ......“ میں چونکا۔ ”تو آپ نے اسے قریب سے دیکھا ہے۔“

”ہاں...... لیکن وہ مجھے چکمہ دے کر نکل گیا...... میں یہ بتادوں کہ ہمارے پاس موکل ہوتے ہیں جو ہر وقت حاضر رہ کر ہمارے حکم بجالاتے ہیں لیکن وہ شے ان موکلات سے بھی اوپر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر قابو پانے کی جستجو رہتی ہے کیونکہ جو کام وہ شے کرسکتی ہے وہ موکلات کے بس میں بھی نہیں ہوتا۔“

”یہ تو بتائیں کہ اس کی شکل کیسی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

یہ سن کر اباجی دھیرے سے مسکرائے اور بولے۔

”یہ تو مجھے نہیں معلوم......“

”جی......؟ لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ نے اسے دیکھا ہے......“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں...... لیکن میں صرف اس کا ہیولہ ہی دیکھ سکا ہوں...... کیونکہ جب بھی اس کا اور میرا سامنا ہوا تو اس کے گرد کالے رنگ کی چادر لپٹی ہوئی تھی...... جس میں اس کا چہرہ بھی چھپا ہوا دکھائی دیا...... یہی وجہ ہے کہ میں نہیں جان سکا کہ وہ مرد ہے یا عورت...... کوئی روح ہے یا پھر کوئی آسمانی مخلوق۔“

اباجی کی بات سن کر میں حیرت کے سمندر میں غوطہ مارنے لگا۔ کیونکہ جو حلیہ انہوں نے بتایا تھا، من وعن اسی حلئے میں موجود کسی پراسرار مخلوق سے میرا دو مرتبہ سامنا ہوچکا تھا۔

ایک بار وہ پراسرار ہیولہ مجھے رانی جھیل میں نہاتے ہوئے دکھائی دیا تھا، اور دوسری بار چشمے والے حصے میں اس سے سامنا ہوا تھا۔

مزے کی بات یہ تھی کہ وہ دونوں مرتبہ سدو کی آنکھوں سے اوجھل رہا تھا جبکہ میں اسے صاف طور پر دیکھ پاتا تھا۔

”کیا ہوا شکیل......؟“ اباجی نے مجھے ٹوکا۔ ”تمہارا چہرہ کیوں اتر گیا......؟ کیا تم ڈر گئے ہو میرے بچے......؟“

”نہیں اباجی......“ میں نے کہا۔ ”دراصل میں آپ کو جو کچھ بتانے والا تھا اس میں کسی حد تک اسی حلیے کا ذکر ہے۔“

”کیا مطلب......؟“ وہ بری طرح چونکے۔

اب میں نے انہیں رانی جھیل کے ساتھ ساتھ چشمے والی روداد بھی سناڈالی، ان کے چہرے پر حیرت کے ساتھ ساتھ تشویش کے آثار نمایاں ہوگئے۔

میرے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا۔

”لیکن یہ کس طرح ممکن ہے......؟ میں تو کئی عملیات کرنے کے بعد اسے دیکھ پاتا ہوں۔“

”اب میں کیا بتاؤں اباجی......“ میں نے کندھے اچکائے۔ ”جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ میں نے بتادیا۔“

”ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے......“ انہوں نے جلدی سے سر ہلایا۔

وہ اب مضطربانہ انداز میں اپنے ہاتھوں کو آپس میں رگڑ رہے تھے، ساتھ ہی ساتھ وہ کسی سوچ میں بھی گم ہوگئے تھے۔

پھر انہوں نے چونکنے کے سے انداز میں میری طرف دیکھا اور بولے۔

”کیا تم اسے دیکھ کر ڈر گئے تھے......؟“

”جی ہاں...... ڈر تو لگا تھا مجھے......“ میں نے اقرار کیا۔

”اچھا...... لیکن اب تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ بولے۔ ”میں ابھی تمہارے گرد حفاظت کا حصار کھینچتا ہوں۔ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اب مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ تمہارے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے گا۔ اور تم ہی آقال قبیلے کے اس دشمن کو زیر کروگے۔“

اباجی کی آواز میں جوش تھا، میں خاموشی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا...... رات کافی گزر چکی تھی اور اب میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگی تھیں۔

”تم یہاں دوزانو ہوکر بیٹھ جاؤ......“ اباجی نے کہا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تمہیں نیند آرہی ہے، لیکن اب مجھے تمہاری فکر لاحق ہوگئی ہے...... میں تمہارے گرد حصار کھینچ دوں پھر تم چلے جانا، اس کے بعد میں اب اس خبیث سے بھی دو دو ہاتھ کرتا ہوں...... اگر اس نے تم پر میلی آنکھ بھی اٹھائی تو میں اسے جلا کر خاک کردوں گا۔“

میں نے نیند بھگانے کے لئے اپنے سر کو زور سے جھٹکا اور پھر ان کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے دوزانو ہوکر بیٹھ گیا۔

اباجی اٹھ کر میرے قریب آگئے، لیکن عین اسی وقت قدموں کی آہٹ ہوئی میرے ساتھ ساتھ اباجی

بھی چونک کر دروازے کی متوجہ ہوگئے۔

میں نہیں جانتا کہ اس وقت ان کا کیا حال ہوا ہوگا، لیکن خود مجھے یوں لگا جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑلیا گیا ہوں۔

سامنے ماں جی کھڑی تھیں اور مجھے نظرانداز کرتے ہوئے براہ راست اباجی کو خوں خوار نظروں سے گھور رہی تھیں۔

☆......☆......☆

وہ میری زندگی کی یادگار ترین منظر تھا، آج بھی میں اسے یاد کرتا ہوں تو سالوں بیت جانے کے بعد بھی مجھے وہ کل جیسی بات لگتی ہے۔

اب میں نے سٹ پٹا کر ترچھی نگاہوں سے اباجی کی طرف دیکھا...... ان کا چہرہ بھی دھواں دھواں ہو رہا تھا...... ماں جی کی اچانک آمد سے انہیں بھی جھٹکا لگا تھا۔

دفعتاً وہ کسی زہریلے سانپ کی طرح پھنکاریں۔

''میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میرے بچے کو اپنے خونی کھیلوں سے دور رکھنا...... ؟ مگر...... تم باز نہیں آئے۔''

''سجو...... سجو......'' وہ ہکلا سے گئے۔ ''تم...... اس وقت......؟''

''ہاں...... اس وقت......'' ماں جی کے لہجے میں طنز تھا۔ ''کیونکہ آج میں نے وہ دودھ کا گلاس نہیں پیا، جس میں تم نیند کی دوا کا سفوف گھولتے ہو......''

''یہ سن کر میں سناٹے میں آ گیا، اباجی نے تو مجھ سے کہا تھا کہ وہ دودھ میں طاقت کی دوا ملاتے ہیں لیکن ماں جی تو کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔

''مجھے پہلے شک تھا کہ تمہاری اس محبت اور عنایت میں ضرور کوئی چال ہوگی۔'' ماں جی کا لہجہ زہر خند تھا۔ ''لیکن آج وہ شک یقین میں بدل چکا ہے۔ تمہیں کسی سے بھی کوئی لگاؤ نہیں ہے، تم صرف اپنے پیشے کے پجاری ہو...... تمہیں صرف اپنے عملیات سے محبت ہے۔ تم اپنی بیٹیوں کو تو داؤ پر لگا ہی چکے ہو اور اب اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی قربان کرنا چاہتے ہو۔''

''میری بات سنو سجو...... میں......'' اباجی نے بولنا چاہا۔

لیکن ماں جی نے فوراً ہی ان کی بات کاٹ دی۔

یہ کہتے ہوئے ماں جی کا چہرہ خوں خوار ہوگیا۔

میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔

''تم...... تم کیا کرو گی......؟'' اباجی نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے انہیں گھور کر پوچھا۔

''میں......'' ماں جی نے یہ کہتے ہوئے اپنا داہنا ہاتھ سیدھا کیا تو اس میں تیز دھار خنجر لہراتا ہوا دکھائی دیا۔ ''میں تمہیں جان سے ہی مار دوں گی سکندر آقال...... نہ تم ہوگے اور نہ میرا بچہ مجھ سے چھین سکو گے۔''

'' میں پاگل ہو چکی ہوں......! لیکن مجھے اتنا ہوش ہے کہ میں اپنے بچے کو تم سے چھٹکارا دلا سکوں...... جاؤ...... خدا حافظ......''

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ اباجی کو سوچنے اور سمجھنے کا موقع نہ مل سکا خنجر ہوا میں لہرایا اور تیر کی طرح ان کے سینے میں پیوست ہوگیا۔

اسی وقت خون کا فوارہ بلند ہوا، اباجی ایک زوردار جھٹکا کھا کر دری پر گرے اور پھر ان کا جسم ساکت ہوگیا۔

خون تیزی سے ان کے چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ دہشت کے مارے میرا پورا وجود لرز رہا تھا...... میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

میں نے ایک نظر اباجی کے لہولہان جسم پر ڈالی اور پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔

وہ کسی بے جان پتھر کی طرح دروازے میں کھڑی تھیں، اچانک ہی انہوں نے ہچکولے کھائے اور پھر وہ خود بھی فرش پر آ رہیں۔

میں بری طرح بوکھلا اٹھا تھا...... کئی طرح کی عجیب و غریب آوازیں میرے حلق سے برآمد ہو رہی تھیں۔

☆......☆......☆

کتنا بھیانک منظر تھا...... ایک طرف میرے باپ کی خون میں نہائی ہوئی لاش پڑی تھی اور دوسری طرف میری ماں کا جسم بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔

میری ٹانگوں میں گویا جان باقی نہ رہی تھی، میں متوحش نگاہوں سے کبھی باپ کی لاش کو دیکھتا اور کبھی ماں جی کو۔

اس ہولناک منظر نے گویا میرے ہوش و حواس چھین لئے تھے...... مجھے کافی دیر بعد یہ احساس ہوا کہ عجیب طرح کی آوازیں میرے حلق سے برآمد ہو رہی تھیں اور جسم کے مساموں سے پسینہ اس طرح پھوٹ پڑا تھا کہ مجھے اپنا لباس تر بتر محسوس ہونے لگا تھا۔

حواس قدرے اعتدال پر آئے تو میں نے خالی خالی سی آنکھوں سے اباجی کی لاش پر ڈالی، اس وقت اور تو کچھ نہ سوجھا...... میں ماں جی کے اوپر جا کر ڈھیر ہوگیا۔

''ماں جی...... ماں جی...... اٹھو اماں جی......

''میں بلند آواز میں لگاتار انہیں پکارتا رہا، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔

اب میں نے جلدی سے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں قریب ہی پانی کی بوتل موجود تھی، میں اس کی طرف لپکا۔

میں اندازہ لگا چکا تھا کہ ماں جی صرف بے ہوش ہوئی ہیں اور ان میں زندگی کی رمق پوری طرح بیدار ہے۔

اور پھر ہوا بھی یہی...... میں نے ان کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تو وہ فوراً ہی ہوش میں آ گئیں۔

انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا اور حیرت سے بولیں۔

''کیا ہوا......؟''

میں ششدر رہ گیا، اتنا بڑا قدم اٹھانے کے بعد وہ مجھ سے یہ بات پوچھ رہی تھیں...... میں ان سے لپٹ کر بے اختیار بلک بلک کر رونے لگا۔

''ارے کیا ہوا میرے بچے......! بتاؤ تو سہی۔''

''ماں جی...... آپ نے اباجی کو مار ڈالا...... اب مجھ سے کیا پوچھ رہی ہیں......''

''اباجی کو مار ڈالا......؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں...... ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو...... اور ہم دونوں یہاں کیسے آئے......؟ یہ تو تمہارے باپ کا آستانہ ہے۔''

انہوں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر اسی وقت ان کی نگاہ اباجی کی لاش پر پڑی اور انہوں نے ایک دلدوز چیخ ماری۔

''یہ...... یہ...... یہ کیا ہوا...... ؟ یہ کیسا ہوا......؟'' وہ اٹھ کر لاش کے قریب جانے لگیں تو میں نے انہیں ایک جھٹکے سے روکا۔

''کیا کر رہی ہو ماں جی...... اب وہاں کیوں جا رہی ہو......؟ یہ خنجر ابھی تم نے ہی پھینک کر مارا ہے اور اسی وقت اباجی مر گئے۔''

''میں نے خنجر مارا ہے......؟'' ان کے وحشت زدہ چہرے پر حیرانگی بھی ابھر گئی۔ ''یہ تو کیا بک رہا ہے لڑکے......؟ تمہارا باپ جیسا بھی ہے لیکن میرا شوہر ہے...... میں اس کی عزت کرتی ہوں اور یہی میری زندگی کا سرمایہ ہے...... میں تو اس پر ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکتی...... جان سے مارنا تو بہت دور کی بات ہے۔''

''یہ تیرا باپ اور میرا شوہر ضرور تھا، لیکن اب کچھ بھی نہیں رہا...... تمہارے ہاتھ سے چلنے والے خنجر نے اس کی جان لے لی۔''

''کیوں بکواس کر رہا ہے تو......؟'' ماں جی آپے سے باہر ہوگئیں......! ''ہائے...... میری تو دنیا ہی اجڑ گئی...... کون کم ذات اسے مار کر چلا گیا...... ہائے۔''

ماں جی نے اپنے سینے پر دو تھپڑ مارے اور بلند آواز میں بین کرنے لگیں، میں تو پہلے ہی دہشت زدہ ہو رہا تھا، ان کی اس حرکت سے مزید بوکھلا گیا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں......؟

میں نے کوئی خواب دیکھا ہوتا، تو اور بات تھی، لیکن جاگتی آنکھوں سے میں اباجی کے قتل کا منظر دیکھ چکا تھا۔

لیکن عجیب ترین بات یہ تھی کہ اباجی کی لاش کے

قریب خود انہیں قتل کرنے والی ہستی بیٹھی ہوئی زاروقطار بین کررہی تھیں۔

☆......☆......☆

ماں جی کی آوازیں حویلی کے درودیوار تک محدود نہیں رہ سکی تھیں چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں آس پاس کے رہنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

ماں جی کا رورو کر براحال تھا، اور میں گم صم سی حالت میں کھڑا تھا۔ محلے والوں نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے پہلے ابا جی کی لاش پر چادر ڈالوئی اس کے بعد کسی نے تھانے میں اطلاع پہنچادی۔

تھوڑی دیر بعد ہی پولیس والے آگئے اور لاش اٹھوادی گئی، پولیس کے کچھ اہلکار اب بھی یہاں موجود تھے۔ انہوں نے محلے والوں کو چلتا کردیا تھا اور اب وہ ہال کا جائزہ لیتے پھر رہے تھے۔

ماں جی کا حال دیکھ کر ایک پولیس والے نے مجھے کرخت لہجے میں مخاطب کیا۔

"یہ تمہاری ماں ہے......؟"

"ہاں......!"

"مرنے والا باپ تھا تمہارا......؟"

"ہاں......!" میرا مختصر سا جواب تھا۔

"میں جانتا تھا تمہارے باپ کو......" پولیس والے نے سرہلا کر کہا۔

نہ جانے وہ مجھے تسلی دینا چاہتا تھا، یا پھر اپنا رعب جھاڑ رہا تھا پھر وہ دوبارہ بولا۔

"اپنی ماں کو پانی وانی پلاؤ...... بلکہ یہاں سے لے جاؤ...... باہر کچھ عورتیں بھی کھڑی ہوئی ہیں...... ان میں سے کسی کو بلالو...... وہ تمہاری ماں کو سنبھالے گی۔ پھر تم میرے پاس آنا۔"

میں نے جھٹ سے اس کی ہدایات پر عمل کیا، ایک اور پولیس والے نے میری مدد کی اور ہم دونوں نے مل کر ماں جی کو سہارا دیا تھا۔

انہیں دوسرے والے حصے میں لاکر ایک کمرے میں موجود پلنگ پر بٹھادیا گیا...... پھر میں جلدی سے دوڑ کر باہر نکلا۔ یہاں اب بھی لوگوں کا مجمع لگا ہوا تھا اور سب ہی اسے واقعہ پر اپنی اپنی زبانوں میں "چیرہ دستی" میں معروف تھے۔ مجھے دیکھ کر نہ جانے کیوں انہیں چپ سی لگ گئی۔

میں آگے بڑھتا گیا یہاں کچھ عورتیں بھی دکھائی دیں میں ان کے نزدیک پہنچ کر روہانسی ہوگیا اور بولا۔

"آپ لوگ میری ماں کو دیکھ لیں...... وہ چپ نہیں ہورہی ہیں......"

"ہاں...... بیٹا...... ضرور......!" کسی عورت کی آواز ابھری۔

اور پھر پانچ عورتیں گھر کے اندر داخل ہوگئیں، میں نے انہیں ماں جی کے پاس پہنچایا اور پھر خود اسی جگہ آگیا جہاں پولیس والے موجود تھے۔

وہی پولیس والا آگے بڑھا جس نے مجھ سے سوالات کیے تھے، میری ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے بڑے پیار اور نرمی سے مجھ سے پوچھا۔

"کیا تم نے قاتل کو دیکھا تھا...... ؟ وہ کون تھا......؟ کیسا تھا......؟ بتاؤ......!"

"قاتل......؟" میرے منہ سے نکلا۔

"ہاں...... بھئی......" اس نے سرہلایا۔ "میرا مطلب ہے کہ جس نے تمہارے باپ کو خنجر مارا، وہ کون تھا؟"

"ہاں...... میں جانتا ہوں کہ انہیں کس نے مارا ہے......" میرا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔

"پولیس والا چونک اٹھا اور جلدی سے بولا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے، ہم قاتل کو فوراً ہی حراست میں لے لیں گے۔ جلدی بتاؤ وہ کون ہے؟"

"میری ماں......" میرے منہ سے نکلا۔

"انہیں اماں نے مارا ہے۔"

جناتی آتما

رضوان قیوم۔راولپنڈی

جب گاؤں کے لوگ میدان میں گئے تو وہ جیسے سکتے میں آگئے کیونکہ سامنے ایک گردن کٹا ہوا کالا بکرا خون میں تر تڑپ رہا تھا اور اس کے وجود سے خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔

ڈراور خوف کی وجہ سے رگوں میں خون کو منجمد کرتی......وحشت ناک اور خوفناک کہانی

یہ عجیب، دلچسپ نہ قابل یقین واقعہ مجھے ایک ریٹائرڈ کرنل صاحب نے سنایا تھا۔ اس کہانی کے راوی مجھے راولپنڈی شہر کے ایک مشہور پارک میں ملے تھے۔

موصوف روزانہ شام کو یہاں جاگنگ کے لیے آتے تھے۔ میں ان دنوں اس پارک کی نرم و تازہ گھاس پر بیٹھ کر ایم۔ اے امتحان کی تیاری کیا کرتا تھا۔ کرنل صاحب چونکہ روزانہ شام کو وہاں آتے تھے اور اتفاق سے میں بھی وہاں ریگولر اپنی سٹڈی کے لیے جاتا تھا۔ تو وہاں میری ان سے شناسائی اور علیک سلیک کافی حد تک بڑھ چکی تھی۔ وہ اکثر پورے پارک کا چکر لگا کر کچھ دیر میرے پاس آکر بیٹھ جاتے تھے۔ انہیں علم تاریخ میں کافی عبور حاصل تھا۔ میں ان سے اسلامی ہسٹری کے بارے میں معلومات حاصل کیا کرتا تھا۔ کیونکہ میرا بچپن ہی سے بچی کہانیاں لکھنا، پڑھنا شوق رہا ہے۔ ایک بار

انہوں نے میری کتاب کے درمیان پڑی ہوئی آپ بیتیوں کا مجموعہ دیکھا تو انہوں نے مجھ سے کہا:

"بیٹا میں تمہیں ایک ایسا دلچسپ واقعہ جس کا میں خود شاہد ہوں وہ سناتا ہوں"۔

قارئین بھی کہانی کی دلچسپی کے لیے کرنل صاحب نے جیسا واقعہ سنایا وہ میں ان کی زبانی لکھ رہا ہوں۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میرا خاندان تقسیم ہند سے پہلے دہلی شہر کے ایک چھوٹے سے گاؤں اوکھلے (جو دریائے جمنا کے کنارے واقع تھا) میں رہا کرتا تھا۔

ان دنوں اس علاقہ میں دریائے جمنا سے آئی ہوئی ریت بکھر گئی تھی۔ گوروں نے اسے ذریعہ آمدنی بنانے کے لیے اس ریت کے ٹھیکے دینا شروع کردیے۔ یہاں سے ریت ٹھیکیدار اپنے ٹرکوں ٹرالیوں میں بھر کر دور دراز کے علاقوں میں سپلائی کیا کرتے تھے۔

ہماری فیملی میں ہم دو بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ میری عمر اس وقت 9 سال، میرا چھوٹا بھائی 7 سال جس کا نام اکبر تھا۔ میری بہنوں کا نام نفیسہ اور خدیجہ تھا۔

اپنے بہن، بھائیوں میں، میں سب سے بڑا تھا اس کے بعد اکبر پھر نفیسہ اور خدیجہ تھیں۔ میرے والد محترم جن کا نام قاسم تھا انہوں نے ایک ہندو شخص جس کا نام نریش پاٹیل تھا اس کے ساتھ پارٹنر شپ کی بنیاد پر ایک لوڈنگ ٹرک خریدا ہوا تھا۔ یہ ٹرک میرے والد صاحب خود چلایا کرتے تھے۔ نریش اگرچہ ہندو تھے لیکن وہ بہت ملنسار، خاص طور پر ہم بچوں سے بے حد محبت کیا کرتے تھے۔ وہ جب بھی والد صاحب کے پاس کاروباری حساب، کتاب کے لیے آتے تو ہم بچوں کے لیے شہر سے لازی ربڑی، مٹھائی، کھلونے اور رنگ برنگے غبارے ضرور لاتے تھے۔ وہ عموماً اتوار کے دن اپنی موٹر گاڑی میں آیا کرتے تھے۔ ہم سب بچے انہیں نریش چاچو کہا کرتے تھے۔ ان کے پاس پرانی لیکن مضبوط انجن والی کار ہوا کرتی تھی۔

والد صاحب اور نریش چاچو عموماً گھر سے باہر لان میں بیٹھ کر اپنے معاملات سلجھاتے، گفتگو کیا کرتے تھے۔ ہمارے گھر کے سامنے دور دور تک ریت ہی ریت نظر آتی تھی۔ حدِ نگاہ تک کوئی آبادی نہ تھی۔ بس میدان ہی تھا۔ جبکہ ہمارے گھر کے کچھ فاصلے پر پٹواری، ڈاک خانہ اور ایک معمولی دوائیوں والی ڈسپنسری تھی جس کو فقط ایک کمپوڈر چلایا کرتا تھا۔ میں، میری دو بہنیں اور اکبر، نریش چاچو کے اردگرد نت نئی شرارتیں کرتے ہوئے کھیلا کرتے تھے۔ کبھی کبھار وہ شرارتاً لپک کر ہم میں سے کسی بچے کو پکڑ لیتے اور مذاق میں کہتے:

"چلو پورا زور لگاؤ۔ مجھ سے اپنے آپ کو چھڑوانے میں"۔

وہ بعض دفعہ 5 سے 10 پیسے کا سکہ اپنی انگلیوں کے پوروں کے درمیان پھنسا لیتے اور ہم سب بہن بھائیوں کو کہتے:

"جو اسے نکالے گا اسے یہ سکہ مل جائے گا"۔

ہم لالچ میں آکر زور لگاتے کبھی کامیاب ہوتے کبھی ناکام۔

ایک دن انہوں نے والد صاحب کو کہا کہ:

"گاڑی تو اپنی ہے ہی بس اتوار کو اپنی پوری فیملی کو میرے گھر (دہلی شہر) لے آنا"۔

پہلے تو والد صاحب نے انکار کیا لیکن پھر ہم سب بچوں نے انہیں زور دے کر کہا کہ:

"ہم ضرور جائیں گے"۔

والد صاحب مان گئے۔ نریش چاچو نے کہا:

"یار! میں ہندو ضرور ہوں لیکن کٹر نہیں۔ آپس کی بات ہے کبھی کبھار بھینس کا گوشت کھا لیتا ہوں وہ اگر کہیں سے ملے تو لے آنا اور ہاں میں تجھے کچھ حرام نہیں کھلاؤں گا صرف حلال کھلاؤں گا"۔

"اچھا میں اتوار کی صبح گاڑی لے کر آجاؤں گا۔ بس تم تیار رہنا"۔ وہ جاتے ہوئے تاکید کر گئے۔

ہم نے بڑی بے چینی سے اتوار کے دن کا انتظار کیا۔ نفیسہ اور اکبر صبح سویرے اٹھ کر اماں کو تنگ کرنے لگے کہ ہمیں جلدی سے تیار کردیں۔

ہم مذکورہ اتوار کو جب نریش چاچو کے گھر پہنچے۔

ان کی رہائش درحقیقت دہلی کے بہت آبادی والے علاقے (فراش خانہ) میں تھی۔ یہاں ہر طرف ہندوؤں سے متعلق مندر، رنگ برنگی مورتیاں نظر آرہی تھیں۔ نریش چاچو کی پوری فیملی نے ہمارا استقبال کیا۔ ان کی بیوی گیتا آنٹی اور تین بچوں کو تینوں لڑکے تھے۔ جن کی عمریں بالترتیب گوپال 14 سال، اشوک 10 سال اور جتندر 8 سال کے لگ بھگ تھے۔ ان سے ہمیں ملوایا۔

تعارف کے بعد انہوں نے ہمیں ایک کمرے میں بٹھادیا۔ میری امی کو گیتا آنٹی نے اپنے پاس دوسرے کمرے میں بلا لیا جبکہ ہم بچے نریش چاچو کے بچوں کے ساتھ گھل مل کر کھیلنے لگے۔ ان کا بڑا بیٹا جس کا نام گوپال تھا وہ بہت کم گو اور آپس میں گھلنے ملنے والا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہم سے خاموشی اختیار کیے ہوئے اور کچھ کھچا کھچا رہا۔

جبکہ اشوک ہم سب بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر کھیلنے لگا۔ میں نے جتندر سے کہا:

"آؤ تم بھی ہمارے ساتھ مل کر کھیلو"۔ بلکہ ابا نے بھی میری تائید کرتے ہوئے کہا کہ:

بیٹا! ہم تو آپ لوگوں کے لیے یہاں آئے ہیں اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر کھیلو"۔

ہم سب نے جتندر کی شخصیت میں یہ بات خاص طور پر محسوس کی اس کی آنکھوں سے جھانکتے ہوئے بڑے بڑے دیدے، بے ڈھنگے بڑے بڑے کان، یہ سب کچھ اس کا بہت خوفناک جسمانی نقشہ پیش کر رہے تھے۔ میں نے اسے ایک بار پھر اسے اپنے پاس بلا کر کہا:

"آؤ کھیلیں"۔

"نہیں عابد! مجھے کھیل کھیلنے سے سخت نفرت ہے لیکن مجھے ڈرانگ بنانے کا بہت شوق ہے۔ کیا میں آپ کو کوئی تصویر بنا کر دکھاؤں......؟"

چاچو نے اس کی خود ہی تعریف کرتے ہوئے کہا:

"یہ اس عمر میں بہت اچھا ڈرائنگ کرتا ہے۔ بیٹا! ذرا قاسم انکل کو ڈرائنگ بنا کر دکھاؤ"۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چھوٹی، بڑی، نئی پرانی رنگ برنگی، پنسلوں کا ڈبہ اٹھا کر لے آیا۔ دیکھتے دیکھتے بڑے مختصر وقت میں اس نے ایک تصویر بنا کر پہلے میری بہن نفیسہ کو دکھائی۔ نفیسہ نے گھبراہٹ کے عالم میں ہلکی سی چیخ ماری۔

"کیا ہوا بیٹی!؟" ابا نے کہا۔

"وہ......وہ اس نے بہت بھیانک شخص کی تصویر بنائی ہے"۔ اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

مجھے دکھلاؤ۔ میں اور اکبر جب اس کے قریب گئے تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس نے بہت صفائی اور خوبصورتی سے ایک بھیانک آسیب کی بنائی ہوئی تھی۔ جس کی خون آلود سرخ زبان باہر لٹکی ہوئی اور سر پر آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ہمارے اور اس کے پورے خاندان نے جب اس کی اس عجیب کاوش کو دیکھا تو فرطِ حیرت سے حیران رہ گئے۔ ہم میں سے کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نے اتنی اچھی بھیانک تصویر بنائی ہے۔

"بیٹا! تمہارے ہاتھ میں جادو ہے۔ تم بہت اچھے مصور بن سکتے ہو لیکن تمہیں بھوت اور آسیبوں کی تصویر نہیں بنانی چاہیے"۔ ابا نے اسے نصیحت کے انداز میں کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا نریش چاچو نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"یہ کہتا ہے کہ یہ تصویریں میں نہیں بناتا یہ تصاویر کوئی مخلوق میرا ہاتھ پکڑ کر بنواتی ہے"۔

"انکل! مجھے جنوں، بھوتوں کی بو اور شکلیں عام نظر آتی ہیں"۔

آنٹی گیتا بولیں "یہ عام بچوں سے بہت مختلف ہے۔ یہ نہ تو ان کی طرح کھیلتا ہے، نہ پیسوں کی ضد کرتا ہے اور نہ ہی اسے کچھ زیادہ اچھا پہننے کا شوق ہے۔ ویسے یہ تعلیم میں میرے دونوں بچوں سے قدرے بہتر ہے"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس یوں سمجھ لیں یہ ہمارے گھر کا سائیں سادھو ہے"۔ چاچو نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے

ہوئے کہا۔

جب تک ہم زلیش چاچو کے گھر رہے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ عجیب و غریب حرکات کرتا رہا۔ مثلاً جب کھانا چنا گیا تو اس نے دو بڑی پلاؤ کی بھری پلیٹیں تیزی میں چٹ کر ڈالیں اور ہر نوالے کے ساتھ پانی کے دو تین گھونٹ پی جاتا۔ کبھی بے مقصد مسکراتا پھر یکدم چپ سادھ لیتا۔

اس نے ہمیں کہا۔

''وہ روزانہ آدھا کلو شکر کھاتا ہے''۔

ابا، اماں اور ہم سب بہن، بھائی اس کی اچھوتی حرکات کا بغور مشاہدہ کر رہے تھے۔ لیکن بحیثیت مہمان اخلاقاً خاموش رہے۔

کھانے کے بعد۔ جب سویٹ ڈش لائی گئی تو زلیش چاچو نے اکبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''بیٹا! لو تمہاری چچی نے خاص طور پر اس کو تمہارے لیے قیمتی میوہ جات، کاجو، چلغوزہ، مکھانوں سے بنایا ہوا ہے۔ یہ مزیدار ہونے کے ساتھ ساتھ ہاضمہ بھی خوب کرتا ہے''۔

جتندر نے فوری طور پر زلیش چاچو کا جھوٹ کا بھانڈا پھوڑتے ہوئے کہا۔

''یہ تو امی نے تھوڑی...... یہ تو تائی جان نے بنایا ہے''۔ وہ بے چارے پوری محفل میں شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

کھانے کے بعد زلیش چاچو ہم سب گھر والوں کو دہلی (شہر) کی مشہور اور تاریخی مقامات قطب مینار، لال قلعہ، ہمایوں کا مقبرہ، جامع مسجد دہلی کے علاوہ مشہور باغات کی سیر کروائی۔ سب سے آخر میں آئس کریم کھلائی۔ بڑا مزہ آیا۔

رات کو پھر انہوں نے نت نئے اقسام کے کھانوں سے ہماری خدمت کی۔ گھر لوٹنے سے تھوڑی دیر پہلے گوپال اور اشوک تو نظر آئے لیکن جتندر نظر نہیں آیا۔ ابا نے زلیش چاچو سے پوچھا۔

''وہ کہاں ہے......؟''

وہ قدرے مایوس ہو کر بولے:

''اس کے سر میں ذرا درد ہے وہ اوپر اپنے تاؤ کے کمرے میں آرام کر رہا ہے''۔ میں جلدی سے بھاگتا ہوا جب جتندر کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ بستر پر لیٹا چھت کی جانب غور سے دیکھ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں کو اس طرح ہلا رہا ہے جیسے وہ کسی شخص سے باتیں کر رہا ہو۔ اس نے مجھے دیکھا تو ایک دم تیزی سے بستر سے اٹھ کر کہنے لگا:

''آپ جا رہے ہیں۔ نہیں...... نہیں میں آپ کو جانے نہیں دوں گا''۔

''لیکن نیچے تو سب تیار ہیں''۔ نیچے سے واقعی چاچو زلیش، اکبر، بہنوں کی آوازیں آ رہی تھیں جلدی کرو گھر جانے کے لیے۔ چاچو کی موٹر تیار ہے۔ اسی دوران جتندر بھی میرے ساتھ نیچے آ گیا۔

''وہ جتندر بھائی آ گئے''۔ میری بہن نے خوشی کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''انکل! آپ ایک دن رک جائیں۔ پلیز! میں خدیجہ، اکبر، نفیسہ اور عابد کو اپنی مزید تصویریں بنا کر دکھانا چاہتا ہوں''۔

''لیکن بیٹا! تم تو بہت خوفناک تصویریں بناتے ہو۔ اچھی شکلیں بنایا کرو''۔

''ہاں وعدہ۔ بناؤں گا''۔ اس نے پہلی بار ہم سے صحیح موڈ میں بات کی۔ اشوک نے بھی نفیسہ کی فراک پکڑ کر ضد کی ''آپ رک جائیں''۔

''نہیں بیٹا! صبح سویرے بچوں نے اسکول جانا ہے۔ پھر آئیں گے''۔ اماں نے انہیں ٹالتے ہوئے کہا۔

''اچھا اب آپ آنا''۔ ابا نے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔

''انکل! آپ بھی جتندر، گوپال اور اشوک کو لے کر ہمارے گھر آئے گا''۔ میں نے اور نفیسہ نے یک زبان ہو کر کہا۔

زلیش چاچو بولے۔۔۔

''وقت نہیں ملتا''۔

''ارے یار! کسی بھی کام کے لیے وقت نکلتا نہیں ہے بلکہ نکالنا پڑتا ہے۔ تم ایسا کرو اگلے اتوار کو اپنے تمام

پریوار کے ساتھ ''او کھلے'' آ جاؤ۔ ہمارے بچوں نے شہر دیکھنے کا شوق پورا کر لیا۔ تمہارے بچے اسی بہانے گاؤں دیکھ لیں گے''۔ ابا نے انہیں دعوت دیتے ہوئے کہا۔

چچی نے کہا:

''چلو دیکھیں گے''۔

''دیکھنا نہیں آپ نے ہماری اتنی عزت اور خاطر مدارت کی ہے آپ بھی ہمیں خدمت کا موقع دیں''۔ میری امی نے مسکرا کر انہیں کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے ہمارا اگلا اتوار آپ کے نام یعنی آپ کے گھر گزاریں گے''۔ زلیش چاچو نے اپنی فیملی کے ساتھ ہمارے گاؤں آنے کے لیے ہاں کر دی۔ بچوں نے خوشی سے نعرہ مارا۔

''تمہارے ہاتھ بہت اچھی ڈرائنگ بناتے ہیں ان میں غضب کی صفائی ہے تم وہاں آ کر ہمارے گاؤں میں موجود کنویں کی تصویر بنانا۔ اس کے سامنے ریت کا ایک بڑا میدان ہے جو کہ دلکش نظارہ پیش کرتا ہے''۔ میں نے جتندر سے کہا۔

''ہاں وعدہ ہے میں اپنی رنگوں کی ڈبیہ اور بڑے کاغذ وہاں ضرور لاؤں گا''۔ جتندر نے چلاتے ہوئے کہا۔

''میں نے کبھی گاؤں کی سیر نہیں کی''۔ گوپال نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں اتوار کو اپنی فیملی کو گاؤں لے آؤں گا''۔ زلیش چاچو نے کہا۔

سارے دن زلیش چاچو کے ہاں رہنے، سیر سپاٹے کر کے ہم سب تھکاوٹ سے ٹوٹ چکے تھے۔ ہم سارے دن کی تنگ گاڑی میں بری طرح تھکے ہوئے تھے۔ نفیسہ امی کی گود میں بیٹھی سارے دن کی روداد پر تبصرہ کرنے لگی۔

''بڑا مزا آیا۔ گیتا آنٹی نے حلوہ بہت اچھا بنایا تھا۔ امی، زلیش چاچو نے جب اپنی مٹھی میں 5 پیسے کا سکہ پکڑا تو جتندر نے بڑے آرام سے مٹھی کو کھول لیا۔ لگتا ہے کہ اس کے ہاتھوں میں کوئی جناتی طاقت ہے......؟'' امی نے کہنی مار کر اسے چپ کروایا کہ چاچو نہ سن لیں۔

''چلو سو جاؤ''۔ امی نے بے زاری کے عالم میں جمائی لیتے ہوئے اسے کہا۔

چونکہ اتوار کے دن زلیش چاچو نے آنا تھا اس لیے ابا نے ہفتہ کے دن ہی امی کو گوشت کا اعلیٰ ٹکڑا، قیمہ، ڈھیر سارا پھل اور دیگر تواضع کے لیے سامان لا کر دے دیا۔

''زلیش کے بچے پہلی دفعہ ہمارے گھر آ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ خوب کھیلنا، عزت کرنا اور بڑوں کا کہنا ماننا'' سب سے بڑھ کر ابا نے جو ہم بچوں کو خصوصی طور پر بات سمجھائی کہ جتندر جو بھی، جیسی بھی حرکتیں کرے اس پر ہنسنا اور اسے ٹوکنا نہیں۔

اتوار کی صبح زلیش چاچو کی پوری فیملی ہمارے گھر پہنچ گئی۔ گوپال نجانے کیوں نہیں آیا۔ اس کے سوا سب آئے تھے۔ مہمانوں کے سب سے پہلے سیوا حلوہ پوری، رنگ برنگی مٹھائیوں سے کی گئی۔ ناشتہ کے تھوڑی دیر بعد ابا نے سب کو متوجہ کرتے ہوئے کہا:

''میں اور زلیش ذرا کسی ضروری کام سے پٹوار خان جا رہے ہیں۔ ایک گھنٹہ میں آ جائیں گے۔ تم عورتیں باتیں کرو اور بچو تم آپس میں گھل مل کر کھیلو''۔

''نہیں میں گاؤں کے کنویں کی تصویر بناؤں گا''۔ جتندر نے اپنی رنگین پنسلوں کا ڈبہ اور بڑے بڑے سفید کاغذ دکھلاتے ہوئے کہا۔

اکبر اسے سامنے کنویں کے پاس لے جا کر اس خوبصورت منظر کی تصویر بنواؤ اور اس بات کا خیال رہے کہ ریت سے اپنے کپڑے خراب نہ کرنا۔ عابد، نفیسہ، خدیجہ تم اشوک کے ساتھ کھیلو''۔

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو۔ واپسی پر میں لیتا آؤں گا''۔ ابا نے اماں کو کہا۔

''سب کچھ گھر میں موجود ہے۔ بس آپ کھانے کے وقت سے پہلے آ جانا''۔

زلیش چاچو اور ابا جانے لگے تو اسی دوران جتندر نے بڑی اچھوتی، مضحکہ خیز حرکت کی۔ وہ یہ کہ اس نے

زور سے اس طرح سانس لی جیسے کچھ سونگھ رہا ہو۔ وہ فوری طور پر گھر کے مین دروازے کی جانب بھاگا۔

''اسے کیا ہوا......؟'' امی اور اکبر نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کیا ہوا ہے بیٹا؟'' گیتا آنٹی نے اس سے پوچھا۔

جتندر نے میری امی سے پوچھا:

''آنٹی! آپ شادی میں نہیں جائیں گی''۔

انہوں نے حیرانگی کے عالم میں کہا:

''بیٹا کون سی اور کس کی شادی......؟''

''جی وہ دیکھیں۔ شادی کی دیگیں پک رہی ہیں اور قناتیں تنی ہوئی ہیں''۔

''سامنے بیٹا! دور دور تک ریت کا وسیع میدان ہے اور آج ویسے بھی اتوار ہے۔ یہاں تو پرندے بھی لگتا ہے اپنے گھونسلوں میں موجود اپنے پریوار کے ساتھ چھٹی کے مزے اڑا رہے ہیں''۔

''بیٹا! ضد اور مسخرا پن نہ کر۔ یہ لوگ کیا سوچیں گے......؟'' نریش نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ وہ سامنے دیکھو لاتعداد لوگ اپنے سروں پر لال پگڑیاں پہنے، سفید کپڑے پہنے دیگوں کے گرد جمع ہیں۔ بہت سے لوگوں نے اپنے ہاتھوں میں پھول بھی پکڑے ہوئے ہیں''۔

نفیسہ اور میں نے جب دروازے کی چوکھٹ پر پہنچ کر باہر کی جانب دیکھا تو وہاں حدِ نگاہ ریت کا میدان تھا۔ وہاں تو ہُو کا عالم تھا۔

''جاؤ بیٹا! اکبر' خدیجہ کے ساتھ باہر کا خوبصورت منظر بناؤ''۔

جتندر نے اپنی پنسلوں کا ڈبہ اور کاغذوں کو اٹھا کر اکبر اور خدیجہ کے ہمراہ باہر چلا گیا۔ جبکہ میں نفیسہ اور اشوک گھر کے اندر ہی کھیلنے لگے۔ ہم چھپن چھپائی کھیلنے لگے تھے۔ اماں باورچی خانے کے اندر کھڑی دوپہر کے لیے کھانا تیار کر رہی تھیں۔ جبکہ چاچی کچن کے ساتھ باہر کی جانب کرسی پر بیٹھ کر امی کو کہنے لگی کہ:

''مجھے پیاز' لہسن وغیرہ دے دو''۔

''نہیں نہیں میں کر لوں گی۔ بس آپ باتیں کریں''۔ اب دونوں کام ہو رہے تھے۔ یعنی باتیں بھی اور کچن میں کھانے کی تیاری بھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔

چاچو نریش اور ابا تھوڑی دیر بعد ہی واپس لوٹ آئے۔

اماں نے باورچی خانے سے ابا کو تاکید کرتے ہوئے کہا:

''ارے انہیں اپنے خاندان کا البم تو دکھلاؤ''۔

ابا نے مجھ سے کہا:

''جاؤ بیٹا عابد! ذرا اوپر سٹور سے البم تو لے کر آؤ''۔ میں نے ابا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فوراً البم لا کر دے دی۔

گیتا آنٹی' نریش چاچو نے صفحہ بہ صفحہ الٹ کر اسے دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ آ کر، نریش چاچو نے زوردار قہقہہ مارا۔

''ارے کیا ہوا......؟''

''یار! بھابھی تو حور لگ رہی ہے اور تو بالکل لنگور لگ رہا ہے''۔ انہوں نے پر تکلف انداز میں چٹکی مارتے ہوئے کہا۔

''تو کون سا راجکپور کی طرح سرخ، سفید ہے۔ اپنی بھیلسے کی مانند کالی کھال دیکھ اور بھابھی کی رنگت''۔ دونوں پارٹیوں کی جانب سے مزاحیہ انداز میں گفتگو، نوک جھونک شروع ہو گئی۔

''یہ دونوں بہت پر تکلف بچپن کے دوست ہیں۔ انہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے ان کے اندر سے بچپنا گیا نہیں ہے''۔ امی نے باورچی خانے کے اندر سے کہا۔

میں، نفیسہ اور اشوک حلقہ بنائے بڑوں کے درمیان ہونے والی دلچسپ تفریحی انداز کی نوک جھونک کو دلچسپی سے سن رہے تھے کہ اچانک اکبر روتا ہوا گھر آیا۔ اس نے یہ منحوس خبر سنائی کہ:

جتندر کسی اجنبی آدمی کے ساتھ چلا گیا ہے اور خدیجہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ اسے گاؤں کے مکھیا جی ڈسپنسری لے گئے ہیں''۔

آنٹی رونے لگیں۔ اماں باورچی خانے سے صحن میں آ گئیں۔ نریش چاچو نے ابا کی جانب بمشکل اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے کہا:

''یہ کیا ماجرہ ہے......؟ کیا، کیا جائے......؟''

ابا نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا:

''دھیرج رکھو۔ اللہ خیر کرے گا۔ سب سے پہلے ہمیں کنویں کی جانب جا کر دیکھنا چاہیے۔ آؤ چلیں''۔

''مجھے پتہ ہوتا کہ ہمارے ساتھ یہ برا ہو گا تو میں نہ آتی''۔ آنٹی اپنے آنسوؤں کو دوپٹے سے پونچھتے ہوئے کہا۔

''وہ مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تمہارا بیٹا جتندر کوئی مافوق الفطرت خصوصیات کا حامل ہے''۔ امی اور گیتا آنٹی کے درمیان بدمزگی پیدا ہو گئی۔

اکبر، میں، نفیسہ، اشوک، چاچو اور ابا کے پیچھے پیچھے جب کنویں کے پاس پہنچے تو وہاں جتندر کے پاؤں کے نشان تو ضرور تھے مگر وہ وہاں نہ تھا۔

یہ کیا...... میں نے جب جتندر کی بنائی ہوئی تصویر اٹھائی تو اس میں رنگوں اور لکیروں میں بالکل ہم آہنگی نہ تھی۔ تاہم ایک چیز تو واضح اور بہت خوبصورت ڈرائنگ کی شکل میں اس نے جو بنائی تھی وہ یہ تھی کہ اس تصویر میں وہی جن لال زبان نکالے کھڑا تھا۔ جیسا کہ اس نے ہمیں اپنے گھر میں بنا کر دکھائی تھی یعنی گنجا پراسرار جن۔ جس کے سر کے اوپر آگ کے شعلے واضح نظر آ رہے تھے۔

''چلو ذرا ڈسپنسری چلتے ہیں''۔ ابا نے کہا۔

''یار! تجھے ڈسپنسری کی پڑی ہے۔ مجھے میرا بیٹا چاہیے''۔

''اچھا...... اچھا چلتے ہیں''۔ ابا نے اپنے الفاظ غصے کے عالم میں چھپاتے ہوئے کہا۔

جب ہم ڈسپنسری پہنچے تو وہاں گاؤں کے کافی لوگ جمع ہو گئے تھے، خدیجہ بے ہوش ایک بینچ پر پڑی ہوئی تھی۔ بوڑھا ڈسپنسر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔

خدیجہ کے اوسان کچھ نارمل ہوئے تو مکھیا نے پوچھا:

''بیٹا! آپ اور اکبر، جتندر کے ساتھ تھے۔ بتاؤ آخری وقت میں کیا ہوا تھا......؟''

خدیجہ نے روتے اور ڈرتے ہوئے کہا کہ۔

جتندر بھیا نے اکبر کو کہا کہ:

''تم پنسل اچھی طرح چھیلو ان کی نوک بن جائے۔ میں ذرا سامنے ایک چیز دیکھ کر آتا ہوں''۔ اکبر اس کی پنسل چھیلنے لگا وہ کچی تھی۔ بار بار چھیلنے کے دوران اس کا سکہ ٹوٹ رہا تھا۔ وہ اس میں مصروف ہو گیا جبکہ میں جتندر کے پیچھے ہو لی۔ وہاں میں نے کیا دیکھا کہ۔ جتندر نے اپنی آنکھیں ایک لمحے کے لیے بند کیں اور مجھے کہا کہ:

''تو بھی اپنی آنکھیں بند کر''۔ میں نے کہا:

''نہیں۔ میں اپنی آنکھیں بند نہیں کروں گی''۔

اس نے مجھے بہت مجبور کیا۔ لیکن میں نہ مانی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مجھے سختی سے کہا کہ:

''بند کرتی ہے اپنی آنکھیں کہ نہیں......''

میں نے کہا:

''نہیں'' پھر...... پھر...... خدیجہ نے چیخ ماری ساتھ میں کانپنے لگی اور آنکھیں بند کر لیں۔ ابا نے اس کا منہ پھیرتے ہوئے کہا کہ:

بٹی! بولو کچھ نہیں ہو گا۔ ہم سب یہاں موجود ہیں۔ دیکھو عابد، نفیسہ، نریش چاچو سب موجود ہیں''۔

بہرحال اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس نے کہنا شروع کیا کہ تھوڑی دیر بعد ایک ہیولہ نمودار ہوا۔ جس کا رنگ سفید تھا۔ سر پر لال پگڑی اور اس نے سفید رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے جتندر سے کہا کہ:

''چل بارات آ گئی ہے۔ کھانا کھلنے والا ہے''۔

میں نے چیختے ہوئے اس آدمی کو کہا کہ:

''نہیں...... نہیں یہ ہمارے مہمان ہیں۔ امی نے ان کے لیے کھانا پکایا ہوا ہے''۔ جتندر نے مجھ سے کہا کہ:

''تو جا۔ میں آتا ہوں''۔ میں نے اس کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیا۔ لیکن وہ لال پگڑی والے شخص نے فوراً اپنی شکل بہت خوفناک بنالی۔ ویسی ہی جیسی تصویر میں تھی گنجا جن اور اس کے سر پر آگ کا گولہ جل رہا تھا۔

میں اس کی بھیانک شکل کی تاب نہ لاسکی اور بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے نہیں پتہ......؟“

نہ جانے کس نے اس واقعہ کی اطلاع قریبی کوتوالی میں کرادی۔ ایک موٹا کالے رنگ کا لمبا چوڑا تھانیدار جس کے ماتھے پر تلک کا نشان تھا۔ وہ اپنے دو سپاہیوں کے ساتھ ڈسپنسری آ گیا۔

”ہاں بھئی کدھر ہے۔ مہمان بچہ......؟“ اس نے آتے ہی ابا پر چڑھائی کردی۔

”وہ جی۔ مجھے کیا معلوم میں تو اس وقت گھر میں زلیش کے ساتھ موجود تھا۔ جبکہ جتندر، اکبر اور خدیجہ کے ساتھ باہر کھیل رہا تھا“۔

”بکواس مت کر۔ یہ زلیش کی فیملی تیرے گھر مہمان بن کر دہلی شہر سے آئی تھی۔ اس لحاظ سے اس واقعہ کی ساری ذمہ داری تجھ پر آتی ہے“۔

تھانیدار کیونکہ ہندو تھا۔ اس کے رویئے کے اندر تعصب کی بو صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔ اس لیے وہ ابا کو بحیثیت مسلمان ہونے کے دبا رہا تھا۔

”اچھا اب تک کی کیا پیش رفت ہے......؟ تم لوگوں نے بچے کو تلاش کرنے میں کیا کچھ کیا ہے......؟‘ اس نے کھیا کی جانب متوجہ ہوکر کہا۔

”جی وہ میرے علاوہ گاؤں کے کافی لوگوں نے اسے تلاش کیا ہے۔ لیکن اس کا پتہ نہیں چل رہا سرکار!“

”اس چھوکری کو لے کر چلو۔ اس جگہ جہاں سے جتندر بقول اس کے وہ لال پگڑی پہنے ہوئے شخص کے ساتھ گیا ہے۔ ویسے مجھے یقین نہیں آتا۔ بڑی انہونی بات ہے“۔ تھانیدار نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

اب ہم اس جگہ کھڑے تھے جہاں سے جتندر غائب ہوا تھا۔ تھانیدار نے اس جگہ کا بغور جائزہ لینا شروع کیا۔ اس نے ایک چھڑی اپنے قریب کھڑے بچے سے منگوائی۔

تھانیدار نے انچ بہ انچ اس ریتلی زمین کو دیکھنا شروع کردیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ذرا آگے بڑھا اور یکدم رکنے کے بعد چلاتے ہوئے بولا:

”مجھے جتندر کے پاؤں کے نشانات تو یہاں تک مل گئے ہیں لیکن آگے کچھ پتہ نہیں چل رہا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آگے ریت صاف ہے۔ وہاں کسی جانور یا انسان کے قدموں کے نشان موجود نہیں ہیں۔ تھوڑے فاصلے پر ایک بچہ چلایا۔ اس نے وہیں سے چلاتے ہوئے کہا کہ:

”انکل! ادھر آئیں۔ یہ دیکھیں کتنا بڑا انسانی پیر ہے“۔ سب دوڑ کر بچے کے پاس پہنچے تو وہاں واقعی ایک انسانی پیر موجود تھا جو عام انسانوں کے پیروں کی ساخت سے دوگنا ہوگا۔

اے بھگوان! تھانیدار نے اپنی حیرت کے جذبات کو اپنے منہ میں سے نکالتے ہوئے کہا۔

”یار! اس گاؤں میں کوئی کھرا تلاش کرنے والا ہے؟“

”ہاں جی۔ اجو پہلوان عرف اجو کھوجی ہے“۔

تھوڑی دیر بعد اجو کھوجی آیا۔ اس نے بڑے مشاق انداز اور اپنے تجربے کی بنیاد پر ریت پر چھڑی رکھ کر کبھی آگے، کبھی پیچھے چل کر اپنا کام شروع کردیا۔

اردگرد کھڑے ہوئے دیہاتی اور موجود ہم سب پہلوان کھوجی کے الٹی سیدھی انداز میں تفتیش کو دیکھنے لگے۔

کھوجی نے ان بڑے انسانی پراسرار قدموں پر رک کر تھانیدار کو اپنی انگلیوں کی مدد سے اشارۃً بلایا۔

تھانیدار کے پیچھے اشتیاق کے عالم میں مزید لوگ بھی چلنے لگے تو کھوجی نے آواز دیتے ہوئے کہا:

”صرف تھانیدار صاحب آئیں“۔ تھانیدار اس کے پاس گیا تو اس نے آہستگی سے اس طرح کان میں کہا کہ جیسے کوئی اور نہ سن لے۔

”وہ جی......یہ قدم انسانی نہیں ہیں۔ اوپری نسل کے ہیں“۔

کیا مطلب......؟ تھانیدار نے چلاتے ہوئے کہا۔

”اوئے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے“۔ بے

چارہ جو بات دوسروں سے چھپانا چاہتا تھا۔ اس کا بھانڈا تھانیدار نے پھوڑ دیا۔

”وہ جی اب بات کھل ہی گئی ہے تو میں سب کو بتائے دیتا ہوں۔ میرے تجربے کے مطابق بچے کو کوئی اوپری مخلوق اٹھا کر لے گئی ہے......؟ میں کوئی ماہر جنات تھوڑی ہوں جو کہ مزید کچھ اس کیس کے متعلق بتا سکوں“۔

”تو آرام سے میری بات سن۔ دیکھ یہ معصوم بچے کی گمشدگی کا معاملہ ہے۔ معاملہ بھی بڑا انوکھا اور عجیب ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ اس بری خبر کی ہوا پھیلے جلد از جلد بچے کو تلاش کرنے کے لیے میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے“۔

”وہ کیا ہے......؟“ بوڑھے کھیا نے پوچھا۔

میں وثوق سے تو نہیں کہہ سکتا کہ اس چھوکرے کو جن اٹھا کر لے گیا ہے۔ یہ بظاہر اغواء کا کیس بھی نہیں لگتا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہے۔ یہ بات آگے نکلی تو تیرے گاؤں کی کیا۔ میری یعنی پولیس محکمے کی بڑی تھوتھو ہوگی۔ لہٰذا میری تجویز یہ ہے کہ:

”گاؤں کے عقل مند بچوں اور نوجوانوں کو ٹولیوں کی شکل دے کر کم از کم اس گاؤں کے 5 میل تلک اس کی تلاش کے لیے بھیجو“۔

اور ہاں۔ اردگرد کے گھروں کی چھتوں پر بھی اسے تلاش کرو۔ ندی نالوں کھائیوں میں جاؤ“۔

وہاں کھڑے ایک مزدور نے تجویز پیش کی کہ ریت کو بھی کرید کر دیکھا جائے کہ وہاں نہ دب گیا ہو۔

تھانیدار نے اسے شاباش دینے کی بجائے اوپر سے طنزیہ جملہ کہا۔

”واقعی اس شخص کی بات میں وزن ہے۔ بعض دفعہ پاگل بھی اچھا مشورہ دے دیتے ہیں“۔ مزدور بے چارہ شرمندہ ہوکر خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہوگیا۔

اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے جلدی کرو۔ تھانیدار نے گاؤں کے لوگوں کو کہا۔

”تماشہ نہ دیکھو۔ فٹافٹ کر کے چائے بنوا کر لاؤ اور یہاں دو چار پائیاں لا کر رکھ دو“۔

زلیش چاچو اور ابا کو اس نے کہا۔

”پریشان نہ ہوں۔ میرے پاس بیٹھو، بھگوان بھلا کرے گا۔ مجھے اس گاؤں کے نوجوان بڑے چست اور ہوشیار لگتے ہیں۔ کچھ بھلا ہی کر کے آئیں گے“۔

پھر اس نے ابا کی جانب متوجہ ہوکر کہا:

”اوئے! اگر چھورا نہ ملا تو سارا مدعا تیرے گلے پڑا ہوگا“۔

”میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ جو بھی ہے بچے کی حفاظت تیرے ذمہ تھی۔ ویسے یہ لال پگڑی والے پراسرار شخص کی بات مجھے میرے دماغ میں پھانس کی مانند چبھ رہی ہے۔

اتنے میں آنٹی گیتا اور امی بھی وہاں روتی پیٹتی آ گئیں۔

”ملا میرا جتندر“۔ گیتا آنٹی نے چلاتے ہوئے کہا۔

تھانیدار نے چائے کی چسکی لی اور عورتوں کی جانب دیکھتے ہوئے بولا:

”اوئے چپ کرو، بند کرو یہ رولہ۔ ڈھونڈ رہے ہیں۔ تیرے سائیں بچے کو“۔

”جی وہ سائیں نہیں ہے“۔ زلیش چاچو نے کہا۔

”ابے! سائیں نہیں ہے تو اور کیا ہے......؟ اس نے ہم سب کو انہونی مصیبت میں ڈال دیا ہے“۔ تھوڑی دیر بعد ریت پر دوڑتے چند نوجوان چیختے چلاتے ہوئے دور سے نظر آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھوں میں جتندر بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ بے سدھ جسم کی مانند لٹکے ہوئے تھے۔ اس منظر کو دیکھتے ہی سب اس طرح کھڑے ہوئے جیسے ان کے جسموں میں کرنٹ دوڑ گیا ہو۔

زلیش چاچو، ابا، گیتا آنٹی، امی تھانیدار اور تمام گاؤں والے ان نوجوانوں کی ٹولی کی طرف دوڑے۔

اس ٹولی کی قیادت ایک مضبوط کسرتی جسم والا نوجوان کر رہا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے نیم بے ہوش

جتندر کو ایک چارپائی پر لٹایا۔

"شکر خدا کا" امی نے فوراً کہا۔ گیتا آنٹی نے خوشی کے عالم میں رام تیری جئے ہو کہ نعرے مارنا شروع کر دیئے اور ساتھ ہی خوشی کے آنسو ان کی پلکوں سے پھسل کر گالوں پر لڑھکنے لگے۔

تھانیدار نے چیختے ہوئے کہا۔

"دیکھو! بچے کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارنے سے پہلے میری ایک بات غور سے سنو۔ جب یہ ہوش میں آئے تو پہلے اس سے آرام سے پوچھا جائے کہ وہ کہاں گیا تھا اور دوسرے اس کے اردگرد سے فالتو تمام لوگ ہٹ جائیں۔ اس کے نزدیک صرف اس اکے اپنے آشنا لوگ رہیں۔ لازماً یہ گھبرایا ہوا ہوگا بلکہ میں بھی اپنی شکل وقتی طور پر یہاں سے گم کرتا ہوں"۔

"سر! میری نظر میں ایک ترکیب ہے۔ وہ یہ کہ اسے قاسم کے گھر لے جا کر وہاں اس سے پوچھا جائے"۔ وہی مزدور بولا۔

تھانیدار نے طنزیہ کہا۔ ہاں شاباش تو نے بہت اچھی بات کہی ہے۔ اسے فوری طور پر قاسم کے گھر لے جاؤ۔

جتندر نیم غنودگی کے عالم میں اپنی آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے اندر کی نادیدہ گہرے خمار کی طاقت اپنے اندر کھینچ رہی تھی۔

نرش چاچو نے اس کے چہرے پر پانی کا چھینٹا مارا تو اس نے ایک شدید ارتعاش کے بعد اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے پریشان کن نگاہوں سے سب کی جانب دیکھا۔

"بیٹا کہاں گئے تھے آپ......؟ ہم سب آپ کا کھانے پر انتظار کرتے رہے۔ اتنی دیر کہاں رہے......؟" گیتا آنٹی نے اپنی دلگیر کیفیت کو چھپاتے ہوئے مصنوعاً مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"امی! میں سامنے بارات کا کھانا کھانے گیا تھا"۔

"کون سی بارات بیٹا......؟" امی اور نریش چاچو نے یک زبان ہو کر حیرت سے پوچھا۔

"وہ جو آپ کے سامنے......ذرا دور جو لال پگڑیوں والوں کی شادی ہو رہی تھی۔ ان میں سے ایک آدمی مجھے کھانا کھلانے کے لیے لے گیا تھا"۔

"کہاں لے گیا تھا......؟" نریش چاچو نے پوچھا۔

"اوہ! وہ مجھے سامنے شادی میں لے گیا تھا وہاں اس نے مجھے بہت مزے مزے کے کھانے گوشت والی بریانی اور باداموں والا زردہ کھلائے"۔

"نہیں......تم جھوٹ بولتے ہو"۔ میری امی نے کہا۔

"نہیں آنٹی! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ انہوں نے مجھے بریانی اور زردہ کھلایا تھا۔ میں نے دولہا بھی دیکھا تھا۔ اس کی مسلمانوں جیسی لمبی داڑھی بھی تھی۔ انہوں نے اپنے سروں پر لال پگڑیاں پہن رکھی تھیں۔ آپ کو یقین نہیں آتا۔ میرا منہ سونگھ کر دیکھ لیں"۔

نریش چاچو، گیتا آنٹی، ابا نے باری باری اس کا منہ سونگھا تو واقعی اس کے منہ سے تازہ پکے زعفرانی زردے کی واضح خوشبو آ رہی تھی۔ سب حیران رہ گئے۔ میں نے بھی اس کے منہ کو سونگھا۔ واقعی وہ اپنے تئیں دھوؤں میں گھرا تھا۔ اس کے ہونٹ اور ہاتھوں میں چکناہٹ بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ جتندر نے سب کو عجیب مشکل میں ڈال دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد گاؤں کے لوگوں کے ہمراہ تھانیدار اور اس کے ساتھ آئے ہوئے دونوں پولیس والوں نے سب کے ساتھ مل کر مبارک باد دینا شروع کر دی۔ ہمارے گھر آئے اس ہجوم کے درمیان سے کسی نے مٹھائی کی آواز لگا دی۔ پھر کیا تھا۔ ہر طرف مٹھائی مٹھائی کی آوازیں گونجنے لگیں۔

"اچھا......اچھا منگواتا ہوں جلیبیاں"۔ ان کے چہرے پر بہت دیر بعد خوشی کی لہر دوڑی تھی۔ وہ اب مطمئن تھے۔ "شکر ہے کہ جتندر مل گیا"

"تو کیوں منگوائے گا۔ میں منگواتا ہوں"۔ نریش چاچو نے کہا۔

"نہیں یار! میں شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے تیرا بچہ گم ہوا اور یہ دلخراش واقعہ پیش آیا"۔

تھانیدار بولا:

"چلو دونوں اپنے گلے شکوے دور کرو اور تمام گاؤں میں مٹھائی بٹواؤ۔ کیونکہ سب نے تمہاری پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھا"۔

"ہاں......ہاں" ابا نے اکبر اور مجھے روپے دیئے اور گاؤں سے ذرا دور ایک مٹھائی کی دکان سے جلیبیوں کی ٹوکری لانے کو کہا۔

امی اور گیتا آنٹی دونوں گلے لگ کر رونے لگیں۔

"معاف کرنا بہن"۔ کوئی بات نہیں......"

تھانیدار نے کہا کہ:

"بھئی میں تو چلتا ہوں۔ میرا کام تو پورا ہوا۔ لگتا ہے یہ جناتی بچہ ہے......" تھانیدار نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ابا نے اسے سر سے اتارنے کی خاطر چند روپے اس کے ہاتھوں میں تھمائے۔

جو دوپہر کا کھانا مہمانوں کے لیے بنوایا تھا۔ وہ رات گئے سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ آپس کے گلے شکوے دور کیے۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم سب بچے سہمے ہوئے ایک طرف جتندر کے قریب چارپائی پر بیٹھ گئے۔ وہ لیٹا ہوا ٹی سدھی اپنے ساتھ بیتی ہوئی روداد سنا رہا تھا۔

نریش چاچو، گیتا آنٹی اور اشوک، جتندر جب ہمارے گھر کی چوکھٹ چھوڑنے لگے تو ابا نے گیتا آنٹی کو کہا۔

"بچے کا کسی اچھے جن اتارنے والے عالم سے علاج کروانا"۔

وہ سب واپس چلے گئے ان کے جانے کے بعد مجال ہے کہ نماز فجر تک ہماری فیملی کے کسی ممبر کو ایک لمحہ کے لیے نیند آئی ہو۔ ہم ساری رات جتندر کے گم ہونے کے بھیانک لمحات کو لمحہ بہ لمحہ یاد کرتے رہے۔ خدیجہ اور نفیسہ ڈر کے مارے اماں سے لپٹی رہیں۔

☆......☆......☆

بھیانک کہانی یہیں ختم نہیں ہو جاتی ہے اس کے چند دلخراش پہلو اور باقی ہیں۔ بقول کرنل صاحب کے۔

اس واقعہ کو گزرے ابھی بمشکل ایک ہفتہ ہی گزرا ہوگا کہ ایک رات کے تیسرے پہر یعنی علی الصبح سے کچھ دیر پہلے گاؤں میں شدید شور سنائی دیا۔ ہم سب ہڑبڑا کر اٹھے۔ "کیا ہوا ہے......؟ یہ کیسا شور ہے......؟" ہم سب بہن بھائی، اماں اور ابا شور کی جانب بھاگے۔ وہاں کیا دیکھا کہ نریش چاچو اور ان کے ساتھ آئے ہوئے چند پنڈتوں کو گاؤں کے لوگوں نے گھیرے ہوا ہے۔ سامنے ریت پر کسی تیز آلہ سے کٹا ہوا کالا بکرا خون میں تڑپ رہا ہے۔ ابا نے نریش چاچو کی جانب دیکھا تو بولے:

"یہ کیا ماجرا ہے۔ یہ کٹا ہوا کالا بکرا اور تو اس وقت......؟ بغیر مجھے بتلائے اور یہ تیرے ساتھ پنڈت حضرات......یہ کیا ماجرہ ہے......؟ مجھے بتا......مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا......؟"

"وہ جی......میں بتلاتا ہوں"۔ گاؤں کے چوکیدار موہن داس نے بتلایا کہ:

"میں رات کے دوسرے پہر پٹواری کے دفتر کے قریب گلیوں کی چوکیداری کر رہا تھا تو یہ پنڈت اور نریش اپنے ہاتھوں میں کالا بکرا پکڑے اس جانب بڑھ رہے تھے جہاں اس کا چھورا گم ہوا تھا۔ میں نے چپکے سے ان کا پیچھا کیا۔ مقررہ جگہ پہنچ کر پہلے پنڈتوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ پڑھا اور پھر اس کالے بکرے کو چھری سے ذبح کر کے بھاگ رہے تھے۔ تو میں نے ان کو پکڑ لیا۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ ہمارے گاؤں، باسیوں پر کوئی جادو کرنے آئے تھے"۔

اس دوران مکھیا اپنی آنکھیں ملتا ہوا اپنے چند آدمیوں کے ساتھ آ گیا۔

"یہ کیا ڈرامہ ہے؟" اس نریش چاچو کے کندھے کو اپنے ہاتھوں کی مدد سے دھکا دیتے ہوئے کہا:

ابا کا دوستی کا خون جوش مارا۔ انہوں نے مکھیا کو کہا۔

"پہلے اس کی بھی تو سنو۔ یہ کیا کہتا ہے......"

نریش چاچو روتے ہوئے عاجزی سے ہاتھ جوڑتے ہوئے کھیا کے قدموں میں بیٹھ کر کہنے لگے:

"دراصل جس رات ہم جتندر کو قاسم کے گھر سے لے کر شہر گئے تھے۔ اسی رات سے میری بیوی کے خواب میں چند لال پگڑی والے عجیب سی شکلوں کے آدمی آرہے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم غیر مسلم جنات ہیں اور جتندر ہماری نسل سے ہے۔ اس کی آتما جناتی ہے اور جسم انسانی ہے اسے ہم ہر قیمت پر لے جائیں گے۔

وہ تین چار دفعہ گیتا کے خواب میں آکر یہ پیغام دے چکے ہیں۔ اس پریشانی نے جتندر کی ماں کو نیم پاگل بنا دیا ہے۔ جتندر نے ایک رٹ لگا رکھی ہے میں نے لال پگڑی والوں کی شادی کا کھانا کھایا ہے۔ میں نے اوکھلا گاؤں جانا ہے"۔

کھیا کو مزید نریش چاچو نے یہ بتلایا کہ:

"میرا خاندان جنوں کی جانب سے دی گئی دھمکی کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ لہٰذا کسی نے مشورہ دیا کہ چند پنڈتوں کو تیار کرو کہ وہ ایک مخصوص بھجن اوکھلا گاؤں میں اس جگہ جا کر پڑھیں جہاں پگڑی والے اسے لے کر گئے تھے"۔

مزید اور بتاتے ہوئے کہا:

"کوشش کرو یہ کام چپ چاپ ہی ہو۔ یعنی کسی کو پتہ نہ چلے اور نہ ہی کوئی تمہیں دیکھے، بھجن کے آخر میں جنوں کو ایک کالا بکرا بھی بھینٹ کیا جائے"۔

یہ سب توہمات ہیں۔ کھیا نے اسے لتاڑتے ہوئے کہا:

"اگر یہی بات تھی تو تم ہمیں پہلے سے بتلا دیتا ہم اس کا بندوبست کر دیتے۔ اچھا جو تیرا دل کرے کر"۔

کافی دیر تک پنڈت اور نریش چاچو گڑگڑا کر ہندوانہ عبادت کرتے رہے۔ ان سب برا حال ہو گیا تھا خاص کر نریش کا۔ اس عمل کے بعد ابا نے نریش چاچو کو چائے پانی کے لیے روکا لیکن وہ نہ رکے۔ انہوں نے کہا:

"یار! مجھے ان پنڈتوں کو صبح ہونے تک شہر چھوڑنا ہے اور دوسرے گیتا کو بھی صبح ڈاکٹر کو دکھانا ہے۔ وہ دماغی طور پر بالکل ماؤف ہو گئی ہے۔

ابا تقریباً ہر دوسرے، تیسرے روز جتندر کو دیکھنے گیتا آنٹی اور نریش چاچو کو تسلی دینے ان کے گھر شہر جایا کرتے تھے۔ ایک بار وہ مجھے اور نفیسہ کو وہاں لے کر گئے تو ہم نے دیکھا کہ جتندر بے چارے کو رسیوں سے باندھ کر چارپائی پر لٹایا ہوا ہے اور وہ ایک ہی رٹ لگائے ہوئے ہے کہ:

"میں نے لال پگڑی والوں کی شادی کی تقریب کا کھانا کھانا ہے۔ وہ مجھے لینے ضرور آئیں گے"۔ جتندر مسلسل چھت کو گھورے جا رہا تھا۔ وہ بار بار چلا رہا تھا۔

"وہ دیکھو وہ مجھے لینے آرہے ہیں"۔ وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے ڈیلے باہر کی طرف ابل رہے تھے۔ آنکھوں میں سیاہ ہلکے بھی بن چکے تھے۔ اس کی بے چینی، بے بسی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

جب تقسیم ہند ہوا تو بدقسمتی سے ان فسادات میں نفیسہ اور ماں، باپ شہید ہو گئے۔ میں اکبر اور خدیجہ بمشکل پاکستان زندہ پہنچے۔ ہم دونوں بھائیوں نے یہاں آکر خوب محنت، مزدوری کر کے پیٹ پالنے کے ساتھ ساتھ خود بھی پڑھے اور خدیجہ کو بھی پڑھایا۔ محنت رنگ لائی خدیجہ ماشاءاللہ بڑی ہو کر ڈاکٹر بنی میں نے آرمی جوائن کی، ترقی کرتا ہوا کرنل ریٹائرڈ ہوا جبکہ اکبر کا عین جوانی میں ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ فوت ہو گئے۔

میرا بہت دل کیا کہ میں دہلی جا کر انکل نریش کی فیملی سے ملتا کہ بعد میں ان کے اور جتندر کے ساتھ کیا بیتی...... آیا کہ جن اسے لے کر گئے کہ نہیں......؟ لیکن آرمی میں ہونے کی وجہ سے مجھے انڈیا جانے کا ویزہ مل سکا۔

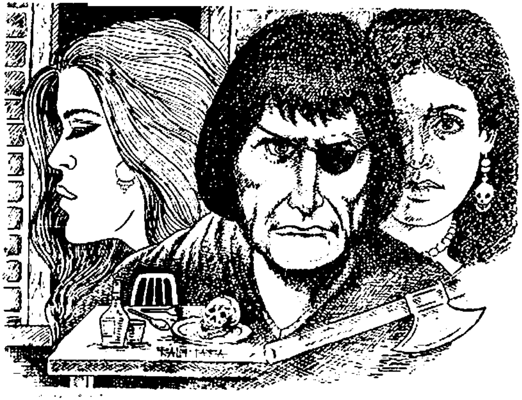

سیکنڈ فلور

بتول فاطمہ۔کراچی

اچانک نوجوان ہتھے سے اکھڑ گیا اور غضبناک حالت میں دھاڑا چڑیل ڈائن تو نے میری محبت کو مار دیا میں تجھے چھوڑوں گا نہیں، میں ہر حال میں تجھے موت سے ہمکنار کردوں گا اور پھر......

نافرمانی کی سزا......اکثر بھگتنا ہی پڑتی ہے......حقیقت کہانی میں......پنہاں ہے

کیرولین بہت دیر سے اپنی ماں مسز مارٹن سے بحث میں لگی ہوئی تھی۔ اس کی چھوٹی بہن کیرن خاموشی سے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

کیرولین عمر میں کیرن سے ایک سال بڑی تھی وہ دونوں آپس میں بہنیں تھیں ان دونوں میں انڈراسٹینڈنگ بھی خوب تھی لیکن ان کے مزاج آپس میں ایک دوسرے سے بالکل نہیں ملتے تھے۔

کیرولین اور کیرن جب چھوٹی تھیں تب ہی ان کے والد مسٹر مارٹن کا ایک کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا۔ مسز مارٹن کو اپنے شوہر سے بے حد پیار تھا اس لئے انہوں نے دوسری شادی کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ مسٹر مارٹن کے مرنے کے بعد مسز مارٹن (لیزا) گہرے ڈپریشن کا شکار ہو گئی تھیں۔

انہوں نے شراب بہت پینا شروع کر دیا تھا اور اس

کے علاوہ اسموکنگ بھی کرنے لگ گئی تھیں۔ ایسے میں مسز مارٹن کی والدہ نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا۔ آہستہ آہستہ مسز مارٹن نے شراب پینی تو چھوڑ دی تھی البتہ جب بھی انہیں ڈپریشن ہوتی تو وہ سگریٹ نوشی ضرور کیا کرتی تھیں۔

مسٹر مارٹن کے مرنے کے بعد ان کی کل کائنات کیرولین اور کیرن ہی تھیں وہ دونوں ان کے بے حد محبوب شوہر کی آخری نشانی تھیں جنہیں وہ کبھی کھونا نہیں چاہتی تھیں۔

انہیں کیرولین اور کیرن سے بے حد لگاؤ تھا مسز مارٹن ایک فیکٹری میں معمولی سی تنخواہ پر ملازمت کرتی تھیں جس سے گھر کا خرچہ کافی مشکل سے چلتا تھا۔ کیرن ایک دھیمے مزاج کی لڑکی تھی جبکہ کیرولین اس کے بالکل الٹ تھی۔ اسے ہر وقت پیسے کو لے کر کسی نہ کسی بات پر شکایت رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اپنی ماما سے پیسوں کے بارے میں ہی بحث کر رہی تھی۔

''حد ہوتی ہے ماما میں اب اسکول سے نکل کالج میں آ گئی ہوں میرا یہ کالج میں پہلا سال ہوگا۔ میں وہاں یہ پرانے اور گھسے پٹے کپڑے پہن کر تو نہیں جاسکتی۔ مجھے کالج کے پہلے سال کے لئے نئے کپڑے چاہئیں۔'' کیرولین مسلسل چلا رہی تھی۔

''تو بھلا میں نے کب منع کیا ہے نئے کپڑے لینے سے؟ میں تمہیں یہ پیسے دے تو رہی ہوں اور کیرن کو بھی۔'' مسز مارٹن نے تھکے ہارے لہجے میں کہا۔

''اتنے کم پیسوں میں؟ مجھے میک اپ کا سامان اور سینڈلز بھی چاہئیں۔'' کیرولین نے برا سا منہ بنایا۔

''میرے پاس نہ ڈھنگ کے کپڑے ہوتے ہیں نہ ہی شوز اور نہ ہی میک اپ صرف آپ کی کنجوسی کی وجہ سے میرا اب تک کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے۔'' کیرولین نے غصے سے کہا اور پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔

مسز مارٹن حیران اور پریشان اسے جاتا ہوا دیکھتی رہیں۔ ''کیرن! میری بچی تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ کہاں سے اتنے پیسے لاؤں؟ کیا تمہیں بھی لگتا ہے کہ میری وجہ سے تم دونوں کا کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے؟'' کیرولین کی طرح کیرن کا بھی کوئی بوائے فرینڈ نہیں تھا۔

''نہیں ماما ایسی بالکل بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' کیرن نے آگے بڑھ کر مسز مارٹن کو اپنے گلے کے ساتھ لگالیا۔

''تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ کیرولین کی برتھ ڈے آنے والی ہے میں چاہتی ہوں کہ اس کی برتھ ڈے پر زیادہ سے زیادا اہتمام کرنے کی کوشش کروں شاید اس طرح اس کی ناراضگی ختم ہوجائے ورنہ تو ہم لوگ تم دونوں کی سالگرہ پر کیک تک نہیں کاٹتے۔'' مسز مارٹن نے ایک سرد آہ بھری۔

''کوئی بات نہیں ماما اس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں ہے ہمارے پاس کیک کے لئے پیسے ہی نہیں ہوتے۔'' کیرن نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

''ہاں لیکن اس بار میں کیرولین کی سالگرہ پر خود اپنے ہاتھوں سے کیک بناؤں گی۔ وہ یقیناً بہت خوش ہوگی۔'' مسز مارٹن امید بھرے انداز میں بولیں۔

ان کی اس بات پر کیرن صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

☆......☆......☆

کیرولین اپنی بیسٹ فرینڈ ٹینا اور کیرن کے ساتھ شاپنگ مال میں گھوم رہی تھی۔ آج اس کی سالگرہ تھی اور وہ اپنی سالگرہ کو خوب انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ وہ کالج میں پہننے کے لئے کپڑے وغیرہ خرید رہی تھی۔ اس کے ساتھ ٹینا اور کیرن بھی اپنے لئے کپڑے اور دیگر سامان خرید رہی تھیں۔ کیرولین اپنے لئے شوز دیکھنے لگی

''اونہہ...... کیا مصیبت ہے یہ سینڈلز تو بہت مہنگے ہیں اتنے تو میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں۔'' کیرولین نے پیسے گنتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں تم وہ دوسرے والے دیکھ لو وہ بھی اچھے ہیں۔'' ٹینا نے اس کی توجہ ان شوز کی طرف دلائی جن پر سیل لگی ہوئی تھی۔

''ایک تو ہمیشہ مجھے ہر چیز سیل میں سے ہی خریدنی پڑتی ہے۔ ذرا دیکھو تو ان اولڈ فیشن سینڈلز کو ......!'' کیرولین غصے سے منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی۔

''ویسے ٹینا کہہ تو بالکل ٹھیک رہی ہے۔ یہ سینڈلز واقعی میں بہت پیاری ہیں۔'' کیرن آگے بڑھ کر مختلف سینڈلز اور شوز دیکھنے لگی۔

''اب رہنے بھی دو یہ سب ماما کی کنجوسی کی وجہ سے ہے۔ اگر اتنا ہی انہیں پیسے بچانے کی فکر رہتی ہے تو اپنے سگریٹ کیوں نہیں چھوڑ دیتیں؟''

''یار ایک تو میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہر وقت اپنی بے چاری ماما کے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہو؟ وہ بے چاری دن رات محنت کر کے تمہارے بہتر مستقبل کے لئے کوشش کر رہی ہیں۔'' ٹینا نے کرولین کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''چلو بھئی اب اگر شاپنگ ختم ہو گئی ہو تو گھر چلتے ہیں۔'' کیرن ان دونوں سے گویا ہوئی۔

''ہاں چلتے ہیں!'' ٹینا نے جواب دیا۔

اور پھر وہ تینوں ہاتھوں میں شاپنگ بیگز اٹھائے شاپنگ مال سے باہر نکل آئیں۔ باہر آسمان پر گہرے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سامنے سے کالی گھٹا آ رہی تھی۔

کیرولین بہت غور سے آسمان کو تکنے لگی اسے بارش کا موسم بہت پسند تھا جبکہ کیرن کو کالے کالے بادلوں اور بجلی کی چمک سے بڑا ڈر لگتا تھا۔

''واہ......! کیا شاندار نظارہ ہے۔'' کیرولین نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''جلدی کرو سب جلدی سے گاڑی میں بیٹھو۔'' کیرن نے موسم کے بگڑتے ہوئے تیور دیکھے تو اسے تشویش ہوئی۔

''ٹھیک ہے لیکن گاڑی، میں ڈرائیو کروں گی۔'' کیرولین خوشی سے چہکتے ہوئے بولی۔

اس کے بعد یہ تینوں گاڑی کی طرف بڑھیں یہ گاڑی کیرولین کی ماما کی تھی۔

کیرولین نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ کیرن نے آگے بڑھ کر ریڈیو آن کر دیا ریڈیو پر خبریں چل رہی تھیں جن میں یہ بتایا جارہا تھا کہ محکمہ موسمیات والوں نے پیش گوئی کی ہے کہ آج رات موسلا دھار بارش ہوگی۔ کیرولین یہ سن کر بہت زیادہ خوش ہوگئی۔

''چلو لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔'' کیرولین بہت زیادہ پرجوش نظر آ رہی تھی۔

''نہیں بالکل نہیں ایسے موسم میں ہرگز بھی نہیں ماما گھر پر ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی جانتی ہو ناں آج تمہاری برتھ ڈے ہے ماما نے گھر میں کیک اور دوسری چیزیں بنائی ہوں گی۔'' کیرن نے صاف انکار کر دیا۔

''ہاں یار یہ صحیح کہہ رہی ہے تم نے دیکھا نہیں آسمان پر کتنے بادل ہیں کسی بھی وقت بارش شروع ہوسکتی ہے اور اب رات بھی ہونے لگی ہے۔'' ٹینا نے بھی اس کی تائید کی۔

''تم لوگ فکر نہیں کرو بس تھوڑی سی دیر ویسے بھی آج میری سالگرہ کا دن ہے، پلیز مان جاؤ ناں۔'' کیرولین نے التجائیہ نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ پہلے تو انہوں نے منع کیا لیکن پھر آخرکار مان گئیں۔

کیرولین نے آگے بڑھ کر گانوں کی کیسٹ لگادی۔ وہ بہت تیز رفتار سے گاڑی ڈرائیو کرنے لگی۔

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اب یہ تینوں آبادی سے کافی دور نکل آئی تھیں اتنے میں اچانک ہی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔

''کیرولین چلو گھر چلیں ایسے موسم میں ڈرائیو کرنا ٹھیک نہیں ہے۔'' ٹینا نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' کیرولین نے جواب دیا اور گاڑی کی رفتار مزید تیز کردی۔ ''کیرولین دماغ خراب ہے کیا؟ ہمیں مروانے کا ارادہ ہے دیکھتی نہیں کہ سڑک پر کتنی پھسلن ہو رہی ہے؟'' ٹینا غصے سے بولی۔

''خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ گھر چلو!'' کیرولین نے جواب دیا اور گاڑی کی رفتار آہستہ کردی۔

وہ گاڑی آگے ہی آگے بڑھائے جارہی تھی۔

''کیرولین یہ ہم کہاں جارہے ہیں آس پاس تو کوئی ایک مکان بھی دکھائی نہیں دے رہا۔'' کیرن نے

پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ میرے خیال سے ہم لوگ راستہ بھٹک گئے ہیں۔“

”کیا کہا راستہ بھٹک گئے ہیں؟ کیا تمہارے خیال سے ہم لوگ کسی جنگل بیابان میں رہتے ہیں جو راستہ بھٹک گئے ہیں؟“ ٹینا غصے سے چلائی۔

”پاگل لڑکی میرا مطلب ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ اب کدھر جانا ہے۔“ کیرولین بھی غصے میں آگئی۔

وہ تینوں ابھی اسی بحث میں لگی ہوئی تھیں کہ اچانک ہی ان کی گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔

”تم نے گاڑی کیوں روکی پاگل......؟“ ٹینا نے بیک سیٹ پر بیٹھے ہوئے چیخ کر پوچھا۔

”چلو نیچے اتر کر چیک کرو کہ کیا خرابی ہے۔“ کیرولین نے بھی چیخ کر جواب دیا۔

”اف خدایا......! اب کیا ہوگا؟“ کیرن کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

”چلو باہر نکل کر گاڑی کو دھکا لگاؤ۔ ساری غلطی مام کی ہے۔ انہوں نے ایسی کھٹارا گاڑی خریدی ہی کیوں تھی اگر اس کچرے کے ڈھیر کی جگہ کوئی نئی گاڑی خرید لیتیں تو ابھی ہم اس طرح بیچ میں پھنسے ہوئے نہ ہوتے۔“ کیرولین غصہ کرنے لگی۔

”یہ کچرے کا ڈھیر ہو یا کچھ بھی میں اسے دھکا نہیں لگا سکتی مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔“ ٹینا نے بھی غصے سے جواب دیا۔

”پلیز! یہ وقت غصہ کرنے کا اور ایک دوسرے کو الزام دینے کا نہیں ہے۔ چلو باہر نکل کر آس پاس دیکھتے ہیں شاید کوئی پیٹرول پمپ وغیرہ یہاں سے نزدیک ہی ہو۔“ کیرولین نے دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کروانے کی کوشش کی۔

ان دونوں کو بھی کیرن کی بات سے اتفاق ہوا۔

”لیکن اتنی تیز بارش میں تو ہم بھیگ جائیں گے اور پھر رات کا وقت ہے۔ بھلا اس اندھیرے میں ہمیں کیا نظر آئے گا۔؟“ کیرن نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

”تم بھی حد کرتی ہو یار ابھی خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ گاڑی سے باہر نکل کر دیکھتے ہیں۔“ کیرولین بری طرح جھنجھلا گئی۔

”اس میں اس بے چاری کی غلطی نہیں ہے۔ وہ ایسے موسم سے ڈرتی ہے۔“ ٹینا نے کیرولین کو ٹوکا۔

کیرن نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لئے اور نگاہیں جھکالیں۔ وہ بہت پریشان حال لگ رہی تھی۔

کیرولین شرمندہ ہوگئی۔ ”آئی ایم سوری کیرن!“

”کوئی بات نہیں۔“ کیرن نے ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

”چلو دوستوں پھر ہمت کرکے گاڑی سے باہر نکلتے ہیں۔“ ٹینا نے ان دونوں کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھا۔

”چلو چلتے ہیں۔“ وہ تینوں بیک وقت گویا ہوئیں۔ یہ تینوں اب گاڑی سے باہر آچکی تھیں اب وہ نہایت تیز رفتاری سے قدم بڑھا رہی تھیں۔ کافی دیر تک یہ لوگ ایسے ہی چلتی رہیں لیکن آبادی کا کہیں دور دور تک نشان نہیں تھا۔ کہ اچانک ہی انہیں سڑک کے بائیں طرف روشنی دکھائی دی۔

”یہ ہوئی ناں بات! چلو چل کر مدد مانگتے ہیں۔“ ٹینا خوش ہوتے ہوئے بولی۔

کیرن اور کیرولین بھی خوش ہوگئیں۔ ان تینوں نے مل کر اس روشنی کی طرف دوڑ لگادی۔ بارش ابھی تک اسی طرح ہورہی تھی۔

بھاگتے بھاگتے آخرکار یہ تینوں ایک نہایت خوب صورت اور بڑے بنگلے کے سامنے آگئیں۔

”لگتا ہے یہ تو کسی کا گھر ہے۔“ کیرن نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

گھر نہیں بنگلہ ہے بنگلہ! دیکھتی نہیں کتنا بڑا ہے۔ بس اب ہمیں یہاں سے مدد مل جائے۔“ ٹینا نے جواب دیا۔

کیرولین نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

”ارے دیکھو سیکنڈ فلور کی کھڑکی میں کوئی ہے۔ کہاں؟“ ٹینا اور کیرن چونک پڑیں۔

انہوں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا اس کے ساتھ ہی اچانک بڑے زور سے بجلی چمکی تو ان دونوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

انہوں نے دوبارہ دیکھا لیکن انہیں کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

”وہاں پر تو کوئی بھی نہیں ہے۔ کیا تم ہمیں بے وقوف بنا رہی ہو؟“ ٹینا نے کیرولین کی طرف دیکھا۔

”کمال ہے ابھی تو وہاں کھڑکی میں روشنی ہورہی تھی اور وہاں اندر کوئی موجود بھی تھا۔“ کیرولین نے جواب دیا۔

کیرن نے آگے بڑھ کر بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ تھوڑی دیر میں دروازہ کھلا اور اندر سے ایک لڑکی نے سر باہر نکالا۔

”جی فرمایئے۔“ اس لڑکی نے شائستہ اور نرم لہجے میں پوچھا۔

”پلیز ہماری مدد کریں۔“ کیرن نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

”وہ دراصل ہماری گاڑی خراب ہوگئی ہے، کیا ہم ایک فون کرسکتے ہیں۔“ اب کی بار ٹینا بولی۔

”ٹھیک ہے اندر آجایئے۔“ اس لڑکی نے دروازہ پورا کھولتے ہوئے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

وہ تینوں اندر داخل ہوگئیں وہ لڑکی انہیں لے کر ایک بڑے سے کمرے میں آگئی، جو کہ غالباً اس گھر کا ڈرائنگ روم تھا کیونکہ وہاں پر ہر طرف بڑے بڑے صوفے رکھے ہوئے تھے۔

”کون ہے مارلا؟“ کمرے کے باہر سے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔

اس کے ساتھ ہی ایک سنہرے بالوں والی عورت کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی عمر چالیس سے زیادہ رہی ہوگی۔

اس کے انداز میں ایک وقار تھا اور لہجہ بارعب تھا۔ وہ لڑکی جس کا نام مارلا تھا اس عورت کی طرف متوجہ ہوگئی۔

”مام ان لوگوں کی گاڑی خراب ہوگئی ہے۔“ مارلا نے جواب دیا۔

”ہم لوگ بس ایک فون کرنا چاہتے ہیں۔“ کیرن اس عورت سے مخاطب ہوئی جسے مارلا اپنی مام کہہ رہی تھی۔

”ضرور ضرور کیوں نہیں۔ تم لوگ جتنے مرضی چاہو فون کرسکتی ہو۔“ سنہرے بالوں والی عورت نے خوش اخلاقی سے کہا۔

وہ تینوں یہ سن کر خوش ہوگئیں اس کے بعد کیرن کمرے میں رکھے ٹیلی فون کی طرف بڑھی اور اپنے

گپ شپ

پہلا جھوٹا۔ ”میرے بڑے بھائی نے سولہ سال کی عمر میں بہرام ڈاکو کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کیا تھا۔“

دوسرا جھوٹا: ”کیا تمہیں معلوم ہے ہمارے پاس ایسے کبوتر ہیں جو پنجرے سمیت پرواز کرتے ہیں۔“

پہلا جھوٹا: ”تو کیا ہوا یہ کون سی بڑی بات ہے ہمارے گھر میں ایک بہت بڑا فولڈنگ سوئمنگ پول ہے ہم جہاں جاتے ہیں اسے ساتھ لے جاتے ہیں۔“

دوسرا جھوٹا: ”یہ بڑی بات نہیں ہمارے پاس جو موٹر سائیکل ہے ناں وہ ہٹلر نے میرے ابا کو تحفے میں دی تھی۔“

تیسرا جھوٹا: ”مداخلت کرتے ہوئے“ ناممکن یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میرے خالو نے آج تک کسی کو تحفہ نہیں دیا۔“

(بوٹا سنگھ۔ ساہیوال)

گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ارے یہ کیا آپ کا فون تو شاید ڈیڈ پڑا ہے۔" کیرن نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

مارلا کی ماں نے ریسیور کیرن کے ہاتھ سے لے کر اپنے کان سے لگالیا۔

"معاف کرنا ڈیئر لگتا ہے طوفان کی وجہ سے لائن میں کچھ خرابی ہوگئی ہے۔" مارلا کی ماں نے جواب دیا۔

"اوہ شیٹ اب کیا کریں۔ اگر ہم لوگ وقت پر گھر نہ پہنچے تو ہمارے گھر والے تو بہت پریشان ہوں گے۔" ٹینا نے فکرمندی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ گھبراؤ نہیں...... بات تو پریشانی والی ہے لیکن فی الحال ہم لوگ کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ اتفاق سے میری گاڑی بھی ٹھیک ہونے کے لئے گئی ہوئی ہے ورنہ میں خود تم لوگوں کو تمہارے گھر تک چھوڑ آتی۔ میری مانو تو آج رات تم لوگ یہیں گزارلو۔ صبح تک طوفان تھم جائے گا تو ہم فون کر کے کسی نہ کسی کو بلالیں گے۔" مارلا کی ماں نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

وہ تینوں جھجکنے لگیں۔ انہیں اس طرح جھجکتے ہوئے دیکھ کر مارلا کی ماں مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔

"بھلا بتاؤ ہم لوگوں نے تو ابھی تک ایک دوسرے سے اپنا تعارف بھی نہیں کروایا۔"

"چلو سب سے پہلے میں ہی اپنا تعارف کرواتی ہوں۔ میرا نام جنیفر براؤن ہے۔ تم لوگ مجھے جینفر کہہ سکتی ہو۔ یہ میری بیٹی مارلا ہے۔ میرے شوہر اب اس دنیا میں نہیں ہیں ہم دونوں ماں بیٹی اس گھر میں اکیلے ہی رہتی ہیں اب تم لوگ بھی اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"میرا نام ٹینا ہے اور یہ میری بیسٹ فرینڈ کیرولین ہے اور یہ اس کی چھوٹی بہن کیرن ہے۔ یہ بھی میری بیسٹ فرینڈ ہی ہے۔" ٹینا نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

کیرولین غور سے اس کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ اس کی نظر میز پر رکھے ایک فوٹو فریم پر پڑی۔ اس نے آگے بڑھ کر فوٹو فریم اٹھالیا اس فوٹو فریم میں جو تصویر لگی ہوئی تھی اس میں جینفر اور مارلا کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا۔

"یہ کون ہے؟" کیرولین نے جینفر سے پوچھا۔

اچانک ہی مارلا کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر کیرولین کے ہاتھ سے وہ فوٹو فریم لے لیا۔

کیرولین نے محسوس کیا کہ وہ کچھ غصے سے میں آگئی ہے۔

"دراصل یہ میرا بیٹا تھا جو کہ اب مرچکا ہے۔" جینفر نے آہستگی سے وہ فوٹو فریم مارلا کے ہاتھ سے لے کر واپس میز پر رکھ دیا۔

"کیرولین کیا کررہی ہو کسی کی چیزوں کو بلا اجازت ہاتھ نہیں لگاتے۔" ٹینا نے اسے ٹوکا۔

"اٹس اوکے...... کوئی بات نہیں۔" اب کی بار مارلا ہلکا سا مسکرائی۔

"آج میری بہن کیرولین کی سالگرہ ہے۔ ہماری مام ہمارا انتظار کررہی ہوں گی...... انہوں نے پتہ نہیں کیا کیا بنالیا ہوگا۔" کیرن افسوس سے بولی۔

"کوئی بات نہیں اتفاق سے آج میں نے بھی گھر میں کیک بنایا ہے اور ساتھ میں دوسری چیزیں بھی ہیں تم لوگ اپنے کپڑے بدل لو بارش کے پانی سے بالکل گیلے ہوگئے ہیں۔" جینفر نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا۔

"تم لوگ میرے کپڑے پہن سکتی ہو۔" مارلا نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں اس کی آپ لوگ فکر نہ کریں ہماری گاڑی میں ہمارے کپڑے رکھے ہیں۔ ہم جلدی سے وہ لے آتے ہیں۔" کیرن نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔ ایسا کرتی ہوں میں بھی تم لوگوں کے ساتھ آتی ہوں۔" مارلا نے ایک بار پھر کہا۔

"نہیں ہم خود ہی لے آئیں گے۔" کیرن نے

بھی ایک بار پھر سے منع کردیا۔ اس کے بعد یہ تینوں اسی طرح بارش میں بھیگتی ہوئی اپنی گاڑی میں سے نئے خریدے ہوئے کپڑے لے آئیں۔

"ایسا کرو تم لوگ گرم پانی سے شاور لے لو۔" مارلا نے کہا۔

یہ سن کر وہ تینوں خوش ہوگئیں۔ مارلا اور جینفر انہیں فرسٹ فلور پر لے آئیں۔

"ہم لوگ فرسٹ فلور پر رہتے ہیں۔ گراؤنڈ فلور پر کبھی کبھی جاتے ہیں۔" مارلا نے بتایا۔

"اور سیکنڈ فلور وہاں پر کیا ہے؟" یہ سن کر جینفر اور مارلا عجیب سی ہوگئیں۔

مارلا عجیب نظروں سے کیرولین کی طرف دیکھنے لگی۔ ہم لوگ سیکنڈ فلور پر کبھی نہیں جاتے کیونکہ وہ آسیب زدہ ہے۔ جینفر نے کیرولین کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔

کیرولین کو اس کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔ اسے اچھی طرح سے یاد تھا کہ اس نے سیکنڈ فلور کی کھڑکی میں کسی کو کھڑے ہوئے دیکھا تھا لیکن وہ چپ ہورہی۔ اس کے بعد کیرولین اپنے کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گئی۔

اس نے اپنے کپڑے اتارے اور باتھ ٹب میں بیٹھ گئی وہ گرم پانی سے لطف اندوز ہونے لگی۔ اس پر نیند طاری ہونے لگی ممکن تھا کہ وہ ابھی سو ہی جاتی کہ اچانک اسے سیکنڈ فلور پر کسی فرنیچر جیسی چیز کے گھسیٹے جانے کی آواز سنائی دی۔ وہ یہ آواز سن کر خوف زدہ ہوگئی۔

وہ آوازوں پر غور کرنے لگی۔ اسے ایسا لگا کہ جیسے اوپر کوئی چل رہا ہو۔ اسے خوف اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرتا محسوس ہوا وہ جلدی سے شاور لے کر باتھ روم سے باہر نکل آئی۔

"میں نے ابھی سیکنڈ فلور پر سے کچھ عجیب سی آوازیں سنی ہیں۔ کیا ابھی آپ لوگوں میں سے کوئی سیکنڈ فلور پر گیا تھا؟"

"میں نے بتایا تھا کہ وہ آسیب زدہ ہے۔ وہاں کوئی نہیں جاتا۔" جینفر نے جواب دیا۔

"لیکن میں نے سیکنڈ فلور کی کھڑکی میں کسی کو کھڑے ہوئے دیکھا تھا اور اندر روشنی بھی ہورہی تھی۔" کیرولین نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"مائی ڈیئر وہاں بجلی کا انتظام نہیں ہے۔ جاؤ مارلا انہیں ان کا کمرہ دکھادو۔" جینفر نے مارلا سے کہا۔

مارلا انہیں اپنے ساتھ لئے ایک عالی شان سے کمرے میں آگئی۔

"کھانا بننے میں ابھی تھوڑی دیر ہے تب تک تم لوگ اطمینان سے آرام کرو۔" اس کے بعد مارلا وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی کیرولین ان دونوں کی طرف گھومی۔

"چلو آؤ اوپر سیکنڈ فلور پر چل کر دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہے۔" کیرولین نے پرجوش ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا واقعی؟" ٹینا بھی خوش نظر آنے لگی۔

"بالکل نہیں تم دونوں کا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا۔ اگر انہیں پتا چل گیا تو وہ ہمیں کوئی چور یا ڈاکو سمجھیں گی اور دھکے دے کر گھر سے نکال دیں گی۔" کیرن نے کہا۔

"تم تو بس یونہی ڈرتی رہتا۔ میں اور ٹینا تو ضرور اوپر جائیں گے۔"

"چلو ٹینا پھر چلتے ہیں۔"

"ہاں جلدی چلو۔ مجھے بھی یہ جاننے کا بہت تجسس ہے کہ آخر اوپر ہے کیا۔"

اس کے بعد وہ دونوں دروازہ کھول کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں کیرن انہیں روکتی ہی رہ گئی کیرولین اور ٹینا نے باہر نکل کر دیکھا کہ کہیں جینفر اور مارلا آس پاس میں تو کہیں نہیں ہیں۔ جب انہیں اطمینان ہوگیا تو وہ دونوں اوپر کی سیڑھیاں چڑھنے لگیں اوپر سیکنڈ فلور پر پہنچ کر وہ حیران رہ گئیں وہاں پر ساری لائٹس آن تھیں انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا سا کچن بھی ہے جہاں پر کھانے پینے کی مختلف اشیا رکھی ہوئی تھیں۔

"ہونہہ جھوٹی کہیں کی وہاں بجلی کا انتظام نہیں ہے

Pakistanipoint Waqar Azeem

اور ذرا دیکھو تو یہاں کیا کیا لوازمات سجا رکھے ہیں۔" کیرولین نے جینفر کی نقل اتارتے ہوئے غصے سے کہا۔

ٹینا نے جلدی سے آگے بڑھ کر فریج کا دروازہ کھول ڈالا۔

"ذرا دیکھنا یہاں پر تو بیئر کے کین بھی رکھے ہیں آؤ پیتے ہیں۔" وہ دونوں بیئر کے کین اپنے ہاتھ میں لئے باہر صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں اور ڈرنک کرنے لگیں۔

"یار اگر یہاں کوئی آ گیا تو کیا ہوگا؟ میرے خیال سے ہم لوگ نیچے چلتے ہیں۔" ٹینا کو فکر ہوئی۔

"ارے کچھ نہیں ہوگا تم نے دیکھا نہیں وہ دونوں کتنی بڑی جھوٹی ہیں ہم سے کیا کیا کہہ رہی تھیں۔" کیرولین نے اطمینان سے جواب دیا۔

"لیکن یہ بھی تو سوچو کہ یہ پتہ نہیں آخر کیسے لوگ ہیں جو ہم سے اس طرح جھوٹ بول رہی تھیں۔ ارے تم فکر کیوں کرتی ہو وہ دونوں تعداد میں دو ہیں اور ہم تین، وہ چاہ کر بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ ٹھہرو میں ڈیپ فریزر میں دیکھتی ہوں۔ شاید وہاں کھانے کے لئے آئس کریم رکھی ہو۔" یہ کہہ کر کیرولین ڈیپ فریزر کی طرف بڑھی کہ اچانک ہی ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور اندر سے وہی لڑکا باہر آیا جس کے بارے میں جیفر نے بتایا تھا کہ وہ اس کا بیٹا ہے اور اب مر چکا ہے۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر چیخیں مارنے لگیں ان کی چیخیں سن کر جینیفر، مارلا اور کیرین تینوں اوپر آ گئیں۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" جینیفر نے غصے سے پوچھا۔

"تم لوگ آخر کس کی اجازت سے اوپر آئیں۔" وہ لڑکا چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا۔

"بیٹا جیک ایسا کرو کہ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" کیرین بھی سخت حیران پریشان تھی۔

"میں اس سب کی وضاحت پیش کر سکتی ہوں۔" جینیفر نے ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

کیرولین، کیرن اور ٹینا تینوں ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ پھر یہ سب نیچے فرسٹ فلور پر آ گئیں وہ سب ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ میرے بیٹے کی منگیترا سے چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ چلی گئی تھی۔ اس کے بعد سے میرے بیٹے کی ذہنی حالت بگڑ گئی ہے اسے لڑکیوں سے شدید نفرت ہو گئی ہے وہ جب بھی کسی لڑکی کو دیکھتا ہے تو اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اس لئے میں اسے سیکنڈ فلور پر رکھتی ہوں میں نے تم تینوں سے جھوٹ بولا اس کے لئے میں شرمندہ ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم لوگ ہمیں معاف کر دو گی۔" جیفر واقعی شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کھانا تیار ہے ایسا کرتے ہیں کہ چل کر کھانا کھاتے ہیں۔" اس کے بعد یہ سب لوگ ڈائننگ ہال میں آ گئے۔

ٹینا اور کیرن نے کھانا شروع کر دیا ان کے ساتھ ساتھ کیرولین نے بھی کھانا شروع کیا یہ لو کیرولین ایسا کرو کہ کیک تم کاٹو آج تمہاری برتھ ڈے ہے ناں۔" مارلا نے مسکراتے ہوئے کیرولین کی طرف ایک چھری بڑھائی۔

کیرولین کا بالکل کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن اس نے زبردستی اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی اور چھری کی مدد سے کیک کاٹ دیا۔

مارلا اور جیفر نے تالیاں بجائیں اور ہیپی برتھ ڈے ٹو یو گایا۔ "میرا پیٹ تو کافی بھر چکا ہے۔ اب میں اپنے کمرے میں چل کر آرام کرتی ہوں۔" اس کے بعد کیرولین وہاں سے نکل آئی۔ اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا وہ کمرہ اچھا خاصا فرنشڈ تھا اور سامنے دیوار پر جیفر کی جوانی کی تصویر لگی ہوئی تھی جس میں وہ کسی آدمی کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہو نہ ہو یہ ضرور جیفر کا کمرہ ہے۔" کیرولین منہ ہی منہ میں بڑبڑائی اس کے بعد وہ اندر کمرے میں گھس گئی وہ اس کمرے میں رکھی الماری کی دراز میں کھول کھول کر دیکھنے لگی کہ اچانک اسے کسی کے قدموں کی سی آواز سنائی دی۔ یوں لگتا تھا کہ کوئی اسی طرف آ رہا ہے۔ کیرولین کی کچھ سمجھ نہ آیا تو وہ بیڈ کے نیچے

چھپ گئی۔ اتنے میں کمرے کا دروازہ کھلا اور جینیفر کی آواز سنائی دی۔

"کیرولین کیا تم اندر ہو۔" کیرولین دم سادھے بستر کے نیچے چھپی ہوئی تھی۔ اچانک ہی مارلا کے بولنے کی بھی آواز سنائی دی۔

"مام کیا آپ نے کیرولین کو دیکھا کہیں وہ پاگل یہاں تو نہیں آئی۔ کہیں اس نے ڈیپ فریزر کو تو کھول کر نہیں دیکھ لیا فکر مت کرو میری بچی۔ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتی کیونکہ ڈیپ فریزر لاک پڑا ہے اور اس کی چابی میری الماری کی دراز میں رکھی ہے۔" جیفر کے بولنے کی آواز سنائی دی۔

"پھر بھی مام ہمیں اپنی تسلی کر لینی چاہئے ایسا کرتے ہیں کہ اس کے کمرے میں چل کر دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے کمرے میں ہے بھی یا نہیں۔"

"ٹھیک ہے چلو دیکھتے ہیں۔" جیفر نے جواب دیا۔

پھر وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"اف خدایا اب کیا ہوگا جب انہیں پتا چلے گا کہ میں اپنے کمرے میں نہیں ہوں۔" کیرولین تیزی سے بیڈ کے نیچے سے نکلی اس نے کمرے میں رکھی الماری کا دروازہ کھولا اور دراز کھول کر جتنی بھی چابیاں تھیں سب باہر نکال لیں۔ اس کے بعد وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلی اس نے دیکھا کہ مارلا اور جیفر اس کے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔

وہ تیزی سے ٹی وی لاؤنج کی طرف ہو لی اس نے ٹی وی آن کیا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

تھوڑی ہی دیر میں مارلا اور جیفر بھی وہاں آ گئیں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" مارلا نے تیزی سے پوچھا۔

"اوہ! آئی ایم سوری میں ایک بار پھر آپ لوگوں کو بتائے بغیر آپ کے گھر میں گھومنا شروع ہو گئی۔" کیرولین نے بظاہر شرمندگی سے کہا۔

"ارے نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے ڈیئر اگر تمہارا ٹی وی دیکھنے کو دل چاہ رہا ہے تو بے شک دیکھو۔"

"اس کا مطلب آپ ناراض نہیں ہیں؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" جیفر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو کیرولین بھی مسکرا دی۔

☆......☆......☆

کیرولن، کیرن اور ٹینا کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی یہ لوگ اس وقت سونے کی تیاری کر رہی تھیں۔ کیرولین نے ڈیپ فریزر اور چابیوں والی بات انہیں نہیں بتائی تھی۔ وہ تینوں بستر پر سونے کے لئے لیٹ گئیں۔ لیکن کیرولین کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ نیند تو کیرن اور ٹینا کو بھی نہیں آ رہی تھی کیونکہ وہ دونوں خود بھی یہاں پھنس جانے کی وجہ سے پریشان تھیں۔ لیکن کہتے ہیں کہ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے کچھ دیر بعد کیرن اور ٹینا دونوں کی آنکھ لگ گئی۔

البتہ کیرولین ابھی تک جاگ رہی تھی کیونکہ اس نے کچھ سوچ رکھا تھا اسے اسی موقع کا انتظار تھا وہ خاموشی سے بستر سے اٹھی اور دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس نے اپنے پیچھے دروازہ آہستگی سے بند کر دیا اب وہ دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اس نے سیکنڈ فلور پر قدم رکھا تو اسے ایک انجانا سا خوف محسوس ہوا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ڈیپ فریزر تک آ گئی۔ اس نے اپنے پاس سے چابیاں نکال لیں اور باری باری کر کے ہر چابی کو لاک میں لگانے لگی۔

تھوڑی سی دیر کے بعد ایک چابی سے ڈیپ فریزر کھل گیا کیرولین نے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈیپ فریزر کو کھولا اندر کالے رنگ کے مختلف شاپرز رکھے ہوئے تھے۔

کیرولین نے ہاتھ بڑھا کر ایک شاپر باہر نکالا اور اسے فرش پر الٹ دیا اس کے ساتھ ہی کیرولین کے حلق سے فلک شگاف چیخیں نکل گئیں وہ کسی لڑکی کا کٹا ہوا سر تھا۔

کیرولین خوف سے بری طرح کانپنے لگی وہ بھاگنے کے لئے پیچھے پلٹی تو دیکھا کہ جیفر اور مارلا اس

کے پیچھے کھڑی ہیں۔ جینفر نے آگے بڑھ کر کیرولین کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔

"میں جانتی تھی کیرولین کہ تم باز نہیں آؤں گی۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ میری الماری میں سے چابیاں غائب ہیں۔ میں تب ہی سمجھ گئی تھی کہ ہو نہ ہو یہ ضرور تمہارا کام ہے۔" جینفر نے نفرت سے کہا۔

"اب مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"جانتی ہو میرے بھائی کی منگیتر نے اسے دھوکا دیا اور کسی اور کے ساتھ چلی گئی۔ میرا بے چارہ بھائی اس سے اتنی محبت کرتا تھا کہ وہ اس کے غم میں بالکل ذہنی مریض بن کر رہ گیا۔ لیکن پھر میں نے بھی اس سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے اسے ایک سنسان جگہ پر یہ کہہ کر بلایا کہ میں اس سے اپنے بھائی کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچی تو میں نے اس کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا، وہی چھرا جس سے تم نے آج اپنی سالگرہ کا کیک کاٹا تھا۔ اور وہی چھرا جو کہ اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔" مارلا نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

اتنے میں پیچھے سے جیک نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔

"چڑیل ڈائن کہیں کی تو نے میری محبت کو جان سے مار ڈالا میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے مارلا کے ہاتھ سے چھرا چھین لیا اور پوری قوت سے مارلا کے پیٹ میں گھونپ دیا اس کے بعد اس نے چھرے کی مدد سے مارلا پر پے در پے کئی وار کیے۔

مارلا زمین پر گر گئی وہ مر چکی تھی۔ کیرولین خوف کے مارے دم سادھے اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ جیک میرے بچے یہ تم نے کیا کر دیا۔

جینفر جیک کی طرف بڑھی لیکن جیک نے پوری طاقت سے جینفر کو سیڑھیوں پر سے دھکا دے دیا۔

جینفر کے سر سے خون نکلنے لگا وہ بے ہوش ہو گئی جیک بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

کیرولین نے ڈرتے ڈرتے جیک کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ہمیں فوراً پولیس کو فون کرنا ہو گا۔" اس نے ڈرتے ڈرتے جیک سے کہا۔

اس کے بعد وہ نیچے سیڑھیوں کی طرف بھاگی کیرولین نے نیچے جاتے ہی کیرن اور ٹینا کو سوتے سے اٹھا دیا جو کہ ابھی تک اس واقعہ سے بے خبر تھیں کیرولین کی باتیں سن کر وہ دونوں بری طرح شاکڈ رہ گئیں۔

پھر ان تینوں نے جینفر کے کمرے میں جا کر فون کرنے کی کوشش کی تو اتفاق سے اس وقت لائن مل گئی۔ انہوں نے فون کر کے پولیس کو بلا لیا۔

تھوڑی ہی دیر میں پولیس پہنچ گئی مارلا کی لاش ایک ایمبولینس میں ڈال کر وہاں سے لے گئے۔ جینفر اب ہوش میں آ چکی تھی پولیس نے جینفر کو گرفتار کر لیا وہ بہت غصے میں تھی اور خود کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ جیک کو نفسیاتی اسپتال بھیج دیا گیا پولیس نے باری باری ان تینوں سے بیان لیا اور اس کے بعد انہیں ان کے گھر پہنچا دیا گیا۔

کیرولین اور کیرن کی ماں نے گزشتہ رات ہی ان کے لاپتہ ہونے کی رپورٹ پولیس میں درج کرا دی تھی۔ ٹینا کے والدین نے بھی پولیس میں ٹینا کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دی تھی۔

کیرولین اپنی ماں کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"آئی ایم سوری مام...... آپ نے میری سالگرہ پر اتنا اہتمام کیا لیکن میری غلطی کی وجہ سے آپ کی خوشی ادھوری رہ گئی۔"

"کوئی بات نہیں میری بچی تمہاری سالگرہ تو ہم لوگ آج بھی منا سکتے ہیں۔ کیک فریج میں رکھا ہوا ہے۔ میں ابھی لاتی ہوں۔"

اس کے بعد ان تینوں نے ایک ساتھ مل کر کیک کاٹا۔

روح کی فریاد

فاطمہ خان۔ علی پور مظفر گڑھ

ڈر اور خوف کی پگڈنڈی پر رواں دواں دل کی دھڑکن تیز کرتی اور مجسم وجود کو لرزا براندام کرتی ناقابل فراموش حیرت انگیز اور تحیر انگیز کہانی

خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی ہوئی دل کو مبہوت کرتی خوفناک ڈراؤنی کہانی

آج کالج میں اس کا پہلا دن تھا۔ کیٹ کے والد بہت بڑے بزنس مین تھے، لیکن عام امیر لوگوں کے برعکس انہوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کیٹ کی بہت اچھی تربیت کی تھی۔ اور ایک چیز جسے انہوں نے کبھی فراموش نہ کیا تھا وہ تھی کیٹ کی پڑھائی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور ان کا سر فخر سے بلند کر دے نہ کہ عام امیرزادیوں کی طرح باپ کی دولت پر فخر کرتے ہوئے ساری عمر گزار دے۔

کیٹ کے ڈیڈی نے تمام معلومات حاصل کر لیں تھیں کہ میٹرک کے بعد کیٹ کے لئے کون سا کالج بہترین رہے گا اور اگلے ہی روز وہ اسے لے کر شہر کے معروف کالج میں موجود تھے۔ شہر میں گھر بھی موجود تھا لیکن چونکہ اب کیٹ کو بہت زیادہ محنت کرنی تھی چنانچہ اس کے ڈیڈی نے فیصلہ سنا دیا، کہ اب اسے ہوسٹل میں رہنا

ہوگا تا کہ اپنی تمام تر توجہ پڑھائی پر مرکوز کر سکے۔ ڈیڈی کے اس فیصلے پر اس نے سر تسلیم خم کرلیا۔

ضروریات کی تمام چیزیں لے کر وہ ڈیڈی کے ساتھ کالج آ گئی تھی اور اب ڈیڈی اسے خوب محنت کی تلقین کر کے روانہ ہو رہے تھے۔

کیٹ ایک زندہ دل اور خوش مزاج لڑکی تھی۔ اگر چہ یہ کالج اس کے لئے نیا تھا مگر پھر بھی وہ خوش تھی اسے پورا یقین تھا کہ اس نئے کالج میں وہ ضرور Adjust کر لے گی اور پڑھائی بھی دل لگا کر کرے گی، تا کہ اس کے والد کو اس پر فخر محسوس ہو اور یہی اس کی زندگی کا مقصد تھا۔

وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ وائیٹ جینز پر بلیک ٹاپ کا Combination اس پر بہت زیادہ سوٹ کر رہا تھا۔ میم وارڈن نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کا کمرہ کس طرف ہے، اب وہ اپنا بیگ تھامے اپنے کمرے کی جانب رواں دواں تھی۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور بیگ کو گھسیٹ کر اندر لے آئی۔ کمرے پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالتے ہوئے وہ بیڈ پر جا بیٹھی "Well کمرہ تو اچھا ہے۔" اس نے خود کلامی کی۔

چند لمحات ہی گزرے تھے کہ کمرے کا دروازہ دھڑام سے کھلا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو وہاں دو لڑکیاں موجود تھیں۔ جن کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ رقصاں تھی۔ کیٹ صورت حال کو جلد ہی بھانپ گئی اور دل ہی دل میں کہنے لگی۔ "کیٹ تیار ہو جاؤ۔" وہ جان گئی تھی کہ یہ دونوں اس کو تنگ کرنے والی ہیں، یہ بھی جانتی تھی کہ اب اس صورت حال سے کیسے نمٹنا ہوگا۔

اسٹیلا اور کیتھی کالج میں آنے والی ہر نئی لڑکی کو تنگ کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں اور آج کیٹ ان کا شکار بننے والی تھی۔ وہ قدم بہ قدم اس کی طرف بڑھ رہی تھیں اور کیٹ اپنے آپ کو مانو تیار کر رہی تھی کہ کیسے ان سے نمٹا جائے۔ اسی اثناء میں اسٹیلا نے کیٹ کے بالوں کو چھوا اور تمسخرانہ انداز میں کہنے لگی۔ "ارے دیکھو کیتھی اس چوہیا کے بال بالکل کسی چوہیا کی دم جیسے ہی لگ رہے ہیں، درست کہا نا میں نے؟"

کیتھی منہ پھاڑ کر ہنسنے لگی اور اس نے کچھ یوں جواب دیا "بالکل اسٹیلا درست کہا تم نے بلکہ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ کسی چڑیا گھر سے بھاگ کر آئی ہے یہ۔" اس بات پر دونوں منہ پھاڑ کر ہنسنے لگیں اس قدر بے عزتی پر کیٹ غصے سے لال پیلی ہونے لگی، مگر نہ جانے کیسے خود پر اس نے کنٹرول کیا اور کہنے لگی۔

"Hye میں کیٹ ہوں۔ یہاں نئی آئی ہوں اور شہر کے سب سے معزز اور معروف بزنس مین جیمز رچرڈ کی بیٹی ہوں اور جتنی بے عزتی تم میری کر چکی ہو۔ پرنسپل سے شکایت کر کے تم دونوں کو نکلوا بھی سکتی ہوں۔"

وہ دونوں غصے سے دانت پیستی ہوئی وہاں سے چلی گئیں ڈیڈی کے نام کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی۔ اگر چہ کیٹ اس طرح اپنے ڈیڈی کا نام فخر سے لیتی ہوئی اور ان کے نام کی دھمکی دیتے ہوئے خود کو عام امیر زادیوں کی طرح مغرور نظر آ رہی تھی، جو کہ وہ کبھی نہ تھی کیونکہ اس نے اپنے ڈیڈی کی دولت پر کبھی فخر نہ کیا تھا اور نہ ہی یوں ڈیڈی کے نام کی دھمکیاں دیتی تھی۔ مگر اس وقت اس کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ ان بدتمیز لڑکیوں سے محض اسی طرح پیچھا چھڑایا جا سکتا تھا۔

کیٹ نے سر جھٹکا بیگ سے کپڑے نکالے اور نہانے کے لئے واش روم میں گھس گئی۔ کچھ دیر بعد جب وہ گیلے بالوں کو تولیے سے صاف کرتے ہوئے باہر نکلی تو اس کی نظر کمرے میں ایک طرف رکھی بڑی سی الماری پر پڑی جس کو دیکھتے ہی اس نے سوچ لیا کہ بڑے اہتمام سے اس میں اپنا سب سامان رکھے گی۔ بال خشک کرنے کے بعد وہ الماری کی طرف بڑھی مگر یہ کیا اس میں تو تالا لگا ہوا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ الماری کی چابی لینے وارڈن کے کمرے میں موجود تھی۔

"مجھے افسوس ہے کیٹ میں تمہیں اس الماری کی چابی نہیں دے سکتی کیونکہ اس میں ہمارا کچھ قیمتی سامان رکھا ہوا ہے۔" وارڈن نے اسے صاف صاف لفظوں میں منع کر دیا تھا۔ یہ سن کر کیٹ ورطہ حیرت میں ڈوب گئی مگر ابھی وہ بولنے ہی والی تھی کہ وارڈن سے اسے مزید بات کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور چوکیدار آ گیا۔

"وارڈن صاحبہ آپ کو پرنسپل صاحبہ بلا رہی ہیں۔" یہ سنتے ہی وارڈن کمرے سے چلی گئی اور کیٹ حیران و پریشان سوچوں کے سمندر میں ڈوب گئی۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی کیٹ نے اپنی زندہ دلی اور خوش مزاجی کی وجہ سے کالج میں سب کا دل جیت لیا تھا۔ وہ نہ صرف تمام اساتذہ کی نظر میں اپنا ایک مقام بنا چکی تھی بلکہ اس نے کئی سہیلیاں بھی بنالی تھیں اور اتنا کچھ اس نے محض ایک ہی ہفتے میں کر لیا تھا۔ نہ صرف اپنی تمام کلاس فیلوز کے ساتھ اس کی دوستی تھی بلکہ اس نے تو ایک سینئر لڑکی سے بھی دوستی کر لی تھی جس کا نام ایما تھا۔

ایما ایک سلجھی ہوئی اور خوش مزاج لڑکی تھی۔ اور جب کیٹ نے اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو اس نے فوراً دوستی کر لی اور اس طرح وہ دونوں بہت اچھی دوست بن گئیں۔

ایک دن کیٹ اور ایما کینٹین میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ ایما نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ویسے کیٹ تم جس کمرے میں ٹھہری ہو وہ تمہیں پسند ہے کیا؟"

اس پر کیٹ نے سرسری انداز میں کہا۔ "ہاں یار اچھا ہے اور آرام دہ بھی ہے۔" ایما کچھ بے چین سی لگ رہی تھی اور اس کی اس بے چینی کو کیٹ نے بھانپ لیا تھا۔ کیٹ جھٹ سے بول پڑی۔ "کیا ہوا تم پریشان کیوں نظر آ رہی ہو ایما؟"

ایما چونک پڑی جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی ہو۔ اچانک کیٹ کو کچھ یاد آیا اور وہ اچھل پڑی۔ "ارے ایما تمہیں میم وارڈن کی اک بات بتاؤں۔ میرے کمرے میں ایک الماری موجود ہے جسے دیکھتے ہی میں نے سوچا تھا کہ اپنا تمام سامان اس میں سجا سجا کر رکھوں گی لیکن اس پر تالا لگا تھا۔ میں میم وارڈن کے پاس گئی تو انہوں نے صاف منع کر دیا اب میرا بے چارہ سامان بیگ میں ہی پڑا ہے یہ بھی کوئی بات ہوئی بھلا کوئی وجہ بھی نہیں بتائی اور ایسے ہی منع کر دیا۔"

یہ بات سنتے ہی ایما کے پسینے چھوٹنے لگے۔

"ارے ایما کیا ہوا تمہیں تم ٹھیک ہو نا؟" کیٹ نے اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے پریشانی سے دریافت کیا۔

اپنی بدحواسی پر قابو پاتے ہوئے ایما بمشکل بولی۔ "خاموش رہو کیٹ، بالکل خاموش اس الماری کا ذکر بھی آئندہ کبھی نہ کرنا۔"

کیٹ پہلے سے ہی الماری والی بات پر پریشان تھی اب ایما کی اس طرح کی بات سن کر مزید پریشان ہوئی۔ "پلیز ایما مجھے بتاؤ کیا بات ہے مجھے لگتا ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو پلیز بتاؤ مجھے کیا بات ہے۔" کیٹ نے التجا کی۔

اس پر ایما سرگوشی کے انداز میں بولی۔ "کیٹ میں جو کچھ تمہیں بتانے والی ہوں اسے سن کر تم اچھل مت پڑنا اور نہ ہی شور شرابا شروع کر دینا آرام سے میری بات سنو۔"

"جس کمرے میں تم ٹھہری ہو ٹھیک ایک سال پہلے اسی کمرے میں ایک کیملا نامی لڑکی نے پنکھے سے لٹک کر خودکشی کر لی تھی۔"

"کیا......؟" یہ کیا کہہ رہی ہو تم مطلب انہوں نے مجھے ایک ایسا کمرہ دیا ہے جس میں ایک لڑکی خودکشی کر چکی ہے۔ What the Hell Is That کیٹ پریشانی اور غصے کے عالم میں بولتی گئی۔

"کیٹ پلیز! خاموش رہو اور آہستہ بولو۔ میں جانتی ہوں کہ یہ غلط ہے تمہیں وہ کمرہ نہیں دینا چاہئے تھا، کیونکہ اس کمرے کے ساتھ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ جو الماری وہاں موجود ہے وہ کیملا کے استعمال میں ہوتی تھی لیکن اس کے مرنے کے بعد پرنسپل نے اس الماری اور کیملا کا مختصر سامان کو باہر نکال کر کمرہ بند کرنے کا حکم دیا، مگر پراسرار طور پر وہاں سے فرنیچر تو نکال لیا گیا مگر وہ الماری نہ نکالی جا سکی۔ نہ جانے ایسی کونسی طاقت ہے، جس نے اس الماری کو پکڑ رکھا ہے۔

دس دس بندوں نے اسے پکڑ کر نکالنے کی کوشش کی مگر بے سود مانو وہ زمین سے چپک سی گئی ہو۔ آخر پرنسپل نے تنگ آ کر اس الماری کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کروا دیا اور تمام اسٹاف اور اسٹوڈنٹس جن کو اس بات کا علم تھا، ان سب کو اپنی زبان بند رکھنے کا کہا مزید یہ کہ کمرہ کھول دیا تا کہ نئے آنے والے اسٹوڈنٹس وہاں رہ سکیں۔

کیٹ آنکھیں پھاڑے سب کچھ سن رہی تھی

فوراً سوال داغ دیا۔ ”لیکن اس لڑکی نے خودکشی کی کیوں؟ کیا اس بات کا علم کسی کو نہ تھا آخر کوئی تو وجہ رہی ہوگی۔“ نہ جانے کیوں اب کیٹ کو خوف سے زیادہ مرنے والی لڑکی سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

ایما نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ”نہیں کسی کو اس کی خودکشی کرنے کی وجہ کا علم نہ تھا، وہ ایک غریب گھرانے کی لڑکی تھی اس کے والدین نے بھی اف تک نہ کی اور رو دھو کر اس کی نعش لے گئے۔ اس کی نعش کا پوسٹ مارٹم تک نہ ہوا۔ پرنسپل نے کالج کی بدنامی سے بچنے کے لئے معاملہ دبا دیا۔ سب کو خاموش کرا دیا اور معاملہ رفع دفع ہوگیا مگر آج بھی میں پنکھے سے لٹکتی ہوئی اس کی نعش والا منظر یاد کروں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ہو دسرا وہ پراسرار الماری۔ نہ جانے کیوں وہ وہاں جم کر ہی رہ گئی ہے۔“

کیٹ یہ سب سننے کے بعد خیالوں کی دنیا میں ڈوب سی گئی کہ ایما نے اسے کہا۔ ”تم بس اپنا خیال رکھا کرو مجھے تو اس کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے تم اپنا خیال رکھنا۔“

کیٹ نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہاں بالکل تم پریشان مت ہو۔“

ایما کلاس کا کہہ کر چلی گئی، جب کہ کیٹ وہیں پریشانی کے عالم میں بیٹھی رہی۔

اس رات نہ جانے کیٹ کو نیند کیوں نہیں آرہی تھی، اسے رہ رہ کر ایما کی باتیں یاد آرہی تھیں بار بار وہ اس الماری کو دیکھتی اوپر سے ہوا میں خنکی بھی بڑھ گئی تھی، اسے بہت ٹھنڈ محسوس ہونے لگی تھی۔ کیٹ نے کمبل کھینچ کر منہ پر ڈالا اور سونے کی کوشش کی۔

اچانک اسے کسی کے سسکنے کی آواز سنائی دی۔ آواز میں اتنا کرب تھا کہ کیٹ بے چین ہوکر اٹھ بیٹھی۔

”کون ہے؟ کون رو رہا ہے؟“ کیٹ نے تمام تر ہمت یکجا کرتے ہوئے پوچھا۔

”کیوں کوئی رو رہا ہے یہاں؟“ کیٹ بے چین اور پریشان ہوگئی تھی۔ کچھ لمحوں کی خوفناک خاموشی کے بعد ایک دردناک آواز آئی۔ ”کیٹ میری مدد کرو گی......؟“

کیٹ ایک بہادر لڑکی تھی، مگر یوں تنہائی میں اگر ایک دردناک نسوانی آواز آپ سے مدد طلب کرلے تو کسی کے بھی پسینے نکل سکتے ہیں۔ یہی کیٹ کے ساتھ بھی ہوا۔ وہ خوف کے مارے پسینے میں شرابور تھی کہ دوبارہ آواز آئی۔ ”دیکھو اچھی لڑکی تم مجھ سے ڈرو مت میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گی بس مجھے اس اذیت سے نکالو میری مدد کرو۔ آواز میں بدستور کرب پوشیدہ تھا۔

کیٹ نے خود پر قابو پاتے ہوئے بمشکل کہا۔ ”کون ہو تم کیا چاہتی ہو مجھ سے؟“

جواب میں اسے ایک ہیولہ اپنے نزدیک آتا دکھائی دیا۔ کیٹ سکڑ کر بیٹھ گئی ہیولہ واضح ہوتا گیا اور اس نے ایک لڑکی کی شکل اختیار کرلی۔

وہ ایک عام سی صورت والی سیدھی سادھی لڑکی تھی، جواب کیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ چہرے پر کرب کے تاثرات نمایاں تھے۔ اس نے لبوں کو حرکت دی۔ ”میں کیملا ہوں۔“

کیٹ ایک مرتبہ پھر ڈر گئی۔ ”م......م......مگر تم تو ایک سال پہلے مرگئی تھی ناں؟“

اس پر کیملا ہولے سے مسکرا دی اس کی تو ہنسی میں بھی بے پناہ کرب تھا۔ اس نے اپنی داستان یوں سنائی۔

”میں بھی تمہاری ہی طرح ایک جیتی جاگتی زندہ لڑکی تھی۔ غریب والدین کی بیٹی آنکھوں میں بے شمار خواہشات کے جگنو لئے یہاں تعلیم کے حصول کے لئے آئی تھی۔ مگر ان دونوں نے مجھ سے جینے کا حق چھین لیا۔“ یہ کہتے ہوئے اس ہیولے کے چہرے پر شدید غصے کے تاثرات ابھرے۔

”کس نے تم سے جینے کا حق چھین لیا......؟“

کیٹ نے سوال داغا۔

وہ پھر گویا ہوئی۔ ”اسٹیلا اور کیتھی......! میں جب یہاں نئی نئی آئی تو انہوں نے مجھے خوب تنگ کیا، میں بہت کم بولنے والی لڑکی تھی وہ جو بھی کہتیں چپ چاپ سن لیتی تقریباً ایک ماہ تک میں نے برداشت کیا۔ پھر ایک رات

میری ہمت جواب دے گئی جب اسٹیلا نے میرے بیگ سے میرے ممی پاپا کی تصویر نکال کر اسے پاؤں کے نیچے روندنا شروع کردیا۔ میں نے غصے میں اسے دھمکی دی کہ میں پرنسپل سے اس کی شکایت کروں گی۔ نتیجتاً اسٹیلا نے مجھے دھکا دیا میں بیڈ پر جا گری اس نے اک تکیہ میرے منہ پر رکھ دیا اور اس کام میں کیتھی نے اس کا خوب ساتھ دیا۔ جب اس نے یقین کرلیا کہ میں مرچکی ہوں تو دونوں نے مل کر پنکھے سے میری لعش کو لٹکا دیا تاکہ یہ ایک خودکشی کا کیس معلوم ہو اور دونوں پر کسی کو شک نہ ہو۔“

کیٹ یہ سن کر ہکی بکی رہ گئی اب اسے کیملا پر ترس آرہا تھا وہ بول اٹھی۔ ”کیا اس دوران کسی نے تمہاری مدد نہ کی تم نے چیخنے کی کوشش تو کی ہوگی......؟“

ہیولہ کرب سے مسکرا اٹھا۔ ”یہ رات کا آخری پہر تھا سب خواب خرگوش میں تھے میں پانی پینے باہر نکلی تھی، کیونکہ میرے کمرے میں موجود جگ خالی ہوچکا تھا۔ ان دونوں نے شاید میرے قتل کا منصوبہ پہلے سے ہی بنا رکھا تھا، مجھے پکڑ کر لے آئیں کمرے میں اور یوں یہ سب ہوا۔“ ہیولے نے بتایا۔

کیٹ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ ایک دردناک کہانی تھی جس نے اس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

وہ بول اٹھی۔ ”کیملا میں کس طرح تمہاری مدد کرسکتی ہوں......؟“

ہیولے کے چہرے پر دردناک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ ”مجھے انصاف چاہئے پیاری کیٹ میری موت کے بعد یہ کمرہ بند کردیا تم پہلی لڑکی ہو جو میری موت کے بعد اس کمرے میں رہائش کے لئے آئی ہو۔ یہ الماری دیکھ رہی ہو ناں......؟“ ہیولے نے الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اس الماری میں میری ایک ڈائری موجود ہے، جس میں میں نے اپنے ساتھ ہونے والے تمام واقعات لکھے تھے۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے اسٹیلا اور کیتھی سے جان کا خطرہ ہے، کیونکہ کئی مرتبہ انہوں نے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی تھی۔

پرنسپل صاحبہ کو تو اتنی زحمت نہ ہوئی کہ اس الماری کو کھول کر ایک مرتبہ دیکھ لیں انہوں نے تالا لگا دیا، مگر میں نے اس الماری کو آج تک یہاں سے کسی کو اٹھانے نہیں دیا۔ کیونکہ اس میں میری ڈائری ایک ایسا ثبوت ہے جو مجھے انصاف دلا سکتا ہے۔ تم اس کا پرنسپل صاحبہ کو بتاؤ وہ یہ ڈائری پولیس اسٹیشن میں بھجوائیں جب تک ان دونوں لڑکیوں کو پھانسی نہیں ملتی مجھے سکون نہ ملے گا۔ اگرچہ میں خود انہیں ان کے انجام سے دوچار کرسکتی ہوں، مگر میں یہ معاملہ قانون کے ہاتھ میں دیتی ہوں مجھے انصاف چاہئے۔

کیٹ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں انصاف ضرور ملے گا۔“

”مجھے انتظار رہے گا۔“ یہ کہتے ہوئے ہیولہ غائب ہوگیا۔

اگلے روز کیٹ نے تمام واقعہ پرنسپل صاحبہ کے گوش گزار کردیا۔ پہلے پہل انہوں نے ماننے سے انکار کردیا مگر پھر کیٹ کے اصرار پر تیار ہوگئیں۔ الماری کو کھولا گیا تو واقعی وہاں ڈائری موجود تھی۔ پرنسپل نے اسے فوراً سے پیشتر پولیس اسٹیشن میں بھجوا دیا۔ اور پولیس کے افسران کیتھی اور اسٹیلا کو گرفتار کرکے لے گئے۔

چند روز بعد ہی عدالت نے اسٹیلا اور کیتھی کو ایک مظلوم اور کمزور لڑکی کو ڈرانے اور دھمکانے کے سلسلے میں عمر قید کی سزا سنائی اسی دوران دونوں نے تفتیش کے دوران ہی یہ اعتراف بھی کرلیا کہ انہوں نے کیملا کا قتل کیا تھا، یہ اعتراف کرنے کی دیر تھی کہ عدالت نے دونوں کو پھانسی کی سزا سنادی۔

کیٹ مزے سے اپنے کمرے میں کافی پیتے ہوئے اسائمنٹ تیار کررہی تھی کہ ایک مدھم سی سرگوشی اسے بالکل اپنے کان کے نزدیک سنائی دی۔

”شکریہ پیاری کیٹ آج مجھے انصاف مل گیا۔ میں جا رہی ہوں تمہارا بہت بہت شکریہ۔“ کیٹ اس آواز کو پہچان گئی تھی۔ یہ کیملا ہی تھی جس کی بے چین روح کو اب سکون مل گیا تھا۔ کیٹ ہولے سے مسکرا دی۔

کالا جادو

ملک این اے کاوش۔سرگودھا

اچانک لوگوں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا انسانی وجود سے دھواں نکلنے لگا اور پھر اس دھوئیں نے ایک بندریا کا روپ دھار لیا بندریا بہت اچھل کود کرنے لگی مگر……

خوف و ہراس کے گرداب میں غوطہ زن عجیب و غریب دل کو مبہوت کرتی جادو کی کہانی

پورے جنگل کے جانور ایک کھلے میدان میں اکٹھے تھے۔ سب کی سوالیہ نگاہیں بندروں کے سردار بوڑھے منکو پر ٹکی ہوئی تھیں۔ مسئلہ ہی ایسا تھا کہ کسی کو یقین ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ہوا یوں کہ سردار منکو کی پوتی ایک انسان پر فدا ہو گئی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ اس کی شادی اس انسان سے کی جائے مگر یہ ناممکنات میں سے تھا۔ یہ ایک ناممکن اور قابل حیرت بات تھی۔ یہ بات پورے جنگل میں پلک جھپکتے ہی پھیل گئی تھی۔ جیسے جیسے جانوروں کو پتہ لگا سب اکٹھا ہونا شروع ہو گئے اور جلد ہی جنگل کے وسط میں واقع میدان جانوروں سے بھر گیا۔

سردار منکو اور اس کی فیملی ایک طرف سر جھکائے بیٹھی تھی جبکہ ایک درخت کی شاخ پر ان کی پوتی منہ لٹکائے بیٹھی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بہر صورت اپنی ضد منوانے پر تُلی ہو۔

”سردار کیا یہ بات درست ہے کہ آپ کی پوتی ایک انسان کے عشق میں گم ہے؟“ بلآخر بی لومڑی نے خاموشی کے پھیلے طلسم کو توڑا تو سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔

سردار اور ان کی فیملی نے خجالت بھری آنکھوں سے بی لومڑی کو دیکھا اور سر جھکا لیا جبکہ ان کی پوتی نے ایک سرسری سی نگاہ بی لومڑی پر ڈالی اور منہ موڑ کر بیٹھ گئی۔

”یہ ایک نہایت ہی احمقانہ حرکت ہے سردار آپ کو اپنی پوتی کو سمجھانا چاہئے ایسا کیسے ممکن ہے انسان تو ہمہ وقت ہمیں اپنا غلام بنانے پر تلا ہوا ہے تو شادی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ کیسی حرکت ہے؟“ اب کی بار جنگل کے شہنشاہ راجو شیر نے لقمہ دیا۔

”ہم نے اسے بہت سمجھایا ہے سردار مگر پتہ نہیں اس کی عقل میں بات کیوں نہیں گھس رہی۔“ سردار منکو نے راجو شیر کی بات سن کر جواب دیا۔

”ویسے بھی ایک انسان اور جانور کے ملاپ کا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا۔“ بی لومڑی بولی۔

”کیوں نہیں ہو سکتا۔“ سردار منکو کی پوتی تپ کر بولی اور اس نے پہلی بار رخ جانوروں کی طرف کیا۔

”محبت کسی سے بھی ہو سکتی ہے اور ویسے بھی ہمارے اور انسانوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ ہماری ان کی شکلوں میں بھی زیادہ فرق نہیں ہے۔“ فرق صرف سوچ کا ہے۔“

سردار منکو کی پوتی کی بات سن کر سب ورطۂ حیرت میں مبتلا رہ گئے۔

”دیکھو بیٹی بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ جو بات ممکن ہی نہ ہو اس پر وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بھلا

خود ہی بتاؤ کیا یہ انسان ہماری زبان کو سمجھ سکتے ہیں؟“ کمنا ہاتھی نے اب کی بار اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”کیا تم ان کی زبان بول پاؤ گی……؟“ گینڈے نے سوال کیا۔

کتنی ہی دیر بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہا لیکن مجال ہے سردار منکو سردار کی پوتی کے کانوں پر جوں تک رینگ جاتی وہ متواتر بضد رہی۔ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے بلآخر سارے جانور اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف چل دیئے۔

”حد ہوتی ہے ہٹ دھرمی کی۔“ سردار منکو نے اپنی پوتی کو کھا جانے والی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں مر جاؤں گی مگر شادی اسے ہی کروں گی۔“ سردار منکو کی پوتی نے بدستور اپنی ضد پر اڑتے ہوئے کہا۔

اس وقت سردار منکو اپنی فیملی کے ساتھ موجود تھا ساری فیملی اسے سمجھا رہی تھی مگر وہ متواتر بضد تھی۔

”کیسے کرو گی شادی اس سے۔“ سردار منکو نے پوچھا۔

”یہ باؤلی ہو گئی ہے۔ میں اسے کیسے سمجھاؤں؟“ سردار منکو کی بہو بولی۔

”میرے پاس اس کا حل ہے۔“ اچانک انہیں بی لومڑی کی آواز سنائی دی تو سب نے چونک کر اسے دیکھا۔ خاص کر سردار منکو کی پوتی تو اچھل کر سیدھی اس کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

”جلدی بتاؤ۔“ سردار منکو کی پوتی نے بے تابی سے کہا۔

”اس جنگل کے آخری کنارے پر ایک آدمی رہتا ہے۔ وہ وہاں ایک جھونپڑے میں رہتا ہے وہ ہر جانور کی بولی سمجھتا ہے وہ بہت طاقتور ہے وہ اڑ بھی سکتا ہے نجانے کیسے کیسے کمالات ہیں اس میں۔ بیان سے باہر ہے مجھے مکمل یقین ہے کہ وہ تمہارے کام آ سکتا ہے۔“ بی لومڑی نے رال ٹپکاتے ہوئے کہا۔

”تم اسے کیسے جانتی ہو بی لومڑی۔“ سردار منکو نے پوچھا۔

”سردار میرا کام ہی کیا ہے سارے جنگل کی خبر رکھنا۔ شروع میں اسے وہاں دیکھ کر میری حیرت ہویدا ہو گئی پھر میں نے اس کی کھوج شروع کی مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ بند جھونپڑی کے اندر بیٹھ کر میری حرکات و سکنات سے آگاہ ہے۔ آخر ایک دن اس نے مجھ سے میری زبان میں بات کی اور پھر میں روزانہ اس کے پاس جانے لگی۔ اب تو میری اس کے ساتھ اچھی خاصی دوستی ہو گئی ہے۔“ بی

لومڑی نے تفصیل سے بتایا۔

"ہمیں بھی لے چلو اس کے پاس۔" سردار منکو کی پوتی نے کہا۔

یوں سب بی لومڑی کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور جلد ہی وہ اس جھونپڑی کے سامنے تھے جس کے اندر وہ شخص رہتا تھا جس کے بارے میں بی لومڑی نے بتایا تھا۔

"اندر آ جاؤ۔" یکدم ان کی سماعت سے ایک زوردار مردانہ آواز ٹکرائی تو سب چونک اٹھے۔

"میں نہ کہتی تھی کہ یہ بہت علم والا انسان ہے۔" بی لومڑی نے شانے اچکاتے ہوئے کہا تو سب بہت متاثر ہوئے یکے بعد دیگرے سب اندر داخل ہو گئے۔

انہوں نے دیکھا کہ اس کوٹھڑی میں اندر ایک نہایت ہی بدصورت اور بھدی شکل کا کالے رنگ کا ہٹا کٹا انسان بیٹھا تھا۔ اس کی شکل سے معلوم ہو رہا تھا کہ ایک لمبے سے عرصے وہ شاید پانی کے نزدیک نہیں گیا تھا۔ اس کے سر اور داڑھی بڑھی ہوئی، بالوں میں گرد جمی ہوئی تھی۔ اس کے اشارے پر سب زمین پر بچھی گھاس پھونس پر بیٹھ گئے۔

"ہم ایک ضروری کام کے سلسلے میں آئے ہیں۔ معاملہ کافی حیرت انگیز اور ناقابل یقین ہے مگر آپ کے پاس بہت امید سے آئے ہیں کہ آپ ہماری مدد کریں گے۔" بی لومڑی نے آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

"میں سب جانتا ہوں، میرے علم نے مجھے پہلے ہی آگاہ کر دیا ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"کیا واقعی آپ کے پاس اتنا علم ہے......؟" سردار منکو نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے پوچھا۔

"آپ نے ابھی تک دیکھا ہی کیا ہے سردار منکو۔" اس شخص نے سردار منکو کو اس کے نام سے مخاطب کیا تو سب چونک اٹھے۔

"میں تو آپ کی پشتوں تک کے بارے میں بتا سکتا ہوں آپ کے دادا پردادا کے بارے میں بتا سکتا ہوں، آپ کو ناریل کا پانی اور کھانے میں سیب زیادہ پسند ہے۔ جنگل کے شہنشاہ راجو شیر سے آپ کی بہت بنتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے آج تک آپ کے خاندان کا شکار نہیں کیا۔"

اس شخص نے جب اتنا کچھ بتایا تو واقعی ان کی حیرت دوگنا ہو گئی۔

"ہم آپ کے گرویدہ ہو گئے ہیں مہاراج۔" سردار منکو نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک کر کہا۔

"آپ لوگوں کو میں مایوس نہیں لوٹاؤں گا مگر اس معاملے میں اتنا کہوں گا کہ یہ کام ناممکن نہیں ہے مگر تھوڑا مشکل ہے۔" اس شخص نے کہا۔

"میں ہر مشکل سے نمٹنے کے لئے تیار ہوں مہاراج۔" سردار منکو کی پوتی گویا ہوئی۔

"لگتا ہے تمہیں وہ زیادہ پسند آ گیا ہے مگر ایک بات ذہن نشین کر لو کہ انسان وفادار نہیں ہوتے۔" اس شخص نے کہا۔

"مہاراج محبت بانٹنے سے بڑھتی ہے مجھے کامل یقین ہے کہ وہ میری محبت کا اقرار ضرور کرے گا۔" سردار منکو کی پوتی بولی۔

"یہ مورکھ ہے مہاراج حقیقت کو پس پشت ڈال کر سرابوں کے پیچھے دوڑ رہی ہے۔" سردار منکو بولا۔

"محبت گمراہی کا دوسرا نام ہے۔ انسان اپنی ذلت کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ ظاہری حسن و جمال کے پیچھے لگ کر وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ وقت کے ساتھ یہ سب کچھ مٹی میں مل جائے گا۔ لیکن عشق انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتا ہے مگر ایک جانور کے دل میں ایک انسان کے لئے پیدا ہونے والا یہ عشق واقعی میری سمجھ سے بھی بالاتر ہے۔ مگر میں اس کے خلاف نہیں ہوں۔ اس لئے اپنی طرف سے سرتوڑ کوشش کروں گا کہ ان دلوں کا ملاپ ہو جائے۔" اس شخص نے کہا۔

"ناممکن کچھ بھی نہیں ہو سکتا بس اسے کر سکنے کی جسارت ہونی چاہئے۔" وہ شخص بولا۔

"معذرت چاہتا ہوں مہاراج آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔" سردار منکو بولا۔

"مہیش پرتاب۔" اس شخص نے مختصر سا جواب دیا۔

"مہاراج آپ ایسا کیا کریں گے کہ یہ سب کچھ ممکن ہو جائے گا۔" سردار منکو نے پوچھا۔

"میں اسے انسانی روپ دلاؤں گا اپنے علم سے اور اسے اتنا خوب صورت بناؤں گا کہ دنیا دنگ رہ جائے گی۔ پھر ان دلوں کا ملاپ بآسانی ہوگا۔" مہیش پرتاب نے جواب دیا۔

"یہ کیسے ممکن ہے مہاراج کیا یہ بندریا انسان کے روپ میں تبدیل ہو جائے گی۔" بی لومڑی نے حیرت سے پوچھا۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی ضد کی وجہ سے ہم اسے کھوندیں۔" سردار منکو کی بہو بولی۔

"کچھ بھی نہیں ہوگا آپ کی بیٹی کو، بھروسہ رکھو مجھ پر۔" مہیش پرتاب نے کہا۔

"مگر مہاراج۔" بی لومڑی نے بولنا چاہا مگر مہیش پرتاب کے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کروا دیا۔

"اب جب مجھ پر بھروسہ رکھ کر آئے ہو تو سوالات کا سلسلہ ختم کرو۔ تم لوگ جاؤ اور اسے یہیں چھوڑ جاؤ بہت جلد میں تم لوگوں کو خوشخبری سنانے والا ہوں۔" مہیش پرتاب نے اکتا کر کہا تو سردار منکو کی پوتی کو وہیں چھوڑ کر سب رفتہ رفتہ وہاں سے چلے گئے۔

☆......☆......☆

"میری بات کو غور سے سن لو تمہیں ایک ایسی عورت کا جسم لانا ہے جسے مرے چند گھنٹے ہوئے ہوں یا پھر اگر تم ایک زندہ عورت کو لے آؤ تو میں تم سے بہت زیادہ خوش ہو جاؤں گا۔ جتنا مجھے خوش رکھو گی اتنی تمہارے لئے آسانیاں پیدا ہوتی جائیں گی۔" مہیش پرتاب نے سردار منکو کی پوتی سے کہا۔

"مہاراج میں کسی عورت کو کیسے دلا سکتی ہوں کیا آپ کوئی اس کا حل بتا سکتے ہیں؟" سردار منکو کی پوتی نے پوچھا۔

"ہاں میں تمہارے جسم پر ایک خوشبو لگاؤں گا۔ جس شخص کے نتھنوں سے بھی وہ خوشبو ٹکرائی وہ مدہوش ہو کر تمہارے پیچھے چل پڑے گا لہٰذا احتیاط کرنا اور جتنی خوب صورت اور جوان لڑکی لے کر آؤ گی اتنا تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ یہی نہیں کوشش کرنا کہ وہ لڑکی تمہارے مطلوبہ شخص کے محلے یا آس پاس سے ہو۔" مہیش پرتاب نے کہا۔

"بہت شکریہ مہاراج میں ہر ممکن کوشش کروں گی۔" سردار منکو کی پوتی نے کہا۔

پھر مہیش پرتاب نے اس بندریا کے جسم کے بعض حصوں پر خوشبو چھڑکی۔ اس خوشبو کے چھڑکتے ہی پوری جھونپڑی میں خوشبو پھیل گئی۔

"جاؤ اور دن کے اجالے میں اپنا شکار ڈھونڈ کر لاؤ۔ رات کی تاریکی میں صرف مرد ملیں گے تمہیں۔" مہیش پرتاب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو سردار منکو کی پوتی اس کا شکریہ ادا کرتی ہوئی وہاں سے کھسک گئی اس کے جانے کے بعد مہیش پرتاب اپنی جھونپڑی میں رکھے بت کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا اور نجانے کس زبان میں کوئی منتر پڑھنے لگا۔

دوسری طرف سردار منکو کی پوتی اچھلتی کودتی درختوں کی شاخوں پر جھولتی جنگل کے اس طرف پہنچ گئی جہاں سے وہ محلہ سامنے تھا جس میں اس نے پہلی بار اپنے محبوب کو دیکھا تھا۔ ایک اونچے درخت کی شاخ پر بیٹھ کر وہ سامنے دیکھنے لگی۔ کتنی ہی نوجوان لڑکیاں اور عورتیں وہاں سے گزریں مگر وہ اسے نہ بھائی۔ تب ہی اس کی نگاہ ایک نوجوان لڑکی پر گئی وہ اسٹوڈنٹ تھی جو کتابوں کو سینے سے چپکائے گزر رہی تھی۔ نہ صرف وہ بے حد حسین و جمیل تھی بلکہ اس کے چہرے پر معصومیت بھی پھیلی ہوئی تھی، نجانے کیوں وہ لڑکی اسے بہت اچھی لگی۔ وہ بڑے ہی لمبے وہ اچھلتے کودتے ہوئے اس لڑکی کے پاس سے گزر کر واپسی کے لئے مڑی تو یہ دیکھ کر گنگ رہ گئی کہ وہ لڑکی حیرت انگیز طور پر اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ جیسے اس کی تابع فرمان ہو اور اس کے حکم پر اپنا سر تن سے جدا کرنے سے بھی گریز نہ کرے گی۔ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن سردار منکو کی پوتی آگے آگے چل رہی تھی جبکہ وہ لڑکی نیم مدہوشی کے عالم میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ سردار منکو کی پوتی بار بار مڑ کر دیکھتی کہ کہیں لڑکی مڑ تو نہیں گئی مگر اسے اپنے پیچھے آتا دیکھ کر مطمئن ہو جاتی۔

جلد ہی دونوں مہیش پرتاب کے جھونپڑے کے باہر

پہنچ گئیں۔اشارہ پاتے ہی سردار منکو کی پوتی اندر داخل ہوئی تو اس کے پیچھے پیچھے وہ لڑکی بھی اندر داخل ہوگئی۔مہیش پرتاب نے سرتاپا بغور اس لڑکی کو دیکھا۔

"لیٹ جاؤ دہاں۔" مہیش پرتاب نے لڑکی کو حکم دیتے ہوئے کہا تو لڑکی اپنی کتابیں اسی طرح سینے سے چپکائے گھاس پھوس پر لیٹ گئی پھر مہیش پرتاب نے سردار منکو کی پوتی کو مخاطب کیا۔"لاجواب نگینہ ڈھونڈ کر لائی ہو۔"

"میں چاہتی ہوں کہ میں اتنی خوب صورت نظر آؤں کہ میرا محبوب پہلی نظر مجھے دیکھتے ساتھ ہی مجھ پر فدا ہوجائے۔" سردار منکو کی پوتی نے کہا تو مہیش پرتاب نے دل کھول کر فضا میں قہقہہ بلند کیا۔

"اچھی سوچ ہے۔" مہیش پرتاب بولا۔

"اب جیسا میں کہتا ہوں ویسا کرتی جانا۔اس حسینہ کی روح کو ہمیشہ کے لئے سلا کے میں تمہاری روح کو بھی اس کے جسم میں داخل کرنے لگا ہوں۔اس کے ساتھ لیٹ جاؤ اور جب تک میں نہ کہوں آنکھیں بند رکھنا۔"

حکم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے سردار منکو کی پوتی اس حسینہ کے ساتھ لیٹ گئی اور اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں تھوڑی دیر مہیش پرتاب ان کے سامنے بیٹھ کر آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کرکے کوئی منتر پڑھتا رہا۔پھر اس نے قریب ہی پڑی کسی جانور کی کھوپڑی کو اٹھایا اور اس میں کچھ اشیاء کو یکجا ڈال کر اسے سلگایا تو کھوپڑی سے دھواں نکلنے لگا اور وہ دھواں سردار منکو کی پوتی اور اس حسینہ کے ناک کے راستے ان کے جسم کے اندر داخل ہونے لگا۔

پھر اچانک وہ دھواں ختم ہوگیا اور دھوئیں کی جگہ آگ نے لے لی مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ آگ کھوپڑی کو نقصان نہیں پہنچا رہی تھی۔تھوڑی دیر بعد وہ آگ ماند پڑگئی اور راکھ بچ گئی۔مہیش پرتاب نے وہ راکھ سردار منکو کی پوتی کی چھاتی پر پھینکی تو دوسرے ہی لمحے اسے ایک زوردار جھٹکا لگا اور تب ہی سردار منکو کی پوتی کی ناک سے دھواں نکل کر اس لڑکی کی ناک کے راستے اس کے جسم میں داخل ہونے لگا۔تھوڑی دیر تک یہ عمل جاری رہا اور پھر دھواں ختم ہوگیا۔

"اپنی آنکھیں کھولو اور اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔" مہیش پرتاب بولا تو یکدم لڑکی کے جسم میں جنبش پیدا ہوگئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اپنے سامنے لیٹی بندریا کو دیکھ کر اس نے آنکھیں پھاڑ کر پہلے بندریا اور پھر مہیش پرتاب کو دیکھا۔

"تمہیں مبارک ہو تمہاری کامیابی کا وقت شروع ہوگیا ہے۔" مہیش پرتاب زیر لب مسکراتا ہوا بولا۔

"مہاراج آپ کا یہ احسان میں کبھی فراموش نہیں کرپاؤں گی۔" سردار منکو کی پوتی بولی۔اب کی بار لڑکی کے جسم میں داخل ہونے کے بعد وہ انسانی زبان میں بات کررہی تھی۔

"تمہیں ہر وقت بہت احتیاط کرنی ہوگی۔" مہیش پرتاب بولا۔

"سب سے پہلی بات مسلمانوں سے دور رہنا۔اس لڑکی کا تعلق مسلم گھرانے سے ہے۔ان کی تہذیب وثقافت اور طور طریقوں کو اپنانے سے گریز کرنا۔ان کی مقدس کتاب کو تو بالکل چھونے کی غلطی بھی مت کرنا۔نورانی تعویذ دھاگوں اور دم ودرود سے بچ کر رہنا۔تمہارا محبوب بھی مسلمان ہے یاد رکھنا ان باتوں کو کسی طور پر بھی بھولنا مت ورنہ تمہاری روح اس کے جسم سے نکل کر واپس تمہارے اسی جسم میں آجائے گی اور اس کی سوئی روح جاگ اٹھے گی۔"

"ایسا کسی صورت نہیں ہوگا۔" سردار منکو کی پوتی بولی اور اپنے اصل دھڑ کو اٹھا کر کھینچتی ہوئی باہر نکل گئی۔باہر نکلتے وقت اس نے ماچس بھی اٹھالی تھی۔

لکڑیوں کے چھوٹے بڑے ٹکڑوں اور گھاس پھوس کو اپنے دھڑ پر پھینک کر اس نے آگ لگائی تو آگ نے پلک جھپکتے میں اس کے جسم کو ہی جلانا شروع کردیا پھر وہ ہاتھ جھاڑتی ہوئی دوبارہ واپس مہیش پرتاب کے جھونپڑے میں داخل ہوگئی۔

"ارے او مورکھ یہ کیا کردیا ہے تم نے......؟" مہیش پرتاب نے ناگواری کے عالم میں کہا۔

"اگر اب تمہاری روح کسی وجہ سے اس کے جسم سے نکل کر گئی تو بتاؤ کہاں جائے گی وہ؟ جب اسے اس کا

مطلوبہ جسم نہیں ملے گا تو وہ سیدھی نرک (جہنم) میں جائے گی۔"

"مہاراج ایسا کبھی نہیں ہوگا،میں اس کا جسم کبھی نہیں چھوڑوں گی۔بلکہ مجھے آپ سے بہت کچھ سیکھ کر آپ جیسا ہی بننا ہے۔مجھے شکتی شالی بننا ہے تاکہ میں دنیا پر راج کرسکوں۔" سردار منکو کی پوتی سہانے خواب کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"شیطان دیوتا کبھی بھی اپنے پجاریوں کی حوصلہ شکنی نہیں کرتے۔" مہیش پرتاب بولا۔

"جتنا شیطان دیوتا کو راضی رکھوگی اتنا ہی تمہارے لئے بہتر ہوگا۔میں تمہیں عملیات بتاتا رہوں گا بس تمہیں محنت کرنی ہے۔"

"ایسا ہی ہوگا مہاراج۔" سردار منکو کی پوتی بولی۔

"قبل اس کے کہ اس لڑکی کے اہل وعیال اس کی تلاش شروع کریں تم فوراً وہاں پہنچو اس کے گھر جاؤ۔ سب کا رویہ دیکھو اور سب باتوں پر توجہ دو۔جس کام کی یا بات کی سمجھ تمہیں نہ آئے دماغ کی صلاحیتوں سے کام لینا فوراً سمجھ آجائے گی۔یا مجھے پکارنا میں غائبانہ تمہاری مدد کروں گا جاؤ فوراً جاؤ۔" مہیش پرتاب نے تحکمانہ انداز میں کہا تو سردار منکو کی پوتی کتابیں سینے سے لگائے جھونپڑے سے باہر نکلی۔

اس کے اپنے جسم کی جلی سڑی بچی راکھ کو نا گوار نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔

"ہوں یہ بھی کوئی زندگی ہے اصل زندگی تو انسانوں کی بستی میں آ رہا ہے۔"

اپنے آپ میں بڑبڑاتی سردار منکو کی پوتی جیسے ہی جنگل سے باہر نکلی سامنے سے اسے ایک بھاری بھرکم عورت آتی دکھائی دی۔جس کی پیشانی عرق آلود تھی۔اس عورت نے جیسے ہی اسے دیکھا لپک کر اس کے قریب آگئی۔

"رجو بیٹا کہاں چلی گئی تھی تو جانتی ہے میں کتنی پریشان ہوگئی تھی۔" اس عورت نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"کب کی چھٹی ہوگئی تھی۔تیرے ابو اور بھائیوں کے آنے کا وقت بھی ہورہا ہے۔میرے تو قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔آس پڑوس سے بھی پتہ کیا تو تمہاری ایک سہیلی نے بتایا کہ تم کسی بندریا کے پیچھے جنگل میں جاتی ہوئی دکھائی دی تھی تو میں فوراً ادھر آگئی شکر ہے تم مل گئی۔"

مہیش پرتاب کی غائبانہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اسے پتہ چلا کہ سامنے کھڑی عورت اس لڑکی کی ماں ہے جسے وہ جو سمجھ کر پکارا گیا تھا وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔

"ماں وہ بہت خوب صورت بندریا تھی۔" رجو عرف سردار منکو کی پوتی بولی۔

"نجانے کیوں وہ مجھے بہت اچھی لگی اور میں اس کے پیچھے بھاگی مگر وہ اچھلتی کودتی نجانے کہاں کی کہاں غائب ہوگئی تو میں واپس آگئی۔"

"یہ تمہارا بچپنا نہیں ہے بیٹا۔" اس کی ماں بولی۔

"اب تم عاقل و بالغ ہو ہر اچھے برے کی پہچان رکھتی ہو۔ہم لوگ عزت دار ہیں معاشرے میں ہمارا ایک مقام ہے۔اللہ نہ کرے تمہارے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہوجاتی تو ہم لوگ کسی کو منہ دکھانے کے قابل کہاں رہتے؟"

"ماں تو ٹینشن نہ لیا کر ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" رجو نے ماں کو یقین دہانی کرواتے ہوئے کہا۔

"بس تجھے جو کہا ہے ناں اس پر عمل کیا کر۔" رجو کی ماں نے اس کے سامنے کھانا رکھتے ہوئے کہا تو وہ جواباً مسکراتے ہوئے کھانا کھانے لگی۔رجو کی ماں اسے بغور دیکھنے لگی،کیونکہ اس کی رجو تو بات بات پر چڑنے والی،غصے میں آکر برتن اور ہاتھ میں آنے والی ہر چیز کی تباہی کرنے والی تھی۔ماں باپ اور بھائیوں کی لاڈلی ہونے کی وجہ سے وہ کافی چڑچڑی اور غصے والی تھی لیکن آج اس کے اس نئے روپ نے جہاں ماں کو حیرت میں مبتلا کردیا تھا وہیں خوش بھی کردیا تھا۔

☆......☆......☆

اس کا اصل نام رضیہ تھا مگر بچپن سے ہی سب نے اسے محبت سے رجو کہہ کر پکارنا شروع کردیا تھا۔جس کی وجہ سے اس کا یہ نام پکا ہوگیا تھا۔رجو نویں کلاس کی طالبہ تھی رجو کو شروع سے ہی تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔چنانچہ

اس کی ہر خواہش کو سرآنکھوں پر لیا جاتا تھا تو اس نے جب متواتر پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو بلا چوں چراں کئے سب نے اسے اجازت دے دی۔

لڑکوں اور لڑکیوں کے اسکول اتفاق سے آمنے سامنے تھے۔ قرب وجوار کے دیہاتوں سے بھی طلبہ وطالبات ان مدارس میں زیر تعلیم تھے۔ رجو کی تین سہیلیاں تھیں جو دیہات سے آتی تھیں اور اس کی محلے دار تھی۔ وہ رانی اور عفت تھیں جبکہ اس کی محلے دار کا نام ثنا تھا۔ چاروں ایک ہی کلاس میں پڑھتی تھی۔

ان کے اسکول کے سامنے والے اسکول میں رجو کا محلے دار گل مراد پڑھتا تھا۔ گل مراد بچپن سے ہی رجو پر بہت فدا تھا مگر رجو اسے گھاس تک نہ ڈالتی تھی۔ بات یہ نہیں تھی کہ وہ اس سے نفرت کرتی تھی بلکہ گل مراد دل موہ لینے والی شکل وصورت اور سیرت کا مالک تھا۔ بس رجو کو دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اگر اس کے گھر والوں میں سے کسی کو بھنک بھی پڑ گئی تو وہ تہلکہ برپا کردیں گے اور اس کے اسکول جانے پر پابندی عائد کردی جائے گی مگر وہ بہر صورت تعلیم مکمل کرنا چاہتی تھی۔

مگر آج سب کچھ پہلے کی نسبت الٹا ہوا۔ گل مراد چھٹی کے بعد اپنے اسکول کے ساتھ ایک طرف کھڑا تھا۔ جب رجو کے اسکول میں چھٹی کی گھنٹی بجی اور رجو ثناء کے ساتھ باہر نکلی تو گل مراد پر نظر پڑتے ہی رجو کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ جلوہ گر ہوگئی۔ گل مراد بھی جواباً مسکرایا تو رجو نے ہاتھ ہلا کر اسے سلام کیا تو گل مراد حیران رہ گیا کل تک اسے گھاس نہ ڈالنے والی رجو آج اسے اس قدر اپنائیت سے دیکھ کر مسکرائی تھی اور سلام دے رہی تھی۔ وہ خوشی سے باغ باغ ہوگیا اور ان کے پیچھے پیچھے گھر کی طرف چل پڑا۔

''کیا تو پاگل تو نہیں ہوگئی رجو؟'' ثناء نے حیرت سے پوچھا۔

''کیوں کیا ہوا......؟'' رجو نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آج تک تو جسے گھاس تک نہیں ڈالتی تھی آج اسے اسلام کہہ رہی ہو۔'' ثناء بولی۔

''میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں، میری محبت کی انتہا کا تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتی۔'' رجو نے جواب دیا۔

''بڑی مسینی نکلی ہے تو۔'' ثناء نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ویسے افسوس کی بات ہے کہ تم نے یہ بات مجھ سے چھپائے رکھی۔'' ثناء نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

''اگر تم سے چھپائی ہوئی تو تم پر کبھی بھی یہ راز فاش نہ کرتی یقین مانو آج پہلی بار اسے لفٹ دی ہے۔ دیکھو تو جیسے شہد کی مکھی مٹھاس کے پیچھے پڑ جاتی ہے یہ بھی کھینچا چلا آرہا ہے۔'' رجو نے جواب دیا تو ثناء نے بھنوئیں اچکاتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو گل مراد واقعی کے ان کے پیچھے تھا۔

دونوں اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئیں۔ دوسری طرف گل مراد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ گل مراد اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اس کا تعلق کھاتے پیتے اور عزت دار گھرانے سے تھا۔ اس کی ماں اور باپ دونوں گورنمنٹ جاب کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس وراثت میں ملنے والی ڈیڑھ مربع زمین بھی تھی۔ دوسری طرف رجو کا تعلق ایک مڈل طبقے سے تھا گل مراد خوابوں خیالوں میں رجو کو اپنی ہونے والی بیوی تسلیم کرچکا تھا اتفاق کی بات ہے کہ اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کو ایک بار مسکرا کر دیکھ لے تو نجانے وہ لڑکا پلک جھپکنے میں کتنے خواب بن لیتا ہے۔

☆......☆......☆

رات کا نجانے وہ کون سا پہر تھا۔ تاریکی نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ رجو جو خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی یکبارگی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے جھنجوڑ کر اٹھایا ہو۔ آنکھ کھلتے ساتھ ہی اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ دائیں طرف رجو کے ماں باپ جبکہ دائیں طرف اس کے دونوں بھائی (سعید اور اقبال) گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

''گہری اور سو کہ بھول تو نہیں گئی اپنا آپ۔'' اچانک اس کی سماعت سے مہیش پرتاب کے الفاظ ٹکرائے تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی اسے لگا کہ شاید وہ یہیں

موجود ہے۔ نجانے کیوں پہلی بار اسے مہیش پرتاب سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

''ادھر ادھر کیا دیکھ رہی ہو میری بات کو غور سے سن لوکل اسکول جانے کی بجائے تمہیں میرے پاس آنا ہے اور ہاں اب تم انسانوں کی بستی میں رہتی ہوں۔ تمہاری سہیلیاں بھی بن گئی ہیں ایک اچھا سا شکار لے کر آنا کل سے تمہارے کڑے امتحانوں کی ابتدا ہے۔''

''ج......جی مہاراج۔'' وہ دل ہی دل میں گویا ہوئی۔

''چل اب سو جا۔'' دوبارہ مہیش پرتاب کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تو وہ چارپائی پر لیٹ گئی مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی۔ خوف کی ایک سرد لہر اس کے رگ وپے میں سرایت کرچکی تھی۔

☆......☆......☆

مہیش پرتاب شیطان کے بت کے سامنے سجدہ ریز تھا۔ اس کے کہنے پر رجو عرف سردار منکو کی پوتی بھی شیطان کے بت کے سامنے سجدے میں گر گئی۔ وہ اپنے ساتھ دھوکے سے ایک نوجوان کو لائی تھی۔ اسکول جانے کی بجائے وہ جنگل میں مہیش پرتاب کے پاس آ گئی تھی۔ آتے وقت اس نے وہاں سے گزرتے ایک نوجوان کو اشارہ کرکے اپنے پیچھے آنے کا کہا تو ہوس کا مارا وہ شیطانی جال میں پھنس کر اس کے پیچھے ہولیا۔ مہیش پرتاب کی جھونپڑی میں داخل ہوتے ساتھ ہی اس نوجوان کی دماغی صلاحیتوں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ مہیش پرتاب نے اس کے دماغ کو ہپناٹائز کرکے اپنے قابو میں کرلیا تھا۔ کتنی ہی دیر تک وہ شیطان کے بت کے سامنے سجدہ ریز رہے اور مہیش پرتاب متواتر کوئی منتر الاپ رہا۔ پھر پہلے مہیش پرتاب نے سجدے سے سر اٹھایا اور پھر اسکے کہنے پر رجو اور اس نوجوان نے سر اٹھایا۔

''ہمیں اس نوجوان کے خون سے شیطان دیوتا کو غسل دینا ہے۔'' مہیش پرتاب نے رجو کو بتایا۔

''مگر یہ......؟'' رجو نے سوالیہ انداز میں اس نوجوان کو دیکھتے ہوئے فقرہ ادھورا چھوڑا۔

''میں نے اس کی دماغی صلاحیتوں کو سلا دیا ہے۔'' مہیش پرتاب نے بتایا۔

''یہ اب میرے حکم کے تابع ہے۔ میں اسے تمہارے ہاتھوں سے ذبح کرواؤں گا اور پھر تم نے ہی شیطان دیوتا کو اس کے خون سے غسل دینا ہے۔ بدلے میں شیطان دیوتا تمہیں شکتیوں سے نوازیں گے ابھی تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے خود کو مضبوط کرنے کے لئے تمہیں کالی شکتیوں پر عبور حاصل کرنا ہے۔''

رجو غور سے مہیش پرتاب کی باتیں سن رہی تھی پھر مہیش پرتاب نے اس نوجوان کو رجو کے ہاتھوں ذبح کروا کے اس کا سارا خون ایک بڑی بالٹی میں بھر لیا اور اس سے رجو نے شیطان کے بت کو غسل دیا۔ جیسے وہ غسل دے کر فارغ ہوئی شیطان کے بت کی بے نور آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور دونوں اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔

''تمہاری اس خدمت سے ہم خوش ہوگئے ہیں۔'' بت کے بے جان لبوں میں جنبش ہوئی تو دونوں سجدوں سے اٹھ بیٹھے۔

اس کے بعد کتنی ہی دیر تک رجو وہیں پر موجود رہی۔ اس دوران مہیش پرتاب نے اسے ایک منتر سکھایا اور کہا کہ مسلسل اکیس دن اسے یہ عمل کرنا ہے اس کے لئے کسی حصار کی کوئی ضرورت نہیں مگر ان اکیس دنوں کے اندر اسے انسانی خون سے غسل کرنا تھا۔ اور دوران غسل اسے یہ منتر پڑھنا تھا اس عمل کے نتیجے میں اسے شیطانی طاقتیں ملنی تھیں۔

چھٹی سے کچھ دیر قبل وہ سیدھا اسکول پہنچی۔ مہیش پرتاب کے بتائے گئے عمل کو وہ مسلسل کرتے ہوئے اپنی کلاس میں پہنچ گئی۔ اس کی عدم موجودگی میں کسی نے کوئی نوٹس ہی نہ لیا۔ دوسری طرف اس نے تہیہ کرلیا کہ اب وہ گل مراد سے اپنے دل کی بات کہے گی۔ چھٹی ہوتے ہی وہ ثناء کے ساتھ جیسے ہی گیٹ سے باہر نکلی۔ گول گپوں کی ریڑھی کے پاس انہیں گل مراد کھڑا دکھائی دیا تو وہ ثناء کا ہاتھ پکڑے اس طرف چل پڑی۔

''تم کیا کرنے لگی ہو؟'' ثناء نے ناسمجھی کے عالم

میں پوچھا۔

"میں آج گل مراد سے اظہار محبت کرنا چاہتی ہوں۔" رجو نے جواب دیا۔

"اب زیادہ بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں ہے ہر وقت سوالات کی بوچھاڑ کئے رکھتی ہو یار۔"

"تم پاگل تو نہیں ہوگئی کیا؟" رجو کی بات سن کر شناء نے مارے حیرت کے کہا۔

"پیچ چورا ہے کیا طریقہ ہے اظہار محبت کا ہر آنے جانے والا ہمیں دیکھ رہا ہے طلبہ وطالبات اور لوگوں کا جم غفیر لگا ہوا ہے۔ تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

شناء کی بات سن کر رجو رک گئی اور اسے کھا جانے والی آنکھوں سے گھورا۔ "میں وہ رجو نہیں ہوں جسے تم جانتی ہو بلکہ میں وہ رجو ہوں جسے تم نہیں جانتی اور نہ ہی کبھی جان پاؤ گی۔" اتنا کہہ کر اس نے شناء کا ہاتھ چھوڑ دیا اور سیدھا گل مراد کے پاس جا پہنچی۔

شناء کو اس سے اس برتاؤ کی امید نہ تھی اسے بہت دکھ ہوا لیکن وہ رجو کو سگی بہنوں کی طرح چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے رجو کی بات کو آئی گئی کر دیا۔ دوسری طرف رجو سیدھی گل مراد کے پاس پہنچی درجنوں افراد تھے مگر کسی کی بھی پرواہ کئے بنا اس نے جا کر گل مراد کو دل کی بات کہی تو وہاں موجود لڑکوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور وہیں ایک ایسا مسئلہ پیش آیا جس نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ رش زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک موٹر سائیکل سوار موٹر سائیکل پر قابو نہ پا سکا اور سیدھا جا کر اسکول کی دیوار سے ٹکرایا اس کو کافی چوٹیں لگیں اور لہو بہنے لگا۔

خون پر نگاہ پڑتے ساتھ ہی رجو کی حالت غیر ہونا شروع ہوگئی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سیدھی بھاگتی ہوئی اس لڑکے کے پاس پہنچی اور سب کے سامنے اسے بالوں سے پکڑ کر سیدھا کر کے اس کے زخموں سے رسنے والا لہو چاٹنے لگی۔ اس کی پیاس کی شدت بڑھی تو اس نے اس لڑکے کی شہ رگ کو بھنبھوڑ ڈالا اور بڑے بڑے خون کے گھونٹ بھرنے لگی۔ اس کے اس نئے روپ نے سب کی رگوں میں بہتے خون کو منجمد کر کے رکھ دیا۔

وہ لڑکا تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا پڑ گیا۔ رجو منہ سر دوپٹے کے پلو سے صاف کرتی ہوئی اٹھی اور اطراف میں موجود ہر کس وناکس کو حیرت میں مبتلا دیکھ کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئی کھیت۔

اسے پولیس نے حراست میں لے لیا اور حوالات میں بند کر دیا اس واقعہ کا علم اس کی فیملی کو ہوا تو سب کے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی۔ تھانے انہیں کسی نے بھی ان کی بیٹی سے ملنے نہ دیا حیرت وپریشانی کے مارے ان کی نیند وسکون حرام ہو کر رہ گئے تھے۔ ہر شخص انہیں لعن طعن کرنے لگا تھا۔

دوسری طرف رجو نے دماغی صلاحیتوں سے کام لیا اور مہیش پرتاب سے رابطہ کیا۔

"بے وقوف لوگوں کی بھیڑ میں تم نے ایک انسان کو بھیڑیوں کی طرح مار کر اس کا خون پیا۔" مہیش پرتاب کی غصے سے بھری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"خون دیکھ کر میں اپنے حواس پر قابو نہ رکھ پائی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"تم نے اپنی حرکات سے ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک جانور ہی ہو۔" مہیش پرتاب اسے آئینہ دکھاتے ہوئے کہا۔

"گیدڑ شیر کی کھال اوڑھ لے تو شیر نہیں بن جاتا۔ تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ انسانی طور طریقوں کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا مگر تم نے سارے کئے کرے پر پانی پھیر دیا ہے۔"

"میری مدد کرو مہاراج۔" اس نے التجائی انداز میں کہا۔

"میری بات غور سے سنو۔" مہیش پرتاب کی آواز سنائی دی۔

"چونکہ تم ایک بندریا ہو، پلک جھپکتے میں یہاں سے وہاں اور کہیں بھی پہنچ سکتی ہو۔ بے شک تم انسانی جسم میں موجود ہو مگر وہ حیوانی پھرتیاں تمہارے اندر موجود ہیں۔ تمہیں میں یہاں سے نکالتا ہوں آگے تم نے وہاں سے خود نکلنا ہے اور سیدھا میرے پاس پہنچنا۔"

مہیش پرتاب نے تحکمانہ انداز میں کہا اور دوسرے

ہی لمحے قید خانے کی سلاخیں زمین پر دھڑام سے جا گریں۔ پہرے پر موجود محافظ ڈر کر دور کھڑے ہوئے نگران کے سنبھلنے سے قبل رجو بندر کی طرح اچھلتی کودتی گیلری عبور کر چکی تھی۔ وہ پیچھے بھاگے مگر رجو نے ایک جمپ لگایا اور تھانے کی چھت پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئی۔ درجنوں محافظوں کے ہاتھوں سے وہ چھلاوے کی مانند نکل گئی تھی۔ وہ اس کے اس نئے روپ پر پہلے سے زیادہ حیران تھے۔ اپنی نوکری بچانے کے لئے وہ اس کے پیچھے بھاگے مگر رجو کتنی ہی عمارتیں پھلانگتی مہیش پرتاب کی جھونپڑی میں پہنچ گئی۔

رجو کے اس نئے روپ کو پولیس کے علاوہ درجنوں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ تب ہی الیکٹرونک میڈیا نے اس خبر کو مزید مصالحہ لگا کر پیش کیا رجو کے والدین کی پریشانی میں اور اضافہ ہوگیا غم سے نڈھال رجو کے والدین اپنے مرشد کے پاس جا پہنچے اور انہیں ساری بات بتائی۔

ان کے مرشد جن کا نام غلام رسول تھا اس نے جب ساری حقیقت انہیں بتائی تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں تب ہی رجو کی ماں کو وہ دن یاد آ گیا جب رجو جنگل میں گئی تھی اور واپسی پر اس نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ کسی بندریا کے پیچھے گئی تھی رجو کے رویے کے بدلاؤ کو بھی انہوں نے بخوبی نوٹ کیا تھا۔

"کیا ہماری بچی بچ جائے گی؟" رجو کی ماں نے پوچھا۔

"انشاء اللہ۔" ان کے مرشد غلام رسول نے جواب دیا اور پھر میڈیا کے سامنے غلام رسول نے اس حقیقت کو بیان کیا اور لوگوں کی بھاری جماعت کے ساتھ جنگل میں جا کر مہیش پرتاب پر دھاوا بول دیا۔ مہیش پرتاب کو جلد ہی منہ کی کھانی پڑی اور پھر غلام رسول نے اسے جہنم واصل کر دیا۔ الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا بھی موجود تھے پھر غلام رسول نے رجو کو پکڑ کر اس کے گرد ایک حصار کھینچا اور پھر اس حصار کے گرد چکر لگاتے ہوئے نورانی آیات کا ورد کرتے رہے اور رجو پر دم کرتے رہے۔ کتنی دیر تک وہ یہ عمل کرتے رہے اور جیسے ہی وہ پھونک مارتے رجو تڑپ کر رہ جاتی۔

تب ہی سب نے اپنی آنکھوں سے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔ رجو کی ناک سے دھواں نکلنے لگا۔ پھر اس دھوئیں نے ایک بندریا کا روپ دھارا اور حصار میں ادھر ادھر دوڑنے لگی تب ہی وہ غائب ہوگئی رجو حصار کے اندر بے ہوش پڑی تھی۔

"اسے اٹھاؤ اور گھر لے جاؤ۔" پیر غلام رسول نے کہا۔

"بندریا اپنے گرو کے ساتھ جہنم واصل ہو چکی ہے اس بچی کو کسی بات کا علم نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ہوش میں آنے پر اسے کچھ مت بتایا جائے۔"

دن پر لگائے گزرنے لگا اور راجو اور گل مراد کے رشتے کی بات چلی اور شادی پر جا کر ختم ہوگئی۔ آج ان کی شادی کی پہلی رات تھی۔ دونوں ایک دوسرے میں کھوئے نجانے کب نیند کی حسین وادیوں میں کھو گئے۔ رات کا نجانے وہ کون سا پہر تھا جب رجو کی اچانک آنکھ کھلی۔

اسے شدید پیاس کا احساس ہو رہا تھا۔ ساتھ ٹیبل پر رکھے پانی کے جگ سے اس نے ایک ساتھ دو گلاس پانی کے حلق میں انڈیلے پیاس کی شدت کم ہونے کی بجائے الٹا بڑھ گئی تب ہی اس کی نگاہ خواب خرگوش کے مزے لوٹتے گل مراد پر پڑ گئی۔ رجو نے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں مضبوطی سے جکڑا اور دوسرے ہی لمحے ایک زبردست دانتوں کا وار کر کے گل مراد کی شہ رگ بھنبھوڑ ڈالی گل مراد کی آخری چیخ بھی حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

گل مراد اس کی بانہوں کے حصار میں تڑپتے تڑپتے ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس کے خون کی آخری بوند تک اس نے نچوڑ لی تھی پھر اس کے جسم سے جگہ جگہ سے خون ادھیڑ کر وہ کھانے لگی۔ رجو کے اندر سردار منکو کی پوتی کی روح لوٹ چکی تھی اس کام سے فراغت پانے کے بعد وہ اپنے کمرہ خاص سے باہر نکلی اور لمبا جمپ لگا کر چھت پر چڑھ گئی اور اس کے بعد کتنی ہی عمارتیں پھلانگتے ہوئے وہ رات کے گھپ تاریک اندھیرے میں نجانے کہاں غائب ہوگئی۔

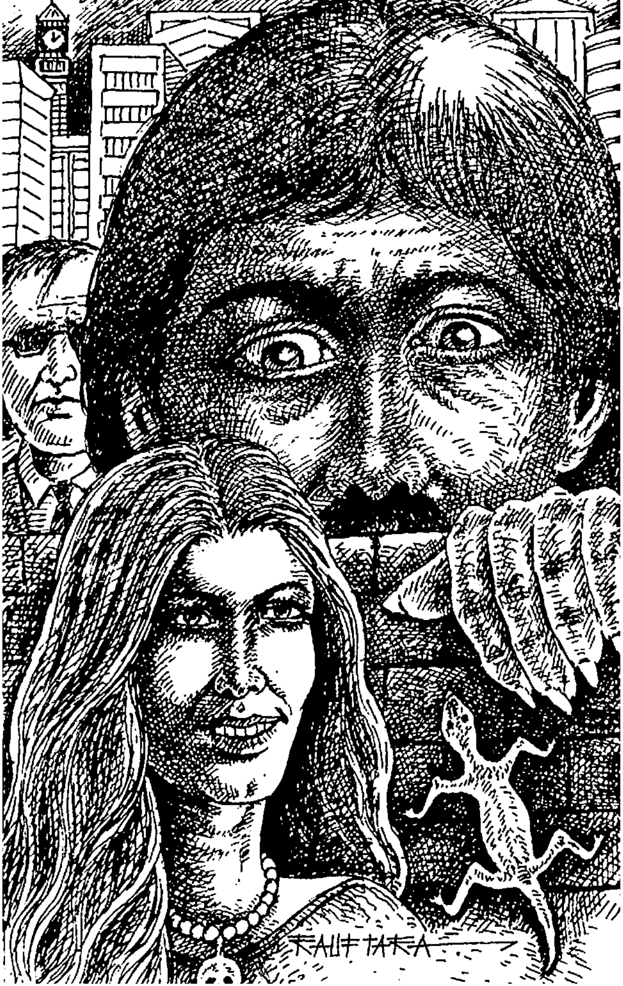

اندھیرے سے اجالا

ملک فہیم ارشاد۔ ڈجکوٹ فیصل آباد

دوسری قسط

خوف کی وادی میں اٹکھیلیاں کرتی گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی، جسم و جاں کے رونگٹے کھڑے کرتی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش پل پل لمحہ لمحہ اچنبھے میں ڈالتی خیر و شر کی کہانی

حقیقت سے روشناس کراتی اپنی نوعیت کی عجیب و غریب دماغ سے محو نہ ہونے والی روداد

ہوا یوں کہ سنتوش کی طرف بڑھتی چمگادڑ میں نجانے کہاں سے آگ بھڑک اٹھی اور چمگادڑ زمین پر جا گری۔ زمین پر گرتے ہی چند سیکنڈوں میں چمگادڑ کو آگ نے نگل لیا اور راکھ بنا دیا سنتوش حیرانگی سے منہ کھولے زمین پر پڑی چمگادڑ کی راکھ کو دیکھنے لگا۔

”سس...... سس...... سنتوش دیکھ کیا رہے ہو جلدی سے بھاگو یہاں سے۔“ رام نے سنتوش کو کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔ سنتوش چونکا پھر ایک نظر اس نے زمین پر پڑی چمگادڑ کی راکھ پر ڈالی اور پھر پریشان حال رام کی طرف بڑھا۔

”ج...... ج......“ جلدی بھاگو سنتوش نہیں تو کوئی اور انہونی ہو جائے گی۔“ رام گھبراہٹ میں روتے ہوئے بولا تو جیسے سنتوش کو ہوش سا آ گیا تھا، وہ دونوں تیزی سے قبرستان کے خارجی راستے کی طرف بھاگے وہ دونوں بغیر پیچھے دیکھے تب تک بھاگتے رہے جب تک کہ وہ قبرستان کی حدود سے باہر نہ آ گئے۔

وہ ایک جگہ کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانس لینے لگے۔ وہ دونوں اتنے تیز بھاگے کہ ان کے کلیجے منہ کو آ گئے تھے رام تو کھانسنے بھی لگا تھا۔

”م...... میں نے تجھے منع کیا تھا نہ...... پ...... پر تو نہیں مانا۔“ رام غصے سے سنتوش پر بگڑتے ہوئے بولا۔

”شما کر دے یار...... مجھے کیا معلوم تھا کہ ہمارے ساتھ ایسا ہوگا۔“

سنتوش ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ ”آج...... آج...... اس چمگادڑ نے تو میری ہتھیا کر ہی دینی تھی۔“ اتنا کہہ کر رام رونے لگا اور سنتوش بے بسی سے اس کا منہ تکنے لگا۔ غلطی اسی کی تھی۔

”پ...... پرنتو ہوا کیا تھا۔“ رام کے چپ ہونے پر سنتوش نے پوچھا۔

”م...... مت پوچھ یار مجھے تو اب ڈر لگ رہا ہے......“ رام خوف زدہ لہجے میں بولا۔

”اچھا چل گھر چلتے ہیں اور بھگوان کے لئے اپنے ماتا پتا سے ذکر نہ کرنا۔“

سنتوش نے اسے پیار سے سمجھایا۔

”ٹھ...... ٹھیک ہے......“ رام ہکلایا۔

”پرنتو آج کے بعد میں تجھ سے نہیں ملوں گا، یہ سب تیرے کارن ہوا ہے میں نے تجھے سمجھایا بھی تھا پرنتو تو میری ایک بھی نہ مانا“ رام غصے سے سنتوش پر گرجتے ہوئے بولا۔

’’چل اب یار شما کر دے غلطی ہو گئی مجھ سے ......‘‘سنتوش نے رام کے آگے ہاتھ جوڑے رام نے حقارت بھری نظروں سے سنتوش کو گھورا اور پھر اپنے گھر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

’’ارے ...... ارے رام سن تو سہی......‘‘سنتوش رام کو پکارتا رہا مگر رام نے اس کی ایک نہ سنی اور بھاگتا رہا۔

’’اگر اس نے اپنے ماتا پتا کو بتا دیا تو...... میری تو شامت آجائے گی۔‘‘ سنتوش پریشانی سے بڑبڑایا۔

رات کے اندھیرے اب ہر طرف بسیرا کر لیا تھا۔

’’صبح معافی مانگوں گا...... اگر اس سے رام کے گھر گیا تو اس کے ماتا پتا کو پتا چل جائے گا۔‘‘

سنتوش اپنے گھر کی طرف بڑھا وہ اپنے گھر پہنچا تو دیانند غصے کے عالم میں گھر کے صحن میں ٹہل رہا تھا۔

’’کہاں سے آیا ہے تو کمبخت ...... کدھر گیا تھا پورا گاؤں چھان مارا مگر تو اور تیرا وہ حرامی دوست رام کہیں بھی نہیں ملے۔‘‘ غصے میں دیانند نے سنتوش پر کئی سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

’’وہ ...... وہ ...... پتاجی......‘‘ گھبراہٹ کے باعث سنتوش کے منہ سے یہی الفاظ نکل سکے......

’’کیا...... وہ...... وہ...... بول کہاں سے آیا ہے اس سے تو۔‘‘

’’دیانند کا پارہ کافی چڑھا ہوا تھا۔

’’وہ...... میں...... اور رام کھیل رہے تھے۔‘‘ سنتوش نے بتایا۔

’’آ جی چھوڑیئے بھی بچہ کھیلے گا نہیں تو اور کیا کرے گا۔‘‘ ایک طرف کھڑی راگنی سنتوش کی حمایت میں بولی۔

’’جب میں نے اسے کہا تھا کہ شام کے سمے مندر میں ماتھا ٹیکنے جانا ہے تو یہ پھر کیوں کھیلنے گیا۔‘‘

دیانند بدستور غصے میں بولا۔ ’’کہا تو میں نے بھی تھا پتر شاید بھول گیا ہو گا بچہ ہے نہ۔‘‘ راگنی نے کہا۔

’’اسے سمجھا دو راگنی اگر ہمیں کوئی چیز عزیز ہے تو وہ ہے دھرم۔‘‘

’’صبح یہ مجھ سے عجیب عجیب سوال کر رہا تھا آئندہ مجھ سے یہ ایسے سوال نہ کرے ورنہ......‘‘ دیانند نے راگنی کو سمجھاتے ہوئے غصے میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

’’اچھا جی سمجھاؤں گی اب آپ شانت ہو جایئے۔‘‘ راگنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دیانند نے ایک غصے بھری نگاہ سنتوش پر ڈالی اور پھر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

سورج آج بھی کافی غصے میں تھا لوگوں کا گرمی کی وجہ سے برا حال تھا۔ سورج آگ ہی برسا رہا تھا گاؤں کی گلیاں سنسان تھیں ویسے بھی سخت گرمی کے موسم میں گاؤں دیہات کے لوگ گھروں میں دبک جاتے تھے اور دوپہر کو سونا لوگوں کا معمول تھا، سنتوش صحن میں بیٹھا اسکول میں دیا گیا سبق یاد کر رہا تھا اور راگنی کچن میں کھانا تیار کر رہی تھی اسی وقت عبداللہ اندر داخل ہوا۔

’’مالکن......‘‘ عبداللہ نے راگنی کو آواز دی راگنی کچن سے باہر آئی۔

’’کیا بات ہے عبداللہ......‘‘ راگنی نے پوچھا۔

’’باہر ایک فقیرنی آئی ہے۔‘‘ عبداللہ نے بتایا۔

’’ٹھیک ہے اسے اندر لے آؤ۔‘‘ راگنی نے کہا تو عبداللہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد عبداللہ کے ساتھ ایک بڑھیا اندر داخل ہوئی جس کی کمر جھکی ہوئی تھی رنگ سانولا اور عمر کے لحاظ سے وہ 70 کی معلوم ہوتی تھی۔

’’انہیں صوفے پر بٹھاؤ۔‘‘ راگنی نے کچن کے اندر سے آواز دی۔ عبداللہ نے بڑھیا کو صوفے پر بٹھایا اور خود باہر نکل گیا۔

’’بیٹا ذرا پانی تو دینا میں نے یہ دوائی کھانی ہے۔‘‘ بڑھیا بلغم زدہ آواز میں سنتوش سے مخاطب ہوئی۔ سنتوش نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنی کتاب ٹیبل پر رکھ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

’’ماں وہ بڑھیا پانی مانگ رہی ہے۔‘‘ سنتوش نے کہا تو راگنی نے پانی کا گلاس اسے دیتے ہوئے کہا۔

’’جا ان کے پاس جا کر بیٹھ جا۔‘‘

سنتوش بڑھیا کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور پانی کا گلاس ٹیبل پر رکھ دیا بڑھیا نے پیار سے سنتوش کے سر پر ہاتھ پھیرا بڑھیا نے آنکھوں پر موٹے موٹے شیشوں کی سفید عینک لگا رکھی تھی بڑھیا نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھیلے سے گولیاں نکال لیں۔

’’ہیں...... ڈاکٹر صاحب تو کیپسول ڈالنا ہی بھول گئے۔‘‘ بڑھیا نے ہتھیلی پر پڑی گولیوں کو پرکھتے ہوئے کہا۔

’’کاکی کیا ڈاکٹر نے گولیوں کے ساتھ کیپسول بھی ڈالے تھے۔‘‘ سنتوش نے تصدیقی لہجے میں پوچھا۔

’’ہاں پتر...... لگتا ہے ڈاکٹر بھول گیا ہو گا۔ بیٹا یہ ڈاکٹر کا نمبر تو ملا میں بوڑھی ماں ہوں کہیں غلط دوائی کھا کر بھگوان کے پاس ہی نہ چلی جاؤں۔‘‘ یہ کہتے ہوئے بڑھیا مسکرائی بھی تھی اس نے ہاتھ میں تہہ کی ہوئی پرچی سنتوش کی طرف بڑھائی سنتوش نے پرچی کھولی تو اس پر ایک ٹیلی فون نمبر لکھا ہوا تھا اسی وقت عبداللہ دوبارہ اندر آیا وہ کافی گھبرایا ہوا تھا۔

’’مالکن......‘‘ اس نے کچن میں کام کرتی ہوئی راگنی کو آواز دی۔ عبداللہ کے لہجے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

’’کیا بات ہے عبداللہ......تم تو کافی پریشان دکھائی دیتے ہو۔‘‘ راگنی نے کچن سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا سنتوش اور وہ بڑھیا بھی اسی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

’’میری ماں کی طبیعت بہت خراب ہے جلدی گھر جانا ہے۔‘‘ وہ بظاہر اجازت لینے آیا تھا۔

’’ٹھیک ہے تم جاؤ پر تو میرا ایک چھوٹا سا کام کرتے جاؤ چھت پر دیانند کے کپڑے سکھانے کے لئے رکھے ہوئے ہیں وہ مجھے لا دو ہم تینوں نے دیانند کے دوست کی سگائی میں جانا ہے میں نے وہ کپڑے پریس کرنے ہیں۔‘‘ راگنی نے کہا تو عبداللہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا چھت پر جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

سنتوش نے صوفے کے پاس پڑے ٹیلی فون کا ریسور اٹھایا اور پرچی پر لکھا نمبر ڈائل کرنے لگا رابطہ ہونے پر اس نے ریسور بڑھیا کو پکڑا دیا۔

’’ہیلو......نم...... نمستے......ڈاکٹر صاحب میری گولیوں میں آپ نے ایک کیپسول ڈالا تھا لگتا ہے وہ کہیں گر گیا ہے۔ اب صرف گولیاں باقی رہ گئیں۔ جی ہاں میں دس پندرہ منٹ تک پہنچ جاؤں گی...... نہیں نہیں...... ڈاکٹر صاحب واقعی کوئی کیپسول نہیں ہے صرف گولیاں ہی ہیں۔ اچھا ٹھیک ہے نمستے۔‘‘ اتنا کہہ کر بڑھیا نے ریسور سنتوش کو پکڑا دیا اور سنتوش نے ریسور کریڈل پر رکھ دیا۔

اسی وقت سنتوش کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اس نے حیرانگی سے بڑھیا کی طرف دیکھا۔ ’’بیٹا ڈاکٹر بڑا بھلا آدمی ہے کہہ رہا تھا کہ دس پندرہ منٹ میں آ جانا کیپسول ڈال دوں گا۔‘‘ بڑھیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سنتوش نے شرٹ میں چھپے لاکٹ کی زنجیر باہر نکالی اور اس میں اپنی انگلی گھمانے لگا آنکھیں بھی اس نے بند کر لیں تھیں راگنی اب بڑھیا کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

’’مائی کیا حال ہے۔‘‘ راگنی نے بڑھیا کا احوال پوچھا۔

’’بس پتر بھگوان کی کرپا ہے جی رہی اپنا بچا کھچا جیون۔‘‘ بڑھیا نے کہا۔

’’کاکی تیرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔‘‘ راگنی نے پوچھا۔

’’نہیں بیٹی خصم مر جاتا جوئے کی لت میں لگ گیا اور ایک دن مر گیا وہ میرے لئے زندہ بھی مرجانے جیسا تھا جب پیٹ کو بھوک لگی تو مانگنا شروع کر دیا کسی نے تیرا بتایا کہ تو بڑی دیالو عورت ہے۔ اس لئے تیرے پاس چلی آئی۔‘‘ بڑھیا نے بظاہر اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

سنتوش نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں اس

نے ایک حقارت بھری نظر بڑھیا پر ڈالی اور پھر اٹھ کر اپنے اسکول بیگ سے کاپی اور پنسل نکال کر اس پر کچھ لکھنے لگا عبداللہ بھی چھت سے نیچے اتر آیا تھا۔

''عبداللہ یہ کپڑے میرے بیڈ روم میں رکھ دینا۔'' راگنی نے کہا تو عبداللہ جی اچھا کہتا ہوا راگنی کے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

سنتوش نے لکھنے کے بعد کاپی سے وہ صفحہ پھاڑا اور اسے تہہ کرنے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہو سنتوش بیٹا۔'' راگنی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

ماں وہ اسکول کی کچھ چیزیں ہیں جو میں عبداللہ انکل کو لکھ کر دے رہا ہوں جب وہ دوبارہ واپس آئیں گے تو لیتے آئیں گے۔'' سنتوش نے کہا۔

''بیٹا اپنے پتا سے کہنا۔'' راگنی نے کہا۔

''ماں پتا جی تو شام کو آئیں گے۔ اور میں نے اسکول کا ہوم ورک کرنا ہے اس لئے مجھے ان چیزوں کی ترنت ضرورت ہے۔'' سنتوش نے کہا تو راگنی نے جواباً مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

عبداللہ سنتوش کے قریب گیا۔ ''عبداللہ انکل آپ شام کو خود یا کسی کے ذریعے یہ چیزیں مجھ تک بھجوا دینا بلکہ شام سے پہلے پہلے۔'' عبداللہ کو وہ تہہ بند کاغذ دیتے ہوئے سنتوش نے کہا۔

''ٹھیک ہے سنتوش بابو۔'' عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور کاغذ جیب میں ڈال کر سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا سنتوش اب راگنی کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

''کاکی آپ یہاں آ کر رہ لیں......'' راگنی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''نہ پتر بھگوان تیرا بھلا کرے میں اس عمر میں بھی کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔'' بڑھیا پیار سے راگنی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''بوجھ کا ہے کا کاکی۔'' جہاں ہم تینوں بھوجن کرتے ہیں اس میں سے دو روٹیاں اگر تم کھا لوگی تو ہمیں کیا فرق پڑے گا۔'' راگنی نے کہا۔

''بیٹی تیرا پتی کہاں ہے۔'' بڑھیا نے کہا۔

''وہ کام کے کارن دوسرے گاؤں گئے ہوئے ہیں شام تک واپس آ جائیں گے۔'' راگنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ تو اور بھی اچھا ہے......'' بڑھیا دھیرے سے بڑبڑائی۔

''جی......'' کیا کہا آپ نے۔'' راگنی کو شاید سنائی نہیں دیا تھا۔

''کچھ نہیں بیٹا......'' بڑھیا سنبھلتے ہوئے بولی۔

اسی وقت ایک عجیب بات ہوئی اچانک دو آدمی ہاتھوں میں ریوالور لئے اندر داخل ہوئے۔

''خبردار کوئی اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے ورنہ گولی سے اڑا دیا جائے گا اسے۔''

ان دونوں میں سے ایک غصے سے گرجا یکدم دو ریوالور بردار کو دیکھ کر بے اختیار راگنی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

''چپ کر دو ورنہ بولتی بند کر دوں گا۔'' دوسرا آدمی راگنی پر برستے ہوئے بولا۔

''ور......دو......دیکھ...... دیکھو...... بھگ...... بھگو......ان کے لئے ہم...... ہمیں چھوڑ دو......'' راگنی روتے ہوئے ہکلا کر بولی۔

''بکواس بند کرو اور یہ پہنا ہوا زیور اتار کر اس ٹیبل پر رکھ دو۔'' پہلے آدمی نے راگنی کو غصے سے ریوالور دکھاتے ہوئے کہا۔

سنتوش نے دونوں آدمیوں کا سخت رویہ دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔

''اوئے بچے چپ کر نہیں تو اس ریوالور کی گولی تیرے بھیجے میں اتار دوں گا۔'' پہلے آدمی نے سنتوش کو جھڑکا اور سنتوش یکدم چپ ہو گیا۔

''دیکھ اگر تو چاہتی ہے کہ تو اور تیرا بیٹا سلامت رہے تو گھر میں جتنا بھی قیمتی سامان ہے وہ یہاں لا کر رکھ دے۔'' دوسرے آدمی نے راگنی کو دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''مال تو یہاں کافی ہے منوہر اور وہ اس عورت کے بیڈ روم میں ہے۔'' صوفے پر بیٹھی خاموش بڑھیا اچانک بولی۔

راگنی اور سنتوش نے حیرانگی سے بڑھیا کی طرف دیکھا۔

''کاکی تم......!'' حیرت کے باعث راگنی کے منہ سے نکلا۔

''کاکی نہیں ...... میں بھی تیری عمر کی ہوں۔'' بڑھیا نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے سر سے سفید بالوں کی وگ اور آنکھوں پر سے چشمہ اتار دیا۔

اب وہاں 70 سال کی بڑھیا کی بجائے 30-32 سال کی عورت کھڑی تھی وگ اور چشمہ اتارنے سے عمر میں ضرور فرق آیا تھا۔ مگر رنگ میں نہیں۔

''یہ ...... یہ ...... کک...... کیا ...... تت......تت......تم۔'' حیرت کے باعث راگنی ہکلائی۔

''ہاں...... بیٹی میں اور میرا گروہ اسی طرح لوگوں کو لوٹتے ہیں۔'' لڑکی نے بوڑھوں کی طرح کانپتی ہوئی آواز میں کہا تو وہ دونوں اسلحہ بردار نوجوان قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''چل جلدی کر ہمارے پاس سے بہت کم ہے۔'' منوہر نے کہا۔

اسی وقت بیرونی دروازے پر زوردار انداز میں دستک ہوئی تینوں چور چونکے۔

''کون ہو سکتا ہے باہر۔'' منوہر نے راگنی کو گھورا۔

''پپ......پپ...... پتہ نہیں۔'' راگنی ہکلائی۔

''تم نے تو کہا تھا کہ راستہ صاف ہے گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔'' منوہر سخت لہجے میں لڑکی سے مخاطب ہوا جو تھوڑی دیر پہلے بڑھیا کا رول ادا کر رہی تھی۔

''ہاں تو میں نے کون سا غلط کہا تھا لیکن یہاں کوئی آدمی نظر آیا اب باہر کوئی آ گیا ہے تو میں کیا کہہ سکتی ہوں اور ویسے بھی اس عورت راگنی نے کہا تھا کہ اس کا پتی شام سے پہلے گھر نہیں آئے گا۔''

اس عورت نے پہلے منوہر اور پھر راگنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہوں...... باہر دیکھو کون ہے......اور یاد رکھنا تیرا چھورا اسی سے ہمارے قبضے میں ہے باہر آنے والے کو باہر سے ہی فارغ کر دو۔'' منوہر نے راگنی کو سخت لہجے میں تاکید کی۔

''تم اپنا میک اپ دوبارہ سیٹ کر لو اور ہم اس لڑکے کو لے کر کمرے میں چھپ جاتے ہیں۔''

ان دونوں کی ساتھی لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا اس نے اپنا چشمہ اور وگ دوبارہ سیٹ کئے اب وہ پہلے جیسی بڑھیا نظر آ رہی تھی وہ صوفے پر بیٹھ گئی منوہر اور اس کا دوسرا ساتھی سنتوش کو اٹھا کر راگنی کے بیڈ روم میں چلے گئے اور راگنی بیرونی دروازے کی طرف بڑھی اس نے گیٹ کھولا تو سامنے دودھ والا کھڑا تھا۔

''رام......رام......دودھ والا مسکرایا۔

''رام......رام......'' جواباً راگنی زبردستی مسکرائی اور پھر حیرانگی سے بولی......''آپ کون۔؟''

''میں...... میں جی نیارے دودھ والے کا چھوٹا بھائی نیارے کا ایکسیڈنٹ ہو گوا......تو اس کارن اس نے منے (مجھے) کہا کہ پہلے راگنی دیدی کے گھر دودھ دے آؤ کیونکہ علاج کے کارن نیارے کو سہرے جاوے ہیں ہم کل نیں آئے گا نہ دیدی۔'' دودھ والے نے بتایا۔

''اوہ...... اوہ کیسے ہوا ایکسیڈنٹ نیارے کا۔'' راگنی نے افسوس زدہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ جی ٹرک نے ٹھوک دیا بے چارے کی حالت بڑی خراب ہووے۔ منے جلدی ہے جی آپ برتن لے آئیں۔'' دودھ والے نے کہا تو راگنی نے کہا۔

''ہمیں آج دودھ کی ضرورت نہیں ہے اور کل ہم بازار سے لے آئیں گے۔''

میں ٹھہرا ایک غریب آدمی اتنا دودھ گھر میں کراب ہو جاوے گا اور سارا نقصان ہو جاوے گا۔'' دودھ والے نے کہا۔

''اچھا......'' راگنی نے لفظ اچھا کو لمبا کیا۔

''ٹھیک ہے میں اندر سے برتن لے آتی ہوں۔''

راگنی کچن میں آئی اور اس نے دودھ کے لئے کچن سے خالی برتن اٹھایا اور کچن سے باہر آئی تو دودھ والا صحن میں کھڑا تھا۔

''ارے...... یہ کیا بات ہوئی تم تو اندر ہی آ گئے ایسے کسی کے گھر میں تھوڑی آیا جاتا ہے۔'' راگنی غصے سے بولی۔

''شما کرنا راگنی دیدی...... وہ نیارا کہہ رہا تھا کہ آپ کا بیٹا سنتوش بڑا ہی پیارا بچہ ہے سوچا اس سے مل لوں اس لئے اندر آ گیا...... ویسے سنتوش بابو نظر نہ آوے۔'' دودھ والے نے اردگرد نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''وہ...... وہ اپنے پتا کے ساتھ ساتھ والے گاؤں میں گیا ہوا ہے۔'' راگنی کو جلدی سے بہانہ سوجھ گیا۔

''راگنی دیدی آپ بڑا برتن لے آئیں میں دو تین دن کا اکٹھا دودھ دے جاتا ہوں...... آپ کا گھر میں تو ٹھنڈی مشین (فریج) ہووے۔'' دودھ والے نے کہا تو راگنی بے بسی کے عالم میں دوبارہ کچن میں چلی گئی۔

''رام...... رام......'' دودھ والے نے صوفے پر بڑھیا کی آڑ میں چھپی لڑکی سے کہا۔

''رام...... رام پتر کیسے ہو تم۔'' لڑکی نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''بھگوان کی کرپا رہے۔'' دودھ والے نے مسکراتے ہوئے کہا دودھ برتن میں ڈالنے کے بعد دودھ والا رام رام کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

دودھ والے کے جانے کے بعد منوہر اور اس کا ساتھی راگنی کے بیڈ روم سے باہر آ گئے منوہر نے سنتوش کی کنپٹی پر ریوالور کی نال لگا رکھی تھی لڑکی نے وگ اور چشمہ دوبارہ اتار دیا تھا۔

''میں نے تو تم سے کہا تھا کہ اسے باہر سے ہی فارغ کر دینا پرنتو تم اسے اندر ہی لے آئی۔'' منوہر غصے سے بولا میں تو اندر برتن لینے آئی تھی پرنتو وہ کمبخت میرے پیچھے ہی آ گیا۔'' جواباً راگنی بھی غصے سے بولی۔

''جیرو جاؤ باہر جا کر دیکھو وہ گیا کہ نہیں ......''

منوہر نے دوسرے آدمی جیرو سے کہا اور جیرو اثبات میں سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اندر موجود افراد ہکا بکا رہ گئے دودھ والے نے جیرو کی کنپٹی پر ریوالور رکھا ہوا تھا اور اس کی کلائی مروڑی ہوئی تھی ساتھ دو کانسٹیبل اور چوکیدار عبداللہ بھی تھا۔

''خبردار اگر کسی نے ہلنے کی کوشش کی تو یہ بلاوجہ مارا جائے گا۔'' دودھ والا چیخا۔

''ارے انکل دیال آپ......!'' سنتوش چہکا۔

''ویری گڈ سنتوش بیٹا صحیح پہچانا۔'' انسپکٹر دیال مسکرایا لڑکی اور منوہر نے ہاتھ اوپر کر لئے تھے وہ دونوں کسی بھی طرح کی مزاحمت کی پوزیشن میں نہ تھے کانسٹیبلوں نے ان تینوں کو ہتھکڑیاں پہنائیں اور لے جانے لگے تو راگنی نے انہیں روکا اور لڑکی کے قریب آ گئی۔

''مجھے ایک بات کی حیرانگی ابھی تک ہے تمہارے ساتھی منوہر نے کہا تھا کہ تم نے تو کہا تھا کہ گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔'' یہ بات تو تم میں اور سنتوش جانتا تھا پھر منوہر نے یہ بات کیسے کہی۔

''راگنی نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا لڑکی مسکرائی اور بولی۔'' ہے تو یہ ہمارے دھندے کا راز پرنتو میں آپ کو پھر بھی بتائے دیتی ہوں...... میں نے آپ کے بیٹے کے ٹیلی فون کے ذریعے جس ڈاکٹر سے بات کی تھی وہ منوہر تھا ہم گولیوں کو عورت کہتے ہیں اور کیپسول کو مرد...... یعنی میں نے فون پر کہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب آپ نے مجھے صرف گولیاں ہی دیں ہیں کیپسول کوئی نہیں یعنی گھر میں صرف عورتیں ہیں مرد نہیں اب آپ کا بیٹا تو سنتوش ابھی بچہ ہے اس کا کارن میں نے اسے بھی گولیوں کے شبہ میں استعمال کیا۔'' لڑکی نے بتایا تو راگنی حیران رہ گئی۔

''ایک بات کی حیرانی مجھے بھی ہے۔'' منوہر کی ساتھی لڑکی نے کہا۔

''وہ کیا۔'' راگنی نے بے اختیار پوچھا۔

''انسپکٹر صاحب نے ہمیں کیسے پکڑا ہم نے

تو اتنا پکا پلان بنایا تھا کہ کسی کو کانوں کان بھنک بھی نہیں لگنے دی پھر انسپکٹر صاحب کو کیسے پتہ چلا۔'' اس لڑکی کے لہجے میں بھی الجھن شامل تھی۔

''اس کا سارا کریڈٹ سنتوش کو جاتا ہے۔'' انسپکٹر دیال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ کیسے......'' راگنی نے حیرانگی سے پوچھا۔

''یہ میں بتاتا ہوں مالکن۔'' سنتوش بیٹے نے مجھے اپنی کتابیں لانے کے لئے ایک رسید دی تھی میں اپنے گھر گیا تو ماں کی طبیعت کافی حد تک سنبھل چکی تھی میں بک شاپ پر پہنچا اور شاپ مالک کو آرڈر دینے کے لئے میں نے جیسے ہی سنتوش کی رسید کھولی تو اس کی تحریر پڑھ کر حیران رہ گیا۔

تحریر کچھ یوں تھی۔

''عبداللہ انکل نجانے میرا دل کیوں گھبرا رہا ہے مجھے یہ بڑھیا اچھی نہیں لگ رہی نجانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے اس بڑھیا سے ہمیں کوئی نقصان پہنچنے والا ہے آپ تھوڑی دیر بعد چکر ضرور لگا دیجئے گا اگر ایسا ویسا کچھ نہ ہوا تو میری ماتا کو نہ بتائیے گا کیونکہ وہ کسی کے بارے میں برا خیال جان کر خفا ہوگی۔''

میں یہ تحریر لے کر انسپکٹر دیال کے پاس چلا گیا اور انہیں سنتوش کی یہ تحریر دکھائی انہوں نے تحریر پڑھنے کے بعد کہا۔ عبداللہ سنتوش بہت سمجھدار لڑکا ہے ہمیں احتیاطاً چیک کر لینا چاہئے آج کل لٹیروں کا ایک گروپ بہت مشہور ہے اور ان کی موجودگی کی اطلاع ہمارے قریبی گاؤں میں بھی ملی ہے وہ اکثر دوپہر کے سمے ہی چوریاں کرتے ہیں میں نے انہیں نیارے کے بھیس میں جانے کے لئے کہا۔'' اتنا کہہ کر عبداللہ خاموش ہو گیا۔

''میں نیارے دودھ والے کا چھوٹا بھائی بن کر آیا اندر آیا تو یہ لڑکی بڑھیا کے بھیس میں بیٹھی ہوئی تھی میں نے آپ سے سنتوش کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجبوری کے کارن مجھ سے جھوٹ بولا کیونکہ دوسرے گاؤں تو آپ کے پتی اکیلے گئے تھے بس جب یہ جیرو مجھے دیکھنے باہر آیا تو میں نے اسے قابو کیا اور باقی کی کہانی تو آپ جانتی ہیں۔'' مزید انسپکٹر دیال نے بتایا۔

''پر...... پرنتو...... بیٹا تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ یہ بڑھیا چور ہے۔'' راگنی نے سنتوش سے پوچھا۔

''پپ...... پتہ نہیں ماں میرے دل میں انجانا سا خوف جاگ اٹھا تھا اور مجھے یوں لگا جیسے یہ بڑھیا مجھے نقصان پہنچائے گی۔'' سنتوش نے بتایا تو راگنی حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔

☆......☆......☆

بادلوں کے تیز گرجنے سے رام چیختا ہوا جاگ گیا کمرے میں زیرو بلب کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور سنتوش نے دیکھا اس کے اوپر اوڑھا کمبل زمین پر پڑا ہوا تھا حیرت کی بات یہ تھی کہ اتنی گرمی ہونے کے باوجود اس نے کمبل اوڑھ رکھا تھا اس دن والے واقعہ سے وہ اتنا ڈر گیا تھا کہ اس کو بخار نے آ گھیرا تھا اور اسی باعث سردی نے بھی اس کے جسم کو پکڑ لیا تھا۔

اسی وجہ سے وہ کمبل اوڑھ کر سویا ہوا تھا کمرے میں چھت کے پنکھے کی آواز اور تیز چمکتی بجلی عجیب سا منظر پیش کر رہی تھی رام بیڈ کے نیچے اترا اور کمبل اٹھا کر بیڈ پر رکھ دیا اسی وقت تیز ہوا کے جھونکوں سے کمرے کی کھڑکی زوردار انداز میں کھلی ڈر کے باعث رام نے کھڑکی کی طرف دیکھنا شروع کر دیا کھڑکی کا دروازہ ہوا کے دوش پر کبھی کھل رہا تھا اور کبھی بند ہو رہا تھا وہ کھڑکی بند کرنے کے لئے آگے بڑھا تو فرش پر پڑی کسی چیز سے ٹکرا کر منہ کے بل چیختا ہوا فرش پر جا گرا۔

یہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ بروقت اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کر لئے تھے ورنہ اس کے چہرے کا نقشہ بدل جاتا تھا وہ اٹھ کر بیٹھا اور زیرو بلب کی مدھم روشنی میں فرش کی اس جگہ کو گھورنے لگا جہاں سے وہ زمین پر پڑی چیز سے ٹکرا کر زمین پر گرا تھا لیکن اسے فرش پر کچھ بھی نظر نہ آیا۔

ہوا کے دوش پر کھڑکی کا کھلنا اور بند ہونا دروازہ بار بار اسے اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دوبارہ کھڑکی کی طرف بڑھا اس نے کھڑکی کے باہر

جھانکا تو خوف کے باعث اس کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور وہ تیزی سے الٹے قدموں پیچھے ہٹا دوبارہ پھر وہ کسی چیز سے ٹکرا کر کمر کے بل چیختا ہوا نیچے جا گرا اس دفعہ اس کے سر کا پچھلا حصہ بڑے زوردار انداز میں فرش سے ٹکرایا ایک بار پھر اس کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے وہ اپنا سر ہلاتا ہوا اٹھ کر بیٹھا۔

اس دفعہ بھی اسے فرش پر اپنے گرنے کی کوئی وجہ نظر نہ آئی اسی وقت کمرہ روشنی سے نہا گیا رام حیرانگی سے اردگرد دیکھنے لگا۔

رام اٹھ کر کھڑا ہوا۔ ”ہے بھگوان...... یہ...... یہ کیا معاملہ ہے۔“ رام خوف زدہ لہجے میں خود سے ہمکلام ہوا اسی وقت کمرے میں کسی مردانہ ہنسی کی آواز گونجی رام کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

”کک...... کون ہو تم......“ رام نے چیختے ہوئے پوچھا مگر جواباً رام کو کوئی جواب نہ ملا۔

اسی وقت کھڑکی کے راستے ایک کالے رنگ کی چیز اندر داخل ہوئی وہ چیز دیکھنے کے بعد ایک مرتبہ پھر رام کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں وہ ایک بہت بڑی چمگادڑ تھی جو تیزی سے رام کے اردگرد چکر کاٹنے لگی چکر کاٹتے کاٹتے چمگادڑ ایک جگہ رکی اسی وقت رام نے ایک خوف ناک منظر دیکھا چمگادڑ کا سائز تیزی سے بڑھنے لگا۔ رام کی چیخوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

دیانند جی...... نجانے کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے۔“ راگنی نے اپنے دل کی کیفیت دیانند کے سامنے بیان کی۔

”کیوں کیا ہوا راگنی......؟“ دیانند نے حیرانگی سے راگنی کی طرف دیکھا۔

”سنتوش کے ساتھ عجیب وغریب حالات ہو رہے ہیں۔“ راگنی نے بتایا۔

”کہیں وہ کسی سنکھٹ میں ہی نہ پھنس جائے۔“

”راگنی یہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو ہمارا سنتوش بھگوان نہ کرے کیوں سنکھٹ میں پڑے۔“ دیانند نے کہا۔

”جب سے اس کا اپہارن ہوا ہے اس کے ساتھ عجیب وغریب گھٹنائیں گھٹ رہی ہیں آپ خود ہی سوچیئے سنتوش کا اپہارن کوئی کیوں کرے گا کارن اگر پیسوں کا ہوتا تو الگ بات تھی پرنتو انہوں نے تو پیسے مانگے ہی نہیں انسپکٹر دیال کا کہنا تھا کہ جس جگہ سنتوش کو رکھا گیا تھا وہاں سے تین انسانی ڈھانچے ملے ہیں۔ پھر کل والی بات اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ بڑھیا چور ہے اور پھر وہ آپ سے بھی دھرم کے بارے میں عجیب وغریب سوال کرتا رہتا ہے۔“ راگنی نے بتاتے ہوئے بظاہر نقطہ اٹھایا۔

”شاید وہ کسی کارکن الجھا ہوا ہو اور اسی کارن اس کے ساتھ یہ گھٹنائیں گھٹ رہی ہوں اور یہ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔“ دیانند نے خدشہ ظاہر کیا۔

”نہیں اتفاق والی بات نہیں ہے چوری والے معاملے نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے نجانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کہ کہیں سنتوش کے ساتھ۔“ راگنی نے خوف کے باعث بات ادھوری چھوڑ دی۔

”ہم اسے اپنا وہم سمجھتے رہیں اور کہیں سنتوش کے ساتھ کوئی انہونی نہ ہو جائے۔“

راگنی کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

”ارے، ارے...... راگنی دھیرج رکھو۔“ چنتا مت کرو۔ میں آج ہی پنڈت جی سے بات کرتا ہوں وہ ضرور کوئی نہ کوئی اپائے بتائیں گے۔“ دیانند نے راگنی کو چپ کراتے ہوئے کہا۔

”ضرور ملئے گا میرا من بہت گھبرا رہا ہے۔ سنتوش کو بھی ساتھ لے کر جایئے گا۔“ راگنی نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تو دیانند نے سوچتے ہوئے تائید انداز میں سر ہلا دیا۔

”ٹھیک ہے راگنی پھر میں چلتا ہوں شام کو پنڈت جی کے پاس ہم دونوں جائیں گے۔“ دیانند نے اٹھتے ہوئے کہا تو راگنی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دیانند کے کمرے سے جانے کے تھوڑی

دیر بعد سنتوش کمرے میں داخل ہوا۔

”مما کافی دن ہوئے میں نے رام کو نہیں دیکھا۔“ سنتوش نے راگنی کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا اور راگنی نے پیار سے اسے گلے لگا لیا۔

”بیٹا رام کو کئی دنوں سے بخار ہے دوستی کی ناطے تمہیں اس کا حال احوال پوچھنا چاہئے تھا۔“ راگنی نے سنتوش کے گالوں کو چومتے ہوئے کہا۔

”اچھا...... مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔“ سنتوش نے حیرانگی سے لفظ ”اچھا“ کو لمبا کیا۔

”بیٹا اس بات کا خیال تو آپ کو آنا چاہئے تھا، آپ کا سب سے اچھا دوست آپ سے اتنے دن ملنے ہی نہیں آیا اس کے گھر جا کر کارن تو پوچھتے۔“ راگنی نے سنتوش کو سمجھایا۔

”ٹھیک ہے مما پھر میں ابھی اس کے پاس جاتا ہوں۔“ سنتوش اٹھتے ہوئے بولا۔

”بیٹا اس سے مل کر جلدی واپس آنا کہیں اور مت جانا۔“ راگنی نے اسے تاکید کی۔

”ٹھیک ہے مما آپ چنتا ہی نہ کریں۔“ سنتوش نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا وہ رام کے گھر پہنچنے پر اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

رام بیڈ پر لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ ”ایسے چھت کو گھورے گا تو چھت تجھ پر ہی آ گرے گی۔“ سنتوش نے ہنستے ہوئے کہا۔

رام نے ایک نفرت انگیز نگاہ سنتوش پر ڈالی اور غصے سے برے برے منہ بنانے لگا۔

”لگتا ہے میرا بیسٹ فرینڈ مجھ سے نیراش ہے۔ سنتوش رام کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔“

رام نے غصے سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

”اچھا اب زیادہ نخرے نہ کر۔“ سنتوش نے مصنوعی غصے سے کہا۔

”تیرے کارن میری ایسی حالت ہوئی۔“ رام نے بظاہر گلہ کیا۔

”میرے کارن......“ سنتوش حیران ہوا۔

”تو اور کیا...... تو ہی تو مجھے قبرستان لے کر گیا تھا۔“ رام نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”اچھا بابا شما کر دے دراصل اس دن میں کسی چیز سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے کارن تجھے قبرستان لے کر گیا تھا میری وہ سمسیا بھی حل ہو گئی تھی۔“ سنتوش نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

”کس چیز سے چھٹکارہ۔“ رام نے پوچھا۔

”اس بات کو چھوڑ یہ بتا کہ اب تو کیسا ہے۔“ سنتوش نے رام کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”اب میں ٹھیک ہوں۔“ پرنتو اب میں تیرے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔“ رام نے گھبراتے ہوئے کہا، تو سنتوش بے اختیار ہنس پڑا۔

”چنتا مت کر اس مرتبہ میں تجھے قبرستان نہیں لے کر جاؤں گا۔“ سنتوش کہتے ہوئے ہنسا۔

”نہیں...... نہیں...... اب میں تیرے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔“ رام نے صاف جواب دیتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”ارے بے وقوف ہم باہر کھیلنے کے لئے جا رہے ہیں۔ تمہارے بغیر میں گھر میں بور ہو رہا تھا۔“ سنتوش نے کہا۔

”یار مجھے مما نے بتایا کہ تمہارے گھر میں چور گھس آئے تھے۔“ رام نے سنتوش کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے سوال کا جواب پوچھا۔

”ہاں یار ایک لڑکی بڑھیا کا بھیس بدل کر آئی تھی اوپر والے کا شکر ہے کہ وہ پکڑی گئی۔“ سنتوش نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”لیکن میں نے تو سنا ہے اس گینگ کو تم نے پکڑوایا ہے۔“ رام نے پوچھا۔

”ہاں میرے من میں گھبراہٹ سی جاگی......“ اتنا کہہ کر سنتوش نے تفصیلاً رام کو ساری بات بتا دی۔

”پرنتو تمہیں کیسے پتہ چلا وہ بڑھیا چور ہے۔“ رام کے لہجے میں حیرانگی عیاں تھی۔

''پتہ نہیں یار...... میرے من نے کہا یہ عورت چور ہے اس لئے میں نے عبداللہ انکل کو وہ خط لکھ کر دے دیا۔'' سنتوش نے بتایا۔

''ہوں......'' رام نے ایک گہری سانس کھینچی۔

''اس دن جب ہم قبرستان میں گئے تھے تو وہ چمگادڑ بھی جب تیری طرف بڑھی تو جل کر راکھ ہوگئی۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' سنتوش نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو لگتا ہے تیرے پاس کوئی شکتی شالی چیز ہے۔'' رام نے سوچتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔

''شکتی شالی چیز......'' حیرت کے باعث سنتوش کے منہ سے نکلا۔

''ہاں......'' رام نے غور سے سنتوش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''چل بے وقوف کیسی عجیب باتیں کر رہا ہے، شکتی شالی تو اوپر والا ہے۔'' سنتوش نے رام کے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''بھگوان کو جب کوئی پسند آتا ہے تو وہ اسے بھی تو شکتی شالی بنا دیتا ہے۔'' رام نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

سنتوش نے حیرانگی سے رام کی آنکھوں میں جھانکا دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے کافی دیر یہ گھورنا جاری رہا پھر رام کو ایک شدید جھٹکا لگا اور اس نے تیزی سے آنکھیں پھیر لیں۔

''کیا ہوا۔؟'' سنتوش نے پوچھا۔

''نہیں کچھ نہیں......'' رام نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

''چل پھر باہر کہیں چلتے ہیں۔'' سنتوش نے کہا۔

''چل......'' رام نے اٹھتے ہوئے کہا وہ دونوں کمرے سے باہر آئے۔

''کہاں جا رہے ہو بیٹا۔'' رام کی ماں نے کچن سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

''مما ہم دونوں باہر کھیلنے کے لئے جا رہے ہیں۔'' رام نے بتایا۔

''بیٹا جلدی گھر واپس آ جانا۔'' رام کی ماں نے پیار سے کہا تو رام اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سنتوش کے پیچھے پیچھے گھر سے باہر نکل آیا۔

دونوں چلتے چلتے مندر کے پاس سے گزرے۔ ''ٹن......'' مندر کی گھنٹیوں کی آواز دونوں کے کانوں میں پڑیں۔

''یار رام ایک بات تو بتا......'' سنتوش نے رام کی طرف دیکھا۔

''پوچھ......'' رام سنتوش کی طرف متوجہ ہوا۔

''یار یہ گاؤں کے لوگ مندروں میں جاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟'' سنتوش نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''میں تیری بات کا مطلب نہیں سمجھا......'' رام نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''ہم جسے بھگوان کہتے ہیں جس کے سامنے جھکتے ہیں، جس کے سامنے اپنی آشائیں (خواہشات) رکھتے ہیں وہ تو بے جان ہے۔'' سنتوش نے کہا۔

''بے جان کب ہیں وہ...... وہ ہر سے ہمارے ساتھ رہتے ہیں، ہماری رکھشا کرتے ہیں۔'' رام نے بتایا۔

''لیکن ان بھگوان کو تو دینو کمہار بناتا ہے۔'' سنتوش نے تھوڑی کھجائی۔

''ہاں تو اور کیا دینو کمہار کو بھگوان ہی تو یہ کرنے کے لئے کہتے ہیں۔'' رام نے کہا۔

''پرنتو جو خود کسی کا محتاج ہو وہ بھلا کسی کی رکھشا کیا کر سکتا ہے۔'' سنتوش نے نقطہ اٹھایا۔

''وہ...... وہ......'' رام صرف ہکلا کر رہ گیا۔

''اچھا چل اس بات کو چھوڑ...... میں نے تو سنا بھگوان آسمانوں میں رہتا ہے۔'' سنتوش نے کہا۔

''ہاں تو اور کیا...... بھگوان آسمانوں میں بھی رہتا ہے اور یہ بت بھی تو بھگوان ہیں۔'' رام نے کہا۔

''تو اس کا مطلب بھگوان دو ہوئے......'' سنتوش نے رام کے آگے سوالیہ نشان چھوڑا۔

''ہاں ہو بھی سکتا ہے......''

''یار یہ تو کن باتوں میں پڑ گیا چھوڑ اس بات کو...... کیا تو اسی کارن مجھے باہر لایا تھا۔'' رام کو یکدم غصہ آ گیا۔

''دھرم کی باتیں پنڈت جی سے پوچھا کر مجھے ان باتوں کا کیا پتہ۔''

''ان سے بھی ضرور پوچھوں گا......'' سنتوش نے سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

''کیا کہا......'' شاید رام کو سنائی نہیں دیا تھا۔

''نہیں کچھ نہیں......'' سنتوش نے کہا۔

''اچھا یہ تو بتا تجھ سے ایسی باتیں کرتا کون ہے۔'' رام نے پوچھا۔

''چھوڑ اس بات کو......'' سنتوش نے موضوع بدلنا چاہا۔

''چل کسی جگہ بیٹھتے ہیں۔''

وہ دونوں ایک جگہ ہری ہری گھاس پر بیٹھ گئے۔

''گھر تو ہم نے دیکھ ہی لیا ہے۔''

اچانک ایک مردانہ کھردری آواز سنتوش کے کانوں میں پڑی اس نے حیرانگی سے اردگرد دیکھا ان دونوں کے پاس ہی دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

''پرنتو کام احتیاط سے کرنا ہوگا۔'' دوسرے آدمی نے کہا۔

''اس کی تم بالکل بھی چنتا نہ کرو...... تو پھر کب سے کام شروع کریں۔'' پہلے آدمی نے پوچھا۔

''رات کے سمے جب گاؤں کے سارے لوگ سو رہے ہوں گے۔'' دوسرے آدمی نے کہا۔

''ٹھیک ہے پہلے بھوجن کا انتظام تو کریں......'' دوسرے آدمی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

''چلو اٹھو پھر......'' پہلے آدمی نے کہا تو دوسرا آدمی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''یار سنتوش......'' ابھی رام کے منہ سے یہ الفاظ ہی نکلے تھے کہ سنتوش نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہوا تو رام بھی اس کی پیروی میں اٹھ کھڑا ہوا۔

اب سنتوش ان دونوں آدمیوں کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا وہ دونوں آدمی ایک ریسٹورنٹ میں آ کر بیٹھ گئے۔

سنتوش ان کے پاس ہی ایک طرف کھڑا ہو گیا، ان دونوں آدمیوں نے بیرے سے کھانا منگوایا اور پھر بیرے سے پوچھا۔

''یہاں رات گزارنے کا بندوبست ہو سکتا ہے۔''

''جی ہاں...... ہمارے پاس رات گزارنے کے لئے کمرے بھی ہیں، آپ ہمارے مالک سے بات کریں۔'' بیرے نے کہا تو دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ دونوں آدمی کھانا کھانے کے بعد ریسٹورنٹ کے اندر چلے گئے۔

''کیا بات ہے سنتوش......! تو ان دونوں آدمیوں کے پیچھے یہاں کیوں آ گیا۔'' رام نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ایک منٹ چپ کر۔'' سنتوش نے کہا وہ کافی دیر وہاں کھڑا رہا اور پھر سنتوش دوبارہ اس جگہ آ کر بیٹھ گیا جہاں سے وہ دونوں آدمیوں کے پیچھے اٹھ کر گیا تھا۔

''یار مجھے تو یہ بندے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔'' سنتوش نے اپنے دل کی بات کہی۔

''کیوں...... مجھے تو ان میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی......'' رام نے کہا۔

''تو نے ان کی باتیں غور سے نہیں سنیں......'' سنتوش نے حیرانگی سے پوچھا۔

''نہیں...... انہوں نے ایسی کیا بات کہہ دی جس کے کارن تو انہیں ٹھیک نہیں کہہ رہا۔'' رام نے پوچھا۔

''نجانے کیوں...... میرا دل گھبرا رہا ہے۔'' سنتوش نے اپنی کیفیت بیان کی۔

''تیرا دل تو ایویں گھبرانے لگ جاتا ہے۔'' رام نے ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں رام...... میرا دل ایویں نہیں بلکہ کسی کارن ہی گھبراتا ہے۔'' سنتوش نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اس دن جب وہ لڑکی بڑھیا کے بھیس میں ہمارے گھر آئی تھی تب میرا دل زوروں سے دھڑکا تھا اور پھر اس دن بھی جب میرا اپہارن ہوا تھا۔"

"ہوں......تو آج یہ کس کارن دھڑکا ہے۔" رام نے بظاہر سنتوش کا مذاق اڑایا۔

"تو تو مذاق سمجھ رہا ہے......چل یہ بتا رات کو میرے ساتھ آئے گا۔" سنتوش نے رام کو انگلی دکھاتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں......" رام نے حیرانگی سے پوچھا۔

"میں تجھے تیرے گھر کے باہر ملوں گا......" سنتوش نے کہا۔

"پرنتو......کس کارن۔" رام نے پوچھا۔

"تجھے دکھاؤں گا میرا دل کا گھبرانا صحیح ہے یا نہیں۔" سنتوش نے کہا۔

"نہ بابا نہ......ایک مرتبہ تیرے ساتھ جا کر دیکھ لیا ہے بخار کا اثر ابھی بھی باقی ہے۔" رام نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا تو سنتوش بے اختیار ہنس پڑا۔

"ہوں......تو پھر کیا کیا جائے ......" سنتوش نے سوالیہ نگاہوں سے رام کی طرف دیکھا۔

"پتہ تو چلے تو آخر کیا کرنا کیا چاہتا ہے۔" رام نے بھی پوچھا۔

"میں ان دونوں آدمیوں کے پیچھے جانا چاہتا ہوں ان کا مقصد جاننا چاہتا ہوں۔" سنتوش نے بتایا۔

"یار تجھے کیا وہ جو مرضی چاہے کریں......ویسے بھی یہ پولیس کا کام ہے۔" رام نے سنتوش کو سمجھایا۔

"پولیس......" سنتوش نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں......ہاں ویری گڈ......" رام واقعی تیری بات صحیح ہے یہ کام پولیس ہی کرے گی۔" چل پھر۔

"پرنتو کہاں......" رام نے غصے سے پوچھا۔

"پولیس اسٹیشن......" سنتوش نے بتایا۔

"پپ......پپ......پولیس ......اسٹیشن......تیرا دماغ تو ٹھیک ہے پاگل مجھے جان سے ماردیں گے۔" رام گھبراتے ہوئے بولا۔

"ایک تو، تو ڈرپوک بہت ہے یہ تو دیکھ میرے کارن شاید کسی کا بھلا ہی ہوجائے گا۔" سنتوش نے سمجھایا۔

"پولیس کے پاس جانے میں بھلا کسی کا بھلا ہوا ہے......" رام نے کہا تو سنتوش بے اختیار مسکرا دیا۔

"بے وقوف پولیس کسی کو بلاوجہ نہیں مارتی جو غلط کام کرتے ہیں اسی کو مارتی ہے۔" سنتوش نے بتایا۔

"پرنتو تو پولیس کے پاس کیوں جانا چاہتا ہے؟" رام نے دوہائی دینے والے لہجے میں پوچھا۔

"تو نے ہی تو کہا تھا کہ ان بندوں کو پکڑنا پولیس کا کام ہے پرنتو پولیس کو تو ابھی پتہ ہی نہیں کہ جرم ہونے والا ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں شک بھی ہے پھر بھی پولیس کو انفارم تو کرنا ہی ہوگا نہ اگر ہر کوئی پولیس کے ساتھ کوپریٹ کرے تو ہمارے ملک میں اتیاچار بالکل ختم ہوجائیں۔" سنتوش نے کسی سیاسی لیڈر کی طرح تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"کہیں ملک کو بچاتے بچاتے ہم خود اتیاچار کا شکار نہ ہوجائیں۔" رام نے کہا تو سنتوش پھر مجبوراً ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں انسپکٹر دیال کے آفس میں موجود تھے۔

"سنتوش بیٹا آپ کو پتہ ہے آپ میرے لئے کتنا لکی ثابت ہوئے ہو......" انسپکٹر دیال نے مسکراتے ہوئے سنتوش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں انکل......میں بھلا آپ کے لئے کیسے لکی ثابت ہوگیا......" جواباً سنتوش مسکرایا۔

"بیٹا میں کئی مہینوں سے اپنا ٹرانسفر شہر میں کروانا چاہتا تھا تم نے اس گینگ کو پکڑوا دیا تو سرکار مجھ سے بے حد خوش ہوئی......اب میرا ٹرانسفر تو ہو رہا ہے پرموشن بھی پکی ہے......" انسپکٹر دیال خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے انکل......" جواباً سنتوش بھی خوش ہوا۔

"انکل جی لگتا ہے اس پرموشن میں ایک اور کیس آپ کا منتظر ہے۔"

"کیا مطلب......؟" انسپکٹر دیال حیران ہوا۔

"میرے خیال میں ایک زبردست کیس آپ کا منتظر ہے۔" سنتوش نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"ہاں...... ہاں بتاؤ ...... بیٹا کیا کیس......ویسے بھی تمہاری رائے جھوٹی نہیں ہوتی۔" انسپکٹر دیال متوجہ ہوا۔

"انکل جی میں اور رام پارک میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ ہم نے وہاں دو آدمیوں کی عجیب باتیں سنیں۔" یہاں تک کہہ کر سنتوش نے ساری بات انسپکٹر دیال کو بتادی۔

"ہوں......" انسپکٹر دیال نے گہری سانس کھینچی۔

"تم نے دیکھا وہ کہاں ٹھہرے تھے۔"

"جی ہاں وہ کاکا جی کے ریسٹورنٹ میں ٹھہرے ہیں۔" سنتوش نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ سنتوش میں ضرور چیک کروں گا انہیں مجھے شواس ہے وہ دونوں آدمی کسی نہ کسی اپرادھ کے چکر میں ہیں۔" انسپکٹر دیال نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر انکل میں چلوں ......" سنتوش نے اجازت چاہی۔

"ہاں ٹھیک ہے اب تم دونوں جاؤ......" انسپکٹر دیال نے مسکراتے ہوئے اجازت دی۔

وہ دونوں پولیس اسٹیشن سے باہر آئے۔ "میری توبہ جو دوبارہ تمہارے ساتھ آیا۔" رام نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟" سنتوش نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"تو، تو بہت خطرناک چیز ہے مروائے گا تو ہتو۔" رام نے کہا تو جواباً سنتوش ہنستا رہا۔

سنتوش گھر پہنچا تو دیانند اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کہاں سے آئے ہو بیٹا۔" دیانند نے پیار سے پوچھا۔

"وہ ...... وہ میں پتا جی رام سے ملنے گیا تھا۔" سنتوش نے ہکلاتے ہوئے بتایا۔

"ہوں......چلو پھر......" دیانند نے اس کا ہاتھ پکڑا اور وہ خاموشی کے ساتھ اس کے پیچھے چل پڑا گاڑی میں بیٹھنے کے بعد سنتوش نے پوچھا۔

"پتا جی ہم کہاں جارہے ہیں؟"

"مندر......" دیانند نے بتایا۔

"پرنتو پتا جی میرا مندر جانے کو دل نہیں کرتا ......" سنتوش نے بیزار لہجے میں کہا۔

"چپ کرکے بیٹھ جاؤ۔" دیانند کے لہجے میں یکدم سختی آگئی اور سنتوش غصے سے برے برے منہ بنانے لگا۔

مندر پہنچنے پر سنتوش دیوی کے بے جان مجسمے کو غصے سے گھورتا رہا وہ دونوں مندر کے پنڈت کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

"پنڈت جی میں اپنے سپوتر کے کارن آپ سے ملنے آیا ہوں۔" دیانند التجائیہ لہجے میں بولا۔

"کیا کشٹ ہے دیانند جی آپ کے سپوتر کو۔" پنڈت نے سنتوش کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پنڈت جی یہ میرا سپوتر سنتوش ہے اس کے ساتھ عجیب وغریب گھٹنائیں گھٹ رہی ہیں۔" دیانند نے کہا اور سنتوش کے ساتھ ہونے والے تمام واقعات پنڈت کے سامنے دوہرا دیئے جو وہ جانتا تھا۔

"پنڈت جی دھرم کے بارے میں بھی یہ مجھ سے بہت بحث کرتا ہے۔"

"دھرم کے بارے میں......" پنڈت حیران ہوا۔

"جی ہاں......" اتنا کہہ کر دیانند نے مذہب کے بارے میں ہونے والی بحث وتکرار بھی پنڈت کو بتادی۔

"بیٹا بھگوان کسی کا محتاج نہیں ہوتا لیکن وہ اپنا کام اپنے بھگتوں سے اسی طرح لیتا ہے۔" پنڈت نے کہا۔

"پرنتو پنڈت جی بھگوان کو کاموں کی کیا ضرورت وہ تو خود اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔ وہ

انسان کی مدد انسان کے ذریعے کرتا ہے ذریعہ وہی ہوتا ہے اگر بھگوان کو ہی انسان کی ضرورت پڑ گئی تو پھر وہ بھگوان کیسے ہوسکتا ہے...... بھگوان کو پنڈت جی بتوں یا انسانوں میں نہیں بلکہ دل میں یاد کرنا چاہئے بھگوان تو آپ کے دل میں رہتا ہے وہ یہیں سے ہماری پکار سن کر ہماری مدد کرتا ہے ہماری رکھشا کرتا ہے۔"

"جہاں تک میں نے سنا ہے بھگوان صرف ایک ہے جو ہر ایک کا مالک ہے ہر دھرم کا انسان اسی نے بنایا ہے اسی کے آگے جھکنا چاہئے پرنتو یہاں تو اسے بھی بھگوان مانتے ہیں، ان بتوں کو بھی بھگوان مانتے ہیں جانوروں تک کو بھی بھگوان کا درجہ دیا جاتا ہے اور انسانوں کو بھی بھگوان مانا جاتا ہے...... ہر دھرم کی کتاب میں یہ لکھا ہے، بھگوان صرف ایک ہے صرف ایک...... وہی ہمیں پالتا ہے، وہی ہماری ہر اچھا پوری کرتا ہے، ہمارے لئے گرمی پیدا کرتا ہے، گرمی کے بعد سردی ہمارے لئے خوش گوار ہواؤں کا بندوبست کرتا ہے، ہمارے لئے بھوجن کا انتظام کرتا ہے، دن بناتا ہے تاکہ ہم بھوجن تلاش کرسکیں، رات بناتا ہے تاکہ ہم دن بھر کی تھکاوٹ دور کرسکیں۔ صرف ہمارے لئے......

پتا جب اپنی سنتان کا خیال کرتا ہے تو وہ اسے پتا مانتی ہے کسی دوسرے کو نہیں اگر بھگوان ہمارا اتنا خیال کرتا ہے تو اس کے ساتھ دوسرے کا تصور کیوں کریں۔ بیٹا جب جوان ہوتا ہے تو اس کا پتا اسے صاف لفظوں میں کہہ دیتا ہے کہ اب محنت کرو اور کھاؤ پرنتو بھگوان اپنے بندے کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا وہ ہر سمے ہمارا خیال کرتا ہے۔

صبح سے شام تک، رات سے دن تک، دنوں سے مہینوں تک، مہینوں سے سالوں تک یعنی چلتی سانس سے لے کر ختم ہونے والی سانس تک...... یعنی پورا جیون وہ اپنے بندے کا خیال کرتا ہے بدلے میں وہ صرف یہی کہتا ہے کہ اسے ایک مانو اسی سے مدد مانگو لیکن ہم تو یہاں زندگی اس کی دی ہوئی گزارتے ہیں کھانا پینا اس کا اوڑھنا بچھونا اس کا اور شکران بتوں انسانوں اور جانوروں کا......

"آپ خود سوچیئے وہ دیالو بھگوان کیا سوچتا ہوگا میں اپنے بندوں کا اتنا خیال کرتا ہوں ان کی ہر اچھا پوری کرتا ہوں بدلے میں وہ مجھے کئی حصوں میں بانٹتا ہے جن میں، میں ہوں ہی نہیں میں تو تمہارے دل میں ہوں تمہارے پاس ہوں ہر سمے تمہارے پاس ہوں......"

یہاں تک کہہ کر سنتوش خاموش ہوگیا، سنتوش کی لمبی چوڑی تقریر نے پنڈت کو لاجواب کردیا تھا۔ مندر میں موجود اور لوگ بھی اسی طرف متوجہ ہوگئے تھے اور پنڈت کو لاجواب کرنے والے چھوٹے سے بچے کو حیرانگی سے دیکھ رہے تھے۔ پنڈت انگارہ اگلتی آنکھوں سے سنتوش کو گھور رہا تھا اور کبھی کبھی نظریں چرا کر وہاں موجود لوگوں کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ دیانند کا بھی برا حال تھا ایک ہی وضاحت آمیز جواب نے پنڈت کی بولتی بند کردی تھی۔

"دیانند اپنے سپوتر کو گاڑی میں بیٹھا کر آؤ۔" تھوڑی دیر بعد پنڈت کی زبان نے اس کا ساتھ دیا تو اس نے دیانند سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"ج...... جی...... چلو بیٹا......" دیانند نے پہلے پنڈت اور پھر سنتوش سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ سنتوش خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا دیانند اسے گاڑی میں بیٹھا کر واپس آگیا۔

"دیانند تو کتنا نادان ہے...... تیرا پتر دھرم سے پھر رہا ہے اور تجھے اس کی چنتا ہی نہیں۔" پنڈت نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ج...... جی...... !" پریشانی کے باعث دیانند ہکلایا۔

"ہاں...... اگر یہ دھرم سے پھر گیا تو بھوسلا ناتھ تجھے جلا کر بھسم کردیں گے۔"

پنڈت نے کہا۔ "تت...... تت م تو کک...... کوئی اپائے کریں نہ پنڈت جی......" دیا! کا لہجہ التجائیہ تھا۔

"ہوں......" پنڈت نے گہری سانس کھینچی۔ م

"گھر میں کوئی غیر دھرم بندہ تو نہیں، یعنی کوئی

مسلا (مسلمان)" پنڈت نے لفظ "مسلا" پر دانت کچکچائے۔

"جی ہاں ہے تو سہی...... ہمارا چوکیدار عبداللہ ہے۔" دیانند نے بتایا۔

"سب سے پہلے اس پاپی کو نکالو وہی تیرے پتر کا دماغ خراب کررہا ہے۔" پنڈت بدستور غصے سے بولا۔

"دوسری بات...... کیا اس چوکیدار کا گھر یہیں ہے؟"

"جی ہاں......" دیانند نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر اپنے پتر کو کسی دوسری جگہ بھیج دو تاکہ اس کا ذہن ان خراب باتوں سے خالی ہو...... یہ کام تم جلد از جلد کرو ورنہ تمہارا بیٹا دھرم سے پھر جائے گا۔" پنڈت نے دیانند کو آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ دیانند نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

چاند کی چاندنی نے تاریک رات میں دن کا سماں پیدا کیا ہوا تھا۔ گاؤں کے لوگ گہری نیند میں ڈوبے رات کا حق ادا کررہے تھے۔ ایسے میں ایک گلی میں دو سائے نظر آئے جو انسانی تھے یہ وہی دو آدمی تھے، جو کاکا جی کے ریسٹورنٹ میں ٹھہرے تھے۔ وہ دونوں بڑی محتاطی سے چل رہے تھے اور ان کی خالی نگاہیں اردگرد کا معائنہ کررہی تھیں ان دونوں میں سے ایک نے ہاتھ میں کدال پکڑی ہوئی تھی چلتے چلتے وہ ایک کچے مکان کے سامنے رکے۔

انہوں نے اچھی طرح مکان کا جائزہ لیا مکان کی دیواریں زیادہ اونچی نہیں تھیں وہ دونوں آسانی سے دیوار پھلانگ سکتے تھے وہ دونوں دیوار پھلانگ کر مکان کے اندر داخل ہوئے ان دونوں نے اتنی احتیاط سے دیواریں پھلانگیں تھیں کہ گھر کے صحن میں سوئے ہوئے ایک چھوٹے بچے اور ایک عورت کو پتہ نہ چل سکا تھا وہ عورت یقیناً اس بچے کی ماں تھی۔

ایک نے آگے بڑھ کر عورت کی ناک پر رومال رکھ دیا اطمینان ہونے کے بعد اس آدمی نے وہ رومال ہٹالیا دوسرے نے آگے بڑھ کر عورت کے ساتھ سوئے ہوئے بچے کو اٹھالیا وہ دونوں دروازہ کھول کر باہر آئے انہوں نے پھر عقابی نگاہیں اردگرد گھمائیں اور پھر چل پڑے

"اب جلدی چلو۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ تو دوسرا اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

ان کا رخ اب گاؤں کے قبرستان کی طرف تھا وہ دونوں قبرستان میں کافی دیر چلنے کے بعد ایک جگہ رکے۔

"ٹھیک ہے اب تم اپنا کام کرو اور میں اپنا کام کرتا ہوں۔" دوسرے آدمی نے بچے کو زمین پر لٹانے کے بعد کدال والے آدمی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

کدال والے آدمی نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک جگہ زمین کھودنے لگا جبکہ دوسرے نے اپنی جیب سے ایک تیز دھار چاقو نکالا اور زمین پر پڑے بچے کی گردن پر رکھ دیا اس سے پہلے کہ وہ تیز دھار چاقو بچے کی گردن پر پھیرتا اچانک درختوں کی اوٹ میں سے دس پندرہ آدمی باہر نکلے اور ان دونوں آدمیوں کے گرد دائرے کی صورت میں گھیرا ڈال لیا۔ گھیرا ڈالنے والے آدمی پولیس وردیوں میں تھے وہ دونوں آدمی کانسٹیبلوں کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"ہینڈز اپ......" ایک طرف کھڑے انسپکٹر دیال نے بلند آواز میں کہا تو دونوں آدمیوں کے ہاتھ بے اختیار اٹھ گئے۔

"حرام زادوں بچے کی ہتھیا کرنا چاہتے تھے۔" انسپکٹر دیال نے دانت پیستے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر ایک زوردار لات چاقو والے آدمی کے پیٹ میں دے ماری اس آدمی کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور وہ اپنا پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔

"لے چلو ان آپرادھیوں کو تھانے میں۔" انسپکٹر دیال کانسٹیبلوں سے مخاطب ہوا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں آدمی تھانے کے ڈرائنگ روم میں موجود تھے وہ دونوں کافی ڈرے سہمے ہوئے تھے۔

"اب تم دونوں آسانی سے بتاؤ گے کہ یہ چکر

کیا ہے یا ذرا مہمان نوازی کرنا ہوگی۔" انسپکٹر دیال نے بظاہر ان دونوں کی رائے پوچھی۔

وہ دونوں کچھ نہ بولے بلکہ سہمی نگاہوں سے انسپکٹر دیال کو دیکھتے رہے۔

"دیکھو تم دونوں کا جرم تو سامنے آہی گیا ہے سیدھی طرح بتاؤ کہ یہ چکر کیا ہے ورنہ تم دونوں کشٹ میں پڑ جاؤ گے۔" ان دونوں کے کچھ نہ بولنے پر انسپکٹر دیال نے انہیں وارننگ دی۔

"ان...... سپک...... ٹر...... صا......حب ......وہ......وہ ......ہماری ہتھیا کر دے گا۔" ان میں سے ایک خوف زدہ لہجے میں بولا تو انسپکٹر دیال چونکا۔

"کون تمہاری ہتھیا کر دے گا۔" انسپکٹر دیال نے پوچھا۔

"وہ...... وہ...... ہم نہیں بتا سکتے۔" اس مرتبہ دوسرا ڈرتے ڈرتے بولا۔

"دیکھو تم دونوں چنتا مت کرو اس سے تم دونوں پولیس کی حراست میں ہو کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔" انسپکٹر دیال نے دونوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"وہ......وہ اگر چاہے تو وہیں بیٹھے بیٹھے ہماری ہتھیا کر سکتا ہے۔" دوسرا بولا۔

"پاگل ہوگئے ہو تم وہ کیا کوئی آتما یا بھوت ہے جو وہیں بیٹھے بیٹھے تمہاری ہتھیا کر دے گا۔" انسپکٹر دیال کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

پاس کھڑے کانسٹیبل بھی ہنسنے لگے۔

"انسپکٹر صاحب آپ اسے نہیں جانتے اس کے پاس مہان شکتیاں ہیں۔ آتمائیں اور بھوت اس کے غلام ہیں۔" اس مرتبہ پہلا آدمی بولا۔

"کیسی بے وقوفانہ باتیں کر رہے ہو تم دونوں یہ من گھڑت اور پرانی باتیں ہیں۔" انسپکٹر دیال نا یقین آنے والے لہجے میں بولا۔

"انسپکٹر صاحب آپ وشواس کریں ہم جھوٹ نہیں بول رہے۔" دوسرا آدمی پختہ لہجے میں بولا۔

"پہلا تم یہ بتاؤ کہ یہ معاملہ کیا ہے پھر شاید میں تمہاری باتوں پر وشواس کرلوں۔" انسپکٹر دیال نے کہا۔

"انسپکٹر صاحب ہم مجبور ہیں اگر ہم نے زبان کھولی تو وہ ہماری ہتھیا کر دے گا۔" پہلے آدمی نے کہا۔

"ہوں......تو تم دونوں نہیں ماننے والے۔ اب تم دونوں مجھے سختی کرنے پر مجبور کر رہے ہو ٹھیک ہے پھر۔" اتنا کہہ کر انسپکٹر دیال نے اپنے سامنے کھڑے کانسٹیبل سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"ساونت اب یہ دونوں تمہارے حوالے ہیں جب یہ دونوں سچ بولنے لگیں تو مجھے بلا لینا لیکن کم سے کم سے لینا۔"

"آپ چنتا ہی نہ کریں انسپکٹر صاحب آدھے گھنٹے میں یہ گونگے فر فر بولیں گے۔" ساونت نے کہا تو انسپکٹر دیال اثبات میں سر ہلاتا ہوا اپنے آفس میں آکر بیٹھ گیا۔

ساونت نے واقعی میں آدھے گھنٹے میں انہیں سچ بولنے پر مجبور کر دیا تھا انسپکٹر دیال ڈرائنگ روم میں پہنچا تو دونوں کی حالت کافی پتلی تھی، چہرے پر تھپڑوں کے بے تحاشہ نشانات تھے اور ہونٹ پھٹے ہوئے تھے جن میں سے خون نکل رہا تھا۔

"ہاں تو اب بتا یہ سارا تماشہ کیا ہے۔" انسپکٹر دیال نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر صاحب ہم واسع پور گاؤں کے رہنے والے ہیں۔" ان میں سے ایک نے بتانا شروع کیا۔

"واسع پور......" کہیں یہ وہی گاؤں تو نہیں جہاں ایک مہان سادھو کی بڑی چرچا ہے۔" انسپکٹر دیال نے تصدیقی لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں......وہی، وہی ہم اسی گاؤں کے باسی ہیں۔" اس کے بعد ان دونوں نے جو باتیں انسپکٹر دیال کو بتائیں انہیں سن کر انسپکٹر دیال دنگ رہ گیا۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم دونوں۔" ساری باتیں سن کر انسپکٹر دیال غصے سے چیخا۔

"انسپکٹر صاحب ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں......حقیقت یہی ہے۔" وہ دونوں بیک زبان

ہو کر بولے۔

"اوہ نو......تم دونوں نے تو مجھے حیران کر دیا ہے۔" انسپکٹر دیال کو تو شاید ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے مجھے فوری ایکشن لینا ہوگا......جی سر نہیں تو دیر بھی ہو سکتی ہے۔" ساونت نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"چلو پھر جلدی کرو۔" انسپکٹر دیال نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

"سادھو جی وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے۔" کمرے میں بیٹھا وہ نوجوان آدمی اس بوڑھے آدمی کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

اس بوڑھے کا چہرہ جھریوں سے بھرا پڑا تھا سر کے بال کافی لمبے تھے جو اس نے پیچھے کی جانب سیٹ کئے ہوئے تھے۔ لمبی ناک سرخ آنکھیں یعنی وہ ایک طرح کا شیطان ہی لگ رہا تھا۔

"چنتا مت کرو رنجیت وہ تمہاری سمسیا کا اپائے ہی ڈھونڈنے گئے ہیں۔" وہ بوڑھا سادھو گرج دار آواز میں بولا۔

"ایسا نہ ہو سادھو میری دھرم پتنی کی آتما واپس چلی جائے اور میں ہاتھ ملتا ہی رہ جاؤں۔" رنجیت نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"رنجیت چنتا مت کرو میرے وہ آدمی جلدی واپس آجائیں گے......تب تک ہم باقی کام پورا کر لیں۔" سادھو نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے سادھو جی۔" رنجیت نے کہا تو سادھو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ دونوں ساتھ ہی دوسرے کمرے میں داخل ہوئے دوسرے کمرے میں دو بڑے ٹیلوں پر ایک خوب صورت نوجوان لڑکی اور دوسرے ٹیبل پر ایک آٹھ نو سال کا بچہ لیٹا ہوا تھا بچے کو رسیوں سے باندھا گیا تھا لڑکے کی آنکھیں کھلیں ہوئی تھیں اور وہ کمرے کی چھت کو گھور رہا تھا دوسرے میز پر لیٹی خوب صورت لڑکی کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ زندگی کی قید سے آزاد تھی۔

رنجیت کی نظر اس لڑکی پر پڑی تو اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی وہ دونوں بچے کی ٹیبل کے پاس آئے سادھو نے بچے کی آنکھوں میں جھانکا بچے کی نظروں کا دائرہ اب سادھو کی آنکھوں کی طرف تھا۔

سادھو نے ہاتھ فضاء میں بلند کیا اور منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا تھوڑی دیر بعد سادھو کے ہاتھ میں ایک چاقو آگیا رنجیت حیرانگی سے سادھو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

سادھو نے چاقو کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور ہوا میں بلند کیا۔

"ٹھاہ...... اسی وقت کمرے میں ایک فائر کی آواز گونجی رنجیت اور سادھو نے حیرانگی سے اس طرف دیکھا کمرے کے بیرونی دروازے کے قریب انسپکٹر دیال چار کانسٹیبلوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

سادھو کے دو چیلے بھی ساتھ ہی تھے جنہیں انسپکٹر دیال نے گاؤں کے قبرستان سے اغوا کیا تھا۔

"خبردار اگر کسی نے ہلنے کی کوشش کی تو۔" انسپکٹر دیال غضب ناک لہجے میں بولا۔

سادھو کی سرخ آنکھیں اپنے ان دو چیلوں کو گھور رہی تھیں سادھو شاید سمجھ گیا تھا کہ انسپکٹر دیال یہاں کیسے پہنچا تھا۔

"خبیث سادھو تو کیسا نیچ اور پاپی کام کر رہا ہے۔" انسپکٹر دیال نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تھپڑ سادھو کے گال پر مارتے ہوئے غصے سے کہا۔

"انسپکٹر یہ تھپڑ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا......بہت مہنگا۔ یہ تھپڑ تم نے رنگا کے گال پر مارا ہے اور میں تھپڑ کو تمہاری طرف سے چنوتی مانتا ہوں اور میں یہ چنوتی سویکار کرتا ہوں یہ تھپڑ میں تمہیں ضرور واپس کروں گا وہ بھی بیاج کے ساتھ۔"

وہ سادھو رنگا اپنے گال کو سہلاتے ہوئے انسپکٹر دیال کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"زبان لڑاتا ہے پاپی۔" انسپکٹر دیال نے کہا

اور ایک زوردار تھپڑ رنگا کے چہرے پر دے مارا۔

"انسپکٹر آج سے تیرا ہے جب سے کی لگام میرے ہاتھ میں ہوگی تب تجھے دیکھوں گا میں۔" رنگا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"لے چلو ان نیچ پاپیوں کو تھانے میں۔" انسپکٹر دیال نے گھوم کر پیچھے کھڑے کانسٹیبلوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

کچھ گھنٹوں بعد انسپکٹر دیال اپنی پارٹی سمیت تھانے میں موجود تھا رنگا، رنجیت اور رنگا کے کے دونوں چیلوں کو ایک ہی حوالات میں بند کردیا گیا تھا۔

انسپکٹر دیال اپنے آفس میں آ کر بیٹھ گیا تھا انسپکٹر دیال کے سامنے اے ایس آئی بھی بیٹھا ہوا تھا۔

"سر بھگوان کی بڑی کرپا ہے کہ ہم نے دونوں بچوں کی جان سے پر بچالی۔" اے ایس آئی جوش کے عالم میں بولا۔

"ہاں پرکاش پرنتو مجھے حیرت ہے اس رنگا سادھو پر جو اپنے سادھو پن کی آڑ میں اتنا گھناؤنا اور نیچ کام کررہا تھا۔" انسپکٹر دیال افسوس زدہ لہجے میں بولا۔

"سر یہی کچھ ہورہا ہے ہمارے دیش میں جہالت عام ہے جتنا نجانے کیوں ایسے جعلی سادھوؤں پر وشواس کرتی ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے مندروں میں موجود پنڈت بھی ڈھونگ رچاتے ہیں ان کے بھی کئی کیس آپ نے ہینڈل کیے ہیں۔" پرکاش نے کہا۔

"ہاں پرکاش یہ تو ہے دھرم کے بندے دھرم کو سمجھنے کے باوجود پاپ (گناہ) کا کام کرتے ہیں۔" انسپکٹر دیال افسوس زدہ لہجے میں بولا۔

"سر یہ تو شکر ہے بھگوان کا کہ ہم داسع پور سے پر پہنچ گئے ورنہ ایک قیمتی اور معصوم جان ضائع ہوجاتی تھی۔" پرکاش نے کہا۔

"بالکل پرکاش......" جواباً انسپکٹر دیال مسکرایا۔

سر اس رنگا کو پکڑا تو ہم نے ہے پر اس کا سارا کریڈٹ دیانندجی کے بیٹے سنتوش کو جاتا ہے۔" پرکاش نے کہا۔

"تمہاری بات صحیح ہے پرکاش وہ لڑکا بڑا مہان ہے اس سے پہلے بھی تو اس نے کئی بار ہماری مدد کی ہے وہ لڑکا یقیناً مہان شکتیوں کا مالک ہے پرنتو۔" انسپکٹر دیال کہتے کہتے رکا۔

"پرنتو کیا سر......" پرکاش نے پوچھا۔

"تمہیں یاد ہے پرکاش جب سنتوش کا اپہارن ہوا تھا اسے جس مکان میں رکھا گیا تھا وہاں سے ہمیں تین انسانی ڈھانچے ملے تھے۔" انسپکٹر دیال نے کہتے کہتے پرکاش سے تصدیق چاہی۔

"ہاں سر......" پرکاش نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میرے خیال میں کہیں سنتوش کے پیچھے شیطانی شکتیوں کا بسیرہ نہ ہو۔ پرنتو ایک بات میں وشواش سے کہہ سکتا ہوں۔" انسپکٹر دیال کا لہجہ یکدم مضبوط ہوگیا۔

"وہ کیا سر......" پرکاش نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ان شیطانی شکتیوں کا مقابلہ کرنا خوب جانتا ہے جب ہم اس مکان میں پہنچے تھے تو سنتوش وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔" انسپکٹر دیال نے کہا۔

"ویسے سر اس نے جب بھی ہمیں کوئی بات بتائی ہے وہ سچ ہوتی ہے میرے خیال میں وہ پولیس کے کافی کام آسکتا ہے۔" پرکاش نے کہا۔

"وہ کیسے؟" انسپکٹر دیال نے سوالیہ نگاہوں سے پرکاش کی جانب دیکھا۔

"وہ ایسے کہ سر جب بھی اس کے دل میں کسی بات کا خدشہ پیدا ہو وہ ہمیں بتادیا کرے تو ہم اس مشن پر نکل کھڑے ہوں گے۔"

پرکاش نے مسکراتے ہوئے کہا تو انسپکٹر دیال ایک زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اچھا پرکاش اب میں سونے جارہا ہوں۔ تم رنگا اور اس کے چیلوں کی خبر لو صبح تک وہ مجھے سچ بولتے نظر آئیں۔" انسپکٹر دیال نے اٹھتے ہوئے سنجیدہ لہجے

میں کہا۔

"انسپکٹر صاحب آپ چنتا نہ کریں صبح جب آپ فریش ہوکر واپس آئیں گے تو رنگا اور اس کے دونوں آدمی بولتے نظر آئیں گے۔" پرکاش نے کہا تو انسپکٹر دیال مسکراتا ہوا آفس سے باہر نکلا۔

اپنے کوارٹر کی طرف جاتے جاتے حوالات میں موجود رنگا اور اس کے آدمیوں پر بھی نظر ڈال لی تھی۔

سادھو رنگا تو حوالات کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے گردن جھکا کر بیٹھا ہوا تھا۔ جبکہ رنجیت اور رنگا کے آدمی سو رہے تھے کوارٹر میں آنے کے بعد انسپکٹر دیال نے کپڑے تبدیل کئے اور چارپائی پر آ کر لیٹ گیا۔

اچانک انسپکٹر دیال کو یوں محسوس ہوا جیسے کمرے میں کوئی ہو انسپکٹر دیال چونکنے انداز میں اٹھ کر بیٹھا کوارٹر میں صرف دو کمرے تھے دوسرے کمرے کی لائٹ آف تھی اچانک دوسرے کمرے میں کسی چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ انسپکٹر دیال سمجھ گیا دوسرے کمرے میں یقیناً کوئی ہے انسپکٹر دیال ہولے سے چارپائی سے نیچے اترا اور ایک طرف کھونٹی پر لٹکی اپنی وردی کی طرف بڑھا انسپکٹر دیال نے قریب پہنچنے پر وہاں سے ریوالور لیا اور ہلکے ہلکے قدموں کے ساتھ دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔

انسپکٹر دیال کے کمرے میں چھت کی سیڑھیوں کے ذریعے کوئی بھی آسکتا تھا۔

"کون ہے کمرے میں......" انسپکٹر دیال کمرے کے قریب پہنچنے پر گرج دار آواز میں بولا...... "جو بھی کمرے میں ہے ہاتھ اوپر کرکے باہر آجائے۔"

"میاؤں......" اسی وقت دوسرے کمرے سے بلی کے بولنے کی آواز آئی وہ بلی تیزی سے کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بھاگی بے اختیار انسپکٹر دیال کی ہنسی نکل گئی۔ انسپکٹر دیال نے لائٹ آن کی تو کمرے کے فرش پر اسٹیل کا ایک گلاس پڑا ہوا تھا انسپکٹر دیال نے لائٹ آف کی ریوالور کو ہولسٹر میں ڈالا اور دوبارہ چارپائی پر آ کر لیٹ گیا کچھ دیر بعد انسپکٹر دیال کی پلکوں نے بھاری ہونا شروع کردیا یعنی نیند کا بلاوا آ گیا تھا۔

اچانک انسپکٹر دیال نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں وہ حیرانگی سے اردگرد دیکھنے لگا اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس کی آنکھیں کس وجہ سے کھلیں تھیں اسی وقت بیرونی دروازے پر زوردار انداز میں دستک ہوئی اور انسپکٹر دیال سمجھ گیا دروازے پر ہونے والی دستک کی وجہ سے ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔ دستک ایک مرتبہ پھر ہوئی انسپکٹر دیال اٹھ کر کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازے کے قریب پہنچنے تک دو مرتبہ مزید دستک دی جاچکی تھی انسپکٹر دیال نے دروازہ کھولا تو سامنے اے ایس آئی پرکاش کھڑا تھا جو کافی پریشان تھا۔

"خیر تو ہے پرکاش۔" انسپکٹر دیال نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں سر خیرت نہیں ہے بہت زیادہ گڑبڑ ہوگئی ہے۔" پرکاش نے پریشان کن لہجے میں بتایا۔

"کچھ بتاؤ تو سہی......" انسپکٹر دیال نے بے چین لہجے میں پوچھا۔

"آپ چلئے تو سہی۔" پرکاش نے تیز لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے تم چلو میں وردی پہن کر آتا ہوں۔" انسپکٹر دیال نے کہا تو پرکاش اثبات میں سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔

انسپکٹر دیال نے واپس آ کر وردی پہنی اور تھانے میں آگیا۔

انسپکٹر دیال نے دیکھا تھانے کا سارا عملہ حوالات کے پاس موجود تھا۔

انسپکٹر دیال کے قریب پہنچنے پر تھانے کے عملے نے انسپکٹر دیال کو راستہ دیا سامنے حوالات میں ایک خوف ناک منظر انسپکٹر دیال کا منتظر تھا سادھو کے دونوں چیلے زمین پر پڑے ہوئے تھے اور خوف ناک بات یہ تھی

کہ دونوں کے سر دھڑ سے غائب تھے۔ سادھو حالات میں موجود نہیں تھا۔

”یہ...... یہ کیا......“ پریشانی کے باعث انسپکٹر دیال کے منہ سے نکلا۔ ”اور یہ سادھو کہاں ہے۔“

”وہ...... وہ سر پتہ نہیں کہاں غائب ہوگیا۔“ پرکاش نیند کے عالم میں بولا۔

”کیا......؟“ انسپکٹر دیال چلایا۔

”سر آپ کے جانے کے بعد میں نے ایک سرسری نظر حوالات پر ڈالی تو سادھو اور اس کے دونوں چیلے موجود تھے اور واسع پور کا رہائشی بھی جب تھوڑی دیر بعد تفتیش کے لئے میں نے ساونت کو انہیں لانے کے لئے بھیجا تو تھوڑی دیر بعد ساونت گھبرایا ہوا میرے پاس آیا اور کہا۔

”سس...... سر...... وہ...... وہ سادھو رنگا۔“

”کیا ہوا ساونت تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو......“ میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

”وہ...... وہ...... سر رنگا اور رنجیت حوالات میں نہیں ہیں اس کے دونوں ساتھیوں کے شریر بڑی بری حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔“

”ساونت نے ہکلاتے ہوئے مجھے ساری بات بتائی۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو تم......“ میں کہتے ہوئے حوالات کی طرف بھاگا میں نے دیکھا رنگا اور رنجیت حوالات سے غائب تھے اور اس کے دونوں ساتھیوں کے بغیر سروں کے شریر (جسم) حوالات میں پڑے ہوئے تھے۔“

پرکاش نے خوف زدہ لہجے میں بتایا۔

”یہ...... یہ کیا ہوا......“ پریشانی کے باعث انسپکٹر دیال اپنا سر پکڑتے ہوئے بولا۔

”ہا...... ہا...... ہا......“ اچانک انسپکٹر دیال کے کانوں میں سادھو رنگا کے قہقہوں کی آواز پڑی تو وہ چونکا۔

”تت...... تم...... نے کچھ سنا۔“ انسپکٹر دیال نے پرکاش سے پوچھا۔

”کیا سر......“ پرکاش نے حیرانگی کے عالم میں پوچھا۔

”اب...... ابھی رنگا کے قہقہوں کی آواز میرے کانوں میں پڑی تھی۔“ انسپکٹر دیال نے حوالات میں اردگرد دیکھتے ہوئے کہا۔

”نن...... نہیں سر...... رنگا تو پورے تھانے میں کہیں نہیں ہے ہم نے تو پورا تھانہ چھان مارا ہے۔“ پرکاش حیرانگی سے انسپکٹر دیال کی طرف دیکھتے ہوئے پختہ لہجے میں بولا۔

”نہیں پرکاش...... رنگا کے ہنسنے کی آواز ابھی ابھی میرے کانوں میں پڑی ہے۔“ انسپکٹر دیال نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہا...... ہا......“ ایک مرتبہ پھر رنگا کے قہقہوں کی آواز انسپکٹر دیال کے کانوں میں پڑی۔ انسپکٹر دیال نے حیرانگی سے اردگرد دیکھنا شروع کردیا۔ مگر سوائے تھانے کے عملے اور بغیر سروں کی ان دو لاشوں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا۔

”انسپکٹر دیال چنتیت مت ہو......“ اس تھپڑ کی گونج ابھی بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے اور وہ گونج تب تک گونجے گی جب تک میں تم سے بدلہ نہ لے لوں میں نے اپنے ان دو آدمیوں کو سزا تو دے دی ہے صرف اس لئے کہ تمہارے خوف کے کارن انہوں نے منہ کھولا پرنتو تم چنتا مت کرو میں تمہاری ہتھیا نہیں کروں گا بلکہ تمہیں تڑپاؤں گا...... اب تو میں جا رہا ہوں پرنتو ہماری ملاقات ضرور ہوگی۔“ ساتھ ہی انسپکٹر دیال کے کانوں میں رنگا کے قہقہوں کی آواز گونجنے لگی۔

☆......☆......☆

”پرنتو...... پرنتو پتا جی آپ نے عبداللہ انکل کو نوکری سے کیوں نکال دیا۔“ سنتوش کا لہجہ شکایت آمیز تھا۔

”وہ تمہارا انکل نہیں ہے سنتوش وہ صرف ایک

اچھوت ہے۔“ دیانند نے غصے سے کہا۔

”اچھوت...... پرنتو پتا جی دنیا میں تو کوئی اچھوت نہیں ہوتا سب انسان برابر ہوتے ہیں۔“ سنتوش نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”نہیں بیٹا سب انسان برابر نہیں ہوتے مالک اور نوکر میں فرق ہوتا ہے اب تم ہی بتاؤ ہم گاڑیوں میں گھومتے ہیں اور وہ انہی گاڑیوں کو پیسوں کے لئے صاف کرتا ہے ہمارے گیٹ پر دن رات ڈیوٹی کے لئے موجود رہتا ہے جب ہماری گاڑی گیٹ کے پاس آتی ہے تو وہ گیٹ کھولتا ہے اب تم ہی بتاؤ وہ ہمارے برابر کس طرح ہوا۔“ دیانند کا لہجہ مغرورانہ تھا۔

”پیسوں کے لئے......“ سنتوش ہنسا۔

”پرنتو آپ بھی تو کام پیسوں کے لئے ہی کرتے ہیں پتا جی۔“ سنتوش بولا۔

”فرق ہے بیٹا...... ہم ہائی لیول کا کام کرتے ہیں اور وہ کیول ایک چوکیدار ہے۔“ دیانند نے کہا۔

”وہ بھی تو کام ہی کرتا ہے پتا جی بس فرق یہ ہے کہ اس کا لیول ذرا ہم سے چھوٹا ہے وہ بھی آپ کی نظر میں...... آج تک عبداللہ انکل نے کبھی بھی آپ کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے کبھی بھی پریشانی کی حالت میں بھی اپنی تنخواہ کے علاوہ کچھ نہیں مانگا۔ آپ بھی اپنے کام کو سمے دیتے ہیں تو آپ کو پیسے ملتے ہیں وہ دن رات ہمارے گیٹ پر کھڑے رہ کر ہماری رکشا کرتے ہیں تب جا کر وہ اپنی محنت کے پیسے ہم سے لیتے ہیں ۔جس طرح آپ دن رات ایک کرکے آفس کا کام کرکے پیسے کماتے ہیں۔“ سنتوش نے وضاحتی لہجے میں کہا۔

دیانند سرخ آنکھوں سے سنتوش کو گھور رہا تھا۔ ”بس وہ کام ٹھیک نہیں کرتا تھا میں نے اکثر راتوں کو اسے سوتے دیکھا تھا اسی کارن میں نے اسے نوکری سے نکال دیا۔“ دیانند نے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔

”پرنتو آپ تو ابھی کہہ رہے تھے......“ ابھی سنتوش نے اتنا ہی کہا تھا کہ دیانند نے غصے سے اسے ٹوکا۔

”بس اب بکواس بند کرو تم دن بدن بدتمیز ہوتے جا رہے ہو......“ راگنی کیسی سکھشا دے رہی ہو تم اسے اپنے پتا کے سامنے زبان لڑا رہا ہے۔“

ایک طرف کھڑی راگنی جو خاموشی سے ایک طرف بیٹھی ان دونوں کی بحث وتکرار سن رہی تھی اپنے پتی کے ٹوکنے پر تیزی سے آگے بڑھی۔ ”چلو بیٹا ہم دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔“ راگنی سنتوش کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔

”اسے دو تین دنوں میں، میں اسے تمہارے بھیا کے ہاں چھوڑ کر آؤں گا یہ پنڈت صاحب کا آرڈر ہے...... کچھ زیادہ ہی بدتمیز ہوگیا ہے یہ......“ دیانند نے غصے سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

”مما میں نہیں جاؤں گا شہر۔“ سنتوش ضدی لہجے میں بولا۔

”بیٹا جانا تو تمہیں پڑے گا کیونکہ پنڈت جی کا آرڈر ہے اور تمہیں تو پتہ ہی ہے تمہارے پتا جی پنڈت جی کے ہر حکم کا پالن کرتے ہیں۔“ راگنی نے بظاہر سنتوش کو سمجھایا۔

”پرنتو مما مجھے شہر نہیں جانا میں اپنے گاؤں میں خوش ہوں۔“ سنتوش کے لہجے میں بدستور ضدی پن شامل تھا۔

”کہاں جا رہے ہو تم سنتوش۔“ اچانک رام نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”ارے رام بیٹا تم......“ راگنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میرا دوست کہاں جا رہا ہے۔“ رام نے راگنی سے پوچھا۔

”شہر اپنے ماما کے ہاں۔“ راگنی نے بتایا۔

”شہر...... کتنے دن کے لئے۔“ رام نے حیرت سے پوچھا۔

”شاید لمبے عرصے کے لئے......“ راگنی اداس لہجے میں بولی۔

''لمبے عرصے کے لئے...... پراسے گاؤں میں کیا کشٹ ہے......'' رام نے سنتوش کو چڑاتے ہوئے کہا تو جواباً سنتوش نے اسے آنکھیں دکھائیں تو راگنی بے اختیار ہنس پڑی۔

''یہ تو اس کے پتا جانے......'' راگنی نے کہا۔

''میں جانتا ہوں راگنی ماسی اس کے پتا جی اسے کیوں شہر بھیج رہے ہیں۔'' رام نے مصنوعی غصے سے سنتوش کو گھورتے ہوئے کہا۔

''کیوں......'' راگنی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''وہ اس لئے کہ ہر ایک کے معاملے میں تو یہ ٹانگ اڑاتا ہے اور ویسے بھی گاؤں والے اب اس سے تنگ آ گئے ہیں۔'' رام نے کہا تو راگنی ایک زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اور سنتوش ایک مرتبہ پھر غصے سے رام کو گھورنے لگا۔

''اچھا...... رام اب ایک دوسرے کو چھیڑنا بند کرو اور چھت پر جا کر کھیلو کوئی باتیں کرو آخر کار تمہارا خاص دوست شہر جا رہا ہے۔'' راگنی نے کہا تو دونوں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

راگنی بیڈ پر پڑے کپڑے اٹھا کر الماری میں رکھنے لگی تھوڑی دیر بعد دیانند کمرے میں داخل ہوا قدموں کی آہٹ پر راگنی چونکی اس نے گھوم کر دیکھا۔

''کیا کہتا ہے اب تمہارا لاڈلہ۔'' دیانند ایک طرف دیوار کے پاس پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ابھی وہ بچہ ہے اور آپ ابھی اسے بھیج رہے ہیں۔'' راگنی کے لہجے میں ایک تڑپ موجود تھی۔

''دکھ تو مجھے بھی ہے راگنی پرنتو تم بھی جانتی ہو وہ حرکتیں ہی عجیب و غریب کرتا ہے اس کا اپہارن ہونا، ڈاکوؤں کا ہمارے گھر آنا اس کے بے تکے سوال ان عجیب و غریب صورت حال نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا ہے دھرم کے بارے میں عجیب و غریب سوالات کرتا ہے مجھ سے زبان لڑاتا ہے...... اور تمہیں پتہ ہے آج تھانے میں موجود جن دو لاشوں کا ذکر کیا جا رہا ہے مجھے انسپکٹر دیال نے بتایا ہے کہ وہ دونوں آدمی سنتوش کے کارن ہی پکڑے گئے وہ دونوں بہت خطرناک تھے ان کا سادھو رنگا غائب ہو گیا ہے وہ بھی بند سلاخوں کے پیچھے سے یہی نہیں یہ مندر میں پنڈت جی سے بھی بحث کرنے لگے تھا۔'' دیانند نے تفصیلاً ساری بات راگنی کو بتائی۔

''کیا......'' راگنی حیران ہوئی۔

''ہاں راگنی عبداللہ کو بھی میں نے اسی لئے فارغ کر دیا ہے کیونکہ پنڈت جی نے کہا ہے کہ تیرا چھوکرا کہیں عبداللہ کے کارن دھرم سے ہی نہ پھر جائے شہر میں تمہارے بھائی کے ہاں رہے گا اس کا من بدلے گا اگر یہاں رہا تو اس کی عجیب و غریب حرکتیں جاری رہیں گیں۔'' ابھی دیانند کی بات جاری تھی کہ ایک ملازم گھبرایا ہوا اندر آیا۔

''کیا ہوا رامو...... اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو......'' دیانند نے حیرانگی سے پوچھا۔

''مم...... مم...... مالک...... وہ...... وہ...... سنتوش...... سنتوش بابو نے رام کو چھت سے دھکا دے دیا ہے۔'' رامو نے عجیب خبر سنائی۔

''کیا...... ؟'' دیانند اور راگنی بیک زبان ہو کر چلائے۔

☆......☆......☆

''ارے سنتوش تم......'' عبداللہ چوکیدار سنتوش کو اپنے گھر میں دیکھ کر چہکا۔

''کیا حال ہے عبداللہ انکل......'' سنتوش بھاگ کر عبداللہ سے لپٹتے ہوئے بولا۔

''اللہ کا شکر ہے بیٹا تم سناؤ۔'' عبداللہ نے مسکراتے ہوئے بتاتے ہوئے پوچھا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں...... پرنتو مجھے آپ سے شکایت ہے۔'' سنتوش منہ بناتے ہوئے بولا۔

(جاری ہے)

آسیبی مسکن

محمد حنیف شاکر۔ننکانہ صاحب

اچانک کمرے میں کئی آسیبی وجود نمودار ہوئے ان کی صورت مسکین جیسی تھی آنکھوں میں التجا اور جسم پر لرزا طاری تھا وہ سب کے سب اپنی آزادی کے خواہاں تھے اور پھر......

حقیقی کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے......ایک حقیقی......اور حیرت ناک......کہانی

لوگ سچ کہتے ہیں کہ جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ جمیا ہی نہیں، (پیدا ہی نہیں ہوا) لاہور جو آج کل بہت بڑا شہر ہے، ایک کروڑ سے زیادہ کی آبادی کراچی کے بعد پاکستان کا دوسرا بڑا شہر جس کا شمار دنیا کے بڑے بڑے خوبصورت شہروں میں ہوتا ہے، جہاں اب تجارت، صنعت و حرفت تہذیب و تمدن اور علمی ترقیوں کے لحاظ سے اس وقت یہ پاکستان کا دل کہلاتا ہے۔ شہر کی رونق اور خوبصورتی کا اندازہ تو اس سے ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں سینکڑوں خوبصورت عالی شان محل نما کوٹھیاں، بیسیوں کالج، ہزاروں اسکول، درجنوں یونیورسٹیاں، سینکڑوں مدرسے، بے شمار ہسپتال بڑے بڑے دفاتر ہائیکورٹ، گورنر ہاؤس، اسمبلی ہال، ائیر پورٹ، لاکھوں مسجدیں، بے شمار مارکیٹیں، کشادہ و وسیع سڑکیں، جن پر فراٹے بھرتی چمچماتی گاڑیاں، تاریخی عمارتیں، بادشاہی مسجد، شاہی قلعہ

شالامار باغ، مقبرہ نور جہاں، دریا راوی کے بیچ بارہ دری اور پھر بزرگان دین کے مزار مبارک حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ، حضرت عزیز الدینؒ پیر مکی شاہ۔ حضرت میراں حسین زنجانیؒ، حضرت حیدر شاہؒ، حضرت مادھولال حسین شاہؒ، بی بیاں پاکدامن، حضرت شاہ جمالؒ اور بہت سے بے شمار بزرگان دین کے مزار مبارک کے علاوہ تجارت کے لحاظ سے ایک بہت بڑی منڈی شہر کے شاندار اور پر رونق بازار، بڑی کثرت سے سرسبز باغات و پارک، کھیلوں کے میدان اپنی خوبصورتی اور شادابی کے لحاظ سے پاکستان کی جنت کہتے ہیں۔ جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ جمیا ہی نہیں شہر میں میوزیم اور بہت بڑا چڑیا گھر بھی موجود ہے، یہ میں کیا لاہور کا نقشہ کھینچنے بیٹھ گیا ہوں۔

ہاں تو میں اس وقت کی بات کر رہا ہوں جبکہ ابھی پاکستان معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔ یعنی پاکستان کی سر زمین بھی ہندوستان کا ہی حصہ تھی۔ اس وقت لاہور بھی چھوٹا سا شہر تھا۔ جو صرف بارہ دروازوں، روشنائی گیٹ، کشمیری گیٹ، مستی گیٹ، خضری/شیرانوالی گیٹ، ذکی/ یکی گیٹ، بھاٹی گیٹ، ٹکسالی گیٹ، موچی گیٹ، شاہ عالمی گیٹ، لوہاری/ لاہوری گیٹ، دہلی گیٹ، اکبری گیٹ، ان بارہ دروازوں کے علاوہ ایک بہت چھوٹا دروازہ موری گیٹ بھی ہے۔ لاہور ان دروازوں کے اندر ہی اندر سمٹا ہوا تھا صرف چند ایک ہی چھوٹی چھوٹی بستیاں لاہور کے ارد گرد موجود تھیں۔ لیکن لوہاری منڈی کا چوک جو آج کل جھنڈا چوک کہلاتا ہے اس میں کوچہ پیر بھولا موجود ہے پیر بھولاؒ کے مزار مبارک کے سامنے گلی میں سکھوں کی ملکیت ایک بڑی چار منزلہ کوٹھی نما عمارت جس میں کافی سارے کمرے بنے ہوئے تھے جو آج بھی اپنی جگہ پر قائم ودائم موجود ہے۔

اس عمارت میں سکھ فیملی کی رہائش کے ساتھ ساتھ کچھ مافوق الفطرت مخلوق بھی رہائش پذیر تھیں جو نہ صرف اس عمارت میں رہنے والے سکھ خاندان کو تنگ کرتی تھیں بلکہ لاہور شہر میں کئی دکانوں اور گھروں کو بھی نقصان پہنچاتی تھیں۔ ان سے نہ صرف اس گھر کے مکین تنگ تھے بلکہ پورا شہر لاہور بھی اذیت میں مبتلا تھا۔ کیونکہ یہ مافوق الفطرت مخلوق نہ صرف مالی نقصان پہنچاتی تھیں بلکہ آئے روز جانی نقصان بھی کرتی تھیں ان کی روک تھام کے لئے گھر کے مکینوں نے اپنی ہمت وطاقت سے بڑھ کر زور لگایا۔

لیکن جوں جوں دوا کی مرض اور بھی بڑھتا ہی گیا والا مصداق ہوا سکھ فیملی نے بڑے بڑے، گروؤں، پنڈتوں، پادریوں، بھگت بھکشوؤں، پیروں، فقیروں اور عاملوں سے رابطے کیے، جیسے ہی وہ کسی عامل یا پیر فقیر کو عمارت میں ان کو نکالنے کے لئے لاتے تو آنے والے عامل ان ہوائی چیزوں کو مکان سے نکالنے کی بجائے ان سے مقابلہ کرنے کی بجائے مافوق الفطرت کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈر کر خود سے تتر بتر ہو جاتے ان کے تتر بتر ہونے پر نہ صرف سکھ فیملی پر تکلیفوں کا دائرہ وسیع ہوتا بلکہ پورے شہر بھر میں یہ مافوق الفطرت بہت ہی تباہی پھیلانے کا سبب بنتیں۔

دوسرے لوگ اور سکھ فیملی کافی بلکہ بہت ہی زیادہ عرصہ تک اس کی ناگہانی مصیبت میں مبتلا رہے۔ لاہور نگری کے لوگ ان سے بہت دکھی تھے۔ کیونکہ اس نظر نہ آنے والی مخلوق نے ان کے سکھ اور خوشیاں جو چھین لی تھیں، شائد میں ان بارہ تیرہ دروازوں کے اندر رہنے والے باسیوں پر آئی آفت کے سبب ان کے دکھوں غموں مصیبتوں اور تکلیفوں کا مکمل طور پر احاطہ نہیں کر پا رہا ہوں، یہ تو وہی سمجھ سکتے ہیں جن پر بھی کوئی ایسا برا وقت آیا ہو، جو کسی انجانے دکھ یا مصیبت میں گرفتار ہوئے ہوں۔

لاہوریے بھی ان پرانے گزرے ہوئے وقت میں ایسے ہی انجانے دکھوں میں مبتلا تھے، ان کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے کوئی کسی قسم کے بھی حفاظتی انتظامات نہ تھے اس وقت کی موجودہ حکومت بھی ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی دن تو ایسے تیسے کر کے گزر ہی جاتا۔

لیکن جیسے ہی مغرب کی جانب دور افق میں سورج ڈوبتا ہوا دکھائی دیتا اور تاریکی چھا کر رات کی آمد کا اعلان کرتی تو لوگوں کے دلوں پر بھی غم و پریشانی کی تاریکی چھا جاتی، ہر ایک کے دل میں یہی وسوسہ ہوتا کہ نہ جانے

رات کو کس گھر پہ مافوق الفطرت کا حملہ ہو، کون ان کے ظلم کا نشانہ بنے گا، کس کے گھر میں صف ماتم کا راج ہوگا، یہ منظر ہر رات کو پیش آتا۔

مگر جب سورج طلوع ہوتا تو کسی کے لئے مسرت، وشادمانی کا پیامبر ہوتا۔ کسی کے لئے مصیبتوں اور تکلیفوں کا پہاڑ ہوتا، کس پر خوشیوں کی بوچھاڑ ہوگی اور کوئی غموں کے اتھاہ سمندر میں ڈوب جائے گا کوئی اپنوں سے ملے گا تو کوئی اپنوں سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائے گا۔ کسی کی تمنا پوری ہوگی تو کوئی آرزوؤں کا دھواں دل میں لئے ہوئے ہوگا کسی کو وصال یار ہوگا اور کوئی فراق یار میں تڑپ رہا ہوگا، کہیں کسی کی شادی ہو رہی ہوگی اور کہیں کسی کا جنازہ نکل رہا ہوگا۔ کوئی ہنس رہا ہوگا تو کوئی زار و قطار رو رہا ہوگا۔

مگر وہاں پر موجود لوگوں کے لئے تو ہر دن اور ہر رات دکھ ہی دکھ اور غم ہی غم تھے، اس مصیبت سے نکلنے کے لئے ان کے پاس کوئی حل نہ تھا اف اللہ اتنی کربناک تکلیف، خوفناک تنہائی، کتنی دہشت ناک ویرانی وسنسانی لاہوریوں کو مندرجہ بالا اندوہناکیوں کا سامنا کرنا پڑتا کہ کتنا گہرا سکوت، خاموش سر سراہٹ اور درد انگیز سائیں سائیں ''اف ......کیا کریں......'' کدھر جائیں لوگ سوچتے یا اللہ کیا تمام زیست ایسے ہی تکلیفوں اور پریشانیوں میں گزر جائے گی۔ ساری زندگی ویران صحراؤں میں بسر ہوگی اور یہ پوری عمر تاریکی کے گھپ اندھیروں میں بیتے گی۔

ادھر جس گھر میں ان ہوائی چیزوں کا مسکن تھا ان کو تو یوں محسوس ہوتا جیسے وہ ریگستانوں کے دشوار گزار صحرا میں بھٹک رہے ہیں۔

لوگ سوچتے تھے کہ یہ ہمیں کس جرم کی سزا مل رہی ہے، ہم سے کیا قصور ہو گیا ہے ہمیں کیوں انجانی موت کی طرف بے گناہ دھکیلا جا رہا ہے، ہم کیوں اتنا مضطرب ہیں انسردگی کی یہ چادر ہم پر کیوں ڈالی جا رہی ہے لیکن کب تک آخر ہر کالی رات کے بعد ایک نئی صبح کی روشنی کا آغاز بھی ہوتا ہے۔

خداوند قدوس کا کرنا ایسا ہوا کہ حالات نے کروٹ بدلی جو اچانک خوشیوں کی نوید لے کر آئی لوگوں کے لئے تنہائیاں، نغموں میں بدل گئیں، اندھیرے اجالوں میں، تاریکی، روشنی اور سیاہی سفیدی میں ڈھل گئی۔ سکوت قہقہوں میں بدل گیا، ویرانی کے بادل چھٹ گئے، جہاں پہلے تنہائیاں تھیں وہاں اب محفلیں آباد ہو گئیں، سائیں سائیں کی خوفناک سر سراہٹ شیریں آوازوں میں تبدیل ہو گئیں افسردہ، اساس اور بے چین دل خوشی و مسرت اور چاہت سے مسحور ہو گئے۔

کہاں لاہور پورے علاقے میں خوف و ہراس، غم اور دکھ، مصیبت اور پریشانیاں سب دیکھتے ہی دیکھتے آن کی آن میں یک دم دور ہو گئیں اس دنیا میں اگر کوئی سیر ہے تو اللہ رب العزت وحدہ لاشریک نے اس پر سوا سیر بھی پیدا کر رکھا ہے۔

ہربجن سنگھ سکھ فیملی کے سربراہ کو کسی نے بتایا کہ ''سردار جی آپ کو ایک ایسی ہستی کا بتاتا ہوں، جو بہت پہنچی ہوئی سرکار ہیں جو آپ کی اس مصیبت کو ایک پل میں دور کر سکتے ہیں، وہ ایسے ہیں کہ جب سال میں ایک دفعہ گھر سے باہر اپنے مریدوں کے لئے دورے پر نکلتے ہیں تو گھر سے قدم نکالتے وقت اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے عورتوں کی طرح برقعہ پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔''

ہربجن سنگھ نے پوچھا۔ ''وہ کیوں؟''

بتانے والے نے کہا۔ ''سردار جی وہ اس لئے کہ کوئی غیر عورت ان کا چہرہ مبارک نہ دیکھے لیکن جب وہ دورے سے واپس گھر تشریف لاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو گھر سے یہ نیت کر کے نکلے تھے کہ اس دفعہ کسی نہ کسی کو اللہ کا ولی بنا کر آئیں گے، لیکن ہر کوئی دنیاداری کی ہوس لئے ہوئے ہے کوئی کہتا ہے شاہ جی میرے گھر اولاد نہیں مجھے بیٹا چاہیے، کوئی کہتا ہے شاہ جی ہمارے گھر رزق کی کمی ہے دعا کریں، ہمارے گھر دولت کی ریل پیل ہو جائے، کوئی کہتا ہے ہمارے بیٹوں بیٹیوں کے لئے اچھے رشتے مل جائیں اور کوئی کہتا ہے بیمار ہوں دعا کریں صحت یاب ہو جاؤ، ہر کوئی اپنی اپنی غرض لے کر آتا ہے، کوئی بھی یہ نہیں

کہتا کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ملا دیں۔ ہماری خواہش دل میں ہی رہ جاتی ہے اور ہم واپس آجاتے ہیں۔"

"وہ سرکار ہمیں اب کہاں پر ملیں گے ان کا نام کیا ہے اور کس جگہ ان کا ٹھکانہ ہے۔"

"سردار جی اوکاڑہ شہر کے شمال میں بیس بائیس میل دور بلکہ گوہ گیرہ کے مشرق میں تقریباً آٹھ نو کلومیٹر کے فاصلہ پر شیخو شریف جو گاؤں ہے وہاں پر یہ سرکار جن کا اسم مبارک سید سردار عالم شاہ ہیں۔ اگر وہ آپ کے ساتھ آجائیں تو اس افتاد سے نہ صرف آپ کو بلکہ قرب وجوار کو بچا سکتے ہیں۔"

سکھ فیملی کے سرکردہ ہر بجن سنگھ اپنے دو بھائیوں ہاما سنگھ اور نرمل سنگھ کے ساتھ بتانے والے کی بچتہ یقین دہانی پر کہ سید سردار عالم شاہ صاحب جو گیلانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اس ناگہانی بلا سے بچا سکتے ہیں یوں کہتا کہ......

سخاوت سے خزانوں میں کمی آتی نہیں ہرگز

نکالو جس قدر دریا سے پانی اور بڑھتا ہے

تینوں سردار بھائیوں نے راستہ کی تفصیل سے آگاہ ہونے پر اوکاڑہ کے لئے روانہ ہوگئے اور پوچھتے پچھاتے شیخو شریف پہنچ کر سید سردار عالم شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے دکھوں، غموں، مصیبتوں اور پریشانیوں کی پٹاری کھولی اور بتایا۔

"اس سے پہلے ہم سینکڑوں کی تعداد سے گروؤں، پنڈتوں، پادریوں، بھگتوں، بھکشوؤں، پیروں، فقیروں اور عاملوں کو لے جا چکے ہیں۔ مگر ان میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ ان ہوائی چیزوں پر قابو پا سکیں ان ہوائی اشیاء سے ڈر کہ نہ صرف ہمیں بیچ منجدھار میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر چکے ہیں، بلکہ الٹا ہمارے لئے اور زیادہ تکلیف کا موجب بنے ہیں وہ اس لئے کہ جب عامل آکر ان بلاؤں کو نکالنے کی کوشش کرتے تو وہ اور زیادہ چڑ جاتی یعنی غصے میں آکر ہمارا بہت نقصان کرتیں ہیں اب کسی نے آپ کا بتایا ہے تو آپ سے بہت امیدیں لے کر آئے ہیں۔"

سرکار ان کی بپتا سن کر سرداروں کے ساتھ چل پڑے لاہور پہنچ کر انہوں نے ان ہوائی مخلوق کو حاضر کرلیا، پہلے تو پتہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ کیا ہیں یہ تین عدد چڑیلیں تھیں۔ دو تو سگی بہنیں تھیں اور تیسری ان دونوں چڑیلوں نے اپنے پیچھے چھپائی ہوئی تھی شاہ صاحب کے پوچھنے پر بتایا کہ "یہ ہماری خالہ زاد ہے۔"

سرکار نے ان سے پوچھا۔ "تم نے اس گھر میں کیوں ڈیرہ ڈالا ہوا ہے، نہ صرف ان گھر والوں کو نقصان پہنچا رہی ہو بلکہ قرب وجوار کو ملیامیٹ کرنے پر تلی ہوئی ہو، تمہیں کوئی نکیل ڈالنے والا آج تک نہیں ملا۔ آج میں تمہیں روکنے آیا ہوں اور یہاں سے نکالنے آیا ہوں دیکھتا ہوں تم یہاں کیسے رہ سکتی ہو اور انہیں کیسے نقصان پہنچاتی ہو۔"

شاہ صاحب کی باتیں سن کر چڑیلیں بڑے طیش میں آتے ہوئے گویا ہوئیں۔ "جاؤ چلے جاؤ، تم جیسے بہت سے سینکڑوں کی تعداد میں پیر، فقیر وعامل ہمیں نکالنے آئے لیکن سب کے سب منہ کی کھانے کے بعد اپنی اپنی جان بچا کر چلتے بنے، تم کس باغ کی مولی ہو، ہم کوئی اتنی نادان اور انجان نہیں ہیں کہ تمہاری گیدڑ بھبکیوں سے ڈر جائیں۔"

سرکار نے جواب میں فرمایا۔ "تو تم بھی اپنے کان کھول کر بلکہ دل کے کان کھول کر سن لو کہ میں بھی کوئی ایسا ویسا عامل و پیر نہیں ہوں کہ تمہارے ڈرانے دھمکانے سے ڈر جاؤں گا، میں تو تمہیں جلا کر بھسم کردوں گا۔"

"تو شاہ جی تم بھی کان کھول کر سن لو ہم بھی تمہاری گردن توڑ کر رکھ دیں گے۔ اور پھر ان سکھوں کا بھی کریا کرم کردیں گے۔ نہ یہ رہیں گے اور نہ پھر کوئی عامل، پیر ہمیں یہاں سے نکالنے آئے گا۔"

سرکار نے کہا۔ "ٹھیک ہے پھر ہو جائے دو دو ہاتھ، میں تم سب کو کہتا ہوں کہ یہ گھر چھوڑ دو بلکہ پورے علاقے کو چھوڑ دو کسی اور شہر چلی جاؤ۔"

تو چڑیلیں بڑے تکبر اور کروفر سے بولیں۔ "یہ منہ اور مسور کی دال کہ ہمیں نہ صرف پورا علاقہ بلکہ ہمارا اپنا یہ مسکن چھوڑنے کو کہہ رہے ہو خبردار...... یہاں سے چپ چپاتے (یعنی خاموشی) سے چلے جاؤ ورنہ...... ورنہ"

"ورنہ کیا......"

"ورنہ یہی سردار جو تم کو یہاں لے کر آیا ہے وہی تمہاری گردن ٹوٹی لاش چھوڑنے تمہارے گھر جائیں گے، لہٰذا اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو جیسے آئے ہو ویسے ہی چلے جاؤ۔"

سرکار نے کہا۔ "اگر میں نے تم کو حاضر کرلیا ہے تو نہ صرف اپنا بچاؤ کرنا جانتا ہوں بلکہ تمہارا تیاں پانچاں کر کے ہی جاؤں گا۔ یعنی تم کو ٹھکانے لگاؤں گا، کسی غلط فہمی میں مت رہنا۔"

"شاہ جی تم کو پہلے بھی بتایا ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سے عامل، پیر فقیر، پادری، گرو، بھگوان، بھگت، بھکشو، آئے جنہوں نے ہمیں تمہاری طرح حاضر بھی کیا، ہمیں یہاں سے یعنی اپنے مسکن سے نکالنے کی دھمکیاں دیں، ہمیں جلا کر بھسم کرنے کے دعوے بھی کیئے مگر ان کے دعوے کھوکھلے دعوے ہی رہے بلکہ ان سب کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے ڈر کر ایسے دوڑے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔"

سرکار نے فرمایا۔ "میں کوئی عامل و فقیر پادری یا گرو، بھکشو، بھگت نہیں ہوں کہ کھوکھلے دعوے کرکے چلتا بنوں مسلمانوں کے دین اسلام میں تین قول ہوتے ہیں، میں تین قول پورے کروں گا پھر اس کے بعد دیکھنا میرا کھیل جو میں تم سے کھیلوں گا اب میں تمہیں کہہ رہا ہوں تو تم ٹس سے مس نہیں ہو رہی ہو بلکہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہو پھر تم مجھے کہو گی تو پھر میں نہیں مانوں گا، بہتر ہے کھیل شروع ہونے سے پہلے ہی نو دو گیارہ ہو جاؤ پھر تمہیں موقع نہیں ملے گا۔ میں تمہیں حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اب بھی وقت ہے میری بات مان لو۔"

وہ بڑے کروفر ڈھٹائی سے بولیں یہ کیا سلیمان پیغمبر کے واسطے دینے لگ گئے ہو، ہم تو ہندو ہیں کسی پیغمبر کو نہیں مانتی۔"

"اگر تم نہیں مانتی تو نہ مانو ہم اب اپنا کھیل شروع کرتے ہیں۔ پہلا قول...... تم یہاں سے چلی جاؤ یہ جگہ چھوڑ دو۔"

"نہیں ہرگز نہیں چھوڑیں گیں۔"

"دوسرا قول۔ یہاں سے چلی جاؤ یہ جگہ اور علاقہ چھوڑ دو۔"

"کبھی بھی نہیں جائیں گی۔"

"تیسرا قول...... میں کہتا ہوں یہاں سے دفع دور ہو جاؤ۔"

"ہم بھی کہتی ہیں ہم نہیں تم یہاں سے دفع دور ہو جاؤ۔"

یہ سننا تھا کہ سرکار، بہت غصے میں آگئے چہرہ غضب ناک ہوگیا، سرکار کی ایسی حالت دیکھتے ہی چڑیلوں نے بھی فوراً اپنا چہرہ بدل لیا جو بہت ہی ہیبت ناک اور خوفناک ہوگیا یکدم اتنے بڑے قد کہ کمرے کی چھت کے ساتھ ان کے سر لگ گئے بڑے بڑے بھدے دانت یوں لگتا تھا جیسے ابھی سب کو کچا چبا جائیں گی۔

سرکار نہ تو ان کی یہ حالت دیکھ کر خوفزدہ ہوئے بلکہ اپنی روحانی طاقت سے جو خداوند قدوس نے انہیں عطا کی تھی ان تینوں کے بالوں کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیا تو چڑیلوں نے اپنے آپ کو سرکار سے چھڑانے کی بہت کوشش کی بہت چیخی چلائیں، بہت روئیں مگر معاملہ یکدم الٹا ہوگیا۔

وہی چڑیلیں جو پہلے بہت اکڑ فوں دکھا رہی تھیں۔ اب منت سماجت پر اتر آئیں بولیں۔

"ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ واقعی اتنی پہنچی ہوئی سرکار ہیں، ہم تو یہی سمجھ رہے تھیں کہ پہلے والے ہزاروں عامل، پیر فقیر، گرو، بھکشو، بھگت پنڈت ہمیں نکالنے آئے تو ہمارے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے، ہم آپ کو آپ کے اسی پیغمبر حضرت سلیمانؑ کا واسطہ دیتی ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو ہم نہ صرف اپنا مسکن یہ علاقہ بلکہ شہر ہی چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔"

سرکار سید سردار عالم شاہؒ نے فرمایا۔ "پہلے میں تمہاری منتیں سماجتیں کر رہا تھا تو تم ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھیں، میں نے تو تمہیں پہلے کہا تھا کہ تم نے میری منت سماجت کرنی ہے، تم نے مجھے حضرت سلیمانؑ کا واسطہ دیا ہے تو میں اتنا ظالم نہیں ہوں جتنی تم ظالم ہو، اللہ کے نام کے طفیل تم پر اتنا رحم کر رہا ہوں کہ تمہیں جلا کر خاک نہیں

کروں گا، حالانکہ تمہارے عزائم اور جرائم جن کی تفصیل بہت لمبی ہے کو دیکھتے ہوئے جو تم نے اب تک اس گھر کے مکینوں پر اور پورے علاقہ پر ڈھائے تو تم اس سزا کی مستحق لیکن تم نے مجھے واسطہ ہی ایسا دیا ہے جسے میں ٹھکرا نہیں سکتا۔ لہٰذا تمہیں عمر قید کی سزا سناتا ہوں اسی جگہ تمہارے ہی مسکن میں اس سامنے والے کمرے کو تمہارے لئے زنداں بناتے ہوئے قید کرتا ہوں۔"

یہ سن کر وہ تینوں پھوٹ پھوٹ کر زار و قطار رونے لگیں۔ چیخ رہی تھیں چلا رہی تھیں بار بار واسطے دے رہی تھیں۔

سرکار نے فرمایا۔ "جب تم اس گھر کے مکینوں پر اور علاقے کے باسیوں پر ظلم کرتی تھیں تو یہ روتے تھے، تو تم بہت خوشیاں مناتی اب تمہاری رونے کی باری ہے اور ان کے ہنسنے کی اور خوشیاں منانے کی۔

ان کے واسطے مسلسل جاری تھے، لیکن سرکار نے ان کی ایک نہ سنی تو وہ روتے ہوئے بولیں۔ "ہم جو دو بہنیں ہیں ہمیں قید کرلیں مگر یہ جو تیسری ہماری خالہ زاد ہے یہ ہماری مہمان ہے اسے چھوڑ دیں۔"

سرکار نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اسی کوٹھی کی دوسری منزل پر ایک کمرے میں قید کرکے دروازے پر اسم اعظم پڑھ کر پھونک دیا۔ تاکہ کسی بھی صورت باہر نہ نکل سکیں دروازے پر بہت بڑا تالا لگا دیا۔

سکھ فیملی یہاں پاس ہی بیٹھ کر یہ سب ماجرا دیکھ اور سن رہے تھے، انہوں نے جب یہ دیکھا کہ سرکار نے انہیں قابو کرکے قید کردیا ہے تو یہ بہت خوش ہوئے۔

یہ خبر ارد گرد کے لوگوں میں پہنچی بلکہ پورے شہر میں ایسے پھیلی جیسے خشک جنگل میں آگ پھیلتی ہے۔ شہر کے لوگ جو پہلے بہت خوف زدہ ڈرے ڈرے سے رہتے تھے آج اس اچانک تغیر و تبدل پر خوشیاں منانے کے ساتھ ساتھ مٹھائیاں بانٹ رہے تھے۔

سرکار نے ایک راج گیر کو بلوا کر اس کمرے میں ڈیڑھ مربع فٹ کا سوراخ بنوایا اور اس پر لکڑی کی ایک کھڑکی بنوا کر لگائی اور گھر کے مکینوں کو کہا کہ "میں نے یہ کھڑکی اس لئے بنوائی ہے کہ تم لوگوں نے ہر روز شام کو دال پکا کر ساتھ میں چھ عدد روٹیاں اس کھڑکی کو کھول کر ان کو دے دینا۔"

سکھ فیملی کے تمام چھوٹے بڑے افراد سرکار کی کرامت کو دیکھ کر بہت ہی خوش تھے ان سب گھر والوں نے آپس میں علیحدگی میں جا کر مشورہ کیا اور پھر سرکار کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے تھے۔ "جی فرمایئے اب کیا بات ہے؟"

تو ہربجن سنگھ جو گھر کا سربراہ تھا نے کہا۔ "سرکار ایک عرض ہے اگر قبول ہو......"

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو......؟"

کہنے لگا۔ "پہلے ہمیں یہ یقین دہانی کرائیں کہ جہاں ہم پر اتنی بڑی بلکہ بہت بڑی پہاڑ جیسی مصیبت اور آفت کو دور کرکے ہم پر بہت ہی بڑا احسان کیا ہے۔ وہاں ہماری اس عرض کو بھی قبول کرنے کا وعدہ کریں تو پھر بتائیں گے۔"

"ٹھیک ہے اگر قبول کرنے والی ہوگی تو ضرور قبول کروں گا۔"

"اگلے دن بتائیں گے سرکار اب آپ آرام کر لیں، رات کافی ہوگئی ہے پھر آپ نے پورا دن ان چڑیلوں سے مغزماری بھی تو کی ہے۔"

اگلی صبح بہت سے لوگ سرکار کی زیارت کرنے آرہے تھے، کچھ آرہے کچھ جارہے تھے یعنی لوگوں کا آنے جانے کا تانتا بندھا ہوا تھا ایک بجے تک سرکار نے سکھ فیملی سے کہا کہ "اب مجھے آپ اجازت دیں۔ اور ہاں جانے سے پہلے آپ مجھے اپنی عرض بتا دیں جس کے قبول کرنے کے لئے مجھ سے وعدے لے رہے تھے۔"

ہربجن سنگھ نے آگے بڑھ کر شاہ صاحب کے سامنے ایک بڑا بند خاکی لفافہ سامنے رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "سرکار ہمارے گرو اور آپ کے اللہ نے ہمیں بہت کچھ دے رکھا ہے اس لفافہ میں اس کوٹھی کی ملکیت کے کاغذات ہیں، جو ہم نے آپ کے نام کروادی ہے یہ مکان آپ کو اپنی طرف سے تحفے کے طور پر دیتے ہیں۔ ہماری طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمائیں۔"

"نہیں میں کوئی تحفہ لینے کے لئے ان کو نکالنے نہیں آیا اگر آپ کچھ دینا چاہتے ہیں، تو آپ میرے اللہ اور میرے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔"

سرکار آپ کی اس بات پر ضرور سوچیں گے آپس میں صلاح مشورہ کریں گے، پھر آپ کو اطلاع کریں گے لیکن اب ہم اس مکان میں نہیں رہیں گے، کیونکہ یہ مکان ہم آپ کے نام کروا چکے ہیں۔ سرکار یہ نذرانہ تو بہت کم ہے ہمارا تو ان چڑیلوں نے بہت نقصان کیا ہمیں بہت زیادہ پریشان کیا......ہم اب آئندہ بھی جناب کی خدمت کرتے رہیں گے......"

سرکار کو مجبوراً یہ کوٹھی نما مکان قبول کرنا پڑا اور پھر اس میں رہائش اختیار کرنا پڑی وہ بھی سکھ فیملی کے بے حد اصرار پر۔

سرکار روزانہ شام کو دال اور روٹیاں اپنے ہاتھ سے ان چڑیلوں کو ڈالتے، موصوف کے نانا میاں غلام محمد سرکار کے مرید تھے ہمرکار نے انہیں خلافت سے نوازا ہوا تھا، ایک دن کہنے لگے۔ "یا حضرت میں ان چڑیلوں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میاں صاحب تم ان کو نہیں دیکھ سکو گے۔" مگر میاں صاحب کی ضد پر اور بہت اصرار کرنے پر کہا۔ "چلو ٹھیک ہے تم انہیں دیکھنا ہی چاہتے ہو تو آج شام کا کھانا میں نہیں تم ہی ان کو دینے جاؤ گے اور ہاں زیادہ دیر کھڑکی کے پاس کھڑے نہ رہنا صرف ایک جھلک دیکھ کر کھڑکی بند کردینا۔"

"جی سرکار ایسا ہی کروں گا۔" انہوں نے کہا۔

شام کو میاں صاحب نے دال روٹیاں لیں اور کھڑکی کو کھولا جیسے ہی کھانا اندر کیا چڑیلوں نے جھپٹ سے پکڑ لیا اور ایک دوسرے سے چھین کر کھانے لگیں۔ میاں صاحب ان کی یہ چھینا جھپٹی کافی دیر تک دیکھتے رہے جب اچھی طرح دیکھ لیا اور جی بھر گیا تو جیسے ہی کھڑکی کو بند کیا ساتھ ہی زمین پر دھڑام سے گر پڑے۔

پیچھے شاہ صاحب اپنے چند مریدوں کے ساتھ کھڑے تھے ان مریدوں نے شاہ صاحب کے کہنے پر آگے بڑھ کر میاں غلام محمد کو اٹھا کر نیچے کمرے میں جا کر لٹا دیا اور شاہ صاحب کو کہنے لگے۔ "یا حضرت! میاں صاحب کو تو بہت تیز بخار ہوگیا ہے۔"

سرکار نے میاں صاحب کو دم کیا اور پانی بھی پڑھ کر پلایا اور پوچھا۔ "میاں صاحب اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"جی...... جی سرکار آپ کی دعاؤں سے ٹھیک ہوں۔" بہت ہی مدہم سی آواز میں جواب دیا۔

سرکار نے فرمایا۔ "میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ کھانا اندر دے کر فوراً کھڑکی بند کردینا لیکن تم نے میرے کہنے پر عمل نہ کرکے اپنی من مانی کرتے ہوئے نتیجہ دیکھ لیا۔"

یہ بخار مسلسل چار دن تک برقرار رہا پانچویں دن طبیعت سنبھلنے پر سرکار کی خدمت میں حاضری دی۔ "میاں کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں سرکار......"

شاہ صاحب نے ازراہ مذاق میں کہا۔ "میاں صاحب......"

"جی سرکار......"

"آپ نے آج پھر چڑیلوں کو کھانا دینے جانا ہے۔"

"نہ سرکار میں نے آج یہ کام نہیں کرنا۔"

"کیوں نہیں کرنا آپ نے ان چڑیلوں کو نہیں دیکھنا کیا؟"

"جی نہیں یہ میرے بس کا کام نہیں میری چھوڑیئے میرے ماں باپ کی توبہ جو میں اب ان کو دیکھنے کا نام بھی لوں۔"

وقت تو ایسے گزر رہا تھا جیسے پر لگا کر اڑ رہا ہو۔ گھنٹے دن میں دن ہفتوں میں ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ پھر ایسا وقت بھی آیا کہ یوں کہنا پڑ گیا۔

اب اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ گلی میں جھانکے کوئی

سرکار کا آخری وقت آگیا یوں گمان ہوتا تھا۔

جیسے ہواؤں نے اپنا رخ تبدیل کرلیا ہو، بہاریں طوفان کی زد میں آ گئی ہوں، انجم کی ضوفشانی کم ہوگئی ہیں، پھول بھی خزاں کی لپیٹ میں آگئے ہوں، کلیوں نے بھی مسکرانا چھوڑ دیا ہو کیونکہ کیونکہ سرکار اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔

ان کا مزار مبارک شیخوشریف میں موجود ہے۔

ادھر دوسری طرف 14 چودہ اگست 1947ء کا دن کتنا مبارک دن اور روشن دن اور اس کی صبح کتنی نورانی تھی، اس دن حضرت قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت کا پھل اللہ تعالیٰ رب العزت نے پاکستان جیسی عظیم مملکت سے نوازا۔

سکھ خاندان لاہور کو چھوڑ کر ہندوستان جا بسا۔

ادھر سرکار کے ایک ہی صاحبزادے سید منظور حسین شاہ تھے۔ یہ بھی بہت پہنچی ہوئی ہستی تھی باپ کی طرف سے یہ وراثت میں جو ملی تھی اپنی زندگی بہت اچھے طریقے سے بسر کر کے اس جہان فانی سے وصال فرما گئے سید منظور حسین شاہ صاحب کے دو صاحبزادے سید مشکور حسین شاہ صاحب موصوف جس کے مرید ہیں اور چھوٹے سید مظفر حسین صاحب تھے۔

ایک روز گرمی کا موسم تھا دن کے دس بجے کا وقت تھا سید مظفر حسین شاہ صاحب نے اپنے ایک مرید کو فرمایا۔

''مے شاہ کوچوان اشرف کو کہو تانگہ نکالے ذرا بنگلہ شہر ہو آئیں تھوڑا سا کچھ کام ہے۔'' اشرف نے تانگہ تیار کیا گرمی بہت تھی چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی حضرت صاحب تانگے میں بیٹھ گئے تو اشرف نے تانگہ چلانا شروع کر دیا تانگہ گاؤں سے ابھی کوئی دو میل دور ہی گیا تھا کہ سڑک کے بائیں جانب سے، بہت ہی سریلی سی آواز آئی۔

''سید مظفر حسین شاہ صاحب ذرا کچھ دیر کے لئے رکنا میری ایک عرض سننا۔''

شاہ صاحب نے اشرف کو تانگہ روکنے کا اشارہ کیا تو تانگہ رک گیا شاہ صاحب اور کوچوان دونوں ہی آواز والی سمت دیکھنے لگے۔ چند لمحوں میں ایک سیاہ برقع میں ایک لمبے قد والی دبلی پتلی سی خوبصورت دوشیزہ خراماں خراماں چلتے ہوئے تانگے کے پاس آ کر رکی برقعے کا پردہ ہٹایا تو اندر سے جو چہرہ برآمد ہوا وہ ایسا حسین و جمیل کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جائیں، خوبصورتی میں اپنی مثال آپ گول مٹول چمکتی آنکھیں سرو جیسا قد چمکتی پیشانی اس نے شاہ صاحب کو سلام کیا تو اس کے ہاتھ کی چار انگلیاں تھیں انگوٹھا نہیں تھا۔

سرکار نے کہا۔ ''آپ نے سلام کرلیا ہے تو کیا اب ہم چلے جائیں۔''

''جی نہیں سرکار چند منٹ دے دیں میں نے ابھی تو آپ کو اپنی بات سنانی ہے۔''

''جی کہیے کیا کہنا ہے؟''

وہ بولی۔ ''جناب میں بھی آپ کی طرح سیدزادی ہوں میرا گھر حجرہ شاہ مقیم کے پاس چک نمبر 62 تھا۔''

''تھا کا کیا مطلب ہے کہو۔''

''نہیں سرکار تھا جواب نہیں رہا۔''

''کیوں نہیں رہا۔''

''سرکار 1971 کی جنگ میں انڈیا کے جہاز نے ہمارے گاؤں پر حملہ کرتے ہوئے بم باری کی جس سے ہمارا پورا گاؤں تباہ و برباد ہو گیا جس میں کرماں ماری کے ماں باپ، بہن بھائی بھی شہید ہو گئے، میں اس وقت اپنی خالہ کے ہاں راولپنڈی میں تھی، جب واپس آئی تو اپنے گاؤں کو ویران اور اجڑا ہوا پایا گھر والوں کے ختم ہونے کی روح فرسا خبر ملی جس نے میرے دن کا چین اور رات کی نیندیں اڑا دیں رونا میرے مقدر میں لکھ دیا گیا۔ میں ہر وقت اپنے پیاروں کو یاد کر کے روتی رہتی ہوں۔

آج رات بھی روتے روتے میری آنکھ لگ گئی تو خواب میں آپ کے دادا سید سردار عالم شاہ صاحب ملے۔ انہوں نے مجھے بہت پیار کیا اور کہا۔ ''بیٹا جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا انہیں واپس تو نہیں لایا جا سکتا اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے لہٰذا صبر کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے لہٰذا تم ایسے کرو یہاں سے

چل کر بنگلہ گوگیرہ کے مشرق میں اس جگہ پر اب جہاں میں اور آپ موجود کھڑے ہیں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ اتوار کے دن دس بج کر پچیس منٹ پر ایک تانگہ گزرے گا جس میں سفید رنگ کا گھوڑا ہوگا اس تانگے میں میرا پوتا سید مظفر حسین شاہ سرخ بالوں والے سوار ہوں گے ان کو اپنے گاؤں کے تباہ ہونے کی اور اپنے گھر والوں کی شہادت کی خبر بتا کر یہ کہنا کہ آپ کے بڑے بھائی سید مشکور حسین شاہ صاحب کے ہاں بیٹیاں ہیں بیٹا کوئی نہیں۔ سرکار تمہاری بات سن کر تمہیں گھر لے جا کر تمہارا نکاح اپنے بڑے بھائی سے کرا دیں گے تو تمہارے بطن سے اللہ تعالیٰ انشاء اللہ بیٹا عطا کرے گا یہ ہے عالیجاہ میری دکھوں بھری داستان غم جو میں نے آپ کے گوش گزار کر دی۔''

شاہ صاحب نے اسے تانگے پر پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا یہ دوشیزہ جب بیٹھ گئی تو حضرت نے اشرف کوچوان کو کہا۔ ''اشرف ذرا تانگے کو واپس گاؤں کی طرف موڑ لو ذرا اس کو گھر پر چھوڑ آئیں۔'' تانگہ واپس چل پڑا ابھی کوئی آدھا کلو میٹر ہی سفر طے ہوا تھا کہ پیچھے بیٹھی نقلی شہزادی نے جو سیدزادی کا روپ دھارے ہوئے تھی اس نے اپنی اصلی صورت میں آ کر اپنی طاقت کو یکجا کیا اور پوری قوت سے شاہ صاحب کی گردن پر ہاتھ مارا یعنی شاہ صاحب کی گردن توڑنے کی کوشش کی جو ناکام ہوئی۔ جب اس نے دیکھا کہ میرا وار کارگر ثابت نہیں ہوا۔ شاہ صاحب تو بالکل پہلے سے بھی بہتر ہشاش بشاش ہیں تو اس نے ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر نہیں کی اڑنے کے لئے بالکل تیار تھی کہ سرکار نے فوراً پلٹ کر اس کے بالوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ جہاں پہلے بہت خوب صورت چہرہ تھا وہاں خوفناک ہیبت ناک شکل شعلہ اگلتی آنکھیں تیز اور نوکیلے دانت اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی اس نے بہت ہاتھ پاؤں چلائے زور زور سے چیخی چلائی۔

شاہ صاحب نے کہا۔ ''بچو میں نے تو اسی وقت ہی دیکھ لیا تھا جب تم نے مجھے سلام کیا تھا تمہارے ہاتھ کی چار انگلیاں دیکھیں انگوٹھا نہیں تھا تو میں نے فوراً تمہارے پاؤں کی طرف دیکھا تو تمہارے پاؤں پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے میں اسی وقت سمجھ گیا کہ تم وہ نہیں ہو تم مجھے بتا رہی ہو بلکہ تم ایک چڑیل ہو پھر بھی میں نے تمہیں آزمانے کے لئے کہ یہ میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہتی ہے میں تو انجان بنا رہا تمہیں معلوم نہیں ہونے دیا۔ اب دیکھ میں تیرے ساتھ کیا کھیل کھیلتا ہوں۔ تیری کیا درگت بناتا ہوں۔''

وہ یہ سن کر بہت پھڑ پھڑائی اپنے آپ کو چھڑانے کی بڑی کوشش کی لیکن کہاں اور کیسے چھوٹ سکتی تھی، شاہ صاحب نے اشرف کوچوان کی پگڑی لے کر اس سے چڑیل کے ہاتھ پاؤں باندھ کر تانگے میں اپنے پاؤں میں ڈال دیا اور شیخوشریف اپنے گھر لے آئے اپنے بڑے بھائی سید مشکور حسین شاہ صاحب کو تمام ماجرا بتایا ان کے مشورہ سے اپنے گھر کے باہر صحن جو تقریباً پندرہ سولہ کنال پر مشتمل ہے صحن کے درمیان میں پیپل کا بہت بڑا درخت ہے اس مافوق الفطرت کو اس پیپل کے درخت سے باندھ دیا گیا۔

پورے چار دن تک یہ چڑیل اس درخت سے ساتھ بندھی رہی ان چار دنوں میں اسے دیکھنے والے لوگوں کا تانتا ہی بندھا رہا جہاں جہاں تک یہ خبر پہنچی وہاں وہاں کے لوگ بلکہ بہت دور دور سے لوگ اس چڑیل کو دیکھنے آتے رہے۔

پانچویں دن سرکار نے اسے درخت سے کھول کر کار کی ڈگی میں ڈالا اور لاہور میں لوہاری منڈے کو چہ پیر بھولا صاحب اسی کوٹھی کے کمرے میں جہاں تین عدد چڑیلیں پہلے سے قید تھیں۔ اس کمرے کا تالا کھولا اور اس چڑیل پر روحانی عمل کر کے اس کے ہاتھ اور پاؤں کو کھول کر ان تینوں کے ساتھ قید کر دیا۔ اب پہلے والے کھانے میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔ جو انہیں ہر شام کو دیا جاتا تھا۔ جیسے ہی انہیں کھانا ملتا یہ ایک دوسری سے الجھ کر چھینا جھپٹی سے چھین کر کھانے کی کوشش کرتیں، ان میں سے ہر ایک کا یہی ارادہ ہوتا کہ میں زیادہ کھا لوں تاکہ میری بھوک

مٹ جائے میرا پیٹ بھر جائے۔
ایک دن اس جھپٹا جھپٹی کو دیکھتے ہوئے سید مظفر حسین شاہ صاحب جواب اس فانی دنیا میں نہیں رہے کے صاحبزادے سید نصر الدین شاہ صاحب عرف (سید ٹیپو سلطان) صاحب نے ان پر رحم و ترس کرتے ہوئے ان کے کمرے کا تالا کھولا تو چڑیلیں خوف سے تھر تھر کانپنے لگیں اور ٹکر ٹکر شاہ صاحب کی طرف دیکھنے لگیں۔
صاحبزادہ صاحب نے انہیں کہا۔ ''ڈرو مت آؤ باہر نکل آؤ۔''
''کہنے لگیں۔'' ہم کمرے سے کیسے باہر آ سکتی ہیں ایک قدم بھی اگر باہر نکالا تو جل کر خاک ہو جائیں گی، کیونکہ اس کمرے کو اسم اعظم سے کیل دیا گیا ہے، اسی لئے تو ہم خوف زدہ ہیں کہ کہیں آپ ہمیں نیست و نابود کرنا چاہتے ہوں ہم سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہوں۔''
''نہیں میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں کہ تم کو ختم کروں بلکہ میرا کچھ اور ہی ارادہ ہے وہ بھی اگر تم سب مجھ سے تعاون کرو گی تو۔''
''تو کیا جی ہم سے آپ کو جس قسم کا بھی تعاون درکار ہے ہم کرنے کے لئے تیار ہیں۔''
''اگر میں تم سب کو اس قید سے آزاد کر دوں تو پھر تم کیا کرو گی۔''
چاروں یک زبان ہو کر بولیں۔ ''صاحبزادہ صاحب جی ہمیں آپ کے گھرانے کے متعلق معلوم نہ تھا اب ہم پر سب کچھ عیاں ہو گیا ہے اگر آپ ہم کو معاف کر کے آزاد کر دیں گے تو ہم بھی آپ سے پختہ وعدہ کرتی ہیں کہ آئندہ اپنی پرانی روش پر بھول کر بھی نہیں چلیں گی کبھی کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچائیں گی ہاں سرکار جہاں ہم پر اتنی بڑی مہربانی کرنا چاہتے ہیں وہاں ہماری ایک عرض ہے اس پر بھی نظر ثانی کرتے ہوئے یعنی ہماری درخواست کو قبول کرتے ہوئے ایک اور مہربانی فرمائیں گے وہ یہ کہ یہ گھر ہمارا مسکن ہے اگر آپ جناب کی اجازت مل جائے تو کبھی کبھار اس گھر میں چکر لگا لیا کریں۔
مسکن تو ہر ایک کو پیارا ہوتا اب تو یہ آپ کا آستانہ مبارک ہے اجازت ہو تو اپنے گھر کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کی زیارت بھی نصیب ہو جایا کرے گی۔ یہ چوتھی بھی اب ہمارے ساتھ ہی رہے گی کیونکہ کافی عرصہ سے ہمارے ساتھ قید میں رہی ہے۔''
''میں تم پر کیسے یقین کر لوں کہ تم آزاد ہو کر کسی کو نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔''
''صاحبزادہ جی ہم آپ سے پکا قول قرار کرتی ہیں ہم آپ سے کیئے گئے وعدہ کو ضرور نبھائیں گی۔ اگر آپ دیکھیں کہ ہم اپنے وعدہ پر پورا نہیں اتر رہی ہم سے کبھی غلطی سے بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو ہمیں دوبارہ اسی قید خانہ میں ڈال دینا یا ہمیں جلا کر بھسم کر دینا اگر آپ میں ہمیں چھوڑنے کی ہمت ہے تو ہمیں دوبارہ قابو کرنے کی بھی طاقت ہے، سرکار اتنے سال قید میں رہنے کی وجہ سے ہماری آنکھیں کھل چکی ہیں۔''
قول و قرار لینے کے بعد بس پھر کیا تھا۔ سید نصیر الدین عرف ٹیپو سلطان شہزادے نے اسم اعظم پڑھ کر اس کیل کو ختم کرتے ہوئے انہیں آزاد بھی کر دیا اور انہیں اپنے مسکن میں آنے جانے کی اجازت بھی دے دی۔ شاہ صاحب نے نئی کوٹھی ماڈل ٹاؤن میں بنا لی۔
تو پھر موصوف محمد حنیف شاکر کی چھوٹی ہمشیرہ اور بہنوئی حافظ محمد حسین کو صاحبزادہ صاحب نے اس کوٹھی میں رہائش دے دی جو چار پانچ سال تک اس میں رہائش پزیر رہے اس عرصہ میں کئی بار یہ چڑیلیں اس گھر میں آتی رہیں لیکن کسی کو کوئی دکھ تکلیف نہیں پہنچایا۔ ہاں ان کے ساتھ کنفل ضرور کرتیں تھیں کہ کبھی کوئی برتن اٹھا لیا کبھی کوئی چیز اور کبھی کوئی چیز اٹھا لی ڈھونڈنے پر نہ ملتی لیکن کچھ وقت کے بعد جہاں بھی ہوتی وہاں سے دوسری جگہ پر پڑی ملتی آج بھی وہ اسی طرح اپنے مسکن میں آتی جاتی رہتی ہیں۔

☠

خوف کا سایہ

گلاب خان سولنگی۔ کشمور

ہر طرف ہو کا عالم تھا اندھیرے نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا کسی بھی ذی روح کا نام و نشان نہ تھا ہر طرف خوف اور ڈر نے ڈیرے ڈال رکھے تھے کہ اچانک......

دل ودماغ پر لرزہ طاری کرتی خوف وہراس کے سمندر میں غوطہ زن خوفناک کہانی

پاکستانی ہارر فلموں کی تعداد تو بہت کم ہے اور جتنی بھی بنی ہیں وہ فلاپ گئی ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ٹیلینٹ کی کوئی کمی ہے مگر تقسیم کے بعد ہی سے ہماری فلم انڈسٹری بھی مسائل کا شکار رہی ہے اور دنیا جانتی ہے کہ ایسے کم وسائل میں ڈر ایک ایسا موضوع ہے جس پر دنیا میں بے شمار فلمیں بن چکی ہیں اور بن رہی ہیں لیکن پھر بھی اس موضوع پر تشنگی رہ جاتی ہے جس کا اعتراف بڑے بڑے پروڈیوسر ہدایت کار فنکار اور پرنٹ میڈیا بھی کرتے رہتے ہیں بلکہ یہ دور تو انٹرنیٹ اور سیٹلائٹ کا دور ہے، کسی بھی موضوع کو لے کر ہر کوئی گھر بیٹھے گوگل میں ایک فورم پر تحقیق کر سکتا ہے، لیکن میرے مطابق ڈر ایک ایسا موضوع ہے وہ جتنا دلچسپ اور پراسرار ہے، اتنا ہی تحقیق طلب بھی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ جہاں یہ کام ہماری فلم انڈسٹری نہیں کر پائی وہاں ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ جیسا معیاری اور دلچسپ رسالہ

بلکہ ادارہ اپنی دن رات کی کاوشوں سے یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دیتا چلا آ رہا ہے، ہماری دعا ہے کہ پاکستان فلم انڈسٹری بھی ہارر فلمیں بنانے میں کامیاب ہو جائے اور فلمی صنعت کے ذریعے ملکی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرے۔

اب آتے ہیں کہانی کی طرف تو قارئین ویسے تو میرا نام نواب خان آف نوشہرہ ہے، لیکن جیسا کہ میں فلم انڈسٹری سے وابستہ ہوں اس لئے زیادہ تر لوگ مجھے "جونیئر آرٹسٹ" کے نام سے جانتے ہیں۔ اندرون سندھ سے کراچی اور پھر کراچی سے لاہور تک کا سفر تین دہائیوں سے کم نہیں ہے۔ شروع میں اکثر فلمی اسٹوڈیوز کراچی میں واقع تھے بعدازاں سارے کے سارے لاہور شفٹ ہو گئے اور ہم بھی وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

لیکن اس سارے سفر میں ہمیں کوئی خاص کامیابی نہیں مل سکی البتہ ہمارے بعد بھی آنے والے نئے ہیرو ہیروئنز کو کافی کامیابی ملی، لوگ دور سے ان کو پہچان کر آٹو گراف لیتے ہیں لیکن ہم یعنی جونیئر آرٹسٹ ویسے کے ویسے ہی ہیں جیسے شروعات کی تھی اور اب تک کوہلو کی بیل کی طرح وہیں پر ہی ہیں۔ لیکن بندے کو ہر حال میں خدا کا شکر گزار رہنا چاہیے کہ زبوں حالی میں بھی فلم انڈسٹری ہمارے جیسے سینکڑوں فنکاروں کی روزی روٹی کا ذریعہ ہے۔ خیر اب آتے ہیں اصل موضوع کی طرف، تو قارئین یہ نوے کی دہائی کا ذکر ہے کہ فلم انڈسٹری میں خوفناک فلموں کی وجہ سے مشہور پروڈیوسر عابد خان کو ایک ہارر فلم بنانے کا پراجیکٹ ملا تو انہوں نے ہمیں یاد کیا، لاہور میں واقع ان کا ایک ذاتی اسٹوڈیو تھا جس کا نام بھی ڈراؤنا تھا "خوف اسٹوڈیو" اپنے نام کی طرح وہاں صرف اور صرف خوف ناک فلمیں بنتی تھیں۔

آج وہاں پر کافی رش تھا۔ نئے پراجیکٹ کے لیے عابد خان نے نئے پرانے سبھی فنکاروں کو بلایا تھا، ہم بھی ایک کونے میں اس میٹنگ میں شامل تھے۔ عابد خان نے سب کو ویلکم کیا اور یہاں آنے کا مقصد بیان کیا۔

"سب سے پہلے میں ملک کے کونے کونے سے آئے اپنے فن کار خواتین و حضرات کا شکر گزار ہوں۔ اب آتے ہیں فلم کی طرف، تو دوستو! جیسا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ ہالی ووڈ اور بالی ووڈ کی طرح ہمیں وسائل اور جدید ٹیکنالوجی میسر نہیں لیکن پھر بھی ہمارے پاس بے پناہ ٹیلنٹ اور کہانی موجود ہے جس بناء پر محدود وسائل کے باوجود بھی ہمیں ان کا مقابلہ کرنا چاہیے اور دنیا کو ثابت کر کے رہیں گے کہ پاکستان فلم انڈسٹری بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے اور اسی جذبے کو لے کر ہمیں یہ پراجیکٹ ملا ہے جس کا ہم نے نام رکھا ہے "خوف کا سایہ"۔

مجھے امید ہے کہ آج ہی ہم اس کی کاسٹ اور لوکیشن فائنل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میں یہاں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ ہارر فلم عام روائتی موضوع سے ذرا ہٹ کے ہے جس کی 80% فیصد شوٹنگ پاکستان کے بالائی علاقوں میں ہو گی اور بقیہ 20% فیصد شوٹنگ ہمارے عظیم دوست ملک چائنا کے جنگلات میں ہو گی یوں سمجھو کہ فلم کا کلائمکس چائنا میں ہوگا جس کی اجازت ہم کو چائنا سرکار نے Already دے رکھی ہے۔ باقی آج کی میٹنگ کے بعد فن کاروں کے سفری دستاویزات کی تیاری ہونا ابھی باقی ہے۔ چوں کہ چائنا ہمارا دوست ملک ہے اس لئے امید ہے کہ سفری دستاویزات بھی بخوبی احسن طریقے سے بن جائیں گے۔"

کافی گفت و شنید کے بعد آخر کار فلم کی کاسٹ سلیکٹ کیا گیا، کافی دنوں کے بعد دوبارہ کام ملنے کی خوشی میں ہم نے رب کریم کا شکریہ ادا کیا۔

بہار کا موسم شروع ہوا چاہ رہا تھا، ہمارا فلمی یونٹ بھی گلگت بلتستان کی جانب رواں دواں تھا، چھوٹا سا یہ فلمی قافلہ تقریباً 70 افراد پر مشتمل تھا، جس میں اسکرین اور اسکرین کے پیچھے کام کرنے والے افراد شامل تھے، سارے لوگ کمپنی کی ایک بڑی سی بس میں سفر کر رہے تھے، ایسے سفروں کے ہم عادی ہو چکے تھے اس لئے ہمیں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئی البتہ لاہور سے گلگت بلتستان جیسے بڑے سفر سے سارے لوگ تھکن سے چور ہو گئے تھے۔

سفر کے اختتام پر سب نے سکھ کا سانس لیا، ہمارا پہلا پڑاؤ گلگت کی ایک شاندار ہوٹل میں تھا۔ پروڈیوسر صاحب نے سب کو ایک دن کا ریسٹ دینے کو کہا، آرام

کے بعد اگلے دن فلم کی لوکیشن کا مرحلہ شروع ہونا تھا، سو ہم نے بھی موقع غنیمت جانا اور خوب آرام کیا۔

اگلے روز مقامی افراد کی معاونت سے عابد خان نے ایک ایسا گاؤں ڈھونڈ نکالا جس کی لوکیشن فلم کے عین مطابق تھی، وہ پہاڑی گاؤں گلگت شہر سے 45 کلومیٹر کی دوری پر واقع تھا، زیادہ تر گھر پتھر سے بنے ہوئے تھے جب کہ کچھ مکان لکڑی کے بنے ہوئے تھی، دیو مالائی پہاڑ، اونچے نیچے راستے، پہاڑی سے گزرتا ہوا آبشار اور پہاڑی جنگل نے تو وہاں کا حسن اور بھی دوبالا کر دیا تھا، مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اکثر سیاح لاکھوں روپے خرچ کر کے مغربی ممالک کی سیر و تفریح کو جاتے ہیں۔

میں یہاں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ قدرت نے پاکستان کو ایسی حسین وادیوں سے نوازا ہے کہ اہل یورپ بھی ایسے دلکش نظارے دیکھیں تو اپنا وطن بھول جائیں، لیکن اردو کی کہاوت گھر کی مرغی دال برابر کے مترادف ہمیں ایسے نظاروں اور وادیوں کی قدر نہیں ہے۔ خیر گاؤں کا انتخاب ہو گیا تھا اور فلم کی ڈیمانڈ کے مطابق ضروری ساز و سامان وہاں پہنچ گیا تھا، ہماری رہائش وہاں ایک قلعہ نما پرانے بنگلے پر کی گئی جو کہ خاص ہائیر کیا گیا تھا۔

پروڈیوسر کے لیے الگ کمرہ، ہیرو، ہیروئن کے لیے بھی الگ الگ کمرے اور عام فن کار اور اسٹاف کے لیے ہال نما کمرے مختص کیے گئے۔ ہمارے کمرے میں چند جونیئر آرٹسٹ، ڈرائیور، باورچی اور سویپر حضرات مقیم تھے، سارا اسٹاف جانا پہچانا تھا۔ رات کو عابد خان نے ایک میٹنگ بلائی تھی۔

دوستو! بس اتنا یاد رکھیں کہ ہمارا مقابلہ مغربی و ہندی فلم انڈسٹری سے ہے، اس لئے ہر بندہ میری نظر میں ہیرو ہے اللہ کا نام لے کر کل سے ہم اپنی فلم "خوف کا سایہ" کا آغاز کر رہے ہیں، سو فلم سے جڑی ہر افراد نے وقت کی پابندی کرنی ہے، آپ کی حوصلہ افزائی کے لیے کچھ رقم بطور ایڈوانس دی جا رہی ہے تا کہ آپ لوگ کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکو۔"

"پروڈیوسر عابد خان زندہ باد" ساری فن کار برادری میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور نعرے سن کر عابد خان مسکرا کر ہاتھ لہرا کر جواب دے رہا تھا۔

ہر سو رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ شاید چاند کی آخری تاریخیں تھیں جو اس قدر اندھیرا چھایا ہوا تھا اوپر سے کالی گھٹاؤں نے تو ماحول کو اور بھی پر ہیبت بنا دیا تھا، دوسری طرف ہوائیں سائیں سائیں کرتی ہوئی گاؤں کی در و دیوار ہلا رہی تھیں۔ لگتا تھا کوئی بھیانک طوفان آنے والا تھا جو ہوائیں اس قدر شدت سے اس کی نوید سنا رہی تھیں ہوا کے زور سے بکھرتے ہوئے خشک پتے تو گلی گلی بکھرے پڑے تھے ایک طرف بادلوں کی گرج چمک تو دوسری طرف طوفانی ہواؤں نے تو گاؤں والوں کے ہوش اڑا دیے تھے، بارش ابھی نہیں ہوئی تھی لیکن برسنے کو پر تول رہی تھی۔

ایک بوڑھے نے اپنی بچی کی طرف خوف سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے وہ آدم خور درندہ آج پھر کسی گاؤں والے کو اپنے قہر کا نشانہ بنائے گا......!" بچی نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "دادا جی وہ کون ہے؟" بوڑھا ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے۔

"وہ کسی چھلاوے کی طرح آتا ہے وہ صرف عورتوں اور بچوں کو اپنا شکار بناتا ہے، اس کے آنے کی نشانی ہی یہ موسم ہے، جب بھی اس طرح کا موسم آتا ہے وہ درندہ آدم خور کسی گھر میں گھس کر اپنے شکار کو چیر پھاڑ کر کھا جاتا ہے اور بغیر کسی خوف کے گاؤں کی گلیوں سے ہوتا ہوا پہاڑی جنگل کی طرف گم ہو جاتا ہے۔

پیچھے ظلم کا شکار ہونے والی عورت یا بچے کی لواحقین ماتم کدہ رہ جاتے ہیں اور گاؤں والے انہیں جھوٹی تسلی دے کر چپ کرانے کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

"دادا یہ کب سے ہو رہا ہے، کہیں امی کو تو......؟"

بیٹی تیری پیدائش سے پہلے بھی ایسے واقعات ہو چکے ہیں اور تیری پیدائش کے بعد تیری ماں کو بھی وہ آدم خور کھا گیا، بڑی مشکلوں سے تجھے پالا ہے، مگر اب فکر مت کر یہ بندوق ہے ناں میں تیری حفاظت کروں گا، شاباش بیٹی! اب سو جا۔" بوڑھے نے کھڑکی کھول کر باہر کا نظارہ دیکھا۔

طوفانی ہواؤں کا شور کم نہیں ہو رہا تھا، گلیوں میں

موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا، گاؤں کے کتے بھی کہیں دبک کر خاموشی سے چپ ہو گئے تھے، ہواؤں میں اب جنگل سے زور زور سے چیختے گیدڑوں کی آوازیں شامل ہو گئی تھیں۔ اس نے کھڑکی بند کرلی۔ جنگل میں ایک گھنے درخت کی ڈالی پر کافی دیر سے بیٹھے الو نے اب خاموشی اختیار کرلی تھی کیوں کہ اس نے دیکھا کہ ایک سیاہ سایہ گاؤں کی طرف بڑھ رہا ہے، لگتا تھا وہ ایسی طوفانی ہواؤں اور تاریک راتوں کا پرانا عادی تھا، جو اس قدر بے خوف و خطر اونچی نیچی راہوں پر گاؤں کی طرف تیزی سے جا رہا تھا۔

الو نے ایک سرسری سی چیخ ماری اور اڑ کر جنگل میں چلا گیا۔ وہ سایہ اب گاؤں کی ویران گلیوں میں گشت کر رہا تھا، سب گاؤں والوں نے بڑی مضبوطی سے اپنے اپنے دروازے بند کر رکھے تھے، شاید وہ بھی کسی انہونی کے خطرے سے واقف ہو گئے تھے۔

وہ پراسرار سایہ ایک مکان کی طرف لپکا۔ دروازے کی دستک پر ایک ادھیڑ عمر کی عورت چونک پڑی، ”میرے شوہر تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں اور انہوں نے تو تین دن بعد آنا ہے، یہ اس وقت کون دروازے پر دستک دے رہا ہے؟“ وہ خود کلامی کرتی ہوئی سہمے ہاتھوں سے دروازے تک آئی۔ ”کون ہے؟“ کوئی جواب نہیں آیا۔

تھوڑی توقف کے بعد اس نے دروازہ کھولا، باہر کوئی بھی نہیں تھا، اس نے ادھر ادھر دیکھا اور دروازہ بند کرکے جیسے ہی مڑی تو ایک دفعہ پھر دروازہ بجا، اب وہ خوف زدہ ہو گئی بار بار پوچھنے پر جب اسے کوئی جواب نہیں ملا، تب اس نے دروازہ کھولا تو اچانک ایک سایہ اس پر لپکا تو وہ پیٹھ کے بل گری، اور پھر آدم خور درندے کی وحشت ناک صورت دیکھ کر وہ زور سے چلائی مگر آدم خور نے پلک جھپکتے ہی اسے دبوچ لیا اور اپنے نوکیلے دانت اور ناخن عورت کی گردن میں گاڑ دیے۔

عورت کی فلک شگاف چیخیں بھی گاؤں والوں کے گوش گزار نہ ہو سکیں، عورت خون میں نہا گئی لیکن کسی میں بھی یہ جرأت نہ ہو سکی کہ کوئی آ کر اس کی مدد کرتا، جیسے پورا گاؤں بہرا بن گیا ہو، آدم خور کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی، ”کٹ!“ کی آواز کے ساتھ ہی پورا کمرہ تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔

”ویلڈن، گڈ شاٹ“ جیسے تعریفی کلمات عابد خان کے منہ سے سن کر آدم خور کا کردار ادا کرنے والا فن کار اور مظلوم عورت کا کردار ادا کرنے والی فن کارہ اپنی تعریف سن کر بہت خوش ہوئی۔

پروڈیوسر نے خوش ہو کر کہا۔ ”ہماری فلم کا پہلا شاٹ ہی کامیاب رہا اس کے لیے میں داد دوں گا ہمارے ایکٹرز خواتین و حضرات کو جن لوگوں نے بڑی ہی مہارت سے فلم میں اوپننگ شاٹ دیا۔“

”ارے بھائی آدم خور عرف ہماری فلموں کے معروف ولن مسٹر عمران! آپ نے تو کمال کر دیا، آپ کی اداکاری حقیقت کے اتنے قریب لگی کہ لگتا ہے اب مجھے واقعی آپ سے ڈر لگے گا، ویل ڈن...... اینڈ بیک اپ پلیز۔“

آج پروڈیوسر بہت خوش تھا، ایک دفعہ تو سیٹ پہ ہمیں بھی خوف محسوس ہو رہا تھا، جس سے ثابت تھا کہ ہماری فلم سپرہٹ ہو جائے گی۔ اور کئی ریکارڈ توڑے گی اور یقیناً مغربی و ہندی فلموں کا مقابلہ کرے گی اور ہمارے ملک کا نام روشن کرے گی، سب کے یہی جذبات تھے۔

اور ہاں سین میں جو موسم دکھایا گیا تھا وہ واقعی اس وقت ایسا موسم بنا ہوا تھا جس کی وجہ سے فلم والوں کو مصنوعی موسم بنانا نہیں پڑا، اور اب بارش شروع ہو چکی تھی۔

بیک اپ کال کے بعد پروڈیوسر سمیت سارے لوگ اپنے اپنے کمرے میں موجود تھے اور ایسے سہانے موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ موسم بہار کی وجہ سے نہ گرمی تھی نہ سردی درمیانہ موسم تھا اور ہم لوگ بھی شدید تھکے ہوئے تھے اس لئے نیند نے ہمیں آ گھیرا۔ یہاں میں بتاتا چلوں کہ ہماری اس فلم کی کہانی مس فاطمہ فلک نے لکھی تھی جو اک خوفناک ڈائجسٹ میں طبع آزمائی کرتی آ رہی ہے اور ان کی تحریروں کو خاصی پذیرائی حاصل ہے۔

فلم میں ہیرو کا کردار ملک کے مشہور و معروف فن کار مسٹر احسان خان نے ادا کیا جو کہ ہیروئن پر فلمی گیت

شمع بک ایجنسی کی مفید کار آمد اور دلچسپ کتابیں

بچوں کے نام (دو ٹائٹل)	60/-	بادام سے علاج	30/-	حسن افزا ٹوٹکے	30/-
بچوں کے خوبصورت نام	75/-	کلونجی سے علاج	30/-	گھریلو چٹکلے	30/-
پسندیدہ اسلامی نام (23x36)	60/-	زیتون سے علاج	30/-	گھریلو چٹکلے (پاکٹ)	20/-
علم و اعداد کی روشنی میں اسلامی نام	90/-	کلونجی سے علاج (پاکٹ)	25/-	مفید گھریلو چٹکلے	30/-
رنگ و روشنی سے علاج	50/-	گھر کا دواخانہ (پاکٹ)	20/-	موت کا منظر (درمیانہ)	30/-
آب زم زم سے شفا	30/-	گھر کا دواخانہ (درمیانہ)	30/-	جنت کا منظر (درمیانہ)	30/-
فرسٹ ایڈ (پاکٹ)	10/-	شوگر (ذیابیطس)	30/-	قیامت کا منظر (درمیانہ)	30/-
موٹاپا کم کیجئے	35/-	کینسر علاج اور تدبیر	30/-	حج کا منظر (درمیانہ)	30/-
موٹاپا دور بھگائیں	75/-	بلڈ پریشر اور تدبیر	30/-	نماز کا منظر (درمیانہ)	30/-
طب نبوی	40/-	ماں اور بچہ کی بیماریاں	30/-	موت کا منظر (پاکٹ)	30/-
اپنا علاج خود کیجئے	60/-	تحفۃ النکاح (پاکٹ)	30/-	قبر کی رات (پاکٹ)	20/-
طب لقمانی	35/-	سر درد علاج اور تدبیر	30/-	قبر کی رات (درمیانہ)	30/-
طبی علاج	30/-	السر علاج اور تدبیر	30/-	شمع پہیلیاں	25/-
غذاؤں سے تندرستی	30/-	جوڑوں اور جسم کا درد	30/-	لاجواب پہیلیاں	25/-
غذا سے صحت (پاکٹ)	15/-	امراض قلب	30/-	بے مثال پہیلیاں	25/-
پھلوں سے علاج	40/-	اعصابی بیماریاں	30/-	200 پہیلیاں	25/-
سبزیوں سے علاج	50/-	زنانہ امراض	30/-	کک باکسر	40/-
جڑی بوٹیوں سے علاج	50/-	خواتین کی بیماریاں	50/-	جدید کراٹے	40/-
خشک میوہ جات سے علاج	50/-	قد بڑھایئے	30/-	کراٹے اور بروس لی	25/-
پھلوں اور سبزیوں سے علاج	50/-	آسان ورزشیں	30/-	جوڈو کی عملی کتاب	40/-
پھلوں اور سبزیوں کے طبی فوائد	50/-	گھریلو ٹوٹکے (پاکٹ)	20/-	کنگ فو مارشل آرٹ	50/-
شہد سے علاج (بڑی)	40/-	مفید ٹوٹکے	25/-	آسان باڈی بلڈنگ	30/-
شہد سے علاج (پاکٹ)	25/-	گھریلو خواتین کے ٹوٹکے	25/-	جدید باڈی بلڈنگ	40/-
پھلوں سے علاج (پاکٹ)	20/-	دادا جی کے ٹوٹکے	25/-	سندھی اردو بول چال	30/-
سبزیوں سے علاج (پاکٹ)	20/-	نانا جی کے ٹوٹکے	25/-	انگلش اردو بول چال	30/-
کالی مرچ سے علاج	30/-	گھریلو کار آمد ٹوٹکے	75/-	بروہی اردو بول چال	30/-

شمع بک ایجنسی، نوید اسکوائر اردو بازار کراچی Ph:32773302

پکچرائز کرتے تھے، ہمارے جیسے جونیئر آرٹسٹ کبھی ٹھیلے پر نظر آتے تھے، کبھی فقیر بنا دیا، کبھی ویٹر بنا دیا تو کبھی سڑک چھاپ غنڈہ، مطلب ہمیں بھی کام مل جاتا تھا اور ہماری بھی روزی روٹی ہو جاتی تھی۔

یقین مانو! حق حلال کی تھوڑی سی کمائی میں بھی رب کریم کی طرف سے اتنی برکت حاصل ہوتی تھی کہ ہم لوگ صبح شام اس کا شکر ادا کرتے تھے اور اپنے چھوٹے موٹے رول پر بھی بہت خوش اور مطمئن ہوتے تھے، اس طرح کافی دن گزر گئے تھے اور فلم بھی اپنے تکمیلی مراحل کی طرف تیزی سے مکمل ہو رہی تھی۔

لیکن پردے کے پیچھے کچھ پراسرار سے واقعے ایسے ہوئی کہ مجھے لگا کہ ہم جس گاؤں میں فلم کی شوٹنگ مکمل کر رہے ہیں وہاں پر واقعی میں آدم خور ٹائپ کی کوئی بد روح یا عفریت سایہ زن ہے۔

وہ اس طرح کہ ایک دن پروڈیوسر عابد خان نے مجھے بلایا اور کہا۔

"دیکھو نواب! آپ ایک جونیئر آرٹسٹ ہو پر تجربے میں آپ کافی سینئر ہو، ہمارا اکلوتا باورچی ہسپتال میں داخل ہو گیا ہے وہ عجیب و غریب قسم کی باتیں کر رہا ہے، میں نہیں چاہوں گا کہ یہاں کوئی بدمزگی ہو، کروڑوں روپے لگے ہیں اس پراجیکٹ پر آپ جائیں اس باورچی سے ملیں، اب آپ کو اپنے کام کے علاوہ باورچی کا اضافی چارج بھی دیا جا رہا ہے، مجھے امید ہے کہ ہمارے باورچی کی صحت یابی تک آپ یہ کام بخوبی سرانجام دیں گی۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔"

میں وہاں سے سیدھا ہسپتال آیا جہاں ہمارہ باورچی داخل تھا، وہ ایک بیڈ پر پڑا جہان تھا اور ایک عدد ڈرپ اسے لگی ہوئی تھی، مجھے دیکھ کر وہ خوش ہوا۔ "کیا ہوا شعیب؟" میں نے اس کی طبیعت پوچھی وہ شدید ڈرا ہوا نظر آ رہا تھا اس نے ادھر ادھر دیکھا اور سرگوشی میں مجھے جواب دیا "میری فکر چھوڑو اپنی خیر مناؤ؟"

میں مزید حیران ہوا "یہ تم کیا کہہ رہے ہو، سب ٹھیک تو ہے ناں؟"

وہ بولا۔ "عابد خان فلم کے بہانے ہم سب کو مروائے گا۔ وہ جگہ آسیبی ہے، تم بھی سندھ کی ٹکٹ کٹواؤ اور واپس گاؤں چلے جاؤ۔"

میں اس کے قریب بیٹھ گیا، میرا تجسس مزید بڑھتا جا رہا تھا کھل کر بات بتاؤ شعیب۔" وہ پھر آہستہ سے بولا۔

"میں روزانہ محسوس کرتا تھا کہ باورچی خانے میں میرے علاوہ بھی کوئی ہے، کبھی تو کبھی سبزی غائب ہو جاتی تھی تو کبھی گوشت! ایک دن تو میں نے مرغی کا گوشت ایک برتن میں سنبھال کر رکھا اور باورچی خانے کو تالا لگا دیا۔ دوسری صبح میں نے تالا کھولا اور باورچی خانے میں آ کر دیکھا تو گوشت غائب تھا، میں نے زیر لب گالی نکالی تو ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر کسی نے رسید کیا، بظاہر تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا تو یہ تھپڑ کس نے مارا اور گوشت کس نے کھایا؟"

اس کی بات سن کر مجھے بھی تشویش لاحق ہو گئی تب سے میرا بلڈ پریشر بڑھ گیا ہے اور مجھے یہاں داخل ہونا پڑا۔

اسے میں نے دلاسہ دیا اور کہا۔ "مجھے پروڈیوسر صاحب نے خصوصی طور پر یہاں بھیجا ہے، آپ کا علاج فلم والے کروا رہے ہیں اور جب تک آپ مکمل صحت یاب نہیں ہوتے، میں آپ کی جگہ کام کروں گا۔" اس کو جب تسلی ہوئی تب وہ مطمئن ہوتے ہوئے مجھے کام سمجھایا۔

ویسے بھی ہم جونیئر آرٹسٹ کم باورچی، ڈرائیور یا دھوبی زیادہ ہوتے ہیں، فلم والے ہمیں کسی بھی کام کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، فی الحال مجھے سارے اسٹاف کے لیے رات کا کھانا تیار کرنا تھا، اس لئے سرشام ہی میں نے باورچی خانے کا رخ کیا۔

کھانا پکانے کے دوران مجھے بھی کسی کی موجودگی محسوس ہوئی لیکن ہم لوگ ڈراؤنی فلمیں بنا کر لوگوں کو ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر خود ڈر جائیں تو یہ اپنے کام کے ساتھ ناانصافی نہیں؟ میں نے باآواز بلند کہا۔

"دیکھو آپ جو کوئی بھی ہیں میں ڈرنے والا نہیں، مجھے بہت کام کرنا ہے، آپ بھی اپنے کام میں لگے رہیں۔"

حیرت انگیز طور پر اب وہ آوازیں آنا بند ہو گئیں تھیں جو تھوڑی دیر قبل میری سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

میں نے کھانا تیار کیا اور سرو کیا۔

ایک اور عجیب واقعہ میرے ساتھ پیش آیا، ایک دن ہمارا ڈرائیور بیمار پڑ گیا اور صاحب نے اس مرتبہ مجھے ڈرائیور بنا دیا، ہے نا عجیب قسمت! کبھی باورچی تو کبھی ڈرائیور لیکن پھر بھی ہمارے جیسے لوگ شکرگزار بندوں کی طرح سر جھکائے اپنی روزی کماتے ہیں۔ میں جیپ لے کر کچھ ضروری سامان خرید کر بازار سے شوٹنگ والی جگہ پر جا رہا تھا کہ راستے میں مجھے آدم خور کا کردار نبھانے والے ولن عمران نظر آئے۔ "ارے یہ تو اپنا عمران ہے" میں نے گاڑی روکی اور اسے آواز لگائی۔ "عمران بھائی آپ کہاں گئے تھے؟ آؤ بیٹھو میرے ساتھ" اس نے بغیر کچھ بولے دروازہ کھولا اور میرے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھا، میں نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

وہ بدستور خاموش بیٹھا رہا جب کہ میں اس کے تعریفوں کے پل باندھتا رہا۔

"عمران بھائی! کیا خوب کردار نبھایا ہے آپ نے لگتا ہے کسی سچ مچ کے آدم خور نے آپ کو ٹریننگ دی ہے....."

پورا راستہ میں ہی بولتا گیا اور جب میں نے شوٹنگ والی جگہ پر گاڑی آ کر روکی تو مجھے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کیوں کہ میرے سامنے عمران کسی سین کی شوٹنگ میں مصروف تھے۔ "تو پھر یہ میرے ساتھ کون ہے؟"

میں نے برابر والی سیٹ پر جو نظر کی تو اسے خالی دیکھ کر حیرت کا پہاڑ مجھ پر گر پڑا۔

"ارے یہ کہاں گیا.....؟" میں اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ شاٹ ختم ہوا۔ میں گاڑی سے اترا اور سیدھا عمران بھائی کی طرف آیا۔

"عمران بھائی آپ شہر تو نہیں گئے تھے؟" وہ حیران ہوا اور بولا۔ "ارے نہیں نواب! میں صبح سے یہاں شوٹنگ میں مصروف ہوں اور بہت تھک گیا ہوں، دراصل آج بہت زیادہ شوٹنگ کر لی ہے، میں تو چلا آرام کرنے۔"

"اور میں چلا باورچی خانے" میں زیر لب بڑبڑایا اور اس واقعے کو لے کر شدید پریشانی میں مبتلا ہوا۔

اگلے دن سویرے ہی ہمیں آرڈر ملا کہ آج پنچایت پر سین فلمانا ہے اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک پر پنچایت کا سیٹ لگانا پڑا، وہاں پر ایک بڑا سا مصنوعی درخت بھی لگایا جو سین کی ڈیمانڈ پر لگایا گیا۔ جب سیٹ مکمل ہوا تو پورے گاؤں والوں کو وہاں بلایا گیا اور مجھے بھی ایک گاؤں والے کے گیٹ اپ میں وہاں ایک کونے میں بیٹھایا گیا، شوٹنگ شروع ہوئی......کیمرہ...... ایکشن گاؤں کا ایک عمر رسیدہ شخص جو سرپنچ کا کردار نبھا رہا تھا، وہ کھڑا ہو کر باآواز بلند کہنے لگا۔

"گاؤں والو! جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ کافی عرصے سے ایک آدم خور درندہ ہمارا قتل عام کر رہا ہے اور ہم لوگ اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کر پا رہے ہیں، وہ صرف کمزور عورتوں اور بچوں کو اپنا شکار بناتا آ رہا ہے، اگر ایسے ہی چلتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب ہمارے گاؤں میں صرف کتے اور بلیاں رہ جائیں گی اور ہمارا نام و نشان بھی مٹ جائے گا۔ اس لئے کافی سوچ سمجھ کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم سب یہاں سے ہجرت کر کے شمالی جنگلات میں آباد ہوں گے، جہاں ملک چین کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں، ہم وہاں محنت کریں گے اور نئے سرے سے آباد ہوں گے۔ میرے خیال میں یہ گاؤں منحوس ہے اور مزید یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ تو کیا خیال ہے آپ کا؟"

سارے گاؤں والوں نے سرپنچ کی تائید کی۔ "کٹ" کے آواز کے ساتھ وہ سین ختم ہوا تو سب نے تالیاں بجا کر ہماری حوصلہ افزائی کی۔

سرپنچ سمیت سب نے اپنا گیٹ اپ اتارا اور سب کے سب پروڈیوسر عابد خان کی طرف متوجہ ہوئے۔

دوستو! اس سین کے ساتھ ہی ہمارا 80% فیصد کام مکمل ہوا۔ مجھے خوشی ہے کہ اس دوران کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہیں ہوا، ہمیں یہاں دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، اب ہمیں پلان کے مطابق بقیہ 20% فیصد کام چائنا میں پل کرنا ہے، جس کی اجازت ہمیں مل چکی ہے اور فلم کے مطلوبہ فن کاروں کے ویزے اور پاسپورٹ بھی ہم نے مکمل کر لیے ہیں، کل سنڈے ہے تمام لوگ ریسٹ کریں گے اور سیر و تفریح پر بھی جائیں گے، پرسوں ہم نے اسلام

آباد ائیر پورٹ پر چائنا کے لیے جانا ہے، ضروری کاسٹ کو لے کے ہم چائنا جائیں گے اور باقی فن کار اور اسٹاف اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جائیں گے، فلم کی تکمیل پر اس کے ریلیز کے موقع پر ہم سب پھر یکجا ہو کر فلم کی ریلیز کے موقع پر مرکزی تقریب میں جمع ہوں گے، جہاں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے نمائندے بھی شریک ہوں گے، اس مرتبہ چائنا نے ہماری فلم کو تکنیکی اور مالی معاونت کی حامی بھری ہے، مجھے امید ہے کہ چائنا کے اشتراک سے ہم مغربی و ہندی فلم انڈسٹری سے مقابلہ کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے، اور اب تو گورنمنٹ بھی فلم انڈسٹری کو باقاعدہ صنعت کا درجہ دینے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے، مجھے امید ہے کہ پاکستان فلم انڈسٹری ایک مرتبہ پھر ابھرے گی اور اپنا کھویا ہوا مقام ضرور حاصل کر لے گی۔" سب لوگوں نے تالیوں کی گونج میں عابد خان کا استقبال کیا۔

آج سنڈے تھا اور یہاں ہمارا آخری دن تھا، باقی دوست تو شہر چلے گئے سیر و تفریح کے لیے، میں کچھ بے چین سا تھا اس لئے سیر و تفریح کے بجائے سیدھا ہسپتال گیا جہاں پرانا باورچی زیر علاج تھا، میں نے اس کی تیمار داری کی وہ پہلے سے زیادہ ٹھیک ہو گیا تھا اور فلم کی شوٹنگ مکمل ہونے پر اور زیادہ خوش ہوا۔ ڈاکٹر نے بھی اسے چھٹی دے دی تو وہ میرے ساتھ واپس فلم کے یونٹ میں آیا۔ ہم دونوں نے صبر کیا اور محنت کی، عابد خان نے ہم دونوں کو اپنے پاس بلایا اور ہمیں بھی چائنا جانے کی خوش خبری سنائی تو خوشی سے آنکھیں نم ہو گئیں۔ ہم غریبوں کو بھی چائنا جیسا دوست ملک گھومنے کا موقع ملا۔

تیزی سے ترقی کی راہوں پر گامزن چائنا دیکھنے کا موقع ملا، وہاں کے عوام نے جتنا پیار دیا اتنی اپنائیت، اتنی مہمان نوازی اور اتنا تعاون، مطلب چائنا کے عوام کے بارے میں جتنا سن رکھا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ مخلص و مہربان پیش آئے، ہمارا فلمی یونٹ نے مختلف شہروں سے ہوتے ہوئے آخر میں دیوار چین کے قریب واقع گھنے جنگلات کے عین سنگم میں واقع ایک قدیمی بستی میں اپنا پڑاؤ کیا اور وہاں کے حکام کے تعاون سے اس بستی کو سلیکٹ کر کے فلم کے کلائمکس کی تیاری شروع کر دی۔

یہاں میں کہتا چلوں کہ چائنا فلم انڈسٹری نے ہماری اس فلم میں فنی اور تکنیکی معاونت کی اور ہمیں جدید سے جدید کیمرے اور فرنیچر فلم کے لئے مہیا کیا۔ انہیں ہماری فلم کی کہانی اتنی پسند آئی کہ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ چائنیز زبان میں بھی ایسی ہارر فلم ضرور بنائیں گے اور ہماری اس ہارر فلم کو چائنیز زبان میں ڈب کر کے پورے ملک میں ریلیز کریں گے۔

بلکہ چائنا کے ایک فلم پروڈیوسر نے تو ہماری ہارر فلم کی رائٹر مس فاطمہ فلک کو آفر کی کہ وہ چائنا فلم انڈسٹری کے لئے بھی اپنی کہانی تحریر کریں جسے چائنا کی زبان میں ٹرانسلیٹ کر کے اس قسم کی ہارر کہانیوں کی ترقی و تدریج میں چائنا اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

بہرحال اب آتے ہیں فلم کے آخری سین یعنی کلائمکس کی طرف تو قارئین! چائنا کے تعاون سے گاؤں میں ایک بہت بڑا اسیٹ لگایا گیا۔ پروڈیوسر عابد خان نے سب فنکاروں کو یکجا کر کے سین کے بارے میں ہدایات جاری کیں اور ہیرو سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"مسٹر ہیرو! بہت ہو گیا، ہیروئن کے ساتھ ناچ گانا اب فلم آخری مرحلے میں داخل ہو رہی ہے، ہمیں کوشش کر کے آج ہی کام مکمل کرنا ہے تو سین یہ ہے کہ آدم خور ان ہی لوگوں میں سے ایک ہے جو یہاں بھی ان گاؤں والوں کا پیچھا نہیں چھوڑ رہا، ہمیں آج اس کو مارنا ہے آدم خور ختم تو فلم ختم۔ سمجھ گئے سب لوگ۔" سب نے مل کر "جی سر" کہا۔

فلم کا کلائمکس شروع ہوا عابد خان نے کیمرہ مین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیمرہ ایکشن" رات کے اندھیرے میں جنگل اور بھی بھیانک لگ رہا تھا، جنگلی جانوروں اور پرندوں کی آوازیں تو دور گاؤں تک سنائی دے رہی تھیں ایسے میں اچانک طوفانی ہوائیں شروع ہو گئیں ایک دفعہ پھر سارے گاؤں والے خوف کے عالم میں سہم گئے، گاؤں والے سوچ رہے تھے کہ علاقہ بھی بدلی کر لیا لیکن آدم خور نے یہاں بھی

ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔

"واویلا! آج پھر کوئی مظلوم عورت یا بچہ اس آدم خور درندے کا شکار ہو گی۔"

بوڑھے نے بندوق اٹھاتے ہوئے کہا۔ "بیٹی فکر مت کر یہاں بھی تیری حفاظت کروں گا، آنے دو آج اس درندے کو، میں نے بہت جی لیا، کیا ہوا جو میری زندگی سب کے کام آ جائے، ہماری نئی نسل تو اس درندے سے محفوظ رہے گی۔"

وہ ابھی باتوں ہی میں مصروف تھے کہ ایک گھر سے کسی بچے کے زور زور چیخنے کی آوازیں آنے لگیں تب بوڑھے نے بندوق اٹھائی اور سیدھا وہاں کا رخ کیا، دروازہ کھلا ہوا تھا۔

وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ آدم خور نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا وہ معصوم بچے کا گوشت کھا رہا تھا بوڑھے کو دیکھ کر کسی بھیڑیے کی طرح غرایا تو بوڑھے نے بھی بندوق سے فائر کھول دیا آدم خور نے کمال مہارت سے نیچے جھک کر گولی کی زد سے بچ نکلا۔ دوسرے فائر پر وہ اوپر اچھلا اور بوڑھے پر حملہ کر دیا اپنے نوکیلے ناخنوں سے آدم خور نے بوڑھے کا چہرہ بری طرح زخمی کر دیا۔

بوڑھے نے سوچا میں اس بلا کا مقابلہ نہیں کر سکتا اسے ایک ترکیب سوجھی اس نے فوراً اٹھ کر مکان سے باہر نکل کر دروازے کے باہر والی کنڈی لگا دی اب وہ آدم خور اندر کمرے میں قید ہو کر رہ گیا تھا اور زور زور سے چلا کر دروازے کو ٹھوکریں لگا رہا تھا اس دفعہ گاؤں والوں نے بھی سوچا کہ اگر ابھی وہ نہیں نکلے تو وہ آدم خور کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا سو سرپنچ سمیت پورے گاؤں والے بوڑھے کے پاس آ گئے۔

موسم بدستور طوفانی تھا اور جنگلی جانوروں کے شور میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اندر مکان میں قید آدم خور درندے کی چیخوں سے پورا گاؤں دہل گیا تھا فلم کے ہیرو نے آگے بڑھ کر بوڑھے کو سنبھالا جس نے سب کو حقیقت بیان کر دی۔

سرپنچ کے کہنے پر سب گاؤں والوں نے مکان کا گھیراؤ کر لیا اور وہ سارے کلہاڑیاں اور بندوقیں لے آئے ہیرو نے ہاتھ میں ایک کلہاڑی پکڑ لی اور دروازے کی کنڈی کھولی اندر کا نظارہ دیکھ کر سارے گاؤں والے دنگ رہ گئے کیوں کہ اندر کوئی اور نہیں ان ہی کے گاؤں کا ایک غریب لکڑہارا تھا جس کے بیوی بچے فوت ہو چکے تھے اور وہ اکثر جنگلوں میں تنہا نکل جاتا تھا۔

اب اس راز سے پردہ اٹھا کہ آدم خور ان ہی کے درمیان رہتا تھا باہر سے کوئی بھی نہیں آتا تھا اسے پتہ تھا کہ فلاں گھر میں کوئی مرد نہیں ہے اس لئے وہ صرف وہاں حملہ کرتا تھا جہاں کمزور عورتیں اور بچے رہتے تھے۔

سارے گاؤں والے بدلے کی آگ میں تھے انہوں نے لاٹھیوں سے، کلہاڑیوں سے اور بندوقوں سے آدم خور پر حملہ کر دیا سب نے وحشی انداز میں مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے کچھ مرنے والوں کے لواحقین نے تو بدلے کی شدت میں ایک بڑا آگ کا الاؤ تیار کیا اور آدم خور کے ٹکڑوں کو آگ میں پھینک دیا اور تب تک وہاں کھڑے رہے جب تک آگ بجھ کر خاک نہیں ہوئی تو اس طرح ایک خونی آدم خور اپنے انجام کو پہنچا اور "کٹ" کی آواز کے ساتھ ہی فلم کا آخری سین بھی مکمل ہوا۔

آدم خور کا کردار ادا کرنے والے فن کار سمیت سارے فن کار اور اسٹار پروڈیوسر کے سامنے کھڑے تھے۔

"تو ساتھیو! ہماری فلم "خوف کا سایہ" مکمل ہو گئی میں سب فنکاروں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ہماری یہ فلم مغربی و ہندی فلموں کو مات دے دے گی۔ میں شکر گزار ہوں اپنے چائنا فلم انڈسٹری کا جنہوں نے ہماری مدد کی کل ہم واپس جا رہے ہیں۔ خدا حافظ۔"

اس فلم نے چائنا اور پاکستان میں کافی شہرت اور دولت کمائی، لیکن ہالی ووڈ اور بالی ووڈ کی نا اہلی نے اس فلم کو فلاپ ہونے کا درجہ دیا جبکہ ہمارے دوست چائنا نے تو اس موضوع کو لے کر متعدد فلمیں اور بنا ڈالیں اور ہمارے رائٹرز، فن کاروں اور انڈسٹری کو خوب سراہا۔

روح سے نجات

شاہد رفیق سہو۔ کبیر والا

آدھی رات کا وقت تھا کہ اچانک کمرہ روشنی میں نہا گیا پھر کمرے میں شیر جیسی غراہٹ نمودار ہوئی اس کے بعد ایک مجسم روح نظر آئی، اس کی متلاشی نظریں کچھ تلاش کررہی تھیں کہ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

ایک سنگ دل روح کا دل دہلاتا حیرتناک خوفناک دہشت ناک ناقابل فراموش واقعہ

آج بھی جب کہ مجھے اپنے چچا لارڈ ایکس کی جائیداد کا وارث بنے دوسال گزر چکے ہیں، میں سوچتا ہوں کہ یہ محض خدا کی عنایت تھی کہ میں ان کا وارث بنا ورنہ میں ہوتا اور میری معمولی سی زندگی۔

ایک معمولی ڈاکٹر کی کمائی بھی بھلا کوئی کمائی تھی، اب میں ایک بہت بڑے علاقے کا مالک ہوں ہر سال ہر ماڈل کی کار خرید سکتا ہوں اور شہر میں میرے بڑے بڑے مکان اور کوٹھیاں ہیں۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا پر ناجائز دباؤ ڈال کر تمام دولت حاصل کی ہے لیکن یقین کیجیے میرا چچا ایسی باتوں سے بہت دور تھا اور میں بھی تو اس قدر گرا ہوا نہیں ہوں بس یہ ان لوگوں کے حسد کی وجہ ہے جو ایسا سمجھتے ہیں۔

دوسال پہلے میں اکیلا آدمی تھا نہ بیوی نہ بچے ایک معمولی سا مکان میرے پاس تھا میں کام سے آتے ہی اس میں پڑا رہتا تھا یا کسی دوست کے ہاں چلا جاتا۔

انہی دنوں میں نے سنا کہ میرا چچا لارڈ ایکس جو کسی زمانے میں امریکہ چلا گیا تھا اب وہاں سے واپس آرہا ہے اور میں نے اس کو دیکھا بھی نہیں تھا بس کئی بڑے بوڑھوں کو اس کا ذکر کرتے سنا تھا۔

وہ لوگ کہتے تھے بھئی دعا کرو لارڈ ایکس تمہیں اپنے پاس بلا کر اپنا وارث بنادے کیوں کہ تم اس کے سگے بھتیجے جو ٹھہرے۔

اس کا اپنا بیٹا تو ہے نہیں لیکن میں سوچتا میں اور کہاں وہ اور پھر میرے علاوہ دو بھتیجے اور بھا اور بھی تو تھے اور وہ اچھے کھاتے پیتے آدمی تھے، میں ایسی موہوم امید کا خیال بھی مناسب نہ سمجھا اور حال میں مگن رہا۔

دن گزرتے گئے حتیٰ کہ ایک دن میں کہ لارڈ ایکس تشریف لے آئے ہیں اور انہوں سے باہر اپنے فارم والے بنگلے میں قیام کیا ہے چند دنوں بعد یہ بھی سنا کہ انہوں نے اپنے ایک کو جو شہر میں وکالت کرتا ہے بلایا ہے مجھے یقین تھا اپنے اس ہونہار بھتیجے کو اپنا وارث بنائیں گے۔

وہ اونچے دماغ اور اعلیٰ تعلیم کے آدمی ویسے بھی اپنے بھتیجے کو ہی بنائیں گے میں یہ بتاتا گیا کہ وہ اب امریکہ سے آئے تھے انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ فن میں مہارت متعلق عجیب عجیب قصے سناتے تھے اور میں یہ باتیں کر اور بھی احساس کمتری میں مبتلا ہوجاتا تھا۔

پھر میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب ایک دن میں نے سنا کہ لارڈ ایکس نے اپنے ہونہار بھتیجے کو واپس بھیج دیا ہے یا خدایا اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے اور پھر جب اس کے بعد انہوں نے اپنے بھانجے کو بھی بلا کر چند دن اپنے پاس رکھنے کے بعد واپس بھیج دیا تو مجھے اپنی خوش قسمتی کے خواب سچے معلوم ہونے لگے۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ مجھے اپنے پیشے سے مطابقت کی وجہ سے ذہنی طور پر قبول کرلیں گے۔

کہتے حالات آنے سے پہلے اپنا سایہ ڈالنا شروع کردیتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا میری پریکٹس اچانک چمک اٹھی اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ شہر کے ایک دو متمول آدمیوں کا میں نے علاج کیا اور مجھے خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

بس پھر کیا تھا رات کو اکثر مجھے باہر جانا پڑتا لیکن میں نے اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا بلکہ پوری تندہی سے مریضوں کو دیکھتا ان کا علاج کرتا اور باقی وقت مطالعے میں صرف کرتا۔

آخر ایک دن شام کو میں ابھی اپنے اسپتال سے لوٹا ہی تھا کہ میں نے اپنے مکان کے ساتھ کار کھڑی دیکھی۔ میرا دل زور زور سے دھڑک اٹھا اور باوجود ڈاکٹر ہونے کے مجھے کچھ رک کر اپنا سانس درست کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

میں نے کانپتے ہاتھوں سے کار پر ہاتھ پھیرا۔

کیا یہ کار لارڈ ایکس کی ہوسکتی ہے یہ سوچ کر میرے دل میں امیدوں کا طوفان برپا ہوگیا۔

اتنے میں سامنے کی دکان سے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اترتا ہوا کھائی دیا وہ سیدھا میری طرف آیا۔

”کیا ہنری آپ کا نام ہے۔“ وہ آتے ہی مجھ سے مخاطب ہوا۔

”جی ہاں فرمایئے۔“ میں نے اپنے لہجے میں کچھ ہکلاہٹ سی محسوس کی۔

”آپ لارڈ ایکس کے بھتیجے ہیں نا۔“ اس نے دوبارہ پوچھا۔

”جی ہاں وہ میرے چچا ہیں فرمایئے کیا انہوں نے مجھے بلایا ہے۔“

اور جواب سن کر مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا میں نے پھر پوچھا۔

”کیا انہوں نے مجھے بلایا ہے۔“

”دیکھیے مسٹر کیا آپ مذاق تو نہیں کررہے ہیں۔“ وہ آدمی مسکرایا نہیں۔

"مسٹر ہنری لارڈ صاحب نے آپ کو بلایا ہے آپ پرسوں اس پتے پر پہنچ جائیں وہ آپ کے منتظر ہوں گے۔" یہ کہہ کر اس نے ایک کارڈ میرے سامنے کردیا۔

"بہت اچھا ضرور ضرور میں ضرور پہنچ جاؤں گا لیکن آپ مجھے اپنی خدمت کا موقع تو دیجیے۔" گھبراہٹ میں میرے منہ سے الفاظ بھی صحیح طور سے نہیں نکل رہے تھے۔

"نہیں بھئی میں مصروف ہوں بس تم یاد سے پرسوں پہنچ جانا۔"

میں سوچنے لگا کہ اب وقت کیسے گزرے گا تمام رات نیند نہ آئی نہ جانے کیسے ہوں گے لارڈ ایکس اور پھر شاید میں ان کی لیبارٹری کو بھی ایک نظر دیکھ سکوں گا۔ سنا ہے انتہائی عجیب اور حیرت انگیز چیزیں ہیں اس میں، آخرکار تیسرے روز میں صبح سویرے ہی تیار ہوگیا سادہ لباس پہن کر میں اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگیا یہ بات میں آپ سے ہرگز نہیں چھپاؤں گا کہ مجھے لارڈ ایکس کا وارث بننے کی امید چنداں خوشی نہیں تھی، خوشی تھی تو اس بات کی کہ انہوں نے آخرکار مجھے بھی اس قابل خیال کیا ہے کہ میں ان سے ایک عزیز کی حیثیت سے مل سکوں چنانچہ میں ٹرین میں سوار ہوگیا۔

سہ پہر تک کا وقت ٹرین میں کٹا اس کے بعد مجھے بس پر جانا تھا لیکن میں نے جلدی پہنچنے کے خیال سے ٹیکسی لی اور روانہ ہوگیا۔ سورج غروب ہورہا تھا جب میں فارم کے قریب پہنچا سڑک چھوٹی سی تھی اور اس کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت تھے دور تک پھیلے ہوئے کھیت اور کہیں کہیں سرخ کھپریل پرسکون معلوم ہورہی تھیں۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا شہر کے پررونق ماحول کا عادی تھا اس لئے یہ دیہاتی ماحول مجھے بہت بھلا معلوم ہورہا تھا آخر ایک موڑ پر جونہی ٹیکسی گھومی ایک بڑی سی سفید عمارت سامنے آئی میں نے ٹیکسی وہیں سے رخصت کردی اور خود عمارت کی طرف پیدل بڑھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس عمارت کی خبرگیری کرنے والا کوئی نہیں۔

میدان لمبی لمبی گھاس سے پر کرنے والا کوئی تھا اور اس کے اردگرد خودرو جھاڑیاں کثرت سے تھیں عمارت کی مرمت بھی شاید مدتوں پہلے کی گئی ہوگی۔

میں اونچے ستونوں والی راہداری میں داخل ہوگیا یہاں بھی دیواروں کا پلستر جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا میں نے سوچا شاید لارڈ ایکس اپنی لیبارٹری میں اس قدر مصروف رہتے ہوں گے کہ لیکن اچانک مجھے اپنے خیالات کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔

دائیں طرف کا ایک دروازہ کھلا اور وہی ادھیڑ عمر آدمی نمودار ہوا جو مجھے بلانے کے لئے شہر گیا تھا۔

"شام بخیر۔" میں نے کہا۔

"شام بخیر جناب آپ تشریف لے آئے۔"

"آیئے اس کمرے میں تشریف رکھیے، میں لارڈ کو خبر کردوں۔" اس نے کہا میں اس کے پیچھے چل پڑا اور کمرے میں داخل ہوگیا یہ کمرہ نسبتاً اچھی حالت میں تھا اور چند بھاری کرسیاں اور ایک بڑی سی میز بھی یہاں تھی مجھے وہاں بیٹھے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ ایک بوڑھی سی عورت اندر داخل ہوئی۔

"جناب آپ کا نام ہنری ہے تو چلئے آقا آپ کو بلاتے ہیں۔" اس نے ناک میں گنگناتے ہوئے کہا۔

"جی اچھا۔" اور میں بوڑھی عورت کے ساتھ چلتا ہوا ایک بڑے سے کمرے میں جا پہنچا۔

لیکن میں ٹھٹک گیا یہاں لارڈ ایکس اور لیڈی ایکس دونوں موجود تھے میں نے ادب سے سر کو خم کیا اور میں کافی متعجب ہوا جب لیڈی موصوف نے نہایت شفقت سے میرے سر پر ہاتھ بالکل مشرقی انداز سے اور لارڈ نے مجھے ایک کرسی پیش کی۔

میں کرسی پر بیٹھ گیا میرے سامنے لارڈ ایکس اور داہنے طرف لیڈی ایکس بیٹھ گئیں یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ میں اپنی گھبراہٹ پر قابو نہ پاسکا اور نظریں نیچی کئے میں گم صم بیٹھ گیا۔

شاید لارڈ نے میرے احساس کا اندازہ کرلیا

۔انہوں نے خود ہی گفتگو شروع کی۔

"مسٹر ہنری میں نے آپ کو آج ہی دیکھا اور میری پہلی نظر اگر غلط نہیں تو آپ ڈاکٹر ہیں اور میرے خیال میں آپ کے حالات خاص اچھے نہیں ہیں۔"

"جی ہاں ......" میں گھبراہٹ کے عالم میں اور کچھ نہ کہہ سکا۔

آہستہ آہستہ گفتگو بے تکلف ہوگئی ہم کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ خادمہ نے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔ چنانچہ ہم ڈائننگ روم میں پہنچ گئے میں نے پہلی مرتبہ لارڈ ایکس کا جائزہ لیا وہ چھ فٹ کے چوڑی ہڈیوں کشادہ پیشانی اور روشن آنکھوں والے آدمی تھے۔

لیڈی موصوف نہایت بااخلاق خوش باش اور سفید بالوں والی خاتون تھی لیکن اگر میں نے دھوکہ نہیں کھایا تو میرا خیال ہے کہ اس وقت ضرور اس محترم جوڑے کا مزاج بخیر نہیں تھا ان کی صحت بالکل کسی مریض کی طرح معلوم ہوتی تھی مجھے اتنا تجسس محسوس ہوا کہ کھانا کھاتے ہوئے پوچھ ہی بیٹھا۔

"میرے محترم بزرگ میں پہلے نہایت ادب سے بے تکلفی کی معافی چاہتا ہوں اور پھر التماس کرتا ہوں کہ جب آپ مجھے اپنا عزیز خیال کرتے ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ میں آپ کی پریشانی کی وجہ دریافت کرسکوں۔ بطور ایک ڈاکٹر کے میں اگر غلطی نہیں کرتا تو آپ مسلسل کئی راتوں سے بالکل سو نہیں سکے۔"

"اوہ برخوردار مجھے اس امر کی خوشی ہے کہ تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ہی میں تمہیں اپنے اعتماد میں لینے سے پیشتر کھانا ختم کرلینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ دراصل اس گھر میں کئی دن سے کسی نے بھی خوش ہوکر کھانا نہیں کھایا۔"

"جی بہتر اور اس کے بعد میں کھانے میں مشغول ہوگیا میں کنکھیوں سے لیڈی ایکس کو دیکھ رہا تھا وہ کھانا کھاتے ہوئے کانٹا اپنے ہاتھ سے رکھ دیتیں اور لارڈ کو بڑی مغموم نظروں سے دیکھنے لگتیں۔

میں نے دیکھا کہ لارڈ ایکس کی پیشانی کی سلوٹیں گہری ہوگئی تھیں اور وہ کھانے کی محض رسم ادا کررہے تھے۔

آخر یہ رسم بھی ختم ہوگئی اور لارڈ مجھے لے کر ایک دوسرے کمرے میں آگئے۔ لیڈی ایکس نے شب بخیر کہا اور خادم کے ہمراہ اپنی خواب گاہ میں تشریف لے گئیں۔

"جی محترم بزرگ تو آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ آپ مجھے وہ راز بتائیں گے۔" میں دراصل راز جاننے کے لئے انتہائی بے چین تھا۔

"ہاں بھئی ہنری آؤ میرے ساتھ۔" میں ان کے ساتھ دوسرے کمرے میں داخل ہوا یہ کمرہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں لمبی لمبی میزوں پر شیشے کے مرتبان ٹیسٹ ٹیوبیں اور الماریوں میں بھی لاتعداد مرتبان تھے جن میں کسی محلول میں رکھی ہوئی مختلف چیزیں تھیں جسم کے مختلف حصے جانوروں کے بھی اور انسانوں کے بھی میں تمام ماحول کو انتہائی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا میں نے سب ہی الماریوں کے نزدیک جاکر دیکھا سب ہی الماریاں مختلف نوادر سے پر تھیں۔

آپ یقیناً ایسے ماحول میں گھٹن محسوس کریں گے لیکن بطور ڈاکٹر کیونکہ میرا محبوب مشغلہ انسانی جسم کی ساخت تھا اس لئے میں انتہائی دلچسپی سے ہر ایک مرتبان کو دیکھ رہا تھا کئی ایک میں مختلف سانپ اور چھوٹے چھوٹے دوسرے جانور تھے اور دوسروں میں ایسی عجیب چیزیں تھیں کہ اگر اس فن کے جاننے والے اس کو دیکھ پائیں تو حیرت سے انگشت بدنداں رہ جائیں۔

آخر میں اپنی حیرت سے اس وقت چونکا جب لارڈ نے اپنا خشک ہاتھ میرے شانے پر رکھا۔

"بیٹھو ہنری تاکہ میں تمہیں وہ راز بھی بتادوں۔" ان کے لہجے میں نہایت درجے کی اپنائیت تھی۔

"راز کا بہت زیادہ حصہ اس لیبارٹری سے تعلق رکھتا ہے۔" انہوں نے کہا تو میں دم بخود ہوکر سننے لگا۔

"دوسال پہلے میں امریکہ میں تھا ایک ریڈانڈین

قبیلے کے گاؤں کے نزدیکی اسپتال میں، میں وہاں ایک عجیب قسم کے بخار پر تحقیق کررہا تھا جس کی وجہ سے قبیلوں کے قبیلے صاف ہوگئے تھے یہ بخار دراصل ایک خاص قسم کی مکھی سے ہوتا تھا اور مریض ایک گھنٹے کے اندر اندر مرجاتا تھا۔ یہ انتہائی مشکل مسئلہ تھا اور میں باوجود دو ماہ کی مشکل کوشش اور تحقیق کے کوئی علاج دریافت نہ کرسکا۔ شاید تم نے اس کے متعلق اخباروں میں بھی پڑھا ہوگا۔"

"جی ہاں میں نے اس کے متعلق پڑھا تھا اور میری رائے میں اس کا علاج کوئی نہیں تھا سوائے اس کے کہ زہریلا حصہ جسم سے الگ کردیا جائے۔" میں نے کہا۔

"خوب بہت خوب بس یہی کیا گیا اور پھر ایک دن ایک ریڈ انڈین میرے پاس آیا اس کو مکھی نے کاٹ لیا تھا اور وہ درد سے بے قرار تھا مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اپنے قبیلے کا سردار ہے چنانچہ میں اس کو اپنے آپریشن روم میں لے گیا۔"

"تم حیران ہوگے کہ انتہائی دلیر آدمی ہونے کے باوجود نشتر اور چاقو وغیرہ دیکھ کر اس کے جسم میں تھرتھری پیدا ہوگئی بلکہ اس نے تو وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن میں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا اور انہوں نے اسے زبردستی پکڑ کر میز پر لٹادیا۔ بلکہ یوں کہوں کہ باندھ دیا۔"

"ڈاکٹر برائے مہربانی میرا علاج کرو میرا ہاتھ نہ کاٹو وہ لوگ مجھے سرداری سے ہٹادیں۔ گے اور میں زندہ درگور ہوجاؤں گا۔" میں نے اس کو سمجھایا۔

"اگر زندگی چاہتے ہو تو اپنا ہاتھ ضائع کردو ورنہ میرے پاس کوئی اور علاج نہیں ہے۔" اس کے قبیلے کے لوگوں نے بھی جو اس کے ساتھ آئے ہوئے تھے اس کو سمجھایا۔

آخرکار وہ خاموش ہوگیا لیکن انجکشن کی سوئی دیکھ کر وہ پھر کانپ اٹھا مگر میں نے زبردستی انجکشن لگادیا اور اس کے بعد کہنی کے جوڑ سے ہاتھ الگ کردیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اسے ہوش آگیا اور وہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

"ڈاکٹر یہ ہاتھ مجھے دے دو دنیا میں تو اس طرح گزارہ کرلوں گا لیکن موت کے بعد یہ ہاتھ کہاں تلاش کروں گا۔" وہ سسکیاں لیتے ہوئے کہنے لگا۔

"بے وقوف ہوگئے ہو سردار مرنے کے بعد تمہیں اس کی کیا ضرورت ہوگی اور پھر یہ ہاتھ زہریلا بھی تو ہے۔ میں اس کو تجربے کے لئے محفوظ رکھوں گا۔" میں نے کہا۔

"لیکن ڈاکٹر تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ میرا ہاتھ سنبھال کر رکھنا میں مرنے کے بعد ضرور آؤں گا اور اپنا ہاتھ طلب کروں گا یقین کرو اگر میرا ہاتھ تم نے ضائع کردیا تو میں کبھی بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں گا۔" اس کے لہجے میں ایک عجیب سی درشتی آگئی۔

"اچھا بھئی اچھا محفوظ رکھوں گا جب جی چاہے آکر اپنا ہاتھ مجھ سے لے لینا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور چلا گیا۔

لیکن مڑ مڑ کر اس مرتبان کو دیکھتا رہا جہاں میں نے اس کا ہاتھ رکھا تھا اور اس کے بعد لارڈ نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔

"میں ایک اور اسپتال میں آگیا اپنے تمام سازوسامان کے ساتھ اس مرتبان کے ساتھ ریڈ انڈین کا بھورا ہاتھ تھا لیکن ہنری میرے عزیز لارڈ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔"

لیکن ہنری میری لیباری میں ایک دن آگ لگ گئی کئی نوادر جل کر راکھ ہوگئے اور ان میں اس ریڈ انڈین کا ہاتھ بھی تھا چند دنوں تک تو میں نے اس کا افسوس کیا لیکن پھر سوچا جہاں اتنی قیمتی چیزیں ضائع ہوگئیں وہاں اس بے حقیقت ہاتھ کی کیا اہمیت ہے۔"

"اب جبکہ میں اس کی اہمیت پر غور کرتا ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں مجھے یہاں آئے تقریباً چھ ماہ ہوچکے ہیں اور یہاں آنے کے ایک ماہ بعد سے میری مصیبتوں کا دور شروع ہوچکا ہے اور اب یہ حال ہے کہ میں رات کو سونا تو کجا سونے کا خیال بھی نہیں لاسکتا۔"

"لیکن میرے بزرگ کیا آپ مجھے اس کی وجہ بھی

بتائیں گے۔ تاکہ میں اس کے متعلق کوئی حل سوچ سکوں۔"

"کیوں نہیں میں ضرور بتاؤں گا دراصل وہ بات ہی کچھ ایسی ہے آج کل کے ترقی یافتہ دور میں یہ باتیں کچھ عجیب سی لگتی ہیں اور جب کہ میں خود بھی خدا کے فضل سے ایک عظیم ڈاکٹر کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہوں ہر رات تقریباً آدھی رات کو میری آنکھ کھٹکے کی آواز سے کھل جاتی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ وہی ریڈ انڈین اپنے اسی انداز میں ایک کٹے ہوئے ہاتھ سے کمرے میں داخل ہوجاتا ہے اور پھر ایک ایک کرکے تمام مرتبان دیکھتا ہے لیکن جب اس کا ہاتھ نہیں ملتا تو انتہائی غصے کے عالم میں دانت پیستا ہے اور مجھے گھورنے کے بعد اسی طرح چپ چاپ غائب ہوجاتا ہے۔"

"تم یہ کہوگے کہ وہ کیسے آجاتا ہے اور اسی طرح غائب کیسے ہوجاتا ہے۔ لیکن ہنری میں تمام تر کوشش کردیکھی لیکن سب ہی ناکام ہوئیں میں نے تقریباً تمام کمروں میں سونے کی کوشش کی ہے لیکن ہر رات وہ ریڈ انڈین وہاں اپنا ہاتھ نہ پاکر میرے کمرے میں گھس آتا ہے میں دراصل شام سے ہی سوچنے لگتا ہوں کہ دیکھو وہ کب آتا ہے اور اس طرح سو نہیں سکتا اور اس کے جانے کے بعد تو سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کیا اب بھی تم مجھے الزام دوگے کہ میں توہمات کا شکار ہوگیا ہوں۔"

"نہیں نہیں ہرگز نہیں۔" میں نے بڑے اصرار سے کہا۔

"آپ یہ خیال بالکل نہ کریں دراصل میں اس واقعہ کو نہایت دلچسپ خیال کرتا ہوں اور شاید آپ نے اس طرح کے موضوعات پر میرا کوئی مضمون پڑھا ہوگا۔"

"گو عجیب سی بات ہے لیکن میں بھی باوجود ڈاکٹر ہونے کے ان باتوں کا قائل ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ ریڈ انڈین پانچ ماہ صبر کرچکا ہے اور اب وہ اپنے ہاتھ کی تلاش میں ہے اور جب تک اس کو ہاتھ نہیں مل جاتا اس وقت تک وہ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔"

"خوب اچھا خیال ہے۔" لارڈ ایکس نے بڑے تعریفی لہجے میں کہا۔

"میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم نے کم عمر ہونے کے باوجود بہت زیادہ علم اور تجربہ حاصل کرلیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ خداوند کریم میرے لئے کوئی نجات کا ذریعہ بنادیں۔"

"بیٹا صرف چھ ماہ میں میرا یہ حال ہوگیا ہے ورنہ میں بالکل تندرست اور خوش باش تھا میری حالت کا اثر لیڈی اور دوسرے لوگوں حتیٰ کہ ملازمین پر بھی ہوا ہے اور میں جانتا ہوں کہ فارم اور کیسل کی حالت انتہائی خراب ہوچکی ہے لیکن سچ پوچھو تو کبھی اس طرف خیال بھی نہیں جاتا اور اگر یہی حال رہا تو بس یوں سمجھو میں چند دنوں کا مہمان ہوں۔" لارڈ کا لہجہ دھیمہ ہوگیا۔ اور وہ آہستہ سے ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

وہ اس وقت بہت نحیف اور ناتواں معلوم ہورہے تھے میں نے ان کو تسلی دی اور وعدہ کیا کہ "میں آپ کی ہر مصیبت کو اپنے سر لینے کو تیار ہوں آپ فی الحال کوئی فکر نہ کریں۔"

"دیکھئے بزرگ محترم آج رات آپ مجھے اپنی لیبارٹری میں سونے کی اجازت دیں تاکہ میں اس ریڈ انڈین کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے سکوں اور اس کے بعد اس کا کوئی حل تلاش کرسکوں۔"

"اوہ کیا تم اتنا خطرہ قبول کرلوگے۔"

"لیکن ٹھہرو کیا تمہارے اعصاب مضبوط ہیں کہ تم اس منحوس روح کا مقابلہ کرسکون۔" لارڈ نے بے تابی سے پوچھا۔

"آپ یقین کریں میں خطرات سے بالکل نہیں گھبراتا بلکہ مجھے اس سے ایک طرح کی خوشی ہوگی۔"

"بہت خوب بیٹے بہت خوب تو آؤ اس خوشی میں ایک دور شیمپین کا ہوجائے۔"

"خدا کی قسم جب سے یہاں آیا ہوں کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور تم شاید نہیں جانتے میں کتنا خوش باش آدمی ہوں بہت خوش باش اور تندرست زندگی میں دلچسپی لینے والا۔"

''آہ اگر یہ مصیبت دور ہو جائے تو میرے خدا میں سوچ بھی نہیں سکتا میں کتنا مطمئن ہو جاؤں گا۔''

''اوہ میرے بیٹے خدا تمہیں کامیاب کرے۔'' لارڈ نے بے ساختہ مجھے گلے سے لگا لیا میں نے دیکھا کہ لارڈ ایکس کی آنکھیں پرنم تھیں۔

یقین کیجیے اگر وہ میرے بزرگ نہ ہوتے تو بھی اس قدر اظہار تشکر کے بعد میں ان کے لئے جان بھی قربان کر دیتا اور اس کے بعد ہم کافی دیر تک اس تجویز پر گفتگو کرتے رہے اور ساتھ ساتھ لارڈ جام سے بھی شغل کرتے رہے گو میرا ان کے ساتھ شامل ہونا ضروری تھا لیکن چونکہ مجھے جاگنا تھا اس لئے میں نے معذرت کی اور تقریباً دس بجے رات میں نے لارڈ کو شب بخیر کہا اور لیبارٹری میں جا کر دروازہ نہایت مضبوطی سے بند کر لیا۔

لیبارٹری میں بستر نہیں تھا اور نہ ہی میں نے اس کا بندوبست کیا تھا کیونکہ آج رات تو مجھے جاگنا تھا اس لئے میں نے صوفے کو گھسیٹ کر کھڑکی کے پاس کر لیا۔

یہ کھڑکی دروازے کے عین مقابل تھی درمیان میں لمبی لمبی میزیں تھیں اور ان کے دو طرف الماریوں کی قطاریں تھیں کچھ دیر تک تو میں سوچتا رہا پھر شمع گل کر کے دیوار سے سہارا لے کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

چاندنی کھلی ہوئی تھی اور ہوا میں اچھی خاصی خنکی تھی جس میں مختلف پھولوں کی خوشبو بھی تھی چاندنی دیوار پر ایک مثلث سا بنا رہی تھی اور کمرے میں اس قدر روشنی تھی کہ تمام چیزیں دھندلی دکھائی دے رہی تھیں ایک دو تین گھنٹے گزر گئے اور مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں نہ جانے کب سو گیا۔

اچانک میں نے کھٹکے کی آواز سنی اور چونک اٹھا لیکن حرکت کئے بغیر میں نے حواس پر قابو پا لیا اور خاموشی سے آہٹ کی طرف گھورنے لگا۔

یقین کیجیے میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا ہے وہ دروازہ جو میں نے بند کیا تھا نہایت مضبوطی سے اور پھر دروازہ کھلنے کی آواز تھی تقریباً غائب تھی۔ میں نے حوصلہ کیا اور دلچسپی سے انتظار کرنے لگا کہ دیکھیں کیا ظہور میں آتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد دروازے میں سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور پھر ایک ہیولا اندر آ گیا جو نہایت خاموشی سے الماریوں کی طرف بڑھا گو چاند کافی حد تک مغرب کی طرف ڈھل چکا تھا لیکن بھی اتنی روشنی آ رہی تھی کہ کمرے کی چیزیں دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی کہ کمرے کے سایہ چلتے چلتے میزوں کے قریب پہنچ گیا۔

اور پھر اس جگہ کے پاس آ گیا جہاں میں تھا میرے بالکل قریب جہاں چاندنی پڑ رہی تھی اور میں نے دیکھا کہ اس نے ایک لمبا سا چغہ پہن رکھا ہے پاؤں میں کسی ایسی چیز کے سلیپر ہیں جس سے آواز بالکل پیدا نہیں ہوتی تھی۔

شاید ربڑ کے تھے اور ایک ہاتھ کہنی کے جوڑ سے کٹا ہوا تھا چہرہ بالکل زرد تھا البتہ آنکھیں متجسس تھیں جیسے کسی چیز کو تلاش کر رہی ہیں وہ چلتا گیا اور میرے پاس سے گزر گیا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ الماریوں میں رکھے ہوئے مرتبانوں کو غور سے دیکھ رہا ہے پھر اس کے بعد میز پر رکھے ہوئے مرتبانوں کی باری آئی وہاں پہنچ کر وہ ہر ایک کو نہایت غور سے دیکھتا رہا لیکن جب تمام مرتبان دیکھ چکا تو اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔

اس نے آہستگی سے سر کو ہلایا اور پھر میری طرف آتا معلوم ہوا یقین کیجیے میں نے سوچا تھا کہ بس ایک دفعہ میرے پاس سے گزر گیا ہے اب جا کر لارڈ پر خفا ہو گا لیکن جب میں نے اس کو اپنی طرف آتے دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میری موجودگی سے بے خبر نہیں ہے پھر وہ میرے بالکل قریب آ گیا جہاں سے میں اس کا زرد چہرہ اور سفید چمکیلی آنکھیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

اس کے چہرے کے نصف حصے پر چاندنی تھی اور باقی نصف اندھیرے میں عجیب سا لگ رہا تھا پھر وہ مجھ سے دو قدم کے فاصلے پر آ کر رک گیا اور کچھ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا میں نے محسوس کیا کہ میرا حلق خشک ہو رہا ہے اور اعصاب جواب دے رہے ہیں لیکن پھر نہ جانے وہ کون سی غیبی طاقت تھی جس نے مجھے سہارا دیا اور پھر میں نے دیکھا کہ اس نے میز کی طرف اشارہ کیا پھر اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف دیکھا۔

میں نے لاشعوری طور پر اپنے سر کو ہلایا اور اپنے ہاتھ کو بھی اضطراری طور پر حرکت دی نہ جانے اس کا کیا اثر ہوا کہ وہ آہستہ سے جھکا اس کے چہرے کی روشنی کس قدر کم ہو گئی اور اس کے قدموں کو حرکت ہوئی دوسرے ہی لمحے میں اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

بالکل بے آواز قدموں سے اس کے بعد اس نے دروازہ کھولا اور غائب ہو گیا۔ کچھ دیر تک میں گم سم بیٹھا رہا لیکن اس کے بعد میں جلدی سے اٹھا اور شمع روشن کر دی کمرے میں روشنی پھیل گئی تمام فضا اسی طرح تھی ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی آیا ہی نہیں۔

دروازہ بالکل بند تھا جس طرح میں نے بند کیا تھا میں پھر صوفے پر بیٹھ گیا اور پائپ سلگانے لگا میرا دل اب تک دھڑک رہا تھا لیکن میں خوش تھا میں نے حالات کا ہمت سے مقابلہ کیا تھا اس کے بعد میں نے شمع کو جلتے رہنے دیا اور پائپ پیتا رہا میں نے شاید دو تین بار تمبا کو بھرا اور پھر مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی۔

میری آنکھ اس وقت کھلی جب مجھے کسی نے زور سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ لمبے لمبے استخوانی ہاتھ مضبوطی سے میرا گریبان پکڑے جھنک رہے تھے میں چونکا اور اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن وہ تو لارڈ ایکس تھے جو کھڑکی سے سورج کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔

''اوہ۔'' میں نے شرمندگی سے کہا۔

''ابھی ابھی آنکھ لگی تھی اس لئے جلد نہ اٹھ سکا معاف کیجیے گا۔''

''اوہ چھوڑو ان باتوں کو سناؤ کیا ہوا بیٹا مجھے یقین ہے تم اس بلا کو کسی طرح ٹال سکو گے دیکھو رات کو میں بالکل سکون سے سویا ہوں اور وہ میرے کمرے میں نہیں آیا لیکن تم تو ٹھیک ہو نا۔ تمہیں کچھ ہوا تو نہیں۔''

انتقال پُر ملال

اخبار فروش فیڈریشن کے مرکزی معاون خصوصی سیکریٹری جنرل سیکریٹری و اخبار فروش یونین ملتان کے سرپرست اعلیٰ و ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ ملتان کے ایجنٹ شیخ عمر دین طویل علالت کے بعد 8 جنوری 2018ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

مرحوم کارڈیالوجی انسٹی ٹیوٹ میں دل کے عارضے کے باعث داخل تھے۔

ڈر ڈائجسٹ کے مشہور مصنف راشد نذیر طاہر کی اہلیہ بھی انتقال کر گئیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

ادارہ ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ ان سب کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

خالد علی

مینجنگ ایڈیٹر

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ

"اف میں کتنا خود غرض ہوں اپنے آرام کی خاطر تمہیں الجھن میں ڈال دیا اور شاید رات کو تم خائف بھی ہوگئے ہوگے۔" لارڈ اپنی ہی دھن میں کہے جارہے تھے۔ لیکن میں نے انہیں ٹوک دیا۔

"دیکھیے گھبرایئے نہیں ایسی کوئی بات نہیں اول تو یہ ہے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں دوسرے کل رات بھی میں یہیں سوؤں گا اور انشاء اللہ اس بلا کو آپ کے سر سے ٹالوں گا۔"

"اوہ اچھا میرا بیٹا۔" لارڈ نے میرا شانہ تھپتھپایا اور پھر میں ان کے ساتھ اسی طرح لباس شب خوابی پہنے باغ کی طرف چل دیا اور وہاں میں نے ان کو تمام تفصیل سنائی۔

"لیکن بیٹا اب تمہارا کیا پروگرام ہے کس طرح تم اس سے نمٹ سکو گے۔" انہوں نے بے صبری سے پوچھا۔

"معاف کیجیے میں فی الحال اس تجویز کو اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہوں ہوسکتا ہے اس طرح میں کامیاب نہ ہوسکوں لیکن آپ کچھ خیال نہ کریں بس میرے لئے شہر جانے کا بندوبست کردیں میں شام تک واپس آنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا یہ بات ہے، بہت بہتر ہنری تم کار پر چلے جاؤ اور شام سے پہلے واپس لوٹ آؤ۔ میں بے تابی سے تمہارا انتظار کروں گا اور ہاں تم ناشتہ کرلو لیڈی ایکس بے چینی سے تمہارا انتظار کررہی ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن اگر مجھے کچھ دیر ہوگی تو یقیناً میں وقت پر واپس نہ آسکوں گا اس لئے میں ایک پیالی چائے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔" چنانچہ میں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے اور ایک پیالی چائے پی کر کار میں سوار ہوگیا۔ باوردی ڈرائیور لمبی چمکیلی کار اور سڑک پر اونچے اونچے درخت مجھے محسوس ہوا کہ قدرت مجھے مہربان نگاہوں سے پیار کررہی ہے اور میں عنقریب اپنی زندگی کا حسن حاصل کرنے والا ہوں وہ حسن جس کے لئے میں نے راتوں کو خواب دیکھے ہیں وہ خوشی جس کے لئے میں نے تمام عمر سوچا ہے واقعی انسان قدرت پر بھروسہ نہیں کرتا ورنہ حالات کا تبدیل ہونا بھی کوئی بات ہے۔

آج غریب کل امیر آج غریب ڈاکٹر اور کل لارڈ، میں دل ہی دل میں ہنس دیا اب تو میں اپنے آپ کو بالکل لارڈ ہی سمجھ رہا تھا۔ انہی خیالات میں غرق ہم شہر پہنچ گئے ابھی بارہ ہی بجے تھے چنانچہ میں نے ڈرائیور کو جنرل اسپتال چلنے کے لئے کہا اور تھوڑی دیر میں ہم اسپتال کے دروازے میں داخل ہورہے تھے۔

ملازم نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور میں کچھ احساس برتری لئے نیچے اترا اور وارڈ کی طرف چل دیا۔

"جناب کیا میں آپ کی کچھ خدمت کرسکتا ہوں۔" ایک گائیڈ نے قریب آکر ادب سے سلام کیا۔

"ہاں، ہاں مجھے ڈاکٹر رابرٹ کے پاس لے چلو۔" اور گائیڈ مجھے ڈاکٹر رابرٹ کے پاس لے آیا۔

ڈاکٹر رابرٹ میرے کلاس فیلو تھے اور اونچے خاندان سے وابستہ ہونے کے باوجود نہایت سادہ دل تھے۔ انہوں نے دیکھتے ہی گلے سے لگالیا۔

"ارے آج کل کہاں ہو بھئی کمال ہے بالکل ہی غائب ہوگئے ہو کہیں تمہارا انتقال تو نہیں ہوگیا۔ شادی کرلی ہے تم نے، کیا حال ہے تمہارا۔" انہوں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کرڈالے۔

"بھئی بالکل ٹھیک ہوں شادی نہیں کی اور آج کل شہر میں پریکٹس کرتا ہوں لیکن مجھے نہایت ضروری کام ہے میرے ساتھ آؤ۔" اور میں ان کو ساتھ لے کر چل پڑا دوسرے لمحے ہم شعبہ عضویات کی طرف جارہے تھے۔

"اچھا ڈاکٹر رابرٹ کیا تمہارے پاس کوئی ریڈ انڈین لاش بھی ہے۔"

"ہاں اتفاق سے کل ہی ایک آئی ہے لیکن تم کیا کروگے اس کا کچھ کام ہے۔"

"اور ہاں یہ کیا ممکن ہے کہ تم مجھے وہ لاش دکھادو۔"

"کیوں نہیں چلو میرے ساتھ۔" انہوں نے کہا اور ہم کمرے میں داخل ہوگئے۔

کمرے میں داخل ہوکر ڈاکٹر رابرٹ نے ایک لاش کے منہ سے کپڑا ہٹادیا اور میں نے اس کی تمام چادر ہٹادی اور یہ دیکھ کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس کے دونوں ہاتھ سلامت تھے۔

"بہت خوب بہت خوب میرا خیال ہے میرا کام بن گیا۔"

"اب یوں کرو میں نے ڈاکٹر رابرٹ سے کہا مجھے اس کا بازو کہنی کے جوڑ سے الگ کرکے دے دو۔"

"لیکن بتاؤ تو سہی تم کیا کروگے اس کا۔" رابرٹ نے ایک شخص کو اشارہ کیا۔

"بھئی یقین کرو ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میں جلد ہی کامیاب ہوجاؤں گا اور پھر تمہیں بھی اپنی خوشی میں شریک کروں گا۔ میں فی الحال تمہیں اس کی ایک جھلک دکھاتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔" میں ڈاکٹر رابرٹ کو بازو سے پکڑ کر بالکونی تک لے آیا جہاں سے باوردی ڈرائیور اور لمبی چمکیلی کار بخوبی نمایاں تھے۔

"اوہ تم کوئی لمبا چکر چلارہے ہو یہ کار کس کی ہے۔" ڈاکٹر رابرٹ نے پوچھا۔

"اس کا مالک لارڈ ایکس ہیں۔" میں نے فخر سے تن کر جواب دیا۔

"اوہ لارڈ ایکس...... لیکن تمہارا ان سے کیا رشتہ ہے۔" اس نے حیران ہوکر پوچھا۔

"بتاؤں گا ضرور بتاؤں گا لیکن کب یہ نہیں کہہ سکتا ہوسکتا ہے کہ ایک دن میں خود ہی لارڈ ایکس کی حیثیت سے تمہارے پاس آؤں۔"

"ہائیں۔" ڈاکٹر رابرٹ کی زبان سے حیرت نکلا۔

"اب تم بالکل بدمعاش ہوگئے ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پہلے تو بالکل سیدھے سادھے تھے۔" میں بھی ہنس دیا۔

اسی اثناء میں وہ شخص ہاتھ کپڑے میں لپیٹے ہوئے آگیا میں نے ہاتھ لیا اور رابرٹ کا شکریہ ادا کرکے زینوں کی طرف لپکا اور پھر تھوڑی دیر بعد میں کار میں واپس جارہا تھا اور ہم شہر کی پرشور فضا کو پیچھے چھوڑتے ہوئے واپس جارہے تھے۔ اس وقت سورج کافی ڈھل چکا تھا لیکن مجھے امید تھی کہ ہم شام سے پہلے گھر پہنچ جائیں گے میں بار بار اپنی گھڑی دیکھتا ڈرائیور کو تیز چلنے کے لئے کہتا آخرکار ہم سورج غروب ہونے تک پہنچ ہی گئے۔

لارڈ ایکس میرے منتظر تھے آتے ہی گلے ملے اور پوچھا۔

"سناؤ بیٹا کیا کرکے آئے ہو کیا تمہاری تجویز پوری ہوتی نظر آتی ہے۔"

دراصل میں نے اس وقت تک ان کو بھی محض یہی بتایا تھا کہ میں نے ایک جگہ پڑھا ہے کہ اگر کسی روح کو اس کی اصل خواہش کی بجائے اس جیسی ہی چیز دے دی جائے تو وہ مطمئن ہوجاتی ہے چنانچہ میں نے نعم البدل کے متعلق ہی لارڈ ایکس سے مشورہ کیا تھا۔

"جی ہاں کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور ہوئی ہے انشاء اللہ صبح تک پتا چل جائے گا۔" میں نے کہا اور اس کے بعد ہم کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ لیڈی ایکس آگئیں اور ہم سے ڈائننگ روم میں چلنے کو کہا۔

آج نسبتاً ٹیبل پر خوشی کی لہر تھی لارڈ ایکس نے ہنس ہنس کر اپنے سفر کے حالات سنائے جنگل کی سیر کے متعلق بتایا اپنی مشکلات کا ذکر کیا کہ کس طرح اس نے ڈاکٹری فن میں اتنی شہرت حاصل کی اور پھر اس کی تان اس بات پر ٹوٹی کہ "اگر مجھے اس روح سے نجات مل جائے تو یقیناً میں کئی سال اور زندہ رہ سکوں گا۔"

"آپ بے فکر رہیں قادر مطلق یقیناً ہمارے لئے بہتری کے حالات پیدا کرے گا۔" میں نے ان کو تسلی دی اور ان کی اجازت لے کر میں لیبارٹری میں آگیا۔

لارڈ دوسرے کمرے میں چلے گئے اور چونکہ کئی دن سے آرام سے نہیں سوئے تھے اسی نوکر سے معلوم ہوا کہ شب خوابی کے کمرے میں جاچکے ہیں۔ میں نے ہاتھ لیا اور اس کو لے کر لیبارٹری میں آگیا۔

الماری سے ایک خالی جار نکالا اور ہاتھ کو ایک خاص محلول میں رکھ دیا تاکہ وہ خراب نہ ہو اور خود پچھلی رات کی طرح صوفے پر لیٹ گیا۔ چاند نکل آیا تھا ہوا میں خنکی تھی اور پھولوں کی خوشبو سے باہر کی فضا نہایت خوشگوار تھی میں پائپ پیتے پیتے اونگھنے لگا نہ جانے کب تک اونگھتا رہا اور اس وقت چونکا جب دروازہ ایک کھٹکے کی آواز سے کھلا اور وہی انڈین اسی طرح کا لباس پہنے ایک ہاتھ پھیلائے میزوں کی طرف بڑھا۔

میں دم بخود سب کچھ دیکھتا رہا اس نے حسب معمول میزوں کا چکر لگایا اور الماریوں کے پاس سے ہوتا ہوا میز کے کونے کی طرف بڑھا میں دیکھ رہا تھا جس میں ہاتھ تھا وہ اسی جار کی طرف بڑھ رہا تھا وہ نزدیک آیا اور آہستہ سے ہاتھ کو جار سے نکال لیا لیکن دوسرے لمحے میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا جب اس نے ہاتھ کو اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ لگایا اور اس کو نہ جانے کیوں زور سے گھمایا اور شیشے کی الماری میں دے مارا شیشے پرشور آواز کے ساتھ ٹوٹ گئے اور میں نے جلدی سے شمع جلا دی ریڈ انڈین غائب تھا اور فرش پر ٹوٹے ہوئے شیشے اور سیال کی گہری تہہ پھیلی ہوئی تھی میں ابھی ہاتھ کو اٹھا ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی ایک بار، دو بار، حتیٰ کہ تیسری بار دروازہ زور سے کھٹکھٹایا گیا اور ساتھ ہی لارڈ ایکس کی گھبرائی ہوئی آواز بھی سنائی دی۔ میں نے دروازہ کھول دیا اور دوسرے ہی لمحے لارڈ ایکس جلدی سے اندر داخل ہوئے۔

میرے ہاتھ میں ابھی تک مردہ ہاتھ تھا اور انہوں نے میری طرف دیکھا اور خاموشی سے سر کو جھکا لیا۔ ''دراصل غلطی میری تھی میں نے خاموشی کو توڑا میں نے ریڈ انڈین کے ہاتھ کو نہیں دیکھا تھا میں دایاں ہاتھ لایا جبکہ اس کو بائیں ہاتھ کی ضرورت تھی لیکن کوئی بات نہیں آپ ڈرائیور سے کہیں کار نکال لائے میں پھر ایک بار شہر جانا چاہتا ہوں۔''

''اچھا بیٹا میں جس قدر تمہارا شکریہ ادا کروں میرے لئے اتنا ہی کم ہے خدا تمہیں اپنے ارادے میں کامیاب کریں۔'' لارڈ کا لہجہ پرامید تھا اور وہ کمرے سے نکل گئے۔

میں نے فوراً ہاتھ کو لپیٹا اور لیبارٹری سے باہر نکل آیا۔ باہر کار تیار کھڑی تھی میں جاتے ہی بیٹھ گیا اور دوسرے ہی لمحے کار شہر کی طرف فراٹے بھر رہی تھی میں چونکہ بالکل نہ سو سکا تھا اس لئے کار میں ہی اونگھتا رہا اور میری آنکھ اس وقت کھلی جب ڈرائیور نے مجھے مخاطب کیا۔

میں چونک کر اٹھا کار اسپتال کے کمپاؤنڈ میں تھی اور دھوپ کافی چڑھ آئی تھی میں نے ہاتھ والا پیکٹ اٹھایا اور ڈاکٹر رابرٹ کے کمرے کی طرف چل دیا ڈاکٹر رابرٹ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیوں بھائی خیر تو ہے یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔''

''یار کیا کہوں زندہ آدمیوں سے نمٹنا آسان بات ہے لیکن مردہ لوگوں سے طبع آزمائی بہت مشکل ہے اور ویسے غلطی میری اپنی ہی ہے میں نے کہا۔''

''ارے یہ کیا ہوا تمہیں چلو آؤ کینٹین میں چلیں معلوم ہوتا ہے تم جاگتے ہی ادھر بھاگ آئے ہو۔''

مجھے بھوک لگ رہی تھی اس لئے اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ ''لیکن ڈاکٹر رابرٹ ذرا ٹھہرو یہ ہاتھ واپس بھجوا دو اپنے آدمی سے کہو کہ اس کی بجائے دایاں ہاتھ الگ کردے بالکل کہنی کے جوڑ سے۔''

''اوہ تو اب تمہیں دایاں ہاتھ چاہئے ٹھہرو میں خود معلوم کرتا ہوں۔'' اور یہ کہہ کر وہ ہاتھ مجھ سے لے کر اپنے کمرے کی طرف جھپٹا میں ایک بار پھر دعا مانگ رہا تھا اے خداوند دایاں بازو ضائع نہ ہوا ہو۔ ورنہ ناکامی کا تصور ہی میرے لئے حوصلہ شکن تھا۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ رابرٹ تیز قدموں سے چلتا ہوا میرے پاس آ پہنچا۔

''آؤ ابھی تک لاش موجود ہے میں نے دایاں ہاتھ الگ کرنے کے لئے کہہ دیا ہے۔''

''اوہ تھینک یو ڈاکٹر رابرٹ میں تو پریشان ہوگیا تھا کہ کہیں لاش ضائع نہ ہوگئی ہو۔''

''آؤ کینٹین کی طرف چلیں اور تھوڑی دیر بعد ہم ایک میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

ڈاکٹر رابرٹ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''ہنری سچ سچ بتاؤ تم کس چکر میں ہو مجھے تو یہ ڈر ہے کہ کہیں تمہیں کچھ نہ ہو جائے۔'' ڈاکٹر رابرٹ بولے۔

''ڈاکٹر رابرٹ میرے دوست مجھے خوشی ہے کہ تمہاری دوستی پرخلوص ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے عنقریب ہی بلکہ یوں کہو کہ شاید کل ہی تم سے ملوں اور ایک بہترین خوش خبری سناؤں بس اب چلیں ۔ میں سیر ہو چکا ہوں اور ساتھ ہی مجھے دیر بھی ہو رہی ہے۔''

''اچھا ڈاکٹر رابرٹ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا تمہاری مرضی۔'' ڈاکٹر رابرٹ کے ساتھ آیا اور اس سے کٹا ہوا ہاتھ لے لیا لیکن اس بار یہ پوچھنا نہ بھولا کہ دایاں ہاتھ ہی تو ہے نا اور اس بار ہم سورج غروب ہونے سے پہلے ہی پہنچ گئے جاتے ہی میں نے تو لیبارٹری میں چلا گیا۔ لارڈ ایکس اس وقت خلاف معمول اپنے گھوڑوں کو دیکھنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے ہاتھ لے کر محلول تیار کیا اور اس جگہ جار میں رکھ دیا جس جگہ ریڈ انڈین نے جار توڑ دیا تھا اور اس کے بعد میں کمرے میں آ کر بیٹھ گیا خاموش دل میں لاکھوں امیدیں اور سہارے لئے ہوئے ابھی سورج غرب ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ لارڈ ایکس تشریف لے آئے اور مجھے بہت تعجب ہوا جب میں نے دیکھا کہ لیڈی ایکس بھی ان کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے آتے ہی مجھے بہت پیار سے مخاطب کیا۔ لیڈی ایکس تو اندر چلی گئی اور لارڈ ایکس میرے پاس بیٹھ گئے۔

''بیٹا آج تمہارے چہرے پر فتح مندی کی جھلک دیکھ رہا ہوں کہو کام بن گیا کیا۔''

''جی ہاں آپ کی دعا ہے اگر میں غلط نہیں کہتا تو یہ آپ کی بے خوابی کی آخری رات ہے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' لارڈ نے انتہائی خلوص سے دعا مانگی اور ہم ڈائننگ روم میں چلے گئے۔

آج پھر میز پر انواع واقسام کے کھانے تھے ۔نہایت پرتکلف اور لذیذ لیڈی ایکس بھی بہت خوش تھیں اور لارڈ ایکس تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی طویل بیماری سے ابھی ابھی صحت یاب ہوئے ہوں۔

کمزور لیکن چاق و چوبند اور ہشاش بشاش کھانا ختم کرکے ہم کچھ دیر تک بیٹھے رہے تمباکو پیتے رہے اور آئندہ کے متعلق باتیں کرتے رہے اور ٹھیک گیارہ بجے میں کمرے میں گھس گیا اور وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔

آج رات مجھے نیند بالکل نہیں آئی اور میں صوفے پر نیم دراز ریڈ انڈین کا انتظار کرتا رہا۔ آخرکار بہت انتظار کے بعد وہ ریڈ انڈین اسی طرح اندر داخل ہوا میں خاموش بیٹھا اس کو دیکھتا رہا لیکن میرا دل دھڑک رہا تھا وہ چپکے سے میرے پاس سے گزر گیا اور الماریوں کے پاس سے ہوتا ہوا میرے پاس آ گیا اس نے جار میں ہاتھ ڈالا میرے دل کی دھڑکن گویا رک گئی اور پھر اس نے ہاتھ لے کر اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ جوڑا اور پھر یوں محسوس ہوا گویا وہ مسکرا رہا ہو پھر میری آنکھوں نے دیکھا کہ وہ میرے نزدیک آرہا ہے اس کے چہرے پر بڑی خوشگوار مسکراہٹ تھی اس نے ہاتھ اوپر اٹھائے دونوں ہاتھ بالکل ٹھیک تھے وہ جھکا اور مجھے سلام کیا اور پھر کمرہ خالی تھا۔

میں صوفے پر سے اچھلا اور شمع روشن کرکے باہر کی طرف لپکا اور تقریباً دوڑتا ہوا لارڈ ایکس کے شب خوابی کے کمرے کے دروازے پر پہنچا اور پاگلوں کی طرح اس کو کھٹکھٹانا شروع کردیا۔

فوراً ہی لارڈ اپنے کمرے سے باہر نکل آئے اور آتے ہی مجھ سے لپٹ گئے۔ ''میرے عزیز میرے بیٹے میرے ہنری تم نے معرکہ سر کرلیا ہے وہ ابھی آیا تھا اور الوداعی سلام کرکے رخصت ہوگیا آج سے تم میرے بیٹے ہو میری تمام جائیداد کے وارث۔'' لیڈی ایکس لیڈی ایکس لارڈ پاگلوں کی طرح آوازیں دینے لگے اور دوسرے لمحے لیڈی ایکس بھی مجھے پیار کر رہی تھیں اور میں رات کے تقریباً ایک بجے اقبال اور خوش نصیبی کو اپنے وجود سے ہمکنار ہوتے ہوئے محسوس کر رہا تھا۔

اسرار

محمد خالد شاہان-صادق آباد

قسط نمبر 19

نقطہ نقطہ لفظ لفظ سطر سطر خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی اپنی نوعیت کی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش جسم و جاں کو انگشت بدنداں کرتی اور دلوں کو تھراتی ہوئی خونچکاں بھونچکاں اور لہولہان کہانی جوکہ پڑھنے والوں پر سکتہ طاری کردے گی۔

صدیوں پر محیط سوچ کے افق پر چنگھاڑتی گھٹاٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی کہانی

ناگن اطمینان سے بولی۔"وہ ایک سانپ تھا۔ سانپ،کوتوال اپنی جگہ سے اچھلا۔

"کیا بکواس کررہی ہو۔"پھر ناگن کی تھوڑی کو دنوں انگلیوں کو تھوڑا سا اوپر اٹھا کر کہنے لگے۔

"تم اور تمہارا دوست مجھ سے بچ کر نہیں جاسکتے۔اگر تم نے اپنے دوست کا ٹھکانہ نہ بتایا تو لوہے کی کنگھی سے تمہارے جسم کی کھال کھرچ دی جائے گی۔ اور ہڈیوں کو آگ لگادوں گا۔اب بتاؤ کہ کون ہے وہ تمہارا دوست جس نے تمہیں یہ شاہی ہیرالا کر دیا ہے۔"

ناگن نے کہا۔"میں سچ کہہ رہی ہوں جناب۔ مجھے یہ ہیرا میرے ایک دوست نے لاکر دیا ہے جو ایک سانپ ہے۔"کوتوال کو سخت غصہ آیا کہ یہ لڑکی اس کے ساتھ مذاق کررہی ہے۔اس نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم اپنے دوست کو یہاں بلا سکتی ہو۔"ناگن بھی یہی چاہتی تھی۔

کوتوال یہ سوال کرکے خود ہی پھنس گیا تھا۔اب ناگن کو اپنی طاقت اور کرامت دکھانے کا موقع مل ہی گیا تھا اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... میں اسے ابھی بلائے لیتی ہوں۔"کوتوال سمجھ گیا کہ یہ لڑکی اپنے آپ کو پاگل ثابت کرکے جرم کرنے کی سزا سے بچنا چاہتی ہے۔اس نے یونہی کہہ دیا۔

"اچھا تو بلاؤ اپنے دوست کو ہم اسے بھی گرفتار کرلیں گے۔بلکہ تمہارے سامنے اسے قید میں بند کردیں گے۔"

ناگن نے ایک پل کے لئے اپنی آنکھیں بند کی اور خزانے کے سانپ کو حکم دیا کہ وہ اس کی خدمت میں پیش ہو۔موٹے کوتوال کو ہنسی آرہی تھی کہ یہ نوجوان لڑکی کیا کررہی ہے۔لیکن جب ایک پھنکار کی آواز کے ساتھ تہہ خانے میں سرخ رنگ کا سانپ فرش پر رینگتا ہوا نمودار ہوا اور اپنا پھن اٹھا کر ناگن کے سامنے ادب سے جھومنے لگا تو کوتوال ڈر کر پیچھے ہٹا۔اور نیام سے تلوار نکال لی کہ سانپ کو دو ٹکڑے کردے۔

ناگن نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔"اپنی زندگی کو خطرے میں نہ ڈالو،موٹے کوتوال اس سے پہلے کہ تمہاری تلوار چلے یہ تمہیں موت کی نیند سلاچکا ہوتا۔"ناگن نے پھر خزانے کے سانپ کو چلے جانے کا حکم دیا۔

سرخ سانپ نے سر جھکایا اور تہہ خانے کے کونے میں جاکر غائب ہوگیا۔

کوتوال تو حیرت میں گم تھا کہ یہ لڑکی کیسی جادوگر ہے کہ ایک پل میں سانپ کو سامنے لے آگی۔

ناگن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”یہی تھا میرا وہ دوست جس نے مجھے ہیرا لاکر دیا تھا اب تمہیں یقین آیا کہ نہیں اگر نہیں آیا تو میں کچھ اور بھی کر سکتی ہوں۔“

کوتوال نے غراتے ہوئے کہا۔ ”تم نے افریقہ سے جادو سیکھ رکھا ہوگا، تم جادوگر سپیرے ہو میں بادشاہ سے کہہ کر تمہیں آگ میں زندہ جلوادوں گا ہمارے قانون کے مطابق جادوگروں کی یہی سزا ہوتی ہے۔“

اب ناگن کو بڑا غصہ آیا۔ دوسرا اس کا وقت بھی ضائع ہو رہا تھا اسے معلوم تھا کہ ہوٹل میں شریم ناشتے پر اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس نے کوتوال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”موٹے کوتوال میں تمہاری موٹی توند پر پنجہ مار کر اسے پھاڑ سکتی ہوں۔ میں تمہاری گردن میں منہ رکھ کر تمہارا سارا خون پی سکتی ہوں۔ بولو تم کیا چاہتے ہو۔“

کوتوال نے تلوار لہرا کر ناگن پر حملہ کر دیا۔ صورت حال خراب بلکہ خطرناک ہو گئی تھی۔ تلوار ناگن کو قتل کر سکتی تھی ناگن نے بڑی مشکل سے تلوار کا وار بچایا کوتوال نے دوسرا وار کرنے کے لئے تلوار اٹھائی ہی تھی کہ ناگن نے ایک گہرا سانس لے کر پھنکار ماری اور یکدم ہی افریقہ کے جنگل کی خون خوار آدم خور شیرنی بن گئی۔

موٹے کوتوال کے ہاتھوں سے تلوار نیچے گر پڑی ناگن نے کوتوال پر اچھل کر اسے اپنے خونی پنجوں میں دبوچ لیا۔

کوتوال بے ہوش ہو چکا تھا۔ ناگن چاہتی تو کوتوال کو اسی وقت چیر پھاڑ کر رکھ دیتی۔ مگر اسے اس کے بیوی بچوں کا خیال آ گیا۔

شیر کوتوال کے بے ہوش جسم سے اوپر سے اتر گیا۔ تہہ خانے میں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ شیر کی جگہ اب سانپ بن کر رینگتی ہوئی اوپر آ گئی۔

یہاں دیوار میں وہ لوہے کی الماری تھی۔ جس کے اندر کوتوال نے ناگن کا ہیرا چھپا رکھا تھا۔ کمرے میں اس وقت کوئی نہیں تھا۔

ناگن رینگتی ہوئی دیوار پر چڑھی الماری بند تھی وہ ناگن بن کر الماری نہیں کھول سکتی تھی۔

یہاں اسے مجبوراً انسان کی شکل اختیار کرنی پڑی۔

وہ انسانی شکل میں آ گئی اور الماری کھول کر ہیرا نکال ہی رہی تھی کہ دو سپاہی اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے ناگن کو جو ہیرا چراتے دیکھا تو تلواریں نکال کر اس پر حملہ کر دیا ناگن ایک سیکنڈ کے اندر اندر انسان سے چڑیاں بن گئی۔

ہیرے کو اپنی چونچ میں پکڑا اور اڑ کر کمرے سے باہر کھلے آسمان کی طرف اڑ گئی۔ دونوں سپاہی ایک انسان کو غائب ہوتے دیکھ کر اور چڑیا بن کر اڑتے دیکھ کر حیران رہ گئے پھر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور چیخیں مارتے ہوئے وہاں سے بھاگ دوڑے۔

ناگن ہیرا لے کر واپس اڑتی ہوئی شہر کے گنجان علاقے میں آ گئی یہاں اسی موٹے جوہری کی دکان تھی۔ جس نے ناگن کو گرفتار کروایا تھا ناگن نے ایک عمارت کے پیچھے اتر کر دوبارہ انسانی شکل اختیار کی اور جوہری کی دکان میں آ گئی جوہری نے جب دیکھا کہ جس چورنی کو اس نے گرفتار کروایا تھا وہ چورنی پھر سے آ گئی ہے تو سخت طیش میں آ کر ناگن کی طرف آیا اور ناگن کی گردن دبوچ کر چیخا۔

”میں تمہیں اس بار بادشاہ کے جلاد کے حوالے کروں گا ایک لڑکی ہو کر چوری کرتی ہو۔“ دکان کے دوسرے ملازم اور گاہک وہاں جمع ہو گئے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ معاملے کو سمجھتے ناگن نے جوہری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں یہ ایک سانپ کی مقناطیسی شعاعوں والی آنکھیں تھیں۔ یہ ایک ناگن کی مقناطیسی شعاعوں والی آنکھیں تھیں۔ جوہری ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔

ناگن نے کہا۔ ”میرے ساتھ دوسرے کمرے میں چلو۔“ جوہری ناگن کا غلام بن چکا تھا۔ اس نے دوسرے نوکروں کو وہیں ٹھہرنے کا کہا۔

اور ناگن کو ساتھ لے کر دوسرے چھوٹے کمرے میں آ گیا۔ ناگن نے جیب سے ہیرا نکال کر کہا۔

”یہ چوری کا نہیں ہے...... بلکہ انگلستان کے بادشاہ کی انگشتری کا ہے۔ تم اسے اپنے پاس رکھ لو۔ اور مجھے

اس کی قیمت ادا کر دو۔“ جوہری اب کچھ ہوش میں آ چکا تھا۔

کہنے لگا۔ ”مگر میں پکڑا جاؤں گا۔“ ناگن نے اس کی موٹی توند میں انگلی چبھوتے ہوئے کہا۔

”اچھا ہے قید میں رہو گے تو پیٹ کا یہ گنبد کچھ کم ہو جائے گا۔“

”لاؤ اس کی قیمت۔ ابھی اس کی قیمت۔“

جوہری کی تجوری اسی کمرے میں تھی اس نے چابی لگا کر تجوری کھولی اور ناگن کو ایک لاکھ فرانک کی گڈی دے دی۔

اور کہا۔ ”اس وقت میں یہی دے سکتا ہوں بیٹی۔“

”میرے لئے یہی بہت ہے۔“ ناگن نے کہا۔

پھر وہاں سے نکل کر ناگن سب سے پہلے ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان میں گئی وہاں ایک بہترین سوٹ لے کر اپنا گرم اوور کوٹ خریدا اور گھوڑا گاڑی میں سوار ہو کر سیدھا ہوٹل کے دروازے پر اتری۔

ہوٹل میں بھوت بھوت کا شور مچا تھا جونہی ناگن کمرے کی چابی لینے کلرک کے پاس آئی اس نے منیجر کو بلوایا۔

دونوں ناگن کو سر سے پیر تک دیکھنے لگے۔ ناگن نے پوچھا۔

”کیا بات ہے آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں...... میں کوئی بھوت پریت ہوں۔“

”بھوت تو آپ کے کمرے میں ہے۔“ ناگن فوراً سمجھ گئی کہ شریم نے پیچھے سے کوئی شرارت کی ہوگی۔

اب وہ منچلا بن گئی۔ ”کیا کہا بھوت...... میرے کمرے میں۔“ اس کی حیرانی میں منیجر یہ سمجھا کہ اسے بھی خبر نہیں کہ اس کے کمرے میں کسی بھوت نے قبضہ جما لیا ہے۔

وہ کہنے لگا۔ ”کیا آپ کو بھوت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔“ ناگن نے بڑے بھولے پن سے کہا۔

”نہیں تو میں تو کمرہ بند کر کے گئی تھی۔ پھر وہاں بھوت کہاں سے آ گیا۔“ منیجر نے ناگن کو ساری کہانی سنا ڈالی۔

اور پھر کہا۔ ”آپ اس کمرے میں نہ جائیے کہیں بھوت آپ پر حملہ نہ کر دے۔ ہم آپ کو دوسرا کمرہ دے دیتے ہیں۔ ناگن بڑی خوش ہوئی کہ چلو اس طرح شریم کو الگ کمرہ تو مل گیا۔

”جی ہاں...... جی ہاں...... میں تو اس بھوت والے کمرے میں رہنا ہرگز پسند نہ کروں گی۔ مجھے کوئی دوسرا کمرہ دے دیں۔“ منیجر نے کلرک سے بات کی انہوں نے رجسٹرڈ دیکھا۔

منیجر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ”اب ایک اور مصیبت پیدا ہو گئی ہے......“

”وہ کیا؟“ ناگن نے پوچھا۔

منیجر بولا۔ ”مصیبت یہ ہے کہ ہوٹل میں اس وقت صرف ایک ہی کمرہ خالی ہے اور وہ کمرہ بھوت والے کمرے کے بالکل سامنے ہے۔ کیا آپ میرا مطلب ہے کہ کیا آپ اس کمرے میں رہ لیں گی کہیں آپ خوف محسوس تو نہ کریں گی۔“

ناگن نے گردن اٹھا کر کہا۔ ”ارے صاحب بھوت کی تو ایسی کی تیسی کہ میرے کمرے میں آئے بس سامنے والا کمرہ ٹھیک رہے گا۔“ ناگن اس لئے بھی بڑی خوش تھی کہ اس طریقے سے وہ شریم سے دور نہیں رہے گی۔

منیجر نے اسی وقت ناگن کو سامنے والا کمرہ دے دیا شریم والے کمرے کو تالا لگا دیا گیا تھا۔

شریم اس کمرے کے اندر بیٹھا ناگن کا انتظار کر رہا تھا۔

ساتھ والے کمرے کے مسافر اپنے کمرے کا دروازہ بند ہی رکھتے تھے۔ شریم نے جب ناگن کو سامنے والے کمرے میں ڈیرا جماتے دیکھا تو خوش ہوا۔

ناگن اکیلی رہ گئی تو دونوں اپنے اپنے واقعات ایک دوسرے کو سنائے اور بڑے خوش ہوئے۔

دوپہر کا کھانا ناگن نے کمرے میں ہی منگوایا۔

یہ دو آدمیوں کا کھانا تھا ناگن نے یہ بہانہ کیا کہ اس

کا کوئی مہمان آنے والا ہے کھانے کے بعد شریم نے کہا۔

"اب شاہان کو کہاں تلاش کریں۔" ناگن بولی۔

"تم یہیں ٹھہرنا میں آج سے اس کی تلاش شروع کرتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہفتے بھر میں وہ ہمیں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائے گا سب سے پہلے میں اسے قلعے کے اندر شاہی محل میں جاکر دیکھوں گی یہاں نہ ملا تو دریائے سین کے ساتھ والے جنگل میں دیکھوں گی۔"

"خدا کرے شاہان جلد ہی مل جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت ہمیں اٹھا کر پانچ سو برس پیچھے پھینک دے۔ اور ہم ایک لمبی مدت کے لئے شاہان سے بچھڑ جائیں۔" ناگن نے کہا۔

"اس کا خطرہ تو ضرور ہے مگر خدا نے چاہا تو ہم شاہان کے ساتھ مل کر ہی پانچ سو برس پیچھے جائیں گے۔ اور پھر ہمارا سفر بہت ہی لمبا ہوگا۔"

"اور خدا نے چاہا تو ہم اکٹھے ہی سفر شروع کریں گیں خدا کریں کے ہم اکٹھے ہی سفر کرے۔" شریم نے کہا۔

☆......☆......☆

شاہان جب زلزلے کے ساتھ زمین پھٹنے سے اندر دھنسا تو پہلے تو اسے کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کیا ہوگیا ہے وہ تو جیسے کھڑے کھڑے جیسے کسی گہرے کنویں میں اچانک گر پڑا ہو۔ اس کے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

چوٹ لگنے سے زخمی ہونے یا مر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ شاہان نے اپنے اوپر مٹی ضرور گرتے دیکھی تھی۔ پھر اس کے سر پر پتھر برسنے شروع ہوگئے اس کے بعد اسے یوں لگا کہ جیسے اندھیرے میں یہ کسی دلدل میں جا پڑا ہے۔

وہ گھٹنوں تک گیلی نرم کیچڑ میں دھنس گیا۔ اس نے ایک پاؤں نکالنے کے لئے زور لگایا تو دوسرا پاؤں اور زیادہ دلدل میں گھس گیا کیچڑ بڑا ہی گاڑھا تھا شاہان نے اندھیرے میں ہی دونوں بازو آگے کو پھیلا کر تیرنے کی کوشش کی اور کیچڑ کے اوپر ہی لیٹ گیا۔

اس طریقے سے وہ تھوڑا تھوڑا آگے کو کھسکنے لگا۔ ذرا آگے جاکر کیچڑ پتلا ہوگیا۔ یہاں وہ ذرا آسانی سے تیرنے لگا۔ وہ جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا کیچڑ پتلا ہوتا جارہا تھا پچاس گز کے قریب فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ اب پانی میں آ گیا۔

یہاں بھی اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس نے پاؤں زمین پر لگائے تو کیچڑ ملا جلا پانی اس کی گردن تک پہنچ چکا تھا۔

وہ تیرتا چلا گیا اس نے آواز نکال کر دیکھا کہ وہ کس قسم کی جگہ پر ہے۔ اس کی آواز گونج اٹھی۔ شاہان سمجھ گیا کہ وہ ایک لمبی سرنگ میں ہے جس کی چھت زیادہ اونچی نہیں ہے۔ اسے تیرتے تیرتے پتا چل رہا تھا کہ کیچڑ بہت ہلکا ہوگیا ہے اور اب وہ پانی میں تیر رہا ہے۔ اب اس کے پاؤں پانی کی تہہ میں نہیں لگتے تھے۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے زمین کے اندر وہ جس نالے میں تیر رہا ہے اس کی چوڑائی کتنی ہے۔ وہ بائیں طرف تیرتا ہوا آ گیا اس کے ہاتھ دیوار سے لگے یہ دیوار گولائی میں تھی۔ نالے کا پاٹ کوئی دس فٹ چوڑا تھا۔ ابھی تک ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور شاہان کو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اسے ناگن اور شریم کا بھی خیال آیا۔ جولندن کے ہوٹل میں اس کا انتظار کررہے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ زلزلے کی وجہ سے زمین پھٹ گئی ہے اور وہ زمین کے نیچے ناجانے کتنی گہرائی میں اتر آیا ہے۔ اور زمین کے نیچے بہنے والا کوئی دریا اسے بہائے لے جارہا ہے کیونکہ ہماری زمین کے نیچے بہت نیچے جاکر بھی دریا بہتے تھے شاہان نے تھوڑا سا پانی چکھا۔ پانی میٹھا تھا اسے پوری طرح یقین ہوگیا کہ یہ کوئی زمین کے اندر بہنے والا دریا ہے۔ جس میں وہ نامعلوم منزل کی سمت تیرتا جارہا ہے۔ اسے کوئی خبر نہ تھی کہ یہ دریا اسے کہاں لے جائے گا ہوسکتا ہے کہ وہ زمین کے اندر ہی اندر سینکڑوں میل کا چکر لگا کر کسی جگہ سمندر میں مل جائے۔

شاہان نے یہی دعا کی کہ دریا کسی سمندر کے ساتھ مل جائے کیونکہ سمندر میں پہنچ کر وہ اس کی سطح پر اوپر آسکتا تھا۔ ورنہ کئی دریا ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو زمین

کے اندر ہی اندر ہزاروں میل کا چکر لگا کر خشک ہوکر دوبارہ زمین میں جذب ہوجاتے ہیں۔ اور اسے بھی نیچے جاکر کسی دوسری جگہ بہنا شروع کردیتے ہیں شاہان نے ایک بار پھر منہ سے آواز نکالی۔ اس آواز کی گونج سے اس نے اندازہ لگایا کہ جس سرنگ میں سے گزر رہا ہے اس کی چھت اب کافی اونچی ہوگئی ہے یہ بڑے اطمینان کی بات تھی۔ کیونکہ اب اسے امید ہوگئی تھی کہ دریا کسی نہ کسی جگہ سے ضرور باہر نکلے گا۔

وہ تیرتا چلا جارہا تھا۔ ایک، دوبار مچھلیاں اس کے منہ کے قریب سے ہوکر گزر گئی۔ وہ خدا کی قدرت میں دنگ رہ گیا کہ زمین کے اندر بہنے والے دریاؤں میں بھی مچھلیوں کو رزق پہنچتا ہے۔ اب دریا کا پانی زیادہ ٹھنڈا نہیں آرہا تھا اس نے پانی کو چکھا وہ کچھ کھارا اور کڑوا تھا۔ شاہان سمجھ گیا کہ دریا میں سمندر کا پانی شامل ہوگیا ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ دریا کسی سمندر میں جاکر ملتا ہے۔

شاہان کا سر پانی سے باہر تھا۔ تیرنے میں اسے مشکل پیش نہیں آرہی تھی کیونکہ پانی کا بہاؤ اب کافی تیز تھا۔ اندھیرا ابھی تک ویسے کا ویسا تھا۔ روشنی کی ایک کرن بھی نظر نہیں آرہی تھی۔

شاہان نے ایک بار پھر منہ سے آواز نکالی تو اس کی ذرا سی بھی گونج پیدا نہ ہوئی اس کا مطلب یہ ہوسکتا تھا کہ سرنگ کی چھت بہت نیچے ہوگئی ہے شاہان نے ایک بار ہاتھ اوپر کیا تو اس کا ہاتھ سرنگ کی چھت سے جا لگا۔

خوف کی ایک سرد لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی سرنگ کی چھت دریا کے ساتھ مل رہی تھی۔ دریا کا پانی اس کی گردن سے اوپر آ گیا تھا پھر اس کے ہونٹ اور ناک بھی پانی میں ڈوب گئے۔

اگر قدرت نے اسے زندہ رہنے کی طاقت نہ دی ہوتی تو یہاں اس کی موت یقینی تھی تھوڑی ہی دیر بعد اس کا سر سرنگ کی چھت سے ٹکرانے لگا۔ اور پھر وہ پورے کا پورا پانی کے اندر ڈوب گیا۔

سرنگ کی چھت پانی کے ساتھ مل گئی تھی۔ اب دریا ایک بھرے ہوئے نالے کی طرح بہہ رہا تھا شاہان پانی کے اندر تیرتا چلا جارہا تھا وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہاتھ اوپر کرکے دیکھ لیتا تھا کہ اس کے اوپر سرنگ کی چھت ہے کہ نہیں۔

تھوڑی دیر تک موت کے دریا کی سرنگ میں تیرتے رہنے کے بعد ایک بار پھر شاہان نے ہاتھ پانی کی سطح سے اوپر کیا تو اس کا ہاتھ چھت سے نہ لگا۔ سرنگ کی چھت اوپر سے ہٹ گئی تھی۔ پانی میں اب ہلکی روشنی بھی آنا شروع ہوگئی تھی۔

شاہان نے پانی کے اندر ہی اندر آنکھیں کھول کر دیکھا اس کے نیچے پانی میں ڈوبی ہوئی پہاڑیاں وادیاں تھیں۔ اور قسم قسم کی جھاڑیاں پانی میں اوپر کو لہرا رہی تھی۔ رنگ برنگی مچھلیاں بھی اس کے قریب سے گزر رہی تھی۔ شاہان نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ سمندر میں آ چکا ہے اس نے اوپر اٹھنا شروع کردیا۔

پانی کا دباؤ بھی سمندر میں آنے کے بعد بے حد بڑھ گیا تھا اور اسے اوپر آنے میں تکلیف محسوس ہورہی تھی۔

بازوؤں کو پوری طاقت سے اوپر نیچے کرتے کرتے وہ پانی کی سطح پر آنے کی کوشش کرتا رہا۔ آہستہ آہستہ پانی کا دباؤ کم ہورہا تھا۔

اب وہ آسانی سے اوپر اٹھ رہا تھا پانی میں روشنی بھی پہلے سے زیادہ ہوگئی تھی یہ کوئی سمندر تھا۔ خدا خدا کرکے شاہان پانی کی سطح پر آ گیا اس نے سر باہر نکالا تو سورج کی چمکیلی دھوپ میں اس کے چاروں طرف گہرے نیلے رنگ کا سمندر پھیلا ہوا تھا جس کی بڑی بڑی موجیں بلند ہوکر ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھی۔ شاہان سورج کی روشنی دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ وہ موت کی تاریکی سے زندگی کی روشنی میں آ گیا تھا۔

اس نے اللہ کا نام لے کر ایک طرف تیرنا شروع کردیا۔ مگر سمندر کی موجیں اسے تیرنے نہیں دے رہی تھی۔ بلکہ اپنے ساتھ خود بخود بہائے لئے جارہی تھی۔ شاہان نے بھی اپنے آپ کو لہروں کے حوالے کردیا۔

اسے کوئی خبر نہ تھی کہ یہ کون سا سمندر ہے اور یہ اسے کہاں لے جائے گا۔ وہ لہروں پر چلا جارہا تھا بہتے بہتے اسے یوں لگا جیسے کوئی شے اسے ایک بار پھر سمندر کے

اندر کھینچ رہی ہے اس نے خیال کیا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی دوسری شارک مچھلی ہو اور اس پر حملہ کرنے والی ہو۔

شاہان نے سمندر کی لہروں پر پلٹ کر دیکھا سمندر خالی تھا۔ عین اسی وقت کوئی سمندری جانور اسے کھینچ رہا تھا۔

شاہان کو غوطہ آ گیا اس کی آنکھیں سمندر کے نمکین پانی میں جاتے ہی اپنے آپ بند ہوگئیں۔ کسی نے اس کے پاؤں کو اپنے جبڑے میں دبا رکھا تھا۔ اور برابر اسے نیچے ہی نیچے لئے جارہا تھا شاہان نے آنکھیں کھول دی۔ سمندر کا پانی اور رنگین مچھلیاں اس کے قریب سے ہوکر تیزی سے اوپر کو جارہی تھی پھر اس کے پاؤں سمندر کے نیچے ریت اور چھوٹے چھوٹے کنکروں کے ساتھ ٹکرائے اور اٹک گئے۔

سب سے پہلی بات جو شاہان نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ سمندر کا پانی اب اس کی آنکھوں میں نہیں چبھ رہا تھا پانی کے اندر کی مچھلیاں اوپر کو تیرتی ہوئی سمندر میں جھاڑیاں اور زنگ آلود پتھر اور پتھروں کے ساتھ چپنے ہوئے زرد بڑے بڑے ابھرے ہوئے ٹکڑے اور اونچی اونچی اٹھی ہوئی جھاڑیوں پر کھلے ہوئے سفید، کالی، نیلے رنگ کے پھولوں کے گچھے اور ریت پر پھیلے ہوئے مونگ سیپیاں اور گونگھے یہ سب کچھ اسے صاف نظر آرہا تھا۔

جیسے وہ کسی نیلے شیشے کی عینک میں سے دیکھ رہا ہو اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جس جانور یا مچھلی نے اسے کھینچ کر نیچے سمندر کی تہہ میں لاکر پھینکا تھا وہ خود کہاں چلی گئی تھی۔ ایک تندوا اپنے لہراتے ہوئے بازو پھیلاتے گھماتا اس کی طرف بڑھا۔ شاہان پیچھے ہٹ گیا تندوا اس کے قریب سے ہوکر گزر گیا۔ شاہان پانی میں یوں چل رہا تھا جیسے وہ خلا میں چل رہا ہو۔ اس کا وزن پانی کے اندر آتے ہی کم ہوگیا تھا۔

دوسری چیز جس پر اسے بڑی حیرت تھی وہ یہ تھی کہ اگرچہ وہ پانی میں تھا مگر اسے سانس لینے میں ذرا بھی تکلیف نہیں ہورہی تھی۔ نہ پانی اسکی ناک سے اندر جارہا تھا اور نہ چبھ رہا تھا۔ پانی میں وہ یوں سکون سے سانس لے رہا تھا جیسے مچھلیاں سانس لیتی ہیں۔ اس نے سوچا کہ اسے واپس سمندر کے اوپر جانا چاہئے شاہان پاؤں تہہ کے پتھروں سے لگا کر زور سے اوپر کو اچھلا کہ اس طرح سے کہ وہ پانی کی چادر میں سے اوپر کو اٹھتا چلا جائے گا۔ مگر پانی کے شدید بہاؤ کی وجہ سے وہ اوپر کو اٹھ نہ سکا۔

شاہان پریشان ہوا کہ یہ کس نئی مصیبت میں پھنس گیا۔ اب وہ کیا کرے اور سمندر کے اوپر کھلے آسمان اور چمکیلی دھوپ میں کیسے واپس جائے۔ وہ سمندر میں ایک طرف کو چل پڑا۔

وزن کم ہونے کی وجہ سے وہ ذرا اچھل اچھل کر چل رہا تھا۔ یہ جگہ ایک سمندری پہاڑی کی ڈھلان تھی۔ اچانک شاہان کا پاؤں ریت پر سے پھسلا اور وہ ایک گہری کھڈ میں گرتا چلا گیا۔

وہ قلا بازیاں کھاتا جارہا تھا۔ یہ کھائی دو سمندری پہاڑوں کے درمیان واقع تھی۔ شاہان کھائی کی تہہ میں پہنچ کر رک گیا کھلی نرم ریت میں وہ پنڈلی تک دھنس گیا۔

یہاں بھی مچھلیاں تھیں جو کنول کے بڑے بڑے پتوں کی طرح زمین کے ساتھ چپک کر آہستہ آہستہ چلتی تھیں۔ زیبرا جیسی لکیروں والی چھوٹی مچھلیوں کا ایک غول ننھی ننھی دم ہلاتا اس کے آگے سے گزر گیا۔ شاہان کو پانی میں اب ہلکی ہلکی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ کسی وقت سیٹی کی باریک آواز آجاتی پھر ٹک ٹک کی آوازیں سنائی دیتی۔ کسی وقت ایسی آواز آتی جیسے کوئی لٹو زور سے گھوم رہا ہوں اور اس کے کانوں کے پاس سے گزر گیا ہو۔

شاہان کھائی میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ سمندر کے اندر اتنی دیر تک رہنے اور چلنے پھرنے کا یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا۔ اس سے پہلے وہ کبھی کسی سمندر میں اتنی دیر تک نہ رہا تھا اور جب وہ کبھی کسی جہاز کے غرق ہونے کے بعد سمندر میں گرا تو اسے غوطہ آنے لگتے تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ ڈوب نہیں سکتا تھا۔

لیکن اسے پانی ناک میں گھسنے سے غوطہ ضرور آتے تھے۔ جبکہ اب ایسا نہیں تھا اب تو وہ یوں سمندر کے پانی میں سانس لے رہا تھا۔

جیسے پانی میں مچھلیاں یہاں سمندر گہرا ہونے کی وجہ سے اوپر سے سورج کی روشنی بہت کم آرہی تھی۔ اور پانی میں چاروں طرف ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا اور اندھیرے کا رنگ گہرا سبز تھا۔ کھائی پہاڑوں کے درمیان سے ایک درے کی طرح گزر رہی تھی۔

سمندر یہاں بہت پرسکون تھا۔ کوئی سمندری لہر اس سے نہیں ٹکرا رہی تھی۔ جوں جوں شاہان آگے بڑھ رہا تھا۔ سمندری کھائی تنگ ہوتی جارہی تھی۔ آخر کار ایک جگہ جا کر دونوں پہاڑوں کی دیواریں ایک دوسرے سے مل گئیں۔ یہاں سے واپس جانا اور پھر اوپر کو اٹھ کر پہاڑ کے اوپر پہنچنا جہاں سے شاہان پھسلا تھا بڑا کٹھن کا کام تھا۔

شاہان نے سامنے والی پتھریلی دیوار کو غور سے دیکھا۔ اس کے اندر ایک محرابی دروازہ بنا ہوا تھا۔ اس دروازے کی دونوں جانب گول پتھروں کے دو اونچے ستون تھے۔ جو کبھی سفید ہوں گے۔ اب ان پر بند کھائی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اور چھوٹی بڑی مچھلیاں اس کے گرد گھوم رہی تھیں۔ شاہان دروازے کی طرف بڑھا۔

اس کا دروازہ پرانے زمانے کے کھنڈروں سے ملتا تھا محراب کے درمیانی دو ایک پتھروں کے ٹکڑے نیچے گرے ہوئے تھے۔ دروازے کے اندر غار سا تھا۔ جو سمندری پانی سے بھرا ہوا تھا جہاں سبز اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

شاہان دروازے میں سے گزر کر غار میں داخل ہوگیا غار تنگ ہونے لگا یہاں تک کہ کچھ دور جا کر غار اتنا تنگ ہوگیا کہ شاہان بڑی ہی مشکل سے آگے گزر سکا۔ اس نے سوچا کہ یہاں سے واپس نکل جانا چاہئے۔ کہیں وہ کسی اور مصیبت میں نہ پھنس جائے۔ لیکن وہ جونہی غار کے تنگ دہانے سے نکلا سامنے ایک کھلی جگہ آ گئی۔ جہاں دیواروں کے ساتھ مردوں کے ڈھانچے لٹک رہے تھے۔ شاہان انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ وہ بڑے بڑے ڈھانچے تھے ایک انسانی ڈھانچے کے سر پر گدھے کی لمبی جبڑے والی کھوپڑی تھی ڈھانچے نے اپنی کھوپڑی خود اپنے ہاتھوں کی ہڈیوں میں تھام رکھی تھی۔

شاہان بڑے ہی تعجب سے انہیں تکنے لگا۔ یہ کسی زمانے کی یادگار ہے اور یہاں کیسے آ گئی۔ ذرا آگے گیا تو بڑے بڑے بے ڈھنگے پتھر ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ ان پتھروں کے نیچے بھی انسانی ڈھانچے ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے۔

ان پتھروں سے پرے دس بارہ ستون ریت میں دھنسے ہوئے تھے۔ اور اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ شاہان ان کے درمیان سے گزر کر آگے آ گیا۔ تو یہاں سمندر کا سبز اندھیرا کچھ کم ہونے لگا۔ پھر اسے پانی کے اندر ایک آواز سنائی دی۔ جو ایسی آواز تھی۔ جیسے کوئی آندھی کا شور آہستہ آہستہ اس کی طرف آرہا تھا۔

ابھی شاہان اس آواز کے بارے میں غور کر ہی رہا تھا کہ اچانک کسی نے اپنے نوکیلے دانتوں والے شکنجے میں جکڑ کر اوپر اٹھا لیا اور پھر آگے کو تیزی سے لپکا۔ شاہان کی حرارت مرنے کی طاقت پانی کے دباؤں کی وجہ سے بہت سست ہوگئی تھی۔ اس نے جھک کر دیکھا کہ اسے سمندری عفریت منہ میں دبائے لئے جارہی ہے۔ اس کے لمبے لمبے پنجوں جیسے بازو پانی کے اندر حرکت کر رہے تھے۔ عفریت شاہان کو دبائے غار کی ایک طرف شگاف میں گھس گیا۔ اور اسے اندر لے جاتے ہیں ریت میں دبانا شروع کر دیا۔

شاہان نے فوراً جوابی حملہ کر دیا اس نے زور لگایا اور عفریت کے شکنجے کی گرفت سے باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن شاہان کو پہلی بار محسوس ہوا کہ اس کی طاقت اسے جواب دے رہی ہے پانی میں شدید دباؤ کی وجہ سے اس کا زور نہیں لگ رہا تھا۔ اپنی طرف سے اس نے پورا زور لگا کر عفریت کے جبڑے میں سے باہر نکلنے کی کوشش کی اور ایک جھٹکا دیا۔ لیکن اس کا بڑا معمولی اثر ہوا اس کے جواب میں سمندری عفریت نے شاہان کو اٹھا کر زور سے ریت میں دے مارا۔

شاہان ابھی اٹھ رہا تھا کہ سمندری عفریت نے جبڑے کھول کر دوبارہ حملہ کر دیا اور شاہان کو دبوچ کر ایک اور غار میں لے گئی۔ یہاں شاہان نے بڑے بڑے

مگرمچھوں اور ویل مچھلیوں کے ڈھانچے دیکھے۔ یہ سمندری عفریت ان سب کو چٹ کرگئی تھی یہاں لاکر سمندری عفریت نے شاہان کو ریت کے اندر ایک گڑھے میں دبا کر اوپر سے اس کا منہ بند کردیا تھا یہ سمندری عفریت کسی خونخوار ویل مچھلی سے ملتی جلتی تھی۔ اور وہ انسانوں حیوانوں اور سمندری جانوروں کو زندہ ریت میں دبادیتی تھی۔ پھر جب گوشت گل سڑ جاتا تھا تو پھر اسے کھاجاتی تھی۔

شاہان نے گڑھے کے اندر کوئی حرکت نہ کی جب اسے یقین ہوگیا کہ سمندری عفریت جاچکی ہوگی تو وہ ریت کو اپنے اوپر سے ہٹا کر گڑھے سے باہر نکل آیا وہ ایک ایسی مشکل میں پھنس چکا تھا اور وہ مر تو نہیں سکتا تھا مگر اس مشکل سے وہ ساری زندگی رہا بھی نہ ہوسکتا تھا۔ پانی کے دباؤ کی وجہ سے وہ اوپر نہیں جاسکتا تھا۔ گویا وہ ایک طرح سے وہ ہزاروں سالوں کے واسطے سمندر کی طے میں قید ہوکر رہ گیا تھا۔

یہی وہ سمندری عفریت تھی جو شاہان کو اوپر سے کھینچ کر نیچے سمندر کی تہہ میں لے آئی تھی اور پھر اسے سمندری کھائی میں چھوڑ کر خود بخود غار کے اندر آنے کا انتظار کررہی تھی۔ شاہان نے سوچا کہ اسے غار سے باہر نکل جانا چاہئے۔ اب وہ جو غار میں پیچھے کی طرف مڑا تو یہ دیکھ کر اسے سخت مایوسی ہوئی کہ سمندری عفریت ایک بہت بڑا پتھر آگے رکھ کر راستہ بند کرتی گئی تھی۔

شاہان نے بڑا ہی زور لگایا کہ کسی طرح سے اس پتھر کو اپنی جگہ سے ہٹا سکے۔ لیکن یہاں بھی اس کی طاقت کام نہ آرہی تھی اور اس کا زور بہت ہی کم لگ رہا تھا۔ شاہان ناامید ہوکر پتھر کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا اب کیا کرنا چاہئے یہی ایک سوال تھا۔ جو شاہان کے ذہن میں بار بار پیدا ہورہا تھا وہ کچھ دیر وہاں پتھر کے ساتھ چپکا رہا۔ پھر اسے یوں لگا کہ غار کی دیوار ایک طرف سے شق ہورہی تھی۔ وہ پانی میں اپنی آنکھیں پوری کھول کر مچھلی کی طرح پلکیں جھپکے بغیر غور سے دیکھنے لگا اسے زرد رنگ کے پتھروں کا ایک راستہ دکھائی دیا۔ جو دیوار کے اندر جارہا تھا۔

شاہان آہستہ آہستہ چلتا دیوار کے پاس آیا۔ پھر وہ زرد پتھروں پر آگے کو چلنے لگا۔ راستہ آگے جاکر اوپر اٹھتا گیا۔ اوپر ایک سنہری گنبد والا مندر سا بنا ہوا تھا۔ جس کے برآمدے کی چھت سنگ مرمر کے اونچے اونچے ستونوں پر کھڑی تھی۔

شاہان بڑا حیران ہوا کہ یہاں یہ سنہری گنبد والا مندر کہاں سے آگیا۔ وہ مندر کے برآمدے میں آگیا یہاں کوئی مچھلی آس پاس نہ تھی سمندری جھاڑیاں بھی نہ تھی۔ برآمدے کی دیوار کے ساتھ ساتھ بڑے خوشنما کنول کے نیلے پھول کھلے تھے۔ شاہان برآمدے میں آگے بڑھا۔ سامنے ایک دروازہ تھا جس کے درمیان میں سونے کی ایک بڑی گھنٹی لٹک رہی تھی۔ شاہان اس کے قریب سے گزرا تو وہ اپنے آپ بجنے اور جھولنے لگی۔ شاہان نے اس کی لٹکتی ہوئی گھنٹی کی آواز سنی تو رک کر دائیں بائیں دیکھا کہ اس کو کس نے ہلایا ہے۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ پیچھے آنے لگا تو اس کے کانوں میں پانی میں ڈوبی مگر بڑی صاف آواز تھی۔ ”اندر چلے آؤ۔“

شاہان چونک اٹھا کہ یہ آواز کس عورت کی ہے۔ اور اس میں حکم کا انداز تھا۔ جیسے وہ اسے حکم دے رہی ہو۔ کہ خبردار بھاگنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ جان سے ماڈالوں گی۔ شاہان نے سوچا کہ یہاں سے واپس جانے میں ہی بہتری ہے۔ وہ واپس مڑا تو اس کے پاؤں نے واپس مڑنے سے انکار کردیا۔ اس نے کئی بار پاؤں پیچھے اٹھانے کی کوشش کی لیکن پاؤں نہ اٹھا سکا۔ جیسے اس کے پاؤں من من کے ہوگئے ہو۔ جب اس نے مندر کی طرف دیکھا اور پھر مندر کی طرف منہ کرکے چلنا چاہا تو اس کے قدم اپنے آپ اٹھ گئے اور وہ کسی جادوں کے اثر میں آکر آگے تیرنے لگا۔

آواز بار بار اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ میرے پاس آجاؤ میرے پاس آجاؤ۔ یہ میرا حکم ہے۔ شاہان پانی کی موٹی اور بھاری چادر میں کھڑے کھڑے اپنے آپ آگے آگے تیر رہا تھا۔ مندر کی اونچی چھت آگئی درمیان میں ایک گول چھت والی بارہ دری سی تھی۔ جس میں

کالے پتھر کی ایک مورتی کھڑی تھی۔ اس مورتی کے دونوں ہاتھوں میں چھریاں تھیں اور آنکھوں میں سرخ یاقوت انگاروں کی طرح دہک رہے تھے۔ اس کی شکل کسی بدروح جیسی تھی۔ جس کے اوپر والے دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ اس کی گردن میں ایک انسانی سر کٹا ہوا لٹکا ہوا تھا۔

جس کی گردن سے خون کے قطرے ٹپک ٹپک کر پانی میں یاقوت بن کر آگے کو بہتے جارہے تھے ایسی بدروح بھی شاہان نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ یہ سمندری بدروح تھی اس نے شاہان کو اپنے قریب بلالیا جب شاہان بارہ دری کے پاس پہنچا تو وہ اپنے چبوترے سے نیچے اتر آئی۔ اس کے دانت کھل گئے اور ڈراؤنے چہرے پر بھیانک مسکراہٹ تھی اس نے شاہان کے ماتھے کے ساتھ دونوں چھریوں کی نوک بار بار لگائی اور کچھ بولنے لگی۔ اس کے منہ سے ہر لفظ کے ساتھ پانی کا بلبلہ سا بن جاتا اور شاہان کو اس کی آواز کانوں کے اندر سنائی دیتی تھی۔

اسے آواز آئی ”اسے لے جاؤ..... اسے لے جاؤ۔“ وہ کسی دوسرے سے بات کررہی تھی۔ شاہان نے دیکھا کہ سامنے ایک جگہ سے سنگ مرمر کا ستون گھومنے لگا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور وہ اسی جگہ سے عجیب قسم کی شکلوں والے دو بونے برآمد ہوئے اور شاہان کی ٹانگوں سے چمٹ کر اسے ستون کی طرف دھکیلنے لگے۔

شاہان یوں پانی میں آگے آگے تیرنے لگا جیسے وہ ان بونوں کے ہاتھوں میں تنکا ہوں۔ اتنے مرحلوں میں شاہان نے کبھی اپنے آپ کو اتنا ہلکا اور بے وزن محسوس نہیں کیا تھا۔

ستون کے پاس لے جاکر بونوں نے شاہان کو ایک طرف دھکیل دیا۔ اور شاہان ایک ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا۔ پھر گھنٹیوں کے شور میں ایک ایسی جگہ جاکر اپنے آپ رک گیا جہاں اس کے آس پاس کھمبوں کی شکل میں سونے کی چھتریاں ہی چھتریاں بنی ہوئی تھیں۔

یہ چھتریاں قدآدم تھیں ان کے درمیان ایک سونے کا ہی چبوترہ تھا۔ شاہان پانی میں اپنے آپ کبھی ایک طرف بہہ جاتا اور کبھی دوسری طرف بہہ جاتا۔ ایک بار وہ سونے کے چبوترے کے پاس گیا تو چبوترے نے مقناطیس کی طرح اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

شاہان اس کے اوپر اچھل کر گرا اور اس کے جسم کو سونے کی مقناطیسی طاقت نے اتنی زور سے جکڑ لیا کہ وہ اسے ہلکی سی جنبش بھی نہ دے سکا۔ شاہان منہ اوپر مندر کی چھت کی طرف کئے بے بس ہوکر پڑا تھا۔ سمندری مندر کی بدروح پھر اس کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے دونوں چھریوں والے ہاتھ آگے کو پھیلے ہوئے تھے وہ شاہان کے سر پر پہنچ گئی چبوترے کے اوپر آتے ہی اس نے دوزانوں بیٹھ کر اپنی دونوں چھریاں شاہان کے سینے پر دائیں بائیں رکھ دیں دونوں بونے سامنے ستون کے پاس کھڑے کھڑے بار بار ہاتھ پھیلا رہے تھے گویا وہ انتظار کررہے تھے کہ کب ان کی طرف انسانی گوشت کی دو تین بوٹیاں اچھالی جاتی ہیں۔

بدروح نے ایک اونچی غرغراتی ہوئی آواز نکال کر پوری طاقت سے دونوں چھریاں شاہان کے سینے میں گھونپ دیں لیکن وہ ایسا نہ کرسکی یہاں اس کا جادو بے کار تھا کیونکہ دونوں چھریاں شاہان کے سینے میں جانے کے بجائے اوپر سے ہی پھسل کر بدروح کی ایک ہتھیلی میں گھس گئیں اور اسے زخمی کرگئیں۔

بدروح چیخ مار کر پیچھے ہٹی اس نے دوسری بار شاہان کی گردن پر وار کیا وہاں بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا اور وہ شاہان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی۔ پھر اس نے شاہان کی گردن میں اپنے نوکیلے دانت گاڑنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اس کے دونوں اگلے دانت ٹوٹ گئے وہ اپنی جگہ پریشان تھی اور بونے جن کو گوشت کا انتظار تھا اپنی جگہ پر حیران ہورہے تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ کیونکہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا شاہان کا جسم ابھی تک چبوترے کی مقناطیسی کشش میں پھنسا ہوا تھا وہ صرف اپنے دونوں بازو ہلا سکتا تھا۔

شاہان نے سوچا کہ اس پر ایک بار اپنی طاقت کو آزمانا چاہئے شاید اس کی طاقت میں زور پیدا ہوچکا ہو۔ جونہی بدروح نے شاہان پر جھک کر اسے غور سے دیکھنے کی کوشش کی شاہان نے دونوں ہاتھوں سے اس کی

گردن دبوچ لی ایک دم شاہان کو محسوس ہوا کہ اس کی طاقت کا اثر واپس آ گیا ہے اور اس کے ہاتھوں کی گرفت میں بڑا ہی زور تھا۔ اس نے بدروح کی گردن اور زور سے دبانی شروع کردی بدروح نے دونوں ہاتھوں کے زخمی ہونے کے باوجود شاہان پر چھریاں چلانی شروع کردی پھر بلوں کو حکم دیا کہ شاہان کی تکا بوٹی کردو۔

ان بلوں کی یہ خاص بات تھی کہ وہ چوہوں کی طرح انسانی جسم پر چڑھ کر اسے کتر کتر کر پل بھر میں ختم کردیتے تھے۔ بدروح کا حکم سنتے ہی دونوں بونے بھاگ کر شاہان کے جسم پر سوار ہوگئے اور چوہوں کی طرح اس کے جسم کو اپنے چھوٹے چھوٹے آری جیسے دانتوں سے کاٹنے لگے۔

شاہان کا جسم بھلا کہاں کٹنے والا تھا ہاں ان دونوں کے دانت ضرور شاہان کے پتھریلے جسم سے ٹکرا کر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ بلوں کا درد کے مارے برا حال ہوگیا ان کی چیخیں نکل گئیں اور وہ غصے میں شاہان کے سر کے پاس آ کر اس کی آنکھوں میں انگلیاں چبھونے لگے شاہان نے بدروح کو چھوڑ دیا جو ادھموئی ہو کر فرش پر جا گری۔

شاہان نے ان دونوں بلوں کو پکڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ اتنی زور سے ٹکرایا کہ دونوں کے سر پھٹ کر بکھر گئے۔ بدروح کا گلا شاہان نے جتنی زور سے دبایا تھا اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مر گیا ہوتا۔

لیکن بدروح میں بڑی زبردست طاقت تھی اور وہ ادھموئی سی ہوگئی تھی لیکن پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر شاہان پر حملہ کرنے کے لئے لپکی۔

شاہان نے اس کے آتے ہی ایک پاؤں سے اس کی گردن پر اتنی زور سے ضرب لگائی کہ اس کی گردن کا منکا کئی جگہوں سے ٹوٹ گیا اور سمندری بدروح چکرا کر زمین پر گر پڑی اس کے گرتے ہی شاہان نے محسوس کیا کہ سونے کے چبوترے کی مقناطیسی کشش ختم ہوگئی ہے اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا پانی کا دباؤ ابھی تک ویسا ہی تھا مگر اس کی طاقت میں پہلے جیسا زور آ گیا تھا یعنی وہ جب پوری طاقت سے مقابلہ کرتا تھا اس کی شدت میں کمی نہ ہوتی تھی

شاہان سونے کے چبوترے سے اٹھ کر فرش پر پڑی سمندری بدروح کے اوپر آ گیا۔

وہ آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اور اس کی سرخ آنکھوں کے سرخ یاقوت بجھ رہے تھے۔ اس کا رنگ سیاہ پڑتا جا رہا تھا مندر کے ستون خود بخود گھومنے لگے تھے گنبد دائیں بائیں یوں جھومنے لگا۔ جیسے زلزلہ آ گیا ہو مگر زمین اپنی جگہ پر ویسی ہی تھی۔ وہ بالکل نہیں ہل رہی تھی۔

بدروح نے آخری ہچکی لی تو اس کی لاش فرش پر پڑے پڑے غائب ہوگئی لاش کے غائب ہوتے ہی مندر کی ساری گھنٹیاں خود بخود بجنے لگیں۔ ستون گھومتے گھومتے پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ مندر کا گنبد سمٹنے لگا اور پھر شاہان نے دیکھا کہ مندر ایک دم چھوٹا سا ہو کر سمندری گھونگھے جتنا ہوگیا۔ اور سیاہ و سبز دھاریوں والا ایک بڑا مگرمچھ آیا اور اس نے اس مندر کے گھونگے کو نگل لیا یہ ایک حیرت انگیز تماشہ تھا جو شاہان نہ صرف اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ اس میں خود حصہ بھی لیا تھا۔ مگر یہ سب کچھ کیا تھا ایک خواب تھا یا حقیقت تھی اس سوال کا جواب شاہان کو ابھی تک نہ ملا تھا اسے یہ بھی یقین نہ تھا کہ وہ اب بھی خواب دیکھ رہا ہے یا نہیں۔

تیرتے تیرتے بلکہ پانی کے اندر کھڑے کھڑے اپنے آپ آگے کو تیرتے ہوئے شاہان غار سے باہر نکل آیا۔ اب وہ ایک بار پھر دونوں پہاڑیوں کی درمیانی گھاٹی میں سے گزر رہا تھا پانی کا دباؤ اسے اپنی طرف سے لئے جا رہا تھا ادھر آہستہ آہستہ روشنی ہو رہی تھی شاہان نے دیکھا کہ سمندر کی تہہ میں کسی بادبانی جہاز کا ایک بہت بڑا ڈھانچہ اوندھا پڑا تھا اس کی حالت بہت خستہ ہو رہی تھی یہ کوئی غرق شدہ جہاز تھا۔

شاہان اس جہاز کے ٹوٹے ہوئے ڈھانچے میں چلنے لگا ایک جگہ اس نے لوہے کا ایک چھوٹا سا صندوق دیکھا جس پر زنگ کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی شاہان کے دل میں خیال آیا کہ دیکھنا چاہئے کہ اس صندوق میں کیا ہے اس کی طاقت واپس آ چکی تھی۔ اور اب وہ زمین کی کشش کم

محسوس کر رہا تھا اس نے صندوق پر زور سے پاؤں مارا اس کا ڈھکنا کھل گیا اور اس کے اندر سے ایک انسانی کھوپڑی اچھل کر شاہان کی طرف آئی۔ اور اس کے سر کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے۔

شاہان اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ کھوپڑی کیا کرنا چاہتی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے بہت جلد کھوپڑی نے اپنا مقصد ظاہر کر دیا وہ پانی کے اندر ہی اندر تیرتی ہوئی ٹوٹے پھوٹے بادبانی جہاز کے ملبے میں ایک طرف گئی اور رک کر جیسے کچھ دیکھنے لگی۔

شاہان نے اس کے پاس جا کر دیکھا وہ جہاز کے پیندے کے سوراخ میں سے کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی ہے شاہان نے جھک کر سوراخ کے اندر دیکھا نیچے لکڑی کے بڑے بڑے گٹھوں اور اسباب کے نیچے ایک چھوٹا سا انسانی ڈھانچہ پھنسا ہوا تھا پھر جیسے شاہان کے کانوں میں اس کھوپڑی کی باریک آواز سنائی دی۔

یہ میرا بیٹا ہے وہ اس کمرے میں تھا کہ طوفان آ گیا اور جہاز سمندر میں غرق ہوگیا میری گردن کاٹ کر جہاز کے کپتان نے اس صندوق میں بند کر رکھی تھی جہاز کا کپتان بھی مر گیا میرے بچے کے ڈھانچے کو لکڑی کے گٹھوں کے نیچے سے نکالو میں اسے ساتھ لے کر جانا چاہتی ہوں میری روح اس کھوپڑی میں کئی سالوں سے اس سمندر میں قید تھی خدا کا شکر ہے کہ تم یہاں آئے ہو اب میری مدد کرو۔ میرا بچہ مجھے واپس لا دو۔

شاہان پیندے کے سوراخ میں سے نیچے جہاز کے اندر اتر گیا۔ انسانی ڈھانچے کا ڈھانچہ بھاری مال واسباب کے نیچے بری طرح پھنسا ہوا تھا مگر شاہان کی طاقت واپس آ چکی تھی۔

اس نے تھوڑا سا زور لگایا اور بچے کے ڈھانچے کو ملبے کے نیچے سے نکال لیا اس کی ماں کی روح اوپر سے جھانک رہی تھی شاہان کو یوں محسوس ہوا جیسے چھوٹے انسانی ڈھانچے میں کوئی چھوٹا سا سفید سایہ ابھر کر اوپر جہاز کے سوراخ کی طرف گیا۔ شاہان بھی جہاز کے سوراخ سے باہر آ گیا وہاں نہ بچے کی روح تھی اور نہ اس کی ماں کی کھوپڑی

اچانک اس بچے کی ماں کی آواز سنائی دی۔

شاہان میں اپنے بچے کے ساتھ جا رہی ہوں میں تمہارا احسان کبھی نہ بھلاؤں گی ایک دن میری تمہاری بھی ملاقات اوپر ہوگی۔ خدا حافظ۔

شاہان جہاز کے ملبے سے باہر آیا تو اسے یوں لگا جیسے نیکی کا ایک کام کرنے کے بعد وہ ہلکا پھلکا سا ہوگیا ہے اور وہ اپنے آپ ہی سمندر کے اندر اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا گیا۔ سمندر کا دباؤ بہت ہی ہلکا ہوگیا تھا آخر سمندر کے قریب آ کر یہ دباؤ نہ ہونے کے برابر رہ گیا اور شاہان نے موجوں کے باہر سر نکال کر دیکھا۔

سمندر چاروں طرف پھیلا ہوا تھا آسمان پر کوئی پرندہ تک نہ اڑ رہا تھا۔ لہریں اس کے ارد گرد بہہ چلی جا رہی تھیں شاہان نے سمندر سے باہر آنے پر خدا کا شکر ادا کیا اسے یقین نہیں تھا کہ وہ سورج کی روشنی پھر کبھی دیکھ سکے گا۔

وہ لہروں پر سیدھا لیٹ گیا دھوپ آہستہ آہستہ ڈھلنے لگی۔

سورج سمندر کے اوپر سفر کرتا مغرب کی طرف جھک گیا شاہان سمندر کی لہروں پر چت لیٹا ہوا تھا ایک سفید پروں والا پرندہ اس کے اوپر سے غوطہ مار کر نکل گیا سمندر کے سفر میں اسے یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ اس قسم کے پرندے اس وقت سمندر میں دکھائی دیتے ہیں جب ساحل قریب ہو شاہان نے لہروں پر سر اٹھا کر دیکھا اور اسے ایک سیاہ لکیر نظر آ رہی تھی اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا یہ زمین کی لکیر تھی شاہان نے بڑی تیزی سے اس کالی لکیر کی طرف تیرنا شروع کر دیا اس نے جو زور زور سے پانی میں پاؤں مارے تو کچھ فاصلے پر سمندر کے اندر تیرتی ہوئی ایک خونخوار شارک مچھلی کو پتہ چل گیا کہ اوپر کوئی انسان تیر رہا ہے یہ پندرہ فٹ لمبی ایک آدم خور شارک مچھلی تھی جو جہاز سے سمندر میں گرے ہوئے انسانوں کو ایک منٹ میں چیر پھاڑ کر کھا جاتی ہے۔

شارک مچھلی ایسی تیزی سے اوپر سمندر پر آ گئی کچھ دور اس نے ایک انسان کو تیرتے دیکھا تو پچاس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اس کی طرف بڑھی۔ شاہان اپنے خیال میں آگے تیرتا جا رہا تھا کہ اسے یوں لگا جیسے پانی کے

اندر لکڑی کی کوئی گیلی چیز اس کی ٹانگ سے ٹکرا گئی ہو، شارک نے پانی کے اندر حملہ کردیا تھا اس نے شاہان کی ٹانگ پر ٹکر ماری کہ اسے دو ٹکڑے کردے مگر شاہان کی ٹانگ تو چٹان تھی اس سے ٹکرا کر شارک بوکھلا سی گئی اور اس کا تیز دھار والا سینگ آگے سے ٹوٹ گیا اب وہ ابھر کر پانی کے اوپر آ گئی۔

اسی وقت شاہان نے اپنے سامنے ایک شارک کو دیکھا۔ شارک مچھلی اپنے نوکیلے دانت والا منہ کھول کر شاہان کی طرف بڑھی جب وہ قریب آئی تو شاہان نے پوری طاقت سے شارک کے جبڑے پر مکا مار دیا۔ یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ شارک کے جبڑے کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ شارک تڑپ کر ایک طرف کو ہٹ گئی اس نے تیسری بار شاہان پر حملہ کیا تو شاہان اچھل کر اس کی پیٹھ پر سوار ہوگیا اور آگے ہو کر اس کے ٹوٹے ہوئے جبڑے کو ایک زوردار جھٹکے سے الگ کردیا۔ خون کا فوارہ چھوٹا اور شارک سمندر سے دس فٹ اوپر اچھل کر دوبارہ سمندر میں آن گری اس میں طاقت نہ رہی تھی وہ پانی میں تڑپ رہی تھی وہاں سمندر خون سے بھر گیا تھا۔

شاہان نے اس کے بعد شارک پر حملہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ وہ بے جان ہو کر سمندر کے اوپر تیر رہی تھی شاہان نے پھر سیاہ لکیر کو دیکھا جو اب درختوں کی قطار میں بدل گئی تھی یہ دور دراز سمندروں میں ایک ویران اور ہیبت ناک جزیرہ تھا۔ جس کے سب سے اونچے آتش فشاں پہاڑ میں ہر طرف اور ہر وقت لاوا ابلتا رہتا تھا۔

شاہان کو سمندری لہروں نے اس جزیرے کے اجاڑ ساحل پر لا کر ڈال دیا۔ کچھ دیر شاہان کنارے کی گیلی ریت پر سکون سے لیٹا رہا۔ اور شریم اور ناگن کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسے ان کی کوئی خبر نہ تھی کہ پیچھے لندن پر ان پر کیا گزری۔ اور وہ ہوٹل میں ابھی تک میرا انتظار کررہے ہوں گے۔ یا وہاں سے چلے گئے ہوں گے۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ شریم اور ناگن پیرس کے ایک ہوٹل میں اس کا انتظار کررہے تھے۔

شاہان کچھ دیر بعد ریت پر سے اٹھا اس نے پچاس ساٹھ قدموں کے فاصلے پر شروع ہونے والے جنگل کے درختوں کو دیکھا وہاں قبرستان جیسی خاموشی چھائی ہوئی تھی یہ کچھ عجیب پراسرار سا جزیرہ لگ رہا تھا۔ شام ہورہی تھی سورج دور بہت دور سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ شاہان نے ساحل کے ساتھ چلنا شروع کردیا جزیرے کا ساحل دور دور تک ویران تھا۔

انسانی آبادی کے کوئی آثار دکھائی نہ دے رہے تھے۔ سمندر میں کوئی کشتی بھی نظر نہ آرہی تھی سفید پرندوں کی ایک قطار سمندر کی طرف سے اڑتی ہوئی آئی اور جزیرے کے جنگل میں کہیں غائب ہوگئی۔

کافی دور جزیرے کے اندر ایک اونچا پہاڑ کھڑا تھا جس کی چوٹی پر جمع ہوئے لاوے کا شیشہ ڈوبتے سورج کی آخری کرنوں میں سرخ چمک رہا تھا۔ چلتے چلتے شاہان جزیرے کے مشرقی ساحل کی طرف آ گیا یہاں سمندر میں کہیں کہیں چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ سمندر کی لہریں ان چٹانوں سے ٹکرا کر جھاگ اڑاتی جاتی تھی۔ بائیں طرف گھنے درختوں کا سلسلہ تھا جو جزیرے کے پراسرار خاموش اور ہیبت ناک جنگل کے ساتھ جا کر مل جاتا تھا۔

شاہان نے سوچا رات سر پر آرہی ہے۔ کوئی ایسی جگہ ڈھونڈنی چاہئے جہاں آرام کیا جائے گا اگر وہاں کوئی آبادی ہے تو اس کی مدد سے اس جزیرے سے نکلا جاسکتا ہے ایک چھوٹی چٹان ساحل سے تھوڑی دور ریت پر کھڑی تھی۔ وہاں تک سمندر کی لہریں نہیں آتی تھی اور ریت خشک تھی۔

شاہان نے سوچا کہ یہاں رات بسر کرنی چاہئے۔ وہ چٹان کے پاس آ گیا زلزلوں اور تیز سمندری طوفانوں نے اس چٹان میں گہرے گڑھے ڈال رکھے تھے ایک گڑھا کافی کھوکھلا تھا اور اندر سے کھلا تھا۔

شاہان نے اس کے اندر آ کر دراز ہوگیا سمندر میں سورج کے ڈوبتے ہی جزیرے میں ایک دم سے رات آ گئی۔ اور اندھیرا چھا گیا شاہان کو کھوہ میں لیٹے لیٹے آسمان نظر آرہا تھا۔ جس پر ستارے چمکنے لگے تھے۔ سارے جزیرے پر گہری خاموشی اور زیادہ گہری ہوگئی۔ اس خاموشی

میں اگر کوئی آواز آرہی تھی تو وہ صرف اور صرف لہروں کے ہلکے ہلکے شور کی آواز تھی۔

شاہان اس قدر تھک گیا تھا کہ اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

آدھی رات کو شاہان کی آنکھ کھل گئی اس نے ایک آواز سنی تھی یہ آواز کسی عورت کی چیخ کی آواز تھی پھر اسے خیال آیا کہ شاید یہ اس کا خواب تھا کیونکہ جزیرے پر ہر طرف سناٹا تھا لہروں کی آواز بھی آدھی رات کو ہلکی ہوگئی تھی شاہان نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت وہ چیخ پڑی۔ جزیرے کی ہیبت ناک خاموشی ایک بار پھر ابھری۔ شاہان اٹھ کر بیٹھ گیا۔

یہ چیخ اسے بالکل صاف سنائی دی تھی۔ یہ کسی عورت کی آواز تھی چیخ میں درد اور کرب کے ساتھ ساتھ بین کرنے کا لہجہ زیادہ تھا۔ یہ بڑی ڈراؤنی آواز تھی اور اس نے جزیرے کی قبر جیسی خاموشی کو اور زیادہ ہولناک کردیا۔

شاہان کی جگہ اگر کوئی دوسرا انسان ہوتا تو وہ یہی سمجھتا کہ یہ کسی بدروح کی آواز ہے اور وہ اسے سنتے ہی غش کھا کر گر پڑتا۔ اور شاید اگلی دنیا میں بھی پہنچ جاتا۔ لیکن شاہان ایک بہادر نوجوان بھی تھا اور اسے اس قسم کے جزیروں میں راتیں گزارنے کا تجربہ بھی تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے اس بات کی بھی بڑی فکر تھی کہ دنیا کی کوئی بدروح آسیب یا ڈائن اسے ہلاک نہیں کرسکتی تھی۔ لیکن اس چیخ کے بارے میں شاہان کو یقین تھا کہ یہ کسی لڑکی کی چیخ ہے جو کسی نہ کسی طرح اس ویران اور اجاڑ جزیرے میں آن پھنسی ہے۔ اور اب راتوں کو اٹھ کر بین کرتی پھرتی ہے وہ چٹان کی کھوہ میں سے باہر نکل آیا آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا جزیرے کی رات سنسان تھی جنگل کے درخت خاموش اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے شاہان نے جنگل کی طرف دیکھا عورت کی ڈراؤنی چیخ کے بعد جنگل اور زیادہ آسیب زدہ ہوگیا تھا۔

شاہان کو یہ اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ ڈراؤنی آواز کس طرف سے آئی تھی کیونکہ وہ اس وقت چٹان کے اندر موجود تھا ویسے آواز سے لگتا تھا کہ عورت کہیں جنگل میں قریب ہی ہے جانتے میں چیخ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی ایک بار تو شاہان بھی خوف سے کانپ اٹھا۔

یہ چیخ بڑی بھیانک آواز تھی۔ ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کوئی اس عورت کو ذبح کررہا ہوں آواز میں بے بسی آہ و فغاں اور موت کی دہشت تھی۔ ایک بار آواز جزیرے کے جنوب سے آئی تھی اور کچھ فاصلے سے سنائی دی تھی، شاہان جدھر سے آواز آئی تھی ادھر کو چل پڑا، جزیرے پر ستاروں کی اتنی دھیمی دھیمی روشنی ضرور تھی کہ شاہان اپنا راستہ تلاش کرسکتا تھا۔

ساحل کی ریت کو پیچھے چھوڑ کر شاہان نے خدا کا نام لے کر جنگل میں داخل ہوگیا آواز اسی طرف سے آئی تھی۔ جنگل اس قدر گھنا تھا کہ شاہان کو درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزرنا مشکل ہوگیا، گھنا جنگل ہونے کی وجہ سے جھاڑیاں آپس میں ملی ہوئی تھی پھر بھی وہ جھاڑیوں اور درختوں کی لٹکتی ہوئی شاخوں کو پرے ہٹاتا مکڑی کے جالوں کو توڑتا آگے بڑھتا گیا۔ اب وہ اسی انتظار میں تھا کہ آواز پھر سنائی دے لیکن وہ آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ جنگل میں سناٹا چھا گیا صرف درختوں کی شاخوں کو پرے ہٹانا اور جھاڑیوں میں سے گزرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

آگے جنگل اور زیادہ گھنا ہوگیا مگر یہاں جھاڑیاں نہیں تھیں لمبی گھاس ضرور اگی ہوئی تھی شاہان کی نگاہ اندھیرے کی عادی ہوگئیں تھیں، وہ درختوں کے تنوں اور گھاس کے مدہم مدہم ناکے سے دیکھ رہا تھا۔

شاہان نے درخت کی ایک لٹکی شاخ کو سامنے سے ہٹایا تو وہ اس کے بازو سے لپٹ گئی یہ اس جزیرے کا سب سے زیادہ زہریلا سانپ تھا، جس کی پھنکار کے ساتھ چنگاریاں نکلتی تھیں، سانپ کے منہ سے چنگاریاں پھوٹ کر شاہان کے منہ پر پڑی شاہان نے دوسرے ہاتھ سے سانپ کو پکڑنے کی کوشش کی تو سانپ نے اس کی کلائی پر ڈس دیا۔ شاہان پر تو زہر کا اثر ہوتا نہیں تھا اس نے سانپ کی گردن مروڑ کر اسے پھینک دیا، آگے جنگل ذرا

کھلا ہوگیا تھا، لیکن درختوں کی شاخیں کافی نیچے نیچے تک لٹک رہی تھیں، راستے میں شاہان پر کئی سانپوں نے حملہ کیا اور اپنی موت آپ مرگئے ایک اژدھے نے تو شاہان کو ثابت نگلنے کی کوشش کی لیکن شاہان نے اسے بھی ہلاک کرکے پھینک دیا۔

جنگل خاموش تھا کسی وقت ایسے لگتا تھا جیسے جنگل آہستہ آہستہ سانس لے رہا ہو۔ چیخ پھر بلند نہیں ہوئی تھی شاہان حیران تھا کہ چیخ بھی سنائی کیوں نہ دی کہ کہیں وہ کسی بدروح کی ہی تو چیخ نہ تھی کیونکہ اس قسم کے ویران جنگلوں میں اکثر بدروحوں کا بسیرا ہوتا ہے شاہان ان سے بھی مقابلہ کرنے کو تیار تھا۔ اچانک شاہان کو اس خاموشی میں آہٹ سنائی دی۔

وہ چلتے چلتے وہیں رک گیا اور کان لگا کر آہٹ کو دوبارہ سننے کی کوشش کرنے لگا تھوڑی دیر بعد وہی آہٹ پھر سنائی دی شاہان کو یوں لگا جیسے کوئی خشک پتوں پر چل رہا ہے شاہان نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔ وہاں آس پاس سوائے گنجان درختوں کے بڑے بڑے سیاہ تنوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

پھر یہ آہٹ کی آواز کس کی تھی۔ شاہان نے سوچا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ بدروح یا عورت جس کی چیخ جنگل میں گونجی تھی چھپ کر اس کا پیچھا کررہی ہو۔

شاہان نے اپنے پیچھے پلٹ کر دیکھا وہاں بھی سوائے درختوں اور اندھیرے کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ اور پھر ایک دم سے شاہان کو ایک سایہ ایک درخت کی اوٹ سے نکل کر دوسرے درخت کی طرف جاتا دکھائی دیا۔

شاہان جلدی سے چھپ گیا اور اندھیرے میں اس سائے کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا جو ایک درخت کے پیچھے چھپ گیا تھا تھوڑی دیر بعد وہ سایہ درخت کی اوٹ سے نکلا اور سوکھے خشک پتوں پر سے گزرتا ایک طرف کو چلا۔

یہ سایہ کسی عورت کا تھا اندھیرے میں بھی شاہان نے دیکھا کہ اس سائے کے لمبے لمبے بال تھے۔ اور جسم پر جھاڑیاں اور پتے لپٹے ہوئے تھے۔ شاہان نے سوچا کہ وہ اس کا پیچھا کرے پر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ کیونکہ وہ سایہ بھی ایک درخت کے پاس جا کر رک گیا تھا شاہان سے سائے کا فاصلہ زیادہ نہ تھا۔ درخت کے پاس جا کر سائے نے پلٹ کر دیکھا۔ اندھیرے میں شاہان کو سائے کا ہلکا سا خاکہ ہی دکھائی دے رہا تھا اسے سوائے دو گہری گہری اور چمکتی آنکھوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔

سایہ کچھ دیر اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ اوپر بڑھا کر درخت کی شاخ پر سے کوئی شے توڑ کر کھانی شروع کردی۔

شاہان کو کھانے کی کچر کچر صاف آواز سنائی دے رہی تھی اسے خیال آیا کہ اس بھید پر سے پردہ ابھی اٹھا دینا چاہئے کہ یہ عورت ہے یا کوئی بدروح۔

آگے بڑھ کر اسے قابو میں کرلینا چاہئے بس شاہان درخت کی اوٹ سے نکلا اس کے پاؤں کے نیچے پتے چرچرائے سائے کے ہاتھ سے درخت کا پھل گر پڑا اس نے چونک کر شاہان کی طرف دیکھا اور ایک خوف ناک آواز حلق سے نکالی اور لپک کر اندھیرے میں گم ہوگیا۔ شاہان نے جلدی سے اس جگہ پر آیا جہاں ایک سیکنڈ پہلے وہ پراسرار سایہ کھڑا تھا۔ گھاس پر درخت کے ادھ کھائے پھل گرے پڑے تھے۔ شاہان نے اندھیری رات میں اردگرد کا سارا جنگل چھان مارا۔ لیکن اس سائے کو تو جیسے زمین نے نگل لیا تھا ناامید ہو کر وہ جنگل سے نکلنے کے لئے واپس ہوا۔ جب وہ جنگل سے باہر آیا تو صبح کی روشنی آسمان کے مشرقی حصے میں ابھرنا شروع ہوگئی تھی۔ گویا پو پھٹ رہی تھی۔ شاہان اپنی پناہ گاہ چٹان کی کھوہ کی طرف چلا تو جنگل کی جانب سے وہی بھیانک اور دردناک آواز پھر سنائی دی۔

شاہان کے قدم اپنے آپ رک گئے لیکن یہ آواز اس بار جنگل میں بہت دور سے آئی تھی۔ شاہان چٹان کے اندر آکر لیٹ گیا اور آواز کے بارے میں سوچنے لگا کہ یہ عورت کون ہوسکتی ہے کہ کیا یہ کوئی بدروح ہے یا سچ مچ کی کوئی اپنے گھر بار سے بچھڑی ہوئی۔ بدنصیب عورت ہے یا کوئی جنگلی عورت ہے لیکن جنگلی عورت کو یوں آدھی آدھی رات کو درد بھری آوازیں نکالنے کی کیا ضرورت تھی۔ شاہان نے اس عورت کا جو اندھیرے میں جو سایہ دیکھا تھا اس

سے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ بدروح نہیں ہوسکتی کیونکہ بدروح کے لمبے لمبے ناخن اور دانت ہوتے ہے اور اس کی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں۔ جبکہ اس عورت کی آنکھوں میں سرخ چمک نہ تھی اور اس کے لمبے دانت بھی نہ تھے۔ شاہان جتنا سوچتا وہ عورت اتنی ہی پراسرار ہوتی جارہی تھی۔

شاہان نے آخر میں یہی فیصلہ کیا کہ وہ دن کی روشنی میں اس پراسرار جنگلی عورت کو تلاش کرے گا اس نے آنکھیں بند کرلیں کچھ دیر شریم اور ناگن کے بارے میں خیال کیا کہ وہ لندن میں کس شدت سے اس کا انتظار کررہے ہوں گے۔ پھر اسے نیند آگئی۔

شاہان سو رہا تھا اور جزیرے پر بادل چھانا شروع ہوگئے یہ کالے کالے بادل تھے جنہیں سمندری ہوائیں دور دور سے اڑائے لئے آرہی تھیں۔ بادلوں نے ہلکے ہلکے گرجنا شروع کردیا ہوا جزیرے کے درختوں کو جھولا جھلا رہی تھی لیکن ہوا نے طوفان کی شکل اختیار نہ کی تھی شاہان چٹان کے اندر گہری نیند سو رہا تھا۔

ٹھیک اسی وقت ایک بادبانی جہاز جزیرے کے مغربی ساحل پر تھوڑی دور آکر رک گیا۔ یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز تھا جس کا کپتان کیپٹن نٹ تھا، بحری ڈاکوؤں کی تاریخ میں کیپٹن نٹ کو خونی کپتان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ظالم شخص چنگیز خان اور ہلاکو خان سے زیادہ سنگ دل تھا کسی شخص کو قتل کردینا اس کے لئے بڑی معمولی بات تھی اس کے دل میں رحم کے لئے کوئی جگہ نہ تھی اس کی عمر پچاس سال تھی اور وہ ہزاروں انسانوں کا خون کرچکا تھا۔

اس کا قد چھوٹا شانے چوڑے اور داڑھی بھری بھری گنجان تھی کانوں میں سونے کی مندراں پہنتا تھا سر پر نیلی ٹوپی رکھتا تھا ماتھے اور گالوں پر زخموں کے نشان تھے۔ اس کا ہاتھ ہمیشہ تلوار کے دستے پر رہتا تھا چھ مہینے تک سمندر میں تجارتی اور مسافروں کے جہازوں کو لوٹنے کے بعد وہ سونے اور جواہرات سے بھرے ہوئے سونے چاندی کے بھرے ہوئے چار صندوق لے کر جزیرے پر آیا تھا۔

اس زمانے کے بحری ڈاکوؤں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ لوٹ مار کا مال کچھ خرچ کرتے کچھ جہاز کے ڈاکوؤں میں بانٹ دیتے لیکن جواہرات ہیرے موتی اور سونے کے سکے صندوقوں میں بند کرکے کسی ویران جزیرے پر آجاتے۔ یہ جہاز کے کپتان کا حصہ ہوتا تھا کپتان دو چار ڈاکوؤں کے سروں پر صندوق رکھوا کر جزیرے کے کسی دشوار گزار حصے میں آکر ان سے زمین کھدواتا اور گڑھے میں خزانے کے صندوق رکھواتا۔ اور جب ساتھ آئے ہوئے ڈاکو گڑھے میں مٹی ڈال چکے ہوتے تو کپتان بڑی مکاری کے ساتھ انہیں گولی مار کر ہلاک کرڈالتا تاکہ وہ زندہ رہ کر اس کے خزانے کا راز کسی کو نہ بتا سکے۔

اس کے بعد ڈاکو کپتان خزانے کا گڑھا پر کرکے اوپر گھاس ڈالتا اور اس پر کوئی نا ہی نشانی رکھتا تاکہ جب کبھی وہ آئے تو اسے خزانے کا پتہ چل سکے۔ جہاز پر واپس آکر وہ خزانے اور جزیرے کا ایک نقشہ بنا کر اسے اپنی وردی کی اندرونی والی جیب میں سنبھال کر رکھ لیتا تھا۔ اور یہی وہ خزانے کا نقشہ ہوتا تھا اس کو حاصل کرنے کے لئے اس زمانے کے لوگ ایک دوسرے کو قتل کردیتے تھے یہ نقشہ بحری کپتان کی موت تک اس کے ساتھ رہتا تھا مرتے وقت بحری کپتان اس نقشے کو یا جلا ڈالتا تھا یا سمندر میں پھینک دیا کرتا تھا کیونکہ لوٹ مار کے خزانے کو وہ کسی ملک میں نہیں لے جاسکتے تھے اسی طرح سے اس کو گرفتار کرکے اس پر مقدمہ ہوسکتا تھا۔

یہ انجام ہوتا تھا ان بحری ڈاکوؤں کا بہرحال سردار نٹ کا یہ بحری جہاز تھا جو دن نکلتے ہی جزیرے کے مغربی ساحل پر آن لگا تھا۔ اس پر انسانی کھوپڑی کے نشان والا کالا جھنڈا لہرا رہا تھا اور بحری ڈاکو اپنے اپنے کام میں مصروف عمل تھے۔ خونخوار کیپٹن نٹ ایک چھوٹی سی کشتی پر خزانے کے دونوں صندوق لادے ساحل پر آگیا۔

اس کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے ہاتھ میں پھولی ہوئی بر جس کی پٹی تھی۔ جہاں اس کا بھرا ہوا پستول جھول رہا تھا وہ چاروں ڈاکوؤں کے سروں پر خزانے کے صندوق اٹھوا کر جزیرے کے جنگل میں داخل ہوگیا۔

دوسری طرف شاہان کی بھی آنکھ کھل گئی تھی وہ کبھی اتنی دیر تک نہ سویا تھا شاید اس کے کبھی نہ تھکنے والے جسم کو

آج آرام کی ضرورت تھی۔ چٹان کی کھوہ میں سے سورج کی کرنیں اس کی آنکھوں پر پڑیں تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ کھوہ سے باہر نکل آیا اور پراسرار سائے اور بھیانک چیخ والی عورت کی تلاش میں جنگل میں داخل ہوگیا شاہان جنگل کے مشرقی حصے کی جانب تھا۔ اور بحری ڈاکوؤں کا سردار جزیرے کے مغربی جنگل میں آگے بڑھ رہا تھا دونوں ڈاکوؤں خزانے کے دونوں صندوق اٹھائے آگے آگے جارہے تھے ایک ڈاکو تلوار سے جھاڑیاں اور درختوں کی لٹکتی ہوئی شاخیں کاٹ کر صاف کرتا جاتا تھا کیپٹن نٹ پیچھے تھا اور اپنے بھاری بھرکم جسم کو ریچھ کی طرح لہرا کر چل رہا تھا اس کے خونی چہرے پر ایک مکروہ سازش جھلک رہی تھی جنگل میں دور ایک ٹیلے کی اوٹ میں پہنچ کر سردار نے رکنے کا اشارہ کیا۔

تلوار والا ہاتھ اٹھا کر اس نے غرا کر کہا۔ ''بس اس جگہ زمین کھودو۔'' تینوں ڈاکو زمین کھودنے لگے نٹ پاس ہی ایک پتھر پر جھاڑی کے پاس بیٹھ کر پائپ پینے لگا وہ ایک ہاتھ کی انگلیاں پستول کے دستے بجا رہا تھا دوسرا ہاتھ تلوار کے قبضے میں تھا اس کی جیب میں ایک دوسرا پستول بھی تھا جو اس نے خفیہ رکھا ہوا تھا۔ جب خزانے کا گڑھا کھد گیا تو نٹ نے حکم دیا کہ خزانے کے صندوق دفن کردیئے جائیں۔ ڈاکوؤں نے اسی وقت دونوں صندوق گڑھے میں اتارے اور اوپر مٹی ڈالنی شروع کردی دو ڈاکو گڑھے کے اندر تھے اور تیسرا ڈاکو گڑھے کے باہر کھڑا پھاوڑے سے اندر مٹی پھینک رہا تھا۔ نٹ گڑھے کے اوپر کنارے پر کھڑا ہوگیا اس کا دوسرا ہاتھ جیب میں گیا جب وہ جیب سے باہر نکلا تو ایک پستول اس کے ہاتھ میں تھا نٹ نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔ اب تم بھی خزانے کے پاس جاکر آرام کرو۔ اور گڑھے کے اندر صندوقوں پر مٹی ڈالتے ڈاکوؤں پر فائر کھول دیئے۔

پستول کے دھماکوں سے سارا جنگل گونج اٹھا اور درختوں پر بیٹھے ہوئے سفید پرندے پھڑپھڑا کر اڑ گئے۔ دھماکوں کی آواز شاہان نے بھی سنی وہ پراسرار بدروح کی تلاش چھوڑ کر جدھر سے دھماکوں کی آواز آئی تھی ادھر کو چل پڑا ایک ڈاکو جو باہر کھڑا تھا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا اسے معلوم ہوچکا تھا کہ خونی نٹ اسے بھی زندہ نہ چھوڑے گا نٹ کے دونوں پستول خالی ہوچکے تھے وہ تلوار کے ساتھ اس پر حملہ کردیا دوسرے ڈاکو کے پاس کچھ بھی نہ تھا بس ایک پھاوڑا تھا جس وہ گڑھے میں مٹی ڈال رہا تھا اس نے پھاوڑا وہیں پھینکا اور جنگل کے درختوں کی طرف بھاگا۔ نٹ غراتے ہوئے اس کی طرف بھاگا لیکن ڈاکو درختوں میں گم ہوچکا تھا۔ نٹ نے پاگل ریچھ کی طرح غراتے ہوئے اسے بہت تلاش کیا لیکن وہ ڈاکو اپنی جان بچانے کے لئے کہاں سے کہاں نکل گیا تھا۔ نٹ ہر حالت میں اسے تلاش کرکے قتل کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کو معلوم ہوگیا تھا کہ خزانہ کس جگہ پر دفن ہے۔

اس نے جنگل کا کونہ کونہ چھان مارا مگر ڈاکو کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر خونی نٹ یہ سوچ کر جہاز پر واپس آگیا کہ بھاگتے ہوئے ڈاکوؤں کو وہ اگلے روز تلاش کرے گا۔

جہاز پر کپتان اپنے ساتھی ڈاکوؤں کے بغیر آیا تو کسی ڈاکو نے نہ پوچھا کہ ان کے ساتھی کہاں ہے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ خونی کپتان نے انہیں قتل کردیا ہے تاکہ خزانے کا راز راز ہی رہے۔ شاہان نے بھی مغربی علاقہ سارا چھان مارا اسے بھی کوئی سراغ نہ ملا کہ پستول کے دھماکے کہاں ہوئے تھے ایک جگہ فضا میں اسے بارود کی بو محسوس ہوئی تھی وہ رک گیا اور جنگل میں چاروں طرف دیکھنے لگا جس جگہ خزانہ دفن تھا شاہان کے قریب ہی پہاڑی کی اوٹ تھی مگر خونی کپتان نے وہاں اتنی ہوشیاری سے گھاس اور پتے ڈال دیئے تھے کہ کسی کو معلوم ہی نہ ہوسکتا تھا کہ یہاں کسی نے زمین کھودی ہے شاہان ابھی تک جنگل کے اندر ہی تھا اگر وہ تھوڑی دیر کے لئے باہر نکلتا تو اسے سمندر میں کھڑا ڈاکو کا بحری جہاز صاف نظر آجاتا۔ مگر اس کے تو وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ اس جنگل میں ایک خونی ڈرامہ کھیلا جاچکا ہے۔ اور بحری ڈاکوؤں کا جہاز سمندر میں لنگر ڈالے کھڑا ہے۔

شاہان نے پستول کے دھماکوں کا خیال چھوڑ دیا

اور پراسرار عورت کی تلاش دوبارہ شروع کردی۔ وہ جنگل کے مشرقی ساحل کی طرف آگیا۔ اور اس نے وہ جگہ دیکھی جہاں رات کو اسے عورت کا پراسرار سایہ نظر آیا تھا یہاں زمین پر درخت کے ادھ کھائے پھل ابھی تک پڑے ہوئے تھے۔

اس نے ایک پھل اٹھا کر دیکھا کہ یہ کچے امرود کی طرح کا پھل تھا جس پر عورت کے دانتوں کا نشان تھا یہ نشان کسی بدروح یا ڈائن کے دانت کا نہیں بلکہ انسانی عورت کے دانتوں کے نشان تھے۔ شاہان کو یہ آس تھی کہ یہ عورت ہے اور انسان ہے کوئی جن بھوت نہیں ہے۔ اب سوال یہ تھا کہ یہ عورت اس ویران جزیرے میں کہاں سے آگئی تھی ہوسکتا ہے کہ کبھی کوئی بحری جہاز اس جزیرے کے قریب طوفان میں گھر کر غرق ہوگیا ہو۔ اور یہ عورت کسی نہ کسی طرح تیر کر اس جزیرے میں پہنچ گئی ہو اور تب سے لے کر آج تک اسی جزیرے میں بے بسی کی زندگی بسر کررہی ہو۔

شاہان کے نزدیک اب اس عورت کو ڈھونڈنا اور بھی ضروری ہوگیا تھا کیونکہ پھل پر دانتوں کے نشان سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی عورت ہے اور خدا جانے کب سے اس اجاڑ آدم خور جزیرے میں قید کی زندگی بسر کررہی ہے شاہان اس درختوں میں چلا گیا جہاں رات کو وہ پراسرار عورت غائب ہوگئی تھی اس نے زمین پر عورت کے پاؤں تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن زمین پر گھاس اور جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں پاؤں کے نشان وہاں نہیں ٹھہر سکتے تھے۔

وہ درختوں میں گھومنے لگا۔ یہ درخت بڑے ہی گنجان تھے۔ اور اس کی شاخیں ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی تھیں کئی جگہوں پر سبز رنگ کے سانپ لٹک رہے تھے شاہان ان سانپوں کے درمیان میں سے بھی گزر گیا۔ کچھ سانپوں نے شاہان کو ڈس بھی لیا۔ مگر شاہان پر تو زہر کا اثر ہوتا ہی نہیں تھا۔

اسی طرح پراسرار عورت کو تلاش کرتے کرتے شاہان جزیرے کے جنوبی ساحل پر نکل آیا۔

یہ ساحل بھی اجاڑ اور ویران پڑا تھا کم بخت یہاں آدم خور جنگلی بھی نہیں تھے ایسا لگتا تھا کہ یہاں کبھی کسی انسان نے قدم نہیں رکھا تھا کوئی جنگلی جانور بھی شاہان کو ابھی تک نہیں ملا تھا۔

خدا جانے کے یہاں کے جنگلی جانور کہاں بھاگ گئے تھے اس نے سوچا کہ واپس چلا جائے تیسرے پہر پھر تلاش شروع کی جائے۔ شاہان واپس ہونے ہی لگا تھا کہ زمین نے ہلنا شروع کردیا وہ اپنی جگہ پر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ درختوں کے پرندے پھڑپھڑا کر اڑ گئے درخت کانپ رہے تھے یہ زلزلہ تھا زمین اب دائیں سے بائیں ہل رہی تھی اس کے ساتھ ہی ایک قیامت خیز گرج فضاء میں بلند ہوئی اور ایک زبردست دھماکے کے ساتھ جزیرے کا آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا۔

شاہان بھاگ کر جنگل سے دور ساحل سمندر کے پاس آگیا کہ دور سے آتش فشاں پہاڑ کو دیکھ سکے۔ اسے موت کا تو کوئی خوف تھا ہی نہیں زمین ابھی تک ہل رہی تھی اور کئی درخت جڑوں سے اکھڑ کر گر پڑے تھے۔ سمندر میں بھی اونچی اونچی موجیں اٹھ اٹھ کر ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا رہی تھی۔

شاہان نے دیکھا کہ پہاڑ کے دہانے سے آگ اور راکھ کا بادل اوپر اٹھ رہا ہے راکھ کا بادل تو اوپر آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچا تھا جبکہ پہاڑ سے گہرے نارنجی اور سرخ رنگ کا دہکتا ہوا لاوا نکل کر بہہ رہا تھا پہاڑ کی ڈھلان پر اگے ہوئے درخت لاوے میں جھلس کر شعلہ بن کر بھڑکتے اور پھر کھولتے ہوئے لاوے میں ڈوب جاتے اس طرف جنگل میں قیامت مچی ہوئی تھی کئی درختوں کو آگ لگ چکی تھی سمندر میں بھی زبردست طوفان آگیا تھا۔

شاہان اسی جگہ ریت پر لیٹ گیا اور خداوند تعالیٰ سے دعا کرنے لگا کہ وہ اپنی مخلوق کے گناہ بخش دے اور انہیں معاف کردے بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر بھی افراتفری مچی ہوئی تھی جہاز کا لنگر ٹوٹ گیا تھا جزیرے کی طرف بڑی تیز ہوا چلنے لگی تھی۔ خونی کپتان کو جان و مال کی فکر پڑی ہوئی تھی اس نے جہاز کے بادبان کھلوا کر جہاز کا رخ کھلے سمندر کی طرف پھیر دیا۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ

جزیرے سے دور ہونا چاہتا تھا کیونکہ جزیرے کے ارد گرد سمندر میں بھیانک طوفان آ گیا تھا۔

زلزلے کے جھٹکے جب کم ہو گئے تھے تو پہاڑ ایک بار دھماکے سے پھٹ کر خاموش ہو گیا تھا لیکن سمندر میں پہاڑ جتنی موجیں ابھی تک اٹھ رہی تھی اور جزیرے کے آتش فشاں والے علاقے میں زبردست آگ لگی ہوئی تھی۔

خونی کپتان جہاز کو بڑی تیزی سے جہاز کو طوفان اور آگ کے سمندر سے نکال کر جزیرے سے کافی دور کھلے سمندر میں لے گیا یہاں سے جزیرہ ایک سیاہ دھبے کی شکل میں نظر آ رہا تھا جہاں آگ کی ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

کپتان نے اپنے ڈاکوؤں کو حکم دیا۔ "ابھی کچھ روز ہم اسی جگہ ٹھہریں گے۔ تم لوگ آرام کرو۔" ڈاکو آرام کا سن کر بڑے خوش ہو گئے، خونی کپتان جزیرے میں بھاگے ہوئے ڈاکو کو ہلاک کئے بغیر وہاں سے نہیں جانا چاہتا تھا۔

جزیرے پر پھر بادل چھا گئے اور بارش شروع ہو گئی بارش کی وجہ سے جنگل میں لگی ہوئی آگ بجھ گئی اور پہاڑ کی جانب سے اس قسم کی سسکار کی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی ڈال رہا ہو۔

شاہان واپس چٹان کی کھوہ میں آ کر بیٹھ گیا وہ خود بھی بڑا پریشان تھا کہ آخر اس جزیرے سے کس طرح باہر نکل سکے گا اسے نہ شریم اور ناگن کی کوئی خبر تھی اور نہ ہی ان کو شاہان کا کوئی پتہ تھا جزیرے پر آدم خور جنگلی لوگ رہتے ہوتے تو وہ اس کی کشتی لے کر وہاں سے فرار ہو سکتا تھا ویسے تو وہ سمندر میں ہزاروں میل تک تیر سکتا تھا لیکن یہ تو آخری ترکیب تھی اصل میں شاہان پراسرار عورت کا پتہ چلائے بغیر جزیرے سے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ عورت کوئی مصیبت کی ماری ہے اور اسے شاہان کی مدد کی ضرورت ہے جزیرے پر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور بادل زور زور سے گرج رہے تھے سمندر کی طوفانی موجیں اس چٹان سے بھی ٹکرانے لگی تھی جس کے اندر شاہان نے پناہ لے رکھی تھی لیکن اس کی کھوہ چونکہ زمین کی سطح سے کافی اونچی تھی اس لئے اندر تک پانی نہیں آ رہا تھا۔

تیسرے پہر تک بارش ہوتی رہی شام ہو رہی تھی کہ بارش ختم ہو گئی سمندری طوفان بھی رک گیا بادل چھٹ گئے اور نارنجی رنگ کی دھوپ سمندر پر پھیل گئی شاہان چٹان کی کھوہ سے باہر نکل آیا جزیرے کے درخت بارش میں دھل کر چمک رہے تھے اتنی زوردار بارش کے بعد بھی کسی جگہ بھی پانی نہیں کھڑا تھا۔ سارا پانی ریت نے جذب کر لیا تھا۔

شاہان چلتا چلتا ساحل سمندر پر اس جگہ پر آ گیا جہاں وہ پہلی بار سمندر سے نکل کر جزیرے پر آیا تھا یہاں کافی اونچی چٹان کھڑی تھی زلزلے کی وجہ سے اس کا حصہ ٹوٹ کر گرا ہوا تھا شاہان جزیرے کے جنگل کو اونچائی سے دیکھنے کے خیال سے چٹان کے اوپر چڑھ گیا اچانک اس کی نگاہ سمندر پر پڑی تو اس نے ایک کشتی کو دیکھا جو دور سمندر میں آگے بڑھتی ساحل کی طرف آ رہی تھی۔

شاہان کو دور سمندر میں بادبانی جہاز کے ستون نظر آئے وہ جلدی سے چٹان سے نیچے اتر آیا وہ چھپ کر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون لوگ ہے جو کشتی لے کر جزیرے کی طرف آ رہے ہیں شاہان چٹان سے دور جنگل میں آ کر ایک درخت کی اوٹ میں چھپ کر کشتی کو دیکھنے لگا جو آہستہ آہستہ غروب ہوتے سورج کی سنہری روشنی میں ساحل کی قریب آ رہی تھی۔ کشتی میں خونی کپتان بڑی سے نیلی ٹوپی پہنے تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا تھا چار ڈاکو کشتی چلا رہے تھے شاہان نے ان کی شکلیں دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بحری ڈاکو ہے اور جزیرے پر شاید کسی خزانے کی تلاش میں آئے ہیں۔

کیونکہ پرانے سفروں اور مہموں میں وہ اس قسم کے کئی بحری ڈاکوؤں سے نمٹ چکا تھا۔ یہ لوگ جزیروں پر خزانہ دفن کرنے یا خزانہ چوری کرنے اور یا پھل اور میٹھا پانی لینے آتے ہیں۔ ڈاکوؤں نے ریت میں کشتی کھینچ لی خونی کپتان نے جنگل کی طرف تلوار سے اشارہ کیا چاروں ڈاکو کپتان کے پیچھے پیچھے جنگل کی طرف چل پڑے۔

چونکہ ان کے پاس خزانے کا کوئی صندوق نہیں تھا اس لئے شاہان نے یہی نتیجہ نکالا کہ وہ خزانہ دفن کرنے کے

بجائے کسی دفن شدہ خزانے کی تلاش میں آئے ہیں۔

چاروں ڈاکو خونی کپتان کے ساتھ شاہان کے قریب سے گزرے تو شاہان نے ان کی گفتگو سنی۔

ایک ڈاکو کہہ رہا تھا۔ "سردار وہ ہماری تلواروں سے بچ کر نہیں جا سکتا۔" خونی کپتان نے مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر غراتے ہوئے کہا۔

"وہ بچ کر جائے گا بھی کہاں۔ میں اس جنگل کا چپہ چپہ چھان ماروں گا۔" شاہان سمجھ گیا کہ یہ لوگ اپنے کسی ایسے ساتھی کی تلاش میں ہے جو ان کے جہاز سے بھاگ کر اس جزیرے میں آ گیا ہے۔ سوال یہ تھا کہ وہ کیوں بھاگا تھا ضرور اس نے بحری ڈاکوؤں کے کسی قانون کو توڑا ہوگا۔ یا پھر اس نے کپتان کے حکم کو ٹھکرا دیا ہوگا۔ یعنی بغاوت کر دی ہوگی یا پھر اپنے کسی ساتھی کو قتل کر دیا ہوگا۔ شاید یہ مفرور ڈاکو موت کے خوف سے جزیرے پر آیا ہے۔

ڈاکو اپنے کپتان کے ساتھ آگے نکل گئے کچھ پیچھے رہ کر شاہان نے ان کا تعاقب شروع کر دیا ڈاکو اس جزیرے کے عادی لگتے تھے یوں آسانی سے گھنے درختوں میں چلے جا رہے تھے۔ جیسے اس سے پہلے بھی وہاں آ چکے ہوں۔ شاہان ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ ان کی آوازیں بڑی اچھی طرح سے سن سکتا تھا۔

کپتان کہہ رہا تھا۔ "آتش فشاں کے پھٹنے سے بڑا بھاری نقصان ہوا ہے ہمارا جہاز غرق ہونے سے بچ گیا۔" ایک ڈاکو بولا۔

"سردار اگر ہم عین وقت پر جہاز پیچھے نہ لے جاتے تو خطرہ تھا۔" کپتان نے گردن اٹھا کر کہا۔

"میرا نام کیپٹن نش ہے میں بحری ڈاکوؤں کا بادشاہ ہوں سارے سمندروں پر میری حکمرانی ہے۔ میں نے ایسے کئی زلزلے طوفان اور آتش فشاں پہاڑ دیکھے ہیں۔ میرا جہاز غرق نہیں ہو سکتا۔" دوسرے ڈاکوؤں نے کہا۔

"بے شک بے شک سردار آپ سمندر کے بادشاہ ہے۔ لوگ آپ کا نام سن کر کانپ اٹھتے ہیں۔"

شام چھا جانے سے جنگل میں اندھیرا رات سے پہلے ہی اتر آیا تھا بارش کے بعد یہاں بڑا حبس ہو گیا تھا ہوا بالکل نہیں تھی۔ اچانک آگے آگے چلنے والے ڈاکو نے ایک چیخ ماری ایک سرخ سانپ درخت سے چھلانگ لگا کر اس کے اوپر آن گرا تھا۔ اور اسے ڈس لیا تھا کپتان نے تلوار کا وار کر کے سانپ کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ لیکن ڈاکو مر چکا تھا کیونکہ اس جزیرے کے سانپ بے حد زہریلے تھے۔ باقی ڈاکو خوفزدہ ہو گئے ایک نے کہا۔

"سردار میرا خیال ہے کہ رات ہو گئی ہے واپس چلنا چاہئے ہم صبح پھر تلاش شروع کر دیں گے۔" خونی کپتان نے کچھ دیر غور کیا سامنے گھنے درختوں کے درمیان پھیلے ہوئے اندھیرے کو دیکھا جہاں خدا جانے کتنے سانپ ان کی راہ دیکھ رہے تھے پھر پلٹ کر غصے سے بولا۔

"میں اس حرامی کا خون پی جاؤں گا اس کی وجہ سے میرا ایک ساتھی مارا گیا ہے چلو کل صبح پھر اس کی تلاش کریں گے۔"

اور وہ اپنے ساتھی کی لاش اٹھا کر واپس چلے گئے شاہان بھی ان کے پیچھے پیچھے تعاقب کرتا سمندر کے ساحل پر آ گیا۔ یہاں رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور ستاروں کے ننھے ننھے دیپ روشن ہو گئے تھے۔ یہاں آ کر شاہان کو خیال آیا کہ اگر کسی طرح ان ڈاکوؤں کو کشتی پر سے اتارا جائے تو اچھا ہے۔

شاہان کو چاہئے تھا کہ وہ ڈاکوؤں کا پیچھا کرنے کی بجائے ان کی خالی کشتی لے کر جزیرے کی مشرقی ساحل کی طرف جاتا۔

اور کشتی کو جھاڑیوں میں چھپا دیتا۔ یہ کشتی اس کے بڑے کام آ سکتی تھی۔ مگر اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ڈاکو اپنے کپتان کے ساتھ واپس جا چکے تھے اس وقت شاہان کو شریم کی بڑی ہی یاد آئی وہ اگر ہوتا تو بڑی آسانی سے ان ڈاکوؤں کی کشتی میں سوار ہو کر انہیں سمندر میں دھکا دے کر گرا دیتا اور کشتی واپس لے آتا۔ کیونکہ رات اسے تو کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ جبکہ شاہان کو وہ لوگ دیکھ سکتے تھے ویسے شاہان ان لوگوں کو مار کر ہی کشتی پر قبضہ کر سکتا تھا لیکن وہ محض ایک کشتی کی خاطر تین انسانوں کا ناحق خون

نہیں کرنا چاہتا تھا ہاں اگر معاملہ زیادہ سنگین ہو جاتا تو وہ ایسا بھی کرسکتا تھا۔

مگر شاہان کے خیال میں ابھی ایسا وقت نہیں آیا تھا۔ ابھی بیڈاکو لوگ جزیرے کے آس پاس ہی تھے۔ کیونکہ انہیں اپنے بھاگے ہوئے ساتھی کی تلاش تھی۔ اور شاہان کو کشتی چرانے کا کیسے موقع مل سکتا تھا بلکہ وہ تو ان کے پورے جہاز پر ہی قبضہ کرسکتا تھا۔ بحری ڈاکوؤں کی کشتی ساحل سمندر پر رات کے پھیلتے ہی اندھیرے میں دور ہوتی جارہی تھی۔

دور کافی فاصلے پر سمندر میں بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر شمع کی روشنی ہو رہی تھی۔ کشتی جب شاہان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو وہ واپسی اپنی چٹان والی کھوہ میں آکر لیٹ گیا۔ پراسرار عورت اور بھاگے ہوئے ڈاکوؤں کے بارے میں سوچنے لگا یہ دونوں جزیرے کے گنجان جنگل میں ایک دوسرے سے بے خبر کہیں چھپے ہوئے تھے۔ اور شاہان کو ان دونوں کی تلاش تھی جزیرے پر رات گہری ہوتی گئی۔

چاروں طرف موت جیسی خاموشی چھا گئی۔ جزیرے کے جنگل کے درخت کالے سیاہ بھوت بن کر چپ چاپ کھڑے تھے۔ آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے اور تباہی مچانے کے بعد جنگل کی یہ پہلی رات تھی سناٹا پہلے سے کچھ زیادہ ہولناک لگ رہا تھا۔ سارا دن آتش فشاں پہاڑ کا دہانہ بڑبڑاتا رہا۔

رات آنے پر وہ بھی خاموش ہوگیا۔ پراسرار عورت کی بھی دوبارہ چیخ سنائی نہ دی تھی شاہان کو اچانک خیال آیا کہ کہیں وہ لاوے کی آگ میں جل کر ہلاک نہ ہوگئی ہو۔

لیکن شاہان کا دل نہیں مانتا تھا اس کا دل بار بار یہی گواہی دے رہا تھا کہ وہ عورت زندہ ہے اور اس جنگل میں کسی جگہ چھپی ہوئی ہے یہی سوچتے سوچتے شاہان کی آنکھ لگ گئی رات گزرتی چلی گئی لہروں کا شور بھی مدھم ہوگیا آسمان پر ستارے خاموشی سے ٹمٹما رہے تھے۔ جزیرے پر قبرستان کی راتوں ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہوا بالکل بند تھی درختوں پر بالکل کوئی پتہ نہیں ہل رہا تھا۔ اس ہیبت ناک سناٹے اور اندھیرے میں ایک سایہ جنگل سے نکلا اور ساحل سمندر کی طرف بڑھنے لگا۔ اس سائے کے بال لمبے لمبے اور کھلے تھے۔ سایہ چٹان کے پاس آکر رک گیا اس نے منہ آسمان کی طرف اٹھایا۔ پھر دونوں ہاتھ یوں پھیلائے جیسے آسمان سے گزرنے والی کسی شے کو آغوش میں لینا چاہتی ہو۔

سایہ چٹان کی طرف بڑھا۔ شاہان گہری نیند سو رہا تھا کہ اسے اپنے منہ پر کسی کا گرم گرم سانس ٹکراتا محسوس ہوا۔ پھر اس نے اپنے ماتھے پر کسی انسان کے کھردرے ہاتھ کا لمس محسوس کیا اس نے آنکھیں کھول دیں لمبے لمبے کھلے بالوں والا سایہ چھلانگ لگا کر اس کی کھوہ سے باہر کود گیا۔ شاہان نے بھی لپک کر اس کے پیچھے بھاگا۔ رات کے اندھیرے میں اس نے گیلی ریت پر ایک سائے کو جنگل میں جاتا دیکھا۔ اس کے لمبے بال لہرا رہے تھے یہ وہ ہی پراسرار عورت تھی جس کی تلاش میں شاہان اس جزیرے میں بیٹھا تھا۔ شاہان اس کے پیچھے بھاگا مگر عورت جنگل کے گھنے درختوں میں پھیلے رات کے اندھیرے میں گم ہو چکی تھی۔ اتنے گنجان اور تاریک جنگل میں اس عورت کو تلاش کرنا اگرچہ بے سود تھا۔ مگر شاہان نے ہمت نہ ہاری اور جنگل میں داخل ہوگیا۔

میں اس وقت جنگل میں سے پراسرار عورت کی ہولناک چیخ بلند ہوئی۔ جس نے جزیرے کی بھیانک رات کو اور زیادہ بھیانک بنا دیا۔ اس چیخ کی آواز کو سن کر بحری ڈاکو جو اپنی جان بچا کر بھاگا تھا کانپ اٹھا وہ ایک سخت دل بحری ڈاکو تھا۔ اور نہ جانے اس نے کتنے بے گناہ انسانوں کا خون بہایا تھا لیکن جنگل میں آدھی رات کو ایک عورت کی ڈراؤنی چیخ سن کر اس کے بدن میں بھی لرزا طاری ہوگیا۔

وہ جنگل کے بیچ میں ایک اونچے درخت کی گھنی شاخوں میں چھپ کر بیٹھا ہوا تھا جب آتش فشاں پہاڑ پھٹا تو زلزلہ آیا تو بھی وہ اس درخت کے ساتھ چمٹا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ کپتان اس کی جان نہیں چھوڑے گا اور جزیرے میں اسے تلاش کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔ اس لیے درخت کی سب سے بلند شاخ پر چڑھ کر دور سمندر میں

کھڑے اپنے جہاز کو بھی دیکھ لیا تھا جب تک یہ جہاز سمندر میں کھڑا تھا اس کی جان خطرے میں تھی۔

شاہان جنگل میں درختوں کے بیچ سے ہو کر چلا جارہا تھا۔ آج اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ اس عورت کو ڈھونڈ کر ہی رہے گا۔ اندھیرا تھا رات کافی گزر چکی تھی جنگل میں ہو کا عالم تھا۔ مگر شاہان بے خوف ہو کر آگے بڑھ رہا تھا آخر وہ ایک ایسی جگہ گھنی جھاڑیوں کے پاس پہنچ گیا جہاں اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی جانور تالاب میں سے پانی پی رہا ہو۔

شاہان آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا اس کی چھٹی حس نے کسی بات سے اسے خبردار کردیا تھا۔ وہ بے حد پاؤں جھاڑیوں کے قریب سے گزر کر آگے آگیا۔ اس نے اپنا سر شانوں سے باہر نکال کر دیکھا۔

وہاں ایک چھوٹا سا پانی کا تالاب بنا ہوا تھا۔ اور وہ پراسرار عورت کا سایہ اس تالاب پر جھکا چلو میں پانی ڈال ڈال کر پی رہا تھا۔ شاہان اب اس عورت کو بھاگنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

اس کا شکار اس کے سامنے چند فٹ کے فاصلے پر تھا۔ شاہان نے اپنے جسم کو سکیڑا ہوا سا پیچھے کو کیا اور پھر ایکدم سے اچھلا اور لمبی دس فٹ چھلانگ لگا کر اس پانی پیتے پراسرار سائے کے اوپر آن گرا گرتے ہی اس نے اس عورت کو اپنی گرفت میں دبوچ لیا۔ وہ ایک نوجوان اور طاقتور عورت تھی جس کے ناخن جانوروں کی طرح بڑھے ہوئے تھے اس کے سارے جسم پر جھاڑیاں اور پتے لپٹے ہوئے تھے۔ اندھیرے میں اس کی آنکھوں سے وحشت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں عورت نے جب اپنے آپ کو ایک اجنبی اور طاقتور انسان کی گرفت میں دیکھا تو بڑی تلملائی اس کے حلق سے وہی بھیانک چیخ نکلی جس نے جنگل کی فضا کو بے حد ڈراؤنا بنا رکھا تھا۔

لیکن شاہان پر اس چیخ کا کوئی اثر نہ ہوسکا تھا عورت اس کے قابو میں تھی وہ حلق سے عجیب ڈراؤنی آواز نکال کر جیسے شاہان کو خوف زدہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ اپنے پنجوں سے وہ شاہان کا منہ نوچ رہی تھی مگر شاہان کے جسم پر ہلکی سی خراش بھی نہیں آرہی تھی شاہان نے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر لے جا کر جھاڑی کی رسی بنا کر باندھ دیئے۔ اور پھر اس کی طرف اندھیرے میں غور سے دیکھا۔ عورت کا رنگ سانولا پڑ گیا تھا لیکن معلوم ہوتا تھا کہ کبھی گورا ہوگا چہرے پر وحشت برستی تھی۔ اور وہ زخمی لومڑی کی طرح شاہان پر غرا رہی تھی۔

جب اس عورت کی ہر ترکیب ناکام ہوگئی تو اس نے سر جھکا دیا شاہان نے اس سے پوچھا۔ "تم کون ہو اور یہاں کیسے آگئی۔" عورت نے بہت سہمی ہوئی دھیمی سی آواز میں کہا۔ "میں بغداد شہر کی رہنے والی ہو میرا نام عمارہ ہے۔"

شاہان نے کہا۔ "میرا نام شاہان ہے میں مصر کا رہنے والا ہوں۔" اپنی بات کا جواب سن کر اس عورت کے چہرے پر خوشی کی ایک لہری دوڑ گئی وہ ذرا سی مسکرائی اور اندھیرے میں اس کے سفید دانت موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم میرے عرب بھائی نکلے۔ میں کسی غیر آدمی کو اپنے دل کا حال نہیں بتا سکتی تھی میں تمہیں ڈرا کر یہاں سے بھگا دینا چاہتی تھی تا کہ میں محفوظ رہوں۔ لیکن تم نے مجھ پر قابو پالیا تم ایک بہادر بھائی ہو۔ تم یہاں کیسے آگئے۔"

شاہان نے کہا۔ "پہلے تم بتاؤ کہ تم بغداد سے اس اجاڑ اور بھیانک جزیرے پر کیسے آگئی۔"

عمارہ نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "یہ کہانی میں تمہیں اپنے جھونپڑی میں چل کر سناؤں گی۔" شاہان نے اپنی جیکٹ اتار کر عمارہ کو دی تا کہ وہ پہن لے عمارہ نے جیکٹ پہن لی۔ اور شاہان کو ساتھ لے کر اپنی جھونپڑی کی طرف آگئی اس پراسرار عورت کی جھونپڑی جزیرے کے مشرقی کنارے پر گھنے درختوں کے اوپر بنی ہوئی تھی یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جو درختوں کی مضبوط شاخوں سے بنایا گیا تھا اوپر جانے کے لئے ایک رسی لٹک رہی تھی عمارہ نے شاہان سے کہا۔

"کیا تم اس رسی کو پکڑ کر اوپر چلے جاؤ گے۔"

شاہان نے کہا کہ یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔

پراسرار عورت عمارہ بڑی تیزی سے بالکل ٹارزن کی طرح رسی کو پکڑ کر درخت پر چڑھ گئی۔

جھونپڑی کے دروازے پر کھڑی ہو کر اس نے پیچھے دیکھا شاہان بھی اسی تیزی سے اوپر چڑھا آرہا تھا۔

''کیا تم پہلے بھی جنگل میں رہے ہوں۔''

عمارہ بولی۔

''یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے۔ تم سن کر کیا کروں گی۔'' شاہان بولا۔

''پہلے یہ بات کہ جب آتش فشاں پہاڑ پھٹا تو تم کہاں تھیں۔''

عمارہ نے کہا۔'' میں ڈری اور سہمی ہوئی اسی اپنی جھونپڑی میں چھپی رہی۔

شاہان نے پوچھا۔'' کیا تمہیں اس جزیرے میں ڈر نہیں لگتا تھا۔

عمارہ نے جھونپڑی میں دیا روشن کردیا۔ اس کی روشنی بڑی دھیمی تھی اس دھیمی روشنی میں شاہان نے دیکھا کہ عمارہ کا چہرہ وحشی ہونے کے باوجود بڑا بھولا بھالا تھا۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال ہوگی۔

عمارہ نے کہا۔'' میں اس جنگل میں سات برس سے رہ رہی ہوں۔ میں دس گیارہ برس کی ہوگی کہ میرا باپ جو کہ بغداد کا مشہور تاجر تھا ہمارے سارے گھر والوں کو لے کر ایک بادبانی جہاز میں اندلس کی طرف روانہ ہوا جہاں ہماری ایک خالہ رہتی تھی جہاز دس روز سمندر میں سفر کرتا رہا میں بڑی خوش تھی۔ دن بھر جہاز کے ڈیک پر چہکتی پھرتی رہتی ایک دن شام ہو چکی تھی سمندر میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا میں اپنے امی اور ابو کو اپنے کیبن میں چھوڑ کر چپکے سے سیر کرنے اوپر ڈیک پر آگئی اس روز بڑی تیز ہوائیں چل رہی تھی۔ ڈیک پر کوئی بھی نہ تھا کیونکہ سردی بھی کافی تھی میری بدقسمتی کہ میں جہاز کے لکڑی کے جنگلے کے پاس آکر سمندر کا نظارہ کرنے لگی آسمان پر تارے نکل آئے تھے ہوا میں میرے کپڑے پھڑ پھڑا رہے تھے پھر مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہوا کہ ایک جھونکے نے مجھے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا جہاز میں کسی کو خبر نہ ہو سکی کسی نے مجھے سمندر میں گرتے نہیں دیکھا تھا میں نے پانی میں گرتے ہی چیخنا شروع کردیا شور مچایا مگر تیز ہوا میں ابھرتی لہروں نے مجھے جہاز سے بہت دور کردیا۔ میں سمندر کے نیچے چلی گئی مجھے غوطہ آگیا اور میں بے ہوش ہوگئی اور جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک بہت بڑی مچھلی کے اوپر لیٹی تھی یہ ڈولفن مچھلی اور مچھلی سمندر میں تیرتی چلی جا رہی تھی جو سمندر میں گرے ہوئے لوگوں کو اکثر بچا لیتی ہے اور اپنے اوپر بیٹھا کر کسی نہ کسی ساحل پر پہنچا دیتی ہے۔ ڈولفن مچھلی مجھے لے کر سمندر میں تیرتی رہی۔ رات گزر گئی دن نکل آیا ڈولفن مچھلی کو سمندر کے سارے راستوں کا پتہ تھا اس نے مجھے دوپہر کے وقت اس جزیرے پر لا کر پھینک دیا۔ ڈولفن مچھلی نے مجھے آخری بار دیکھا اور پھر سمندر میں اتر کر تیرتی ہوئی میری نظروں سے غائب ہوگئی میں اس جزیرے پر اکیلی نڈھال پڑی تھیں مجھے اپنے ماں باپ سے بچھڑنے کا بہت ہی غم تھا اور یہ بھی ایک صدمہ تھا کہ وہ مجھے اپنی طرف سے مار ہی بیٹھے ہوں گے۔ مجھے سخت بھوک اور پیاس لگ رہی تھی آخر تھک ہار کر اٹھی اور اس جنگل میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوگئی پانی اور کھانے کو کچھ پھل تلاش کرنے لگی ایک جگہ مجھے پانی کا تالاب نظر آیا۔ میں نے پانی پیا تو میری جان میں جان آگئی۔ پھر ایک درخت کا پھل توڑ کر کھایا بس وہ دن ہے اور آج کا دن میں سات برس سے اس جزیرے میں رہ رہی ہوں۔''

''اس دوران میں، میں نے سوائے تمہارے کسی انسان کی شکل نہیں دیکھی تم مجھے پہلے روز ہی نظر آگئے تھے کیونکہ میں راتوں کو جنگل میں پھرا کرتی تھی میں نے تمہیں ڈاکو سمجھ کر ڈرانے کی کوشش کی تھی لیکن تم نہ ڈرے اور آخر مجھے اس جزیرے پر ہی ایک پیارا اور بہادر بھائی مل گیا۔ بس یہ ہے میری داستان غم۔'' اب تم بتاؤ کہ تم اس جزیرے پر کس طرح پہنچے۔''

عمارہ کی کہانی بڑی دردناک تھی اس کے ماں باپ بغداد میں اس کی موت کا ماتم بھی کر چکے ہوں گے شاہان نے سوچا کہ اس نے اچھا کیا کہ اس عورت کی تلاش جاری رکھی اب وہ اسے کسی نہ کسی طرح اس جزیرے سے نکال کر اس کے ماں باپ کے پاس ضرور پہنچائے گا۔ اپنی کہانی کے بارے میں شاہان نے عمارہ کو بتایا کہ وہ مصر سے صرف ایک جہاز میں سفر کر رہا تھا کہ جہاز غرق ہوگیا اور وہ ایک تختے پر بیٹھ کر یہاں تک پہنچ گیا۔

شاہان نے رات کا باقی حصہ درخت کے اوپر ہی بسر کیا صبح اٹھ کر شاہان نے منہ ہاتھ دھویا۔ عمارہ کو بحری ڈاکوؤں کے جہاز کے بارے میں بتایا جو ساحل سے سمندر میں دور کھڑا تھا۔

عمارہ نے کہا۔'' دھماکوں کی آواز میں نے بھی سنی تھی اور میرا یقین ہے کہ بحری ڈاکوؤں کے کپتان اس مفرور ڈاکو کی تلاش میں ہے۔''

عمارہ نے کہا۔'' کہ کیا اس کی تلاش اتنی ہی ضروری تھی کہ کپتان نے یہاں ڈیرہ ڈال دیا ہے۔''

شاہان نے کہا۔'' کہ یہ بات ہمارے لئے بڑی فائدے کی ہے۔ ہم کسی طرح اس جہاز میں بیٹھ کر اس جزیرے سے نجات حاصل کرسکتے ہیں۔''

عمارہ بولی۔'' کہ تم شاید بھول گئے ہو کہ شاہان بھائی کہ یہ ایک خونی بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے اور وہ ہمیں مارنے میں کبھی بھی لحاظ نہ کریں گے۔''

شاہان کے منہ سے نکل گیا۔'' وہ مجھے نہیں مار سکتے سوت میرے......'' پھر وہ اچانک رک گیا۔ اور بات بدل کر کہنے لگا۔

''میرا مطلب ہے کہ میں ان ڈاکوؤں کے جہاز کی ایک کشتی چرانے کی کوشش کروں گا پھر ہم اس کشتی میں بیٹھ کر یہاں سے نکل جائیں گے۔''

عمارہ کہنے لگی۔'' ترکیب اچھی ہے لیکن اس پر عمل بڑا ہی مشکل ہے۔ یہ ڈاکو لوگ بڑے مکار اور بے رحم ہوتے ہیں۔ ان کی کشتی چرانا سانپ کے منہ سے منکا چرانے والی بات ہے۔''

شاہان نے مسکرا کر کہا۔'' میری بہن یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو، ہو سکتا ہے کہ میں کشتی کے بجائے ان ڈاکوؤں کے جہاز پر ہی قبضہ کر کے تمہارے پاس آؤں۔''

عمارہ زور سے ہنس پڑی۔'' تم مذاق بھی خوب کرتے ہو شاہان بھائی مگر یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے ہمیں جلد کوئی ترکیب سوچنی چاہئے کیونکہ اگر یہ ڈاکو جہاز لے کر یہاں سے چلے گئے تو پھر شاید برسوں اس طرف کسی جہاز کا گزر نہ ہوگا۔ اور میرے ساتھ تمہیں بھی باقی عمر اس جزیرے پر بسر کرنی ہوگی۔''

شاہان نے کہا۔'' جب تک وہ مفرور ڈاکو اس جزیرے میں چھپا ہوا ہے یہ لوگ جہاز لے کر یہاں سے نہیں جائیں گے۔''

عمارہ نے پوچھا۔'' کہ آخر یہ کپتان اس مفرور قیدی کے پیچھے کیوں پڑے ہیں۔

شاہان نے کچھ سوچ کر کہا۔'' میرا خیال ہے کہ کپتان نے اس جزیرے پر ضرور کسی نہ کسی جگہ اپنا خزانہ دفن کیا ہوا ہے اور یہ مفرور ڈاکو خزانے کی جگہ جانتا ہے کپتان نے دو ڈاکوؤں کو تو ہلاک کردیئے ہیں اور یہ بھاگ نکلا ہوگا۔''

عمارہ نے کہا۔'' اس کا مطلب یہ ہوا پستول کے جو دو دھماکے سنائی دیئے تھے وہ ان ڈاکوؤں پر کیے گئے تھے۔''

''بالکل ایسا ہی ہوا ہوگا۔'' شاہان بولا۔

عمارہ نے پوچھا۔'' تو پھر ہمیں اب کیا کرنا چاہئے۔''

شاہان نے پوچھا۔'' تم اسی جھونپڑی میں چھپی رہو۔ میں کشتی چرانے کی کوشش کرتا ہوں اور اگر میں کامیاب ہوگیا تو کشتی کو مشرقی ساحل پر چٹان کے پیچھے چھپا کر تمہیں یہاں سے اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور وہ جو ڈاکو اس جنگل میں چھپا ہوا ہے اس کا کیا بنے گا اس کی تم فکر نہ کرو وہ تمہاری جھونپڑی کے پاس نہیں آئے گا وہ جہاں چھپا ہوا ہے وہاں سے بالکل نہیں ہلے گا۔''

شاہان نے عمارہ کو وہیں درخت کے اوپر گھنی شاخوں میں چھپی ہوئی جھونپڑی میں چھوڑا اور خود جنگل سے نکل کر ساحل سمندر کی طرف آگیا۔ دن نکل آیا تھا آسمان صاف تھا دھوپ میں جزیرے کا ساحل چمک رہا تھا دور سمندر میں بحری ڈاکوؤں کی کشتی بھی مفرور ڈاکو کو گرفتار

کرنے بلکہ ہلاک کرنے ساحل کی طرف آرہی تھی۔

شاہان نے سوچ لیا کہ جونہی وہ یہ کشتی چھوڑ کر جنگل میں داخل ہوں گے وہ کشتی اڑا کر لے جائے گا۔

شاہان ذرا فاصلے پر ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہوگیا اور ڈاکوؤں کی کشتی کو ساحل کے قریب آتے دیکھنے لگا۔

کشتی کو دو ڈاکو چلا رہے تھے درمیان میں خونی کپتان ہاتھ میں پستول لئے کھڑا تھا کشتی ساحل پر پہنچ کر رک گئی۔

ڈاکو چھلانگیں لگا کر کشتی سے باہر نکل آئے اور کشتی کو انہوں نے چٹان کے پیچھے ریت پر چھپا دیا اور خود اپنے کپتان کے پیچھے پیچھے چلتے جنگل میں داخل ہوگئے۔

شاہان کے لئے یہ بڑا سنہری موقع تھا جونہی ڈاکو اس کی نظروں سے اوجھل ہوئے وہ درخت کی اوٹ سے نکل کر باہر آ گیا کشتی چٹان کی دوسری جانب ریت پر کھڑی تھی یہ ایک چھوٹی سی کشتی تھی جسے کشتی کے بجائے ڈونگی کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔

کشتی میں بڑی مشکل سے زیادہ آدمی بیٹھ سکتے تھے دو چپو کشتی کے اندر ہی پڑے تھے شاہان کشتی کو بڑے آرام سے کھینچ کر سمندر میں لے آیا۔ لہروں پہ آتے ہی شاہان کشتی میں بیٹھ گیا اور اس نے چپو چلا کر اسے جزیرے کے مشرقی ساحل کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔

بحری ڈاکوؤں کا سردار خونی کپتان جنگل میں داخل ہوتے ہی ایک ہوائی فائر کر دیا جنگل دھماکے سے گونج اٹھا یہ فائر اس نے اس لئے کیا تھا کہ بھاگا ہوا ڈاکو اس فائر سے گھبرا کر اپنی وہ جگہ چھوڑ دے جہاں وہ چھپ کر بیٹھا ہوا ہے مکار کپتان کی یہ ترکیب کامیاب رہی۔ اور وہ بھاگا ہوا ڈاکو جنگل کے اندر جس درخت پر چھپ کر بیٹھا ہوا تھا پستول کے چھرے اتفاق سے اس درخت کے تنوں سے ٹکرا کر انہیں کاٹتے ہوئے نکل گئے تھے وہ سمجھا کہ سردار نے اس کا ٹھکانہ دیکھ لیا ہے۔

وہ جھٹ درخت سے نیچے اتر آیا۔ اور جدھر کو منہ اٹھا ادھر ہی کو بھاگنا شروع کر دیا۔

عمارہ اپنے درخت والے مکان کے نیچے اتر کر تالاب کے پاس کھڑی اپنے بھیگے ہوئے بالوں کو نچوڑ رہی تھی کہ اچانک اس نے جنگل میں کسی کے دوڑنے کی آواز سنی وہ اچھل کر ایک طرف لیٹ گئی۔ اتنے میں مفرور ڈاکو اس کے سر پر پہنچ چکا تھا اس نے اپنا خنجر نکال کر عمارہ کی گردن پر رکھ دیا اور بولا۔

”مجھے اپنی جھونپڑی میں چھپاؤ تم جنگلی عورت ہو جلدی کرو نہیں تو میں تمہیں ابھی قتل کر دوں گا۔“ وہ سمجھ گئی کہ یہ وہی مفرور ڈاکو ہے جس کے بارے میں شاہان نے اسے بتایا تھا۔

عمارہ نے کہا۔”میرے پیچھے پیچھے آؤ یہ خنجر میری گردن سے ہٹالو میں بھاگ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔

“ڈاکو نے خنجر عمارہ کی گردن سے ہٹا کر اس کی کمر کے ساتھ لگا دیا۔

”میں تم پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔“ عمارہ اسے لے کر جھونپڑی میں آ گئی۔ ڈاکو نے اوپر چڑھنے کے بعد رسہ اوپر کھینچ لیا۔ یہ دیکھ کر اسے تسلی ہوگئی کہ جنگلی عورت کی جھونپڑی درختوں میں بڑے مکمل طریقے سے چھپی ہوئی تھی اور درخت کی شاخوں کا ایک حصہ لگتی تھی ڈاکو عمارہ کے سامنے خنجر کھولے بیٹھا کوئی چیز چبا رہا تھا اور بار بار تھوک رہا تھا اس کی آنکھوں میں بڑی خون خواری ٹپک رہی تھی۔

عمارہ نے کہا۔ میں جانتی ہو کہ تم اپنے جہاز سے بھاگے ہوئے ہو اور تمہارا کپتان تمہاری تلاش میں ہے۔ میں ایک آواز نکال کر تمہیں پکڑوا سکتی ہو۔“ ڈاکو نے اٹھ کر پوری طاقت سے عمارہ کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔

عمارہ الٹ کر فرش پر گر پڑی اور اس کے منہ سے خون بہنے لگا ڈاکو غصے سے گرجا۔

”تمہاری ایک آواز نکالنے سے پہلے میرا خنجر تمہارے پیٹ میں ہوگا۔“ پھر اس نے عمارہ کے منہ میں اپنا رومال ٹھونس کر اسے باندھ دیا۔ اور جھونپڑی کے کونے میں ڈال دیا وہ جھونپڑی کی دیوار کی شاخوں میں سے جنگل میں دیکھنے لگا جنگل سنسان تھا کوئی آواز نہ تھی کہیں کسی انسان کے پاؤں کی چاپ تک سنائی نہیں دیتی تھی۔ ڈاکو بڑا خوش

ہوا کہ اسے جنگل میں چھپنے کے لئے بڑی اچھی جگہ مل گئی اس کو خیال آیا کہ یہ عورت اس کی موت کا باعث بن سکتی ہے وہ کسی وقت بھی شور مچا کر سردار کو یا جہاز کے دوسرے ڈاکوؤں کو اپنی طرف بلا سکتی ہے کیوں نہ اس عورت کا کام تمام کر دیا جائے یہ خیال خونخوار ڈاکو کو بڑا اچھا لگا۔ کسی عورت کو قتل کرنا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا اس نے پلٹ کر عمارہ کی طرف دیکھا عمارہ نے بھی ڈاکو کی آنکھوں میں خون اترا ہوا دیکھ لیا تھا اس کے جسم کا خون خوف سے ٹھنڈا پڑ گیا تھا وہ مرنا نہیں چاہتی تھی اسے بھی اپنے ماں باپ سے جا کر ملنا تھا اور انہیں ڈھیر ساری خوشیاں دینی تھی مگر ڈاکو نے خنجر اپنے سیدھے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عمارہ کے منہ میں رومال ٹھونسا ہوا تھا وہ چیخ بھی نہیں سکتی تھی ڈاکو اب ہولے ہولے بڑے مکروہ طریقے سے ہنس رہا تھا۔”کوئی درد نہیں ہوگا میرا ہاتھ بڑا تیز ہے بس ایک پل میں ساری کہانی ختم ہو جائے گی۔“

”تمہیں ہلکا سا ایک جھٹکا لگے گا اور تم اگلی دنیا میں پہنچ جاؤ گی۔“ عمارہ کہنا چاہتی تھی کہ وہ اسے قتل نہ کرے ۔”میں کسی سے کوئی بات نہ کروں گی۔ تم بے شک میری جھونپڑی میں ساری زندگی رہو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔“ مگر وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکتی تھی ڈاکو اس کے بالکل قریب آ کر رک گیا پھر اس نے خنجر والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور عمارہ کی گردن پر وار کرنے ہی والا تھا کہ نیچے سے شاہان نے آواز دی عمارہ، عمارہ کیا تم اوپر ہو ڈاکو کا ہاتھ وہیں رک گیا اس کی خونی آنکھیں جدھر سے آواز آئی تھی ادھر کو گھوم گئی۔ اس نے آہستہ سے پوچھا کون ہے۔

”یہ.....“ لیکن عمارہ کا تو منہ بند تھا۔ وہ کیسے جواب دیتی ڈاکو نے اس کے جواب کا کوئی انتظار نہ کیا اور اوپر سے رسہ نیچے پھینک دیا اور خود جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

شاہان نے اوپر سے رسہ گرتا دیکھا تو بڑا حیران ہوا کہ عمارہ کہاں ہے پھر خیال آیا کہ شاید وہ اس سے ہنسی مذاق کر رہی ہے اور شرارت سے پیچھے چھپ گئی ہے وہ رسے کی مدد سے اوپر چڑھنے لگا جونہی وہ جھونپڑی کے دروازے میں داخل ہوا پیچھے سے ڈاکو نے خنجر کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی اور کہا۔

”خبردار اسی جگہ کھڑے رہو۔ ذرا ہلے تو یہ خنجر تمہارے آر پار کر دوں گا۔“

اب شاہان نے جھونپڑی کی دیوار کے ساتھ رسیوں سے بندھی عمارہ کو دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ بھاگے ہوئے ڈاکو نے جھونپڑی پر قبضہ جما لیا ہے اور اس کے پیچھے خنجر لئے وہی ڈاکو کھڑا ہے شاہان کا بھلا وہ خنجر کیا بگاڑ سکتا تھا یہ تو ڈاکو کی موت اسے وہاں لے آئی تھی۔

لیکن شاہان نے ڈاکو پر اپنی خفیہ طاقت ظاہر نہ کی تھی اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

ڈاکو نے پہلے ہی سے رسی تیار کر رکھی تھی جھٹ شاہان کے ہاتھ پیچھے سے باندھ دیئے اور پھر اسے دھکا دے کر عمارہ کے پاس کر دیا۔

شاہان نے کوئی مقابلہ نہ کیا لڑھک کر عمارہ کے پاس جا گرا۔

عمارہ کو بھی ابھی تک یہ علم نہیں ہوا تھا کہ شاہان کے اندر خفیہ طاقتیں ہے ڈاکو اب ان دونوں کے سامنے جھونپڑی کے فرش پر ٹانگیں پھیلا کر خنجر ہاتھ میں لئے کھڑا ہو گیا۔ اور شاہان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”تم دونوں کی اب جان میرے رحم و کرم پر ہے اس جگہ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔“

”شاہان نے کہا میں جانتا ہوں تم بحری جہاز سے بھاگے ہوئے ڈاکو ہو اور تمہارا کپتان تمہاری تلاش میں ہے۔“ ڈاکو نے طیش میں آ کر کہا۔

”اور اگر تم نے آواز نکال کر کپتان کو بلانے کی کوشش کی تو یہ خنجر میرے ہاتھ سے اچھل کر سیدھا تمہاری گردن میں اتر جائے گا اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔“

شاہان نے جھوٹ موٹ اس کی منتیں کرتے ہوئے کہا۔”میرے بھائی تم جیسا کہو گے ہم ویسا ہی کرے گے ہم منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالیں گے لیکن

میری بہن کے منہ سے کپڑا نکال دو۔" نہ جانے ڈاکو کے دل میں کیا آئی کہ اس نے عمارہ کے منہ میں دیا ہوا رومال باہر کھینچ لیا۔

عمارہ نے یہ حماقت کی کہ حلق سے وہی پراسرار چیخ کی آواز نکالی۔

ابھی آدھی چیخ ہی بلند ہوئی تھی کہ ڈاکو اس پر ٹوٹ پڑا۔ عمارہ کی گردن میں زور سے مکا مارا۔ اور خنجر سے اسے قتل کرنے ہی لگا تھا کہ شاہان نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ کی رسی توڑ ڈالی اور ڈاکو کے سینے پر ایک لات ماری۔ ڈاکو دوسری طرف جا گرا۔ شاہان نے اس کے اوپر چھلانگ لگائی تو چالاک ڈاکو ایک دم نیچے سے نکلا اور خنجر لہرا کر شاہان کے سینے میں گھونپ دیا مگر وہ پریشان ہو گیا کیونکہ اسے ایسا لگا جیسے اس نے کسی پتھر کی سل پر خنجر مار دیا ہو خنجر اس کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گر پڑا وہ کبھی خنجر کو اور کبھی شاہان کو تکنے لگا۔

ڈاکو نے جھٹ اپنے ہاتھ والے ٹوٹے ہوئے خنجر سے شاہان کا نشانہ باندھا اور اسے زور سے اچھال دیا خنجر شاہان کی گردن سے ٹکرا کر دور جا گرا۔

شاہان نے ڈاکو کو گردن سے پکڑا اور ایک ہاتھ سے مردہ چوہے کی طرح اوپر اٹھا لیا۔ ڈاکو اچھا خاصا وزنی اور ہٹا کٹا تھا۔ لیکن شاہان کے ہاتھ میں وہ چوہے کی طرح لٹکا ہوا تھا۔

عمارہ حیران ہو کر شاہان کو تک رہی تھی کہ اس کے بازو میں اس قدر طاقت کہاں سے آ گئی ڈاکو خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔ اسے طاقتور سے طاقتور آدمی نے کبھی اس طرح ایک ہاتھ سے نہیں اٹھایا تھا۔

شاہان نے ڈاکو کو فرش پر کھڑا کر دیا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "تم نے میری بہن کو شاید تھپڑ مارا تھا کیونکہ میں نے اس کے ہونٹوں پر جما ہوا خون دیکھ لیا ہے تمہیں حساب برابر کرنا ہوگا۔" یہ کہہ کر شاہان نے ڈاکو کے گال پر ایک ہلکا سا تھپڑ دے مارا اس تھپڑ میں اتنی طاقت تھی کہ ڈاکو فرش پر دور جا گرا اور اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ شاہان نے اسے گردن سے پکڑ کر اٹھایا اور کہا۔

"میں تمہیں ہلاک بھی کر سکتا تھا تم نے میری طاقت کا اندازہ لگا لیا ہوگا اگر تم نے میری سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جواب دیئے تو میں نہ صرف تمہیں اپنے پاس رکھوں گا بلکہ تمہارے خونی کپتان سے بھی تمہاری جان بچا لوں گا۔ بولو کیا کہتے ہو۔"

ڈاکو شاہان سے خوف کھا گیا تھا بڑی نرم آواز میں اپنے ہونٹوں سے بہتا ہوا خون پونچھ کر بولا۔

"تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" شاہان نے عمارہ کے ہاتھ کی بھی رسیاں کھول دی۔

دونوں ڈاکو کے سامنے بیٹھ گئے۔

شاہان نے پوچھا۔ "پہلے یہ بتاؤ کہ کپتان تمہیں کس لئے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔"

"شاید اس لئے کہ میں نے اپنے ایک ساتھی کو قتل کیا تھا۔"

عمارہ نے کہا۔ "تم اصل بات چھپا رہے ہو۔" شاہان نے کڑک لہجے میں کہا۔

"اگر تم نے سچ بات ہمیں نہیں بتائی تو میں ابھی تمہاری گردن اتار دوں گا۔" شاہان ڈاکو کی طرف بڑھا تو اس نے جھٹ کہا۔

"ٹھہرو...... میں ابھی بتاتا ہوں لیکن ایک شرط پر......"

"کون سی شرط؟" عمارہ نے پوچھا۔

"ڈاکو نے کہا کہ خزانے کی دولت ہم تین حصوں میں تقسیم کر کے آپس میں بانٹ لیں گے۔" شاہان نے تعجب سے پوچھا۔

"کون سا خزانہ۔"

پھر ڈاکو نے بتایا۔ "کپتان نے جزیرے میں خزانہ دفن کیا ہے اور وہ اس کے پیچھے اس لئے لگا ہوا کہ کیونکہ میں اس خزانے کی جگہ سے واقف ہوں۔"

شاہان اب ساری بات سمجھ گیا تھا اس نے عمارہ کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

عمارہ بہن سات برس تک اس جزیرے پر دکھ درد سہنے کے بعد تمہیں تمہارا انعام مل گیا ہے۔ یہ خزانہ تمہارا

ہوگا۔ ڈاکو نے غرا کر کہا۔

"ہم اسے برابر تقسیم کریں گے۔" شاہان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کیوں نہیں، ہم برابر برابر ہی حصہ کریں گے۔"

"اچھا اب یہ بتاؤ کہ یہ جزیرہ کس سمندر میں ہے اور یہاں سے قریب ملک کون سا ہے۔"

ڈاکو بولا۔ "یہ جزیرہ بحرالکاہل ہے اور بحراقیانوس کے سنگم پر واقع ہے۔ اور سب سے قریب ملک افریقہ ہے۔" وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ جنگل میں بہت قریب سے فائر ہوا۔

ڈاکو ایک دم دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ "کپتان پہنچ گیا۔" ڈاکو غصے اور خوف سے دانت کٹکٹانے لگا۔

شاہان نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں اس کپتان کی لاش اسی جنگل میں گدھوں کا نوالہ بنے گی تم لوگ خاموشی سے یہاں بیٹھے رہو میں نیچے جاتا ہوں۔" عمارہ نے چلا کر کہا۔

"نہیں شاہان تم اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالو گے۔" شاہان مسکرایا۔

"کاش میری جان بھی خطرے میں پڑ سکتی۔ اب تو یہ حسرت ہی رہ گئی ہے دل میں۔" اتنا کہہ کر شاہان نے رسہ نیچے لٹکایا اور اتر گیا۔

اس کے نیچے اترتے اترتے کپتان اپنے دونوں ڈاکوؤں کے ساتھ اس کے سر پر پہنچ گیا تھا دونوں ڈاکوؤں نے بھاگ کر شاہان کو اپنے دونوں بازو میں جکڑ لیا۔

کپتان نے بھرا ہوا پستول شاہان کی پیشانی سے لگا کر ریچھ کی آواز میں دھاڑتے ہوئے کہا۔

"ہمارا ڈاکو ساتھی کہاں ہے...... بولو بتاؤ نہیں تو میں گولی چلا کر تمہاری کھوپڑی پاش پاش کر دوں گا۔"

شاہان نے بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے جہاز پر قبضہ کر لوں تو چلا دو گولی پھر...... لیکن اگر تم نے اپنی جان اور جہاز بچانا ہے تو یہ بتاؤ کہ تم نے لوگوں سے لوٹا ہوا خزانہ کہاں رکھا ہے۔" غصے سے کپتان کا منہ لال ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں سے جھاگ نکلنے لگا اس قسم کی بات اس نے کبھی کسی سے نہ سنی تھی۔ یہ اس کی بہت بڑی بے عزتی ہے اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پستول کا گھوڑا دبا دیا اوپر عمارہ یہ سب دیکھ رہی تھی پستول کے دھماکے کے ساتھ ہی اس کی چیخ بلند ہوئی اس کو تو یقین تھا کہ شاہان مر گیا ہے مگر وہاں ایک اور ہی ڈرامہ دیکھنے کو ملا اس ڈرامے نے خونی کپتان دونوں ڈاکوؤں اور عمارہ کو بھی اس قدر حیرت میں گم کر دیا کہ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی کیونکہ شاہان اپنے سر میں پستول کی پوری گولیاں کھانے کے بعد اپنی جگہ پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"احمق کپتان اب تم نے وہ شے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے جو میں تمہیں دکھانا نہیں چاہتا تھا۔" کپتان نے جھٹ تلوار نکالی اور شاہان کے پیٹ پر پوری طاقت سے وار کیا یہ دوسرا حملہ تھا جس کے نتیجے میں وہ سارے کے سارے اور زیادہ حیرت زدہ ہو گئے تلوار شاہان کے پیٹ پر لگی تو ٹن کی آواز پیدا ہوئی اور تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔

شاہان نے سردار کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارا تلوار کا ٹوٹا ہوا حصہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔ شاہان نے کپتان کو تو کچھ نہ کہا لیکن اس کے ساتھی ڈاکوؤں کی گردنیں پکڑ کر انہیں آپس میں اس قدر زور سے ٹکرایا کہ ان کی کھوپڑیاں کھل گئی اور ان کے بھیجے باہر نکل کر بکھر گئے۔ دونوں ڈاکو بے جان لاشوں کی طرح زمین پر گرے ہوئے تھے۔

شاہان اب کھل کر سامنے آ گیا تھا اس نے کپتان سے بلند آواز میں کہا۔ "کیا اب بھی تم زندہ رہنا چاہتے ہو۔" کپتان نے بڑی مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"تم جیت گئے اے نوجوان...... ضرور تمہارے پاس افریقہ کا کالا جادو ہے میں تمہارے آگے ہتھیار ڈالتا ہوں۔ تم میرے خزانے پر قبضہ کر سکتے ہو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے خزانہ کس جگہ دفن کیا ہے۔"

پہلے والا ڈاکو بھی نیچے آ گیا تھا عمارہ بھی نیچے اتر آئی یہ سب لوگ جنگل میں اسی جگہ روانہ ہو گئے جہاں خزانہ دفن تھا خونی کپتان کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا جنگل میں کافی دور سفر کرنے کے بعد جب خونی

کپتان خزانے کے قریب جگہ پر پہنچا تو اچانک آتش فشاں پہاڑ دھاڑ اٹھا۔ ایک بھیانک گرج فضا میں بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی زمین زور زور سے ہلنے لگی زمین کو ایسا جھٹکا لگا کہ وہ سب زمین پر گر پڑے ایک اونچا درخت ٹوٹ کر ان کے اوپر آن گرا۔

شاہان نے عمارہ کو تو پکڑ کر دوسری طرف کر دیا اور وہ کچلا گیا خونی کپتان بچ گیا تھا اس نے یہ موقع غنیمت جانا اور بھاگ کر جنگل میں روپوش ہو گیا۔ شاہان عمارہ کو سنبھال رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ کپتان غائب ہے وہ اس کے پیچھے بھاگنے لگا تو اسے خیال آیا کہ وہ ڈاکو مر رہا ہے جس کو خزانہ کی جگہ کا علم ہے ڈاکو میں کوئی جان باقی نہیں تھی زلزلے کے جھٹکے اب کم ہو گئے تھے آتش فشاں ایک بار پھٹ کر خاموش ہو گیا تھا لیکن اس سے گرنے والے لاوے کو دیکھا اور شاہان نے ڈاکو کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا تھا۔

ڈاکو آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا اور خزانے کا نقشہ بتا رہا تھا۔ شاہان نے اس کے ہونٹوں کے ساتھ اپنے کان لگا دیئے۔ پچاس قدم پہاڑی نیلے پھولوں کی جھاڑ پتھر گول پتھر گول پتھر پھر ایک ہچکی آئی اور ڈاکوؤں کی روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی۔

عمارہ بھی شاہان کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ سخت پریشان تھی۔ زلزلہ نے اس کے حواس گم کر دیئے تھے وہ بار بار شاہان سے کہہ رہی تھی۔

”ہمیں خزانہ نہیں شاہان خدا کے لئے اب یہاں سے نکل چلو اس جزیرے سے نکل چلو۔ یہ جزیرہ غرق ہونے والا ہے شاہان نے کہا اس نے مرتے مرتے خزانے کی کچھ نشانیاں بتائی ہیں۔

”میرے ساتھ آؤ۔ فکر نہ کرو۔ جزیرہ ابھی غرق نہیں ہوگا۔“

وہاں سے شاہان پچاس قدم شمال کو آ گیا آگے ایک چھوٹی سی پہاڑی آ گئی اس کے بائیں جانب نیلے پھولوں والی ایک جھاڑی اگی ہوئی تھی اس کے قریب ہوگا اور اس کے قریب ہی گول گول پتھروں کا ڈھیر پڑا تھا۔

شاہان نے کہا۔ ”یہی وہ جگہ ہے جہاں خزانہ دفن ہے۔“ اس کے ایک جگہ سے پتے ہٹانے پر نیچے سے تازہ کھدی ہوئی مٹی نکل آئی شاہان نے مٹی ہٹانی شروع کر دی نیچے سے ایک گڑھا نکل آیا اور خزانے کے صندوق کا ایک حصہ نظر آیا۔

شاہان نے خوش ہو کر کہا۔ ”عمارہ یہ دیکھو خزانہ۔“ ابھی یہ الفاظ اس کے منہ میں تھے کہ زلزلے کا ایک ایسا جھٹکا آیا کہ شاہان اور عمارہ اچھل کر گڑھے سے دس فٹ دور جا گری۔

ایک خوف ناک آواز کے ساتھ زمین پھٹ گئی اور خزانے کا صندوق ہزاروں فٹ نیچے زمین کے اندر چلا گیا۔ اور اگر شاہان اور عمارہ اس جگہ کھڑے ہوتے تو شاید وہ بھی خزانے کے ساتھ ہی زمین کے اندر دفن ہو جاتے۔

سارے کا سارا جزیرہ جھولے کی طرح ہل رہا تھا عمارہ خوف سے چیخ رہی تھی شاہان نے اسے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور پوری طاقت کے ساتھ جنگل میں درختوں میں سے ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔

بھونچال کے جھٹکے اسے دائیں سے بائیں جھولا جھولا رہے تھے مگر شاہان اپنی طاقت کے ذریعے اپنا توازن ٹھیک رکھے ہوئے بھاگے چلا جا رہا تھا۔ آخر وہ عمارہ کو لے کر جنگل سے باہر نکل آیا۔

سمندر میں بھی طوفان آیا ہوا تھا پہاڑ سے لہریں اٹھ اٹھ کر ساحل سے ٹکرا رہی تھی اور چٹانیں اپنی جگہ سے اٹھ اٹھ کر ہل رہی تھیں جزیرے کے جنوب میں آتش فشاں پہاڑ کے لاوے میں آگ لگی ہوئی تھی یہ آگ سارے جنگل میں پھیل رہی تھی۔

درخت ٹوٹ ٹوٹ کر جڑوں سے اکھڑ کر گر رہے تھے شاہان نے عمارہ کو ریت پر اتار کر کہا۔

”میرے ساتھ بھاگو۔“ وہ شاہان کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگی بھونچال کا زور کم ہوا تھا لیکن آگ بڑی تیزی سے سارے جنگل کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی پہاڑ میں دھما کے ہو رہے تھے اور لاوا کئی کئی ہزار فٹ اچھل کر کھولتا ہوا دہکتا ہوا جنگل کے درختوں پر گر رہا تھا۔

(جاری ہے)

روح کی دوستی

مریم فاطمہ۔ کراچی

رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا مسلط تھا کہ اچانک قبر کے گرد روشنی ہونے لگی اور پھر قبر سے تابوت باہر نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے تابوت کا ڈھکن کھلنے لگا اور پھر تابوت کے اندر سے مجسم لڑکی باہر کو نکلی اور......

ایک خوبرو حسینہ کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد بھی اپنے دوست کا ساتھ دیتی تھی

پیٹر اسکول سے فارغ ہو کر بائیک پر بیٹھا گھر کی طرف جا رہا تھا۔ کانوں میں ہینڈ فری لگائے وہ موسیقی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس کا گھر آ گیا وہ بائیک ایک طرف کھڑی کر کے اندر بڑھنے ہی لگا تھا کہ اپنے سامنے سے ایک لڑکی کو آتے دیکھ کر اس کے قدم رک گئے۔ وہ لڑکی بے پناہ خوب صورت تھی وہ اسکول یونیفارم میں ملبوس تھی اور تھکے تھکے انداز میں چل رہی تھی پیٹر کو وہ لڑکی پہلی نظر میں ہی پسند آ گئی اس نے اس سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا اور وہ اس سے بات کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا۔

”ہیلو تم کہاں جا رہی ہو۔ تمہیں یہاں پہلی بار دیکھا ہے۔ میرا نام پیٹر ہے۔“ اس نے اتنا کہہ کر اس سے مصافحہ کیا۔

”ہیلو میرا نام جینی ہے۔ میں اسکول سے گھر واپس

جارہی ہوں۔" اس لڑکی نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"آؤ میں تمہیں اپنی بائیک پر چھوڑ آؤں تم کافی تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" پیٹر نے کہا تو جینی مسکرانے لگی۔

"شکریہ میں واقعی تھکی ہوئی ہوں۔" اس نے کہا۔

پھر وہ دونوں بائیک پر سوار ہوکر جینی کے بتائے ہوئے راستے پر جانے لگے میں بھی آج کل مصروف ہوتا ہوں۔ ہمارے پیپر شروع ہونے والے ہیں تاں بس پڑھائی پڑھائی اور پڑھائی۔" پیٹر نے کہا۔

"ہاں میرے بھی ایگزامز ہونے والے ہیں، میں بھی تیاری کرکرکے تھک گئی ہوں۔"

"ہاں یہ تو ہے اور پھر والدین بھی ایک منٹ کو فارغ نہیں رہنے دیتے مجھے۔" پیٹر نے کہا۔

"تمام والدین ایسے ہی ہوتے ہیں۔" جینی کھلکھلا کر بولی۔

پیٹر کو اس کی ہنسی بہت پسند آئی یوں لگتا تھا جیسے دور کہیں گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ اس نے فوراً سے سوال داغ دیا۔

"کیا تم شادی شدہ ہو۔"

"نہیں۔" جینی نے حیرت سے جواب دیا۔

"کیوں تمہیں میں شادی شدہ لگتی ہوں؟" اس نے مزید کہا۔

"بالکل نہیں اور ویسے بھی شادی شدہ لڑکیاں بہت بولڈ ہوتی ہیں۔" پیٹر نے خوش ہوکر کہا۔

"ہاں بس یہاں بائیک روک دو۔" جینی نے ایک بے حد پرانے اور ویران قبرستان کے باہر اس سے بائیک رکوالی۔

"لیکن کیوں کیا ہوا۔" پیٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا گھر آ گیا۔" جینی نے مسکرا کر کہا۔

"گھر؟...... یہاں تو قبرستان ہے۔" پیٹر نے حیرت سے کہا۔

"حیران مت ہو۔ میرا گھر قبرستان کے آخر میں ہے۔ وہاں تک جانے کے لئے قبرستان سے گزرنا پڑتا ہے۔" جینی نے بتایا۔

"کیا واقعی؟" پیٹر نے سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں واقعی......" جینی نے پیار سے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر تمہارا سیل نمبر وغیرہ؟" پیٹر نے پوچھا۔

"ہاں بے شک ابھی دیتی ہوں۔" اتنا کہہ کر جینی نے اپنے کندھے سے بیگ اتار کر اس میں سے ایک نوٹ بک نکالی اس کا ایک صفحہ نکال کر اس پر اپنا سیل نمبر لکھ دیا۔

"یہ تو ٹھیک ہے جب دل چاہے مجھے کال کر لینا۔"

"بالکل میں کروں گا۔" پیٹر نے جلدی سے کہا۔

اور نمبر اپنی پینٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

☆......☆......☆

رات کا وقت تھا، ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، پیٹر اپنے لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا اچانک باہر زور سے بجلی کڑکی۔ اور اس کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ پیٹر نے گھبرا کر کھڑکی کی طرف دیکھا وہ تیز ہوا سے کھل گئی تھی۔

اس نے اٹھ کر کھڑکی بند کی تب ہی اسے لگا کہ باہر گلی میں بجلی کے کھمبے کے پاس کوئی کھڑا ہے۔ وہ غور سے دیکھنے لگا۔ جیسے ہی بجلی چمکی تو اس کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ باہر جینی کھڑی ہے۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اتنی تیز بارش میں اس کے گھر کے باہر کھڑی کیا کر رہی ہے۔

اس نے سوچا کہ اسے اندر بلا لیا جائے۔ اس خیال کے تحت وہ جلدی جلدی گھر سے باہر آیا لیکن اب جو اس نے دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا وہ بارش میں بھیگتا ہوا اسے ڈھونڈنے لگا۔

تب ہی اسے ایک طرف شیڈ میں جینی کھڑی نظر آئی۔ وہ جلدی جلدی اس طرف آیا اور پیچھے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہائے جینی۔" اس نے کہا۔ اس نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ جینی کی بجائے کوئی اور لڑکی تھی۔

"سوری میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں۔" اس لڑکی نے حیرت سے کہا۔

"معاف کرنا میں تمہیں کوئی اور سمجھا تھا۔" پیٹر نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

اور واپس گھر کے اندر آ گیا۔ وہ حیران تھا کہ آخر جینی کہاں چلی گئی اسے پورا یقین تھا کہ اس نے جینی کو ہی دیکھا تھا۔ بہرحال وہ اس خیال کو جھٹک کر کپڑے تبدیل کرکے سونے کی غرض سے لیٹ گیا۔

اگلے روز پیٹر اسکول سے گھر لوٹا تو اس خیال سے کہ شاید آج پھر جینی سے ملاقات ہو جائے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا کچھ دیر اس کا انتظار کرنے کے بعد وہ واپس گھر میں جانے لگا ہی تھا کہ سامنے سے جینی تھکی تھکی سی چلتی ہوئی آئی اسے دیکھتے ہی پیٹر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"ہائے جینی کیسی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"بالکل ویسی ہی جیسی تم نے کل مجھے دیکھا تھا۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ہاہاہا......" پیٹر نے قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"اندر آ جاؤ آج تم لنچ میرے ساتھ کر لو۔" پیٹر نے کہا۔

"واقعی تمہاری مام کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا ناں۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں۔" پیٹر نے کہا اور اسے ہاتھ سے کھینچتا ہوا اندر لے آیا۔

"ہائے کیٹی۔" پیٹر نے اپنی بہن سے کہا۔

وہ اپنے کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔

"ہائے دن کیسا گزرا۔" کیٹی نے بال باندھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھا۔ میری گرل فرینڈ سے ملو۔" اس نے کہا۔

"گرل فرینڈ؟ تمہاری گرل فرینڈ بھی ہے؟" کیٹی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں یہ رہی۔" پیٹر نے بتایا۔

"کہاں؟ یہاں تو کوئی نہیں۔" کیٹی نے کہا۔ اور جانے لگی۔ "تم بھی عجیب مذاق کرتے ہو۔"

"کیٹی تمہیں ذرا تمیز نہیں ہے کسی سے بات کرنے کی۔ آنے دو مام اور ڈیڈ کو تمہاری شکایت کرنی ہی پڑے گی۔" پیٹر ناراضگی سے بولا۔

اور جینی کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ "کیٹی

بیوہ

اپنی زوجہ سے کہا اک مولوی نے نیک بخت
تیری تربت پر لکھیں تحریر کس مفہوم کی
اہلیہ بولی عبارت سب سے بہتر ہے یہی
دفن ہے بیوہ یہاں مولوی مرحوم کی

(الطاف ملا-کراچی)

تمہاری بہن ہے؟" جینی نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہاں وہ میری بہت بدتمیز بہن ہے۔" پیٹر نے جواب دیا۔

"ابھی جو بھی ہوا میں اس کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" جینی بولی۔

"اچھا تم آرام سے بیٹھو میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لے کر آتا ہوں۔" پیٹر یہ کہہ کر اس کے لئے کھانا لینے چلا گیا۔

رات کے وقت پیٹر کے سب سے بہترین ساتھی رالف نے اسے فون کرکے کلب میں بلا لیا۔ پیٹر نے پوچھا کہ جینی کو بھی بلا لیا جائے۔ اس نے فون کرکے جینی کو بھی بلا لیا۔ اور پھر دونوں ساتھ میں مل کر نائٹ کلب پہنچے۔

پیٹر اپنے دوستوں سے ملنے لگا جبکہ جینی ایک طرف بیٹھی رہی اور پھر سب میوزک پر ڈانس کرنے لگے۔ پیٹر نے بھی جینی کو ساتھ لیا اور ڈانس کرنے لگا۔ رالف سمیت سارے لوگ اس کا مذاق اڑانے لگے۔ پیٹر کو بہت غصہ آیا کہ نا معلوم یہ لوگ کس بات پر ہنس رہے ہیں۔

"تم یہاں بیٹھو میں ابھی آیا۔" پیٹر جینی کو بیٹھا کر رالف کے پاس چلا آیا۔

"تم لوگ ہنس کیوں رہے ہو؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

تو رالف نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "ہم کیوں ہنس رہے

ہیں۔ تم لگ ہی اتنے مسخرے رہے تھے ڈانس کرتے ہوئے تم تو بالکل یوں ڈانس کررہے تھے جیسے تمہاری بانہوں میں کوئی حسینہ کھڑی ہو۔" رالف نے کہا۔

پیٹر نے حیرت سے رالف کی طرف دیکھا اور پھر اس طرف نگاہ دوڑائی جہاں وہ جینی کو چھوڑ کر آیا تھا لیکن اب وہاں جینی نہیں تھی۔

وہ کلب میں اسے ڈھونڈنے کے بعد باہر نکل آیا۔ وہ ادھر ادھر نظریں گھما کر اسے دیکھنے لگا وہ اسے کہیں نظر نہیں آرہی تھی آخرکار جینی اسے ایک کار کے پاس کھڑی نظر آہی گئی۔ وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"جینی تم یہاں کیوں چلی آئی۔"

"بس میرا دل نہیں لگ رہا تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"کیوں کیا میں اچھا ڈانس نہیں کرتا۔" پیٹر نے مسخرے پن سے پوچھا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے دراصل مجھے تمہارے دوست پسند نہیں آئے۔ دیکھا تھا کیسے سب ہنس رہے تھے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"خیر چھوڑو انہیں۔ ہم کلب کے باہر یہاں ڈانس کرسکتے ہیں۔ پتا ہے بچپن میں میری مام کہا کرتی تھیں کہ جب پورے چاند کی رات ہو تو آسمان کے نیچے کھڑے ہوکر ڈانس کرنے سے آپ کو اپنی پسند کا جیون ساتھی ملتا ہے۔" جینی خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"کیا سچ میں پھر تو میں بھی ڈانس کروں گا۔" پیٹر نے کہا۔

اور دونوں ساتھ میں دیر تک ڈانس کرتے رہے۔

آج چھٹی کا دن تھا رالف پیٹر سے ملنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ دونوں میں گپ شپ چل رہی تھی پھر رالف لیپ ٹاپ پر کام کرنے لگا جبکہ پیٹر اسکیچ بک پر جینی کی تصویر بنانے لگا۔ اچانک رالف کی نظر جینی کے اسکیچ پر پڑی تو وہ چلا اٹھا۔

"یہ کون ہے؟"

"یہ میری دوست جینی ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی میری اس سے ملاقات ہوئی تھی اور پھر ہم پکے دوست بن گئے۔" پیٹر نے بتایا۔

"کیا تم مذاق کررہے ہو۔" رالف نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"بالکل نہیں کیوں کیا ہوا تم نے ایسا کیوں سوچا کہ میں مذاق کروں گا۔ اور ویسے بھی تو نے دو دو گرل فرینڈز رکھی ہوئی ہیں کبھی کسی کے ساتھ ڈیٹ پر جاتا ہے تو کبھی کسی کے ساتھ پھر میں صرف ایک گرل فرینڈ کیوں نہیں رکھ سکتا۔" پیٹر نے کہا۔

مگر رالف کی حیرت میں کوئی کمی نہ آئی۔

"یار یہ لڑکی مرچکی ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا بکواس کررہا ہے تو۔"

"بکواس نہیں کررہا بالکل سچ بتارہا ہوں۔ یقین نہیں آتا تو دیکھو۔ اب سے دو سال پہلے ہائی اسکول میں یہ لڑکی جل کر مرگئی تھی۔" رالف نے اسے لیپ ٹاپ پر جینی کی تصویر دکھائی۔ اس کے بارے میں پوری معلومات لکھی تھیں کہ آج سے دو سال پہلے آگ لگنے سے یہ لڑکی جل کر مرگئی۔

آگ لگنے کی وجہ کسی کی سمجھ نہ آسکی یہ سب دیکھنے کے بعد پیٹر عجیب کشمکش میں پڑ گیا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔

بہرحال اس نے سوچا کہ اسے خود یہ پتا لگانا پڑے گا۔

اگلے روز سنیچر تھا پیٹر اسکول سے واپس آکر باہر گھر کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر جینی کا انتظار کرنے لگا تھوڑی دیر بعد جینی اپنے مخصوص ٹھمکے ٹھمکے سے انداز میں چلی آئی۔

"ہائے پیٹر۔" اس نے اسے ہاتھ ہلایا۔

"ہائے جینی۔ آؤ تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔"

"ہاں ضرور۔" اس نے حامی بھری اور پھر دونوں بائیک پر بیٹھ کر اس کے گھر کی طرف جانے لگے۔

کچھ دیر کے بعد اسی قبرستان کے باہر جینی نے بائیک رکوالی۔ اور اسے گڈ بائے کہہ کر قبرستان میں داخل ہوگئی پیٹر کچھ دیر اسے مختلف قبروں کے پاس سے گزرتا ہوا دیکھتا رہا اور پھر خود بھی دبے پاؤں اس کے پیچھے چل دیا۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد جینی ایک قبر میں اتر گئی۔ پیٹر بھی اس کے پیچھے ہولیا۔

اس نے دیکھا کہ قبر میں ایک تابوت رکھا ہوا ہے۔ پیٹر کا تجسس بڑھ گیا کہ جینی اب کیا کرنے والی ہے۔ کہ تب ہی جینی نے تابوت کا ڈھکن کھولا اور اس میں لیٹ گئی اور پھر اس نے ڈھکن واپس بند کردیا یہ سارا منظر دیکھ کر پیٹر کی روح تو جیسے فنا ہوگئی۔

اور وہ چکرا کر زمین پر گر گیا۔ پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو اسی قبرستان میں زمین پر لیٹا ہوا پایا۔

تابوت کا ڈھکن کھلا ہوا تھا یہ دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

اچانک ہی جینی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پیٹر نے بوکھلا کر پیچھے دیکھا اور اسے وہاں پاکر بھاگنے کے لئے کھڑا ہوا ہی تھا کہ جینی نے پیچھے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"پیٹر پلیز سچائی سے ڈرو نہیں۔ بہادر لوگ وہی ہوتے ہیں جو سچائی کا ہمت سے سامنا کرتے ہیں۔" جینی نے التجائیہ لہجے میں کہا اور پھر اسے بتایا کہ "آج سے دو سال پہلے وہ میری ہائی اسکول میں پڑھتی تھی اور اس کا دوست رالف بھی اس کی کلاس میں تھا وہ سارا وقت اس سے فری ہونے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ مگر میں کبھی اس سے بات نہ کرتی تھی ایک دن مجھے اکیلا پاکر اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اور میری عزت کے چیتھڑے اڑا دیئے۔ اور مجھے اپنا منہ بند رکھنے کی دھمکی کی۔ لیکن اسے ڈر تھا کہ میں اس کے بارے میں سب کو بتادوں گی اس لئے اس نے ایک دن مجھے اسکول کے ایک کمرے میں بند کرکے آگ لگادی اور یوں میں ہمیشہ کی نیند سوگئی اس درندے سے بدلہ لینے میں میری مدد کرو۔" جینی نے کہا تو پیٹر نے حامی بھرلی۔

☆......☆......☆

"یار یہ تو مجھے کہاں لے آیا۔" رالف نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔ "یہ ایک قبرستان ہے۔" پیٹر نے کہا۔

"وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں لیکن مجھے یہاں لاکر تو کیا دکھانا چاہتا ہے۔" رالف نے پوچھا۔

"میرے پیچھے آؤ۔" پیٹر نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

اور اسے لے کر جینی کی قبر میں اتر گیا۔

"یہ سب کیا ہے۔" رالف نے وہاں تابوت کو رکھا دیکھ کر حیرت کے مارے دریافت کیا۔

"ابھی پتا چل جائے گا۔"

"جینی باہر آجاؤ۔ تمہارا قاتل آگیا ہے۔" رالف نے چونک کر پیٹر کی طرف دیکھا اور ابھی کچھ بولنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ تابوت کا ڈھکن کھلا اور جینی باہر نکل آئی۔

اسے دیکھ کر رالف کی گھگھی بندھ گئی وہ زمین پر گر گیا اور خوف سے پیچھے کی طرف سرکنے لگا۔

مگر اب کوئی فائدہ نہ تھا۔ جینی اس کی طرف بڑھی چلی جارہی تھی۔

☆......☆......☆

پیٹر قبرستان کے باہر جینی کے ساتھ کھڑا تھا۔" جینی جب مجھے تمہاری اصلیت کا علم نہیں تھا جب میں تم سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن پھر بھی کیا ہم دوست رہ سکتے ہیں۔" پیٹر نے پوچھا۔

"ہم دونوں ہمیشہ اچھے دوست رہیں گے۔ لیکن میں آج کے بعد کبھی تمہیں نظر نہیں آؤں گی۔" اتنا کہہ کر جینی ہوا میں تحلیل ہوگئی۔

پیٹر اسے آوازیں دیتا رہ گیا تب ہی اس کا موبائل بج پڑا۔

"ہیلو۔ ہیلو بیٹا پیٹر رالف دو دن سے غائب ہے ابھی تک گھر نہیں لوٹا کیا تمہیں اس کے بارے میں کچھ علم ہے۔ تم تو اس کے سب سے اچھے دوست ہو۔ اس نے تمہیں کچھ بتایا۔" رالف کی ماں نے قدرے فکرمندی سے دریافت کیا۔

"نہیں مجھے رالف کی گمشدگی کے بارے میں کچھ علم نہیں۔" اتنا کہہ کر پیٹر نے فون بند کردیا اور واپس اپنے گھر کی جانب چل دیا۔

جب کبھی بھی پیٹر کو جینی کی یاد آتی وہ اس کی قبر پر چلا جاتا اور دیر تک وہاں بیٹھا رہتا۔

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

دیکھتی ہیں میری آنکھیں نظارے کیسے کیسے
آشیاں سے اٹھتے ہیں شرارے کیسے کیسے
جان بوجھ کے بھی نہیں ملتا وہ مجھے
زمانے میں مہرباں ہیں ہمارے کیسے کیسے
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

ہوا جو تیر نظر نیم کش تو کیا حاصل
مزہ تو جب ہے کہ سینے کے آر پار چلے
(انتخاب: زاہدہ حنا......کراچی)

اے خدا اب ترے فردوس پر حق ہے میرا
تو نے اس دور کے دوزخ میں جلایا ہے مجھے
(انتخاب......ایس حبیب خان)

تو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد
کتنے چپ چپ سے لگتے ہیں شجر شام کے بعد
اتنے چپ چاپ ہیں کہ رستے بھی رہیں گے لاعلم
چھوڑ جائیں گے کسی روز نگر شام کے بعد
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈوالہ یار)

اترا ہے میرے دل میں کوئی چاند نگر سے
اب خوف نہیں کوئی اندھیروں کے سفر سے
وہ بات ہے تجھ میں کہ کوئی تجھ سا نہیں ہے
اے کاش کوئی دیکھے تجھے میری نظر سے
(امجد قادری......حیدرآباد)

درد کی خوشبو گئی زخموں کی رعنائی گئی
موسم ہجراں تری اب کے پذیرائی گئی
کون سی محفل، کہاں کے روز شب کیسا قیام
زندگی تو اصل میں اک سانس ہے آئی گئی
(ریحانہ شاہد......کراچی)

نہ ہی وہ پیار رہا نہ ہی وہ ایثار ہے
اکیسویں صدی کے شروع میں پیار بھی بیوپار ہے

جس شان سے وہ شان مقتل گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں
(ماسٹر محمد خالد عباس......ننکانہ صاحب)

آپ سمجھتے ہیں ہم نے آپ کو بھلا رکھا ہے
ہم نے تو آپ کو دل میں بسا رکھا ہے
کوئی دیکھ نہ لے آپ کو ہماری آنکھوں میں
اسی لئے پلکوں کو اس قدر جھکا رکھا ہے
(ڈاکٹر رانا عامر شہزاد......ننکانہ صاحب)

کشتی اے حیات پھنستی کیوں نہ بھنور میں
ہم سے بے زار ہمارے ناخدا تھے
(انتخاب: زاہد علی......سانگھڑ)

غیر کو برا کہہ دوں، غیر تو نہیں ایسا
آپ ہی سے شکوہ ہے آپ ہی کے بارے میں
بے وفا کہا مجھ کو آپ نے بجا لیکن!
اس طرح نہیں کہتے، ہر کسی کے بارے میں
(انتخاب: افتخار احمد......بگونڈی، پھلریاں)

آنکھوں نے خواب کیسے تراشے ہیں ان دنوں
دل پر عجب رنگ اترے ہیں ان دنوں
اس عشق نے ہمیں ہی برباد نہیں کیا
اس کی خوش مزاجی کے چرچے ہیں ان دنوں
(محمد سلیم......بھیڑ سوڈیاں قصور)

لبوں پر پھول کھلتے ہیں کسی کے نام سے پہلے
دلوں کے دیپ جلتے ہیں چراغ شام سے پہلے
نجانے کیوں ہمیں اس دم تمہاری یاد آتی ہے
جب آنکھوں میں چمکتے ہیں ستارے شام سے پہلے
(انتخاب: عمر دراز......کھنڈیاں خاص)

کس لئے اتنی سزا دیتے ہو
کبھی کرتے ہو یاد تو کبھی بھلا دیتے ہو
عجیب تیری محبت کا صلہ دیکھا دوست
کبھی خوش اور کبھی دل ہی جلادیتے ہو
(خضر حیات......روڈہ تھل، خوشاب)

کبھی پھول سے ابھر کر کبھی چاندنی میں ڈھل کر
تیرا حسن چھیڑتا ہے مجھے رخ بدل بدل کر
(شمس الحق کی پسند......کراچی سے)

☆☆

غزل

کسی کی آنکھ جو پرنم نہیں ہے
نہ سمجھو یہ کہ اس کو غم نہیں ہے
سواد درد میں تنہا کھڑا ہوں
پلٹ جاؤں مگر موسم نہیں ہے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کسی کی
اگرچہ گفتگو مبہم نہیں ہے
سلگتا کیوں نہیں تاریک جنگل
طلب کی لو اگر مدھم نہیں ہے
یہ بستی ہے ستم پرور دگاں کی
یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے
کنارا دوسرے دریا کا جیسے
وہ ساتھی ہے مگر محرم نہیں ہے
میں تم کو چاہ کر پچھتا رہا ہوں
کوئی اس زخم کا مرہم نہیں ہے
(ایس حبیب خان......کراچی)

پیار میں جب کچھ لوگ مسکرا کے ملے ہیں
تیری یادوں کے کیا کیا پھول کھلے ہیں
یہ انداز وفا کا یہ تیرے بدلے ہوئے تیور
کانٹوں سے بھی اے مہرباں کہیں زخم سلے ہیں
میرے لیے تو سب کچھ تیرے حسن کی دولت سہی
تجھ کو تو میری بے رخی کے پھر سے گلے ہیں
خاموش احباب تمنا پہ نہ ہم کبھی مسکرائیں گے
دل میں تو بہت کچھ سہی مگر ہونٹ سلے ہیں
سنتے ہیں کہ اس بار بھی آئی تھیں بہاریں
تیرے گلشن میں اس بار بھی کچھ پھول کھلے ہیں
آیا ہے بہت یاد جاوید پھر سے ان کا تبسم
جب بھی بہت گہرے داغ زمانے سے ملے ہیں
(محمد اسلم جاوید......فیصل آباد)

دل کی بربادی کا قصہ ہم نے سن لیا
ایک دیوانی کو ہمارے دل نے چن لیا
آئی صبا تو پوچھا مزاج یار کا
ایک ایک پہلو ادا صبا نے گن دیا
پتا چلا کہ دیوانی تنہائیوں میں رہتی ہے
خوش رہنے کا ہم نے اسے فن دیا
اب اشک نہیں بہانہ مسکرانا ہے سدا
من بھی دیا اور تجھے تن بھی دیا
اب نہ کہنا تنہا ہوں میں تمہارے ساتھ ہوں
اے صبا اسے کہنا کیا اس نے سن لیا
(اسحاق انجم......کنگن پور)

یہ کب سے تھوڑی تھوڑی کھو رہی ہے
کھلی آنکھوں سے کیسے سو رہی ہے
یہ کس کا جانا سے دو رہی ہے
محبت اجنبی سی ہو رہی ہے
نفع نقصان یہ کب سوچتی ہے
یہ میٹھی ہے مگر یہ اک روگ سی ہے
ملوں تو اب میرا چہرہ نیا سا ہے
تمہیں پانے کی خواہش اک جوگ سی ہے
یہ دوری کے بیچ ہر سو بو رہی ہے
محبت اجنبی سی ہو رہی ہے
(سنبل ماہین طلہ......سرگودھا)

فساد لمحوں سے آسودہ کار ہونے لگا
سلوک وقت ہے پھر دل فگار ہونے لگا
درندگی کی جبلت در آئی انساں میں
یہ وحشیانہ عمل بار بار ہونے لگا
شکستہ کشتی دل بحر زیست طوفاں خیز
سکون تلاطم غم سے دو چار ہونے لگا
وہ کچھ دیار کہ قسمت ہے جن کی جنگ وجدل
اب اپنا شہر بھی ان میں شمار ہونے لگا
جو بدنما ہیں سیاہی سے جو عبارت ہیں
وہ داغ چہروں پہ ہیں آشکار ہونے لگا

وجود جس کا ستم آلود و تند وکرب آمیز
وہ قلم آج بصیر افکار ہونے لگا
نظام کو تیرے قرباں ہمہ فراست و فہم واجد
قفس بھی آج اذیت حصار ہونے لگا
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی......کراچی)

تڑکنے کھڑکھڑاتے پتھر جیسے شق ہو کوئی قبر
نکلے مردہ لے انگڑائی اڑے مٹی چھکے گرد ستارہ بجے بیری
میں بن کر حاکم کروں حساب اپنے ہر ہر زخم کا
جب آئے رات کے آدھے پچھلے پہر وہ چھل پیری
چرچرائیں ٹہنی پہ پتے اور لرزیں تنے شاخیں
کھلا تابوت اور سایہ سا لہرایا وہاں کیکر تھی یا بیری
خنجر جیسے ناخنوں والے ہاتھوں سے لہو ٹپکتا تھا
تازہ دل جیسے کھایا ہو لمبے دانت لٹکتی زبان اور زلف گھنیری
ڈھونگ فریب مکاری بے وفائی اور نجانے کس جرم نے کھل کر
کیسے کردی نیلی پیلی تیری پھول سی رنگت تھی جو سنہری
میں تن تنہا گزرے دور کے کھنڈر میں بیٹھا افسردہ سہما
پوچھوں اس سے کیسے ہوگی اتنی بھیانک صورت تیری
گم صم وہ ان ابھری ہوئی آنکھوں سے گھورے مجھ کو ایسے
نجانے کیوں اس سناٹے میں لگے مجھے نبض بھی اپنی ٹھہری
ہو ہو ہائے ہائے تو کیوں کوکے درد بھری سریلی آہ میں
میں نے تو کبھی کی بھی نہیں تھی پھر کیسے لگ گئی تجھے بددعا میری
بے شک خوف کا منظر تھا مگر دل کو ایک تسکین سی ملی تھی
بڑا سکون سا پایا تھا دیکھ کر تیری حالت غم میں گھیری
(ماریہ نشا......مانگا منڈی لاہور)

ان رس بھری آنکھوں میں حیا کھیل رہی ہے
دو زہر کے پیالوں پہ قضا کھیل رہی ہے
ہیں نرگس و گل عکس لئے مخمور تماشا
گلشن میں کوئی شوخ ادا کھیل رہی ہے
اس بزم میں جائیں تو یہ کہتی ہیں ادائیں
کیوں آئے ہو، کیا سر پہ قضا کھیل رہی ہے
خاموش رہ، خاموش، ذرا شور قیامت
کانوں میں وہ مستانہ صدا کھیل رہی ہے
اس چشم سیاہ یہ گیسو ہیں پریشان
میخانے پہ گھنگھور گھٹا کھیل رہی ہے
بدمستی میں خم نے انہیں کیا کیا کہہ دیا اختر
کیوں شاخ نگاہوں میں حیا کھیل رہی ہے
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈو الہ یار)

کریں جو تجھ سے وفا تو کیوں تجھے برا لگے ہے
پیار بھی ہمارا کہاں تجھے بھلا لگے ہے
مل جائے کوئی ہم سا وفادار دیکھ لے جہاں
ہے نادان جو تجھے یہ دل بے وفا لگے ہے
یہ شتادت مزاجی سیکھی ہے بھلا کہاں سے
اور ستم ظریفی یہ ہماری ہر بات جفا لگے ہے
اپنے رویوں پر ذرا غور کرنے کی ہے ضرورت
بتا کیوں جہاں سے تو اتنا خفا لگے ہے
یوں چپ چپ سا مدہوش رہتا ہے کیوں
اس جگ سے بہت تو روٹھا روٹھا لگے ہے
دنیا بڑی رنگین ہے تھوڑا جینا سیکھ لے
کیوں اتنا سب سے الگ تنہا تنہا لگے ہے
دل سے ہے نیتا کی دعا خدا خوش رکھے صدا
پر ہماری تو ہر دعا بھی تجھے بد دعا لگے ہے!!!
(شاعرہ: ایڈووکیٹ نیتا خان......کراچی)

چل نکلتی ہیں غم یار سے باتیں کیا کیا
ہم نے بھی کیں در و دیوار سے باتیں کیا کیا
بات بن آئی ہے پھر سے کہ میرے بارے میں
اس نے پوچھیں میرے غم خوار سے باتیں کیا کیا
لوگ لب بستہ اگر ہوں تو نکل آتی ہیں
چپ کہ پیرائیہ اظہار سے باتیں کیا کیا
کسی سودائی کا قصہ کسی ہرجائی کی بات
لوگ لے آتے ہیں بازار سے باتیں کیا کیا
ہم نے بھی دشت شناسی کے بہانے کی ہیں
ہاتھ سے ہاتھ لئے یار سے باتیں کیا کیا
کس کو بکنا تھا مگر خوش ہیں کہ اس حیلے سے
ہوگئیں اپنے خریدار سے باتیں کیا کیا
ہم ہیں خاموش کہ مجبور محبت تھے شہزاد
ورنہ منسوب ہیں سرکار سے باتیں کیا کیا
(ڈاکٹر رانا عامر شہزاد......ننکانہ صاحب)

میں نے الفت کے تقاضوں کو نبھایا اکثر
اور لوگوں نے میرا درد بڑھایا اکثر
میں نے ٹوٹے ہوئے لوگوں کو اٹھانا چاہا
اور لوگوں نے سر راہ مجھے گرایا اکثر
میں نے چاہت کے زمانے میں تماشہ نہ کیا
اپنے ڈھلتے ہوئے اشکوں کو چھپایا اکثر
یوں تیرے ترک تعلق سے شکایت کیسی
چھوڑ دیتا ہے میرا ساتھ سایہ بھی اکثر
(انتخاب: قاسم رحمان......ہری پور)

یہ ہوائیں جب بھی آتی ہیں
تیرے پاس ہونے کا احساس دلاتی ہیں
یہ ہوائیں جب بھی آتی ہیں
کانوں میں رس گھول جاتی ہیں
پیار کے نغمے سناتی ہیں
دل کے تار چھیڑ جاتی ہیں
یہ ہوائیں جب بھی آتی ہیں
میرے دل میں چھپے ہوئے
جذبے جگاتی ہیں
لفظ محبت پہ مسکراتی ہیں
تحریر نگاہ پڑھ کر سناتی ہیں
یہ ہوائیں جب بھی آتی ہیں
تیرے پاس ہونے کا احساس دلاتی ہیں
(کائنات رشک تنویر......لاہور)

اے بادل بتا
کیسے تجھے دلاسا دوں
جب میری ذات بھی تو تیری طرح
کسی کی بے وفائی کا شکار ہوئی ہے
کسی کو اپنوں نے رلایا
تو کسی کو غیروں نے رسوا کیا
اے بے وفا! تجھے تو خود سے بڑھ کر چاہا تھا
بتا پھر تو نے کیوں مجھے دھوکا دیا؟
(فروا تنویر......لاہور)

نہ شب روز اچھا ہے
نہ حال اچھا ہے
کسی اپنے نے کہا تھا یہ سال اچھا ہے
میں نے پوچھا کہ وفا مقدر میں ہے کیا
مسکراتے ہوئے بولا سوال اچھا ہے
وہ میرے ہاتھ دیکھتے ہوئے بولا
تم پہ مقدر کا زوال اچھال ہے
میں نے پوچھا میری قسمت میں کیا ہے
ماتھے پہ شکن ڈالے مجھ سے کہنے لگا اور نادان
تم تنہا تھے تنہا ہے اور تنہا رہے گا
(مظفر حیات......روڈہ تھل، خوشاب)

کچھ وقت مجھے اپنا مہمان تو رہنے دے
در ناز پہ اے جاناں در زبان تو رہنے دے
پردے میں رہو کیوں کہ اک جان تھی دے ڈالی
اے کافر بت میرا ایمان تو رہنے دے
یادوں کی مہک باقی دبکی ہے کہیں دل میں
محروم تمنا کا سامان تو رہنے دے
گویائی سلب کرلی انداز تخاطب سے
للہ بحال میرے اوسان تو رہنے دو
صورت نہ بگاڑو یوں شاہکار قدرت کی
انسان جو ہے اس کو انسان تو رہنے دے
مشتاق نگاہوں پہ پابندی نہیں اچھی
چلو کچھ ہی میرے اوپر احسان تو رہنے دے
امید کے آنگن میں کچھ بھی تو نہیں شاکر
آباد نہیں نہ سہی ویران تو رہنے دے
(محمد حنیف شاکر......ننکانہ صاحب)

میں یہ نہ کہتی دوست
کہ میں بہت خوب صورت ہوں
ہاں مگر برسات کے
اس بادل کی طرح ہوں
جو پھولوں کے ساتھ ساتھ
کانٹوں پر بھی یکساں برستے ہیں
زیادہ اعلیٰ نہیں ہے میری ذات مگر
میں امید و حوصلے کے اس سورج کی طرح ہوں

جو کئی لوگوں کے ویران دلوں میں
امید اور پیار کے پودے اگاتا ہے
ہاں میں اس صدف کی طرح ہوں
جو بارش کے مین قطروں کو
خوب صورت موتیوں میں بدل دیتا ہے
میں یہ نہیں کہتی آفرین
کہ میں بہت خاص ہوں
ہاں، مگر
بارش کے ان قطروں کی طرح
انمول ضرور ہوں
جو اگر اک بار
ہاتھوں سے گر جائیں تو
دوبارہ ملا نہیں کرتے......!!!
(رابعہ آفرین......ٹھوکر نیاز بیگ لاہور)

ہم یونہی سفر پہ تھے محو رواں
دیکھا ایک لڑکی پہ تیرا حسن عیاں
دل ڈوبا گھبرایا یہ یہاں کہاں
دور سے تھا موسم حسن جواں
وہی بل کھاتی ہوئی ادا
وہی شوخ شرم سی حیا
چہرہ پہ تھا سانواں سا سماں
گلاب سے ہونٹ تھے اس پہ پیاں
میں نے اپنے کمزور سے دل کی طرف دیکھا
زخم تھے ہلکے ہلکے سے نمایاں
آنکھیں خون کے آنسو رو پڑھی
جسم رووں رووں ہوگیا وہاں
گرد گھوم رہی تھی میرے دنیا جہاں
میں پھر بھی اکیلا تھا اُس سے وہاں
میں نے خود سے کہا مٹادے خود کو بادل
مسیحائی کوئی بھی نہ کرے گا تیری یہاں
(غلام مصطفیٰ بادل......قصور)

واسطہ حسن سے یا شدت جذبات سے کیا
عشق کو تیرے قبیلے یا میری ذات سے کیا
میری معروفیت اس کو کہاں روک سکیں گی

وہ تو یاد آئے گا اس کو میرے دن رات سے کیا
پیاس دیکھوں یا کروں فکر کہ گھر کچا ہے
سوچ میں ہوں کہ میرا رشتہ ہے برسات سے کیا
جس کو خدشہ ہو کہ مرجائیں گے بھوکے
سوچے، اس کو کسی کے حالات سے کیا
آج اسے فکر ہے کہ کیا لوگ کہیں گے
کل جو کہتا تھا مجھے رسم و رواج سے کیا
(الوری رمضان......پنڈ دادن خان)

کچھ تو کر لے آج
ورنہ دنیا کر دے گی
تجھ کو کل محتاج
دریاؤں کا حال
ہم سے کب پوشیدہ ہے
خالی لوٹا جال
چھوٹا سا ہو گھر
جس میں راحت ملتی ہو
جنت سے بڑھ کر
چبھتی سی آواز
دل کو دھڑکا دیتی ہے
سائل کی آواز
اب ہے جس کا راج
وقت آنے پر پھر ہوگا
ہم سب کا محتاج
دنیا کی یہ ریت
دولت جس کو حاصل ہو
ہوگی اس کی جیت
(الیس امتیاز احمد......کراچی)

نہ ہم پاس سے بلا سکے
نہ دل کی بات بتا سکے
وہ ملسی ملسی چل دیئے کہ
ہم ہاتھ تک نہ ملا سکے
یونہی سوچتی رہی دیر تک مگر

ہم اسے کچھ نہ بتا سکے
یہ مقام ہی تھا عجیب سا کہ
ہم خود کو بھی نہ بچا سکے
وہ جدا ہوا تو کچھ اس طرح
کوئی رسم تک نہ نبھا سکے
اسے جانا تھا وہ چل دیا
اسے آج تک نہ بھلا سکے
(اقرا انجم۔بستی فتے والی)

ہنستے ہوئے لوگوں کو رلانے والے بہت
چہرے پہ آنسو چھپانے والے بہت
ہم جن پر اعتبار بہت زیادہ کرتے رہے
مگر ان اعتباروں کو توڑنے والے بہت
جس طرح شیشہ ٹوٹ کر زخم دیتا ہے
شیشہ دل کو توڑ کر زخم دینے والے بہت
ہنستے ہوئے لوگوں کو رلانے والے بہت
(رابعہ عباس......بستی فتے والی)

زندگی میں تو نہیں تو آرزو کس لئے
یہ محبت کس کے لئے یہ جستجو کس کے لئے
میں تجھے دیکھا کروں اور تو مجھے دیکھا کرے
یہ نہیں تو جان جاناں روبرو کس کے لئے
ہر سجاوٹ جسم و جاں کی میں نے کی تیرے لئے
تو اگر ملتا نہیں تو رنگ و بو کس کے لئے
دلبری کے تیرے چرچے جا بجا میں نے سنے
تو اگر میرا نہیں تو یہ چاہت کس کے لئے
ہر غزل میں نے لکھی اے جان جاں تیرے لئے
تو اگر سنتا نہیں تو گفتگو کس کے لئے
(شرف الدین جیلانی......ٹنڈو الہ یار)

سرد راتوں کو میرے پاس آتی ہیں تیری یادیں
ہر شب تنہائی میں ستاتی ہیں تیری یادیں
لوٹ کر اب کبھی نہ آئے گا تیرے پاس
ہر شب یہی کہہ کر مجھے رلاتی ہیں تیری یادیں

روز و شب تجھے بھلانے کی کوشش کرتا ہوں
تیرا نام لے کر تڑپاتی ہیں مجھے تیری یادیں
جب کبھی بجھ جاتا ہے تیرے پیار کا دیا
مجھ سے پوچھے بغیر اسے جلاتی ہیں تیری یادیں
فلک بھلانا چاہتا ہوں جس صورت کو
ہر شب وہی صورت دکھاتی ہیں تیری یادیں
(فلک زاہد......لاہور)

چشم انتظار تیری راہ میں بچھی ہے
صرف دل ہی نہ جھکا، گردن بھی یہ جھکی ہے
تیرے تصور کے دارالامان میں بھی جینے نہیں دیتی
خدا جانے اس فانی دنیا کو کیا مجھ سے دشمنی ہے
جس سفر میں تو ساتھ نہ ہو میرے
لگتی مجھے وہ ہر گلی، ہر راہ وحشی ہے
جچتا تو تجھ پہ ویسے ہر رنگ ہے اے ہمسفر!
مگر شام سے بجلی ڈھا رہی تیری پوشاک وہ ہری ہے
اب تو میرا مشغلہ ہے صرف یہ کشت سخن شاہد
(رابعہ امانت علی......لاہور)

پیارا و دلکش ہے کوئٹہ کا منظر
دھرتی نے اوڑھ لی سفید چادر
روئی کے گالوں کی سی ہے برف باری
آنکھوں کو لگتی ہے بہت پیاری
ہلکی ہلکی ہوا بھی ہے در آئی
سردی کی لہر جسم میں اتر آئی
برف کے گولے بچے اچھال رہے ہیں
مجسموں میں برف کو ڈھال رہے ہیں
برف باری کا ہنہ میں ہے طلسم چھایا
پورا شہر یہاں آج امڈ آیا
ہر طرف ہے ٹھنڈا و خوب صورت سماں
ہر چہرہ ہے خوشی سے شاداں
(ساحل ابڑو۔ڈیرہ اللہ یار بلوچستان)

☆☆

کفارہ

رضوان علی سومرو۔ کراچی

اچانک نوجوان کی آواز بھراگئی اس کے منہ سے نسوانی آواز نکلنے لگی کہ میں کسی صورت بھی تجھے نہیں چھوڑوں گا ہر صورت میں تجھ سے اپنا خونی انتقام لے کر ہی رہوں گا اور پھر......

ایک ایسے نوجوان کی داستان حیرت جو جوشِ انتقام میں......دیوانہ......ہوگیا تھا

سرد اندھیری رات تھی۔ آسمان کو سیاہ رنگ کے بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا کسی بھی وقت بارش ہونے کا امکان تھا۔ میں اس پہاڑی مقام پر انگریزوں کے بنائے ہوئے اس قدیم قلعے کی شکستہ فصیل کے ساتھ چلا جارہا تھا اور جب بھی بجلی چمکتی تو تھوڑی دیر کے لئے پہاڑی پگڈنڈی نظر آجاتی۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس قدیم قلعے کے پیچھے دوسو سال پرانا قبرستان تھا جس کی قبریں زمانے کی بے رحم وقت کا شکار ہوکر ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ اس قبرستان میں وہ قبریں بھی تھیں جو کہ جنگ آزادی میں مارے گئے تھے یہ قبرستان آسیب زدہ مشہور تھا۔ اس قبرستان کے بارے میں کئی روایات مشہور تھیں جن میں ایک بہت مشہور تھی۔

یہاں ایک ایسی قبر ہے جو کہ رات کے 2 بجے کے بعد چمکنا شروع ہوجاتی ہے جو شخص اس چمکتی قبر کو ڈھونڈ لے تو اس قبر کا مردہ ظاہر ہوکر اس کی ایک خواہش ضرور پوری کرتا ہے اس کے علاوہ ایک روایت اور بھی مشہور تھی۔

اس قبرستان میں رات کے وقت چھن......چھن......کی آواز آنا شروع ہوتی ہے۔ یعنی رات کے وقت ایک عورت اس قبرستان میں گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اگر وہ عورت کسی بھی انسان کو نظر آجائے تو وہ عورت اس آدمی کا سارا خون پی لیتی ہے ان روایات میں کتنی صداقت اور سچائی تھی یہ میں نہیں جانتا مگر ایک بات ضرور ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس قبرستان میں رات گزارنے کی کوشش ضرور کی تھی، مگر دوسری صبح وہ مردہ حالت میں پائے گئے تھے اور جو زندہ بچ گئے تھے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہوچکے تھے۔

میں بھی ایک انسان ہوں اپنی لالچ اور غرض کے تحت آج رات بس قبرستان میں داخل ہوا تھا، داستان میں آگے بڑھنے سے پہلے مجھے اپنے پس منظر آپ تک ضرور پہنچانا چاہئے کہ وہ کیا حالات تھے جس کی وجہ سے میں اس قدر خطرناک کام کے لئے راضی ہوا تھا۔

☆......☆......☆

یہ ان دنوں کی بات ہے جب وطن عزیز کو آزاد ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا میرا تعلق پاکستان کے جس گاؤں سے تھا آج وہ بہت زیادہ ترقی یافتہ اور خوشحال ہوچکا ہے۔ گاؤں کا زیادہ تر طبقہ مزدور تھا، جن کی زندگی کا مقصد وڈیروں اور جاگیرداروں کی چاکری کرنا تھا اور صرف اور صرف پیٹ کے تندور کو بھرنا اور پھر وقت آنے پر قبر میں پیر پسار کر سوجاتا۔ میرے والد عمر دین گاؤں کی

مسجد کے پیش امام تھے جن کی وجہ سے سارے لوگ ان کی عزت کیا کرتے تھے ہم دو بھائی تھے میرا بڑا بھائی عمیر مجھ سے دو سال بڑا تھا اور میری صحت اور کاٹھی ایسی تھی کہ میں اپنی عمر سے چھوٹا نظر آتا تھا۔ اسی سبب وہ محلے کے سارے آوارہ لڑکوں کا لیڈر بھی تھا۔

ویسے تو میرا بھائی میرے والد صاحب کے نقش قدم پر چلتا پنج گانہ نمازیں پڑھتا۔ اپنی پڑھائی پر دھیان اور فالتو وقت میں دین کی باتیں اور مسائل سیکھنے میں لگاتا ہم دونوں ہر چیز میں ایک دوسرے کے الٹ تھے۔ جس چیز کی چاہت مجھے ہوتی میں ہر صورت وہ چیز حاصل کرنے کی سوچتا بلکہ وہ صبر اور قناعت سے کام لیتا۔ وہ مزاج کا دھیما اور میں غصے کا تیز طرار تھا وہ مسجد جانے والا اور میں مسجد سے بھاگنے والا تھا والد صاحب مجھے سمجھا سمجھا کر تھک جاتے مگر میں باز نہ آتا۔

یوں تو محلے کے تمام لڑکے میرے دوست تھے لیکن ایک لڑکا میرا سب سے اچھا دوست تھا جس کا نام کرم دین تھا، کرم دین عمر میں مجھ سے بڑا اور تیز طرار تھا۔

گاؤں کے سب لوگ مجھے ناپسند کرتے تھے، لیکن چونکہ میں امام کا بیٹا تھا اس لئے ہر کوئی سمجھاتا رہتا کہ آوارہ لڑکوں کی سنگت چھوڑ دو، کرم دین کی باتیں عیاری سے بھرپور ہوتی تھیں اور جب وہ بولتا تو میں حیران رہ جاتا کرم دین بہت ہی دلیر اور نڈر تھا۔ ایک روز ہم نہر کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

''یار کرمو ایک بات بتا۔'' میں نے بیڑی کا کش لے کر پوچھا۔

''پوچھ...... میرے راجا۔'' وہ بیڑی کے سرور میں بولا۔

''یار یہ جو باتیں تو کرتا ہے کہاں سے سیکھی تو نے۔''

''محبت کی یونیورسٹی سے......'' وہ کسی عالم و فاضل استاد کی طرح بولا۔

''محبت کی یونیورسٹی سے......'' تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں...... میں نے چڑ کر کہا۔

''ابھی تو نہیں سمجھے گا کیونکہ دودھ کے دانت جو نہیں ٹوٹے تیرے۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''تو یہ گول مول باتیں میرے ساتھ مت کیا کر۔'' میں نے غصے سے کہا۔ میرے اس طرح غصہ کرنے پر وہ ہنس پڑا۔

''کل تو تیار رہنا...... تجھے کل ایسی جگہ لے چلوں گا جہاں تجھے ہر بات کی سمجھ آ جائے گی۔''

''کہاں لے جائے گا مجھے؟'' میں نے بھی تجسس بھرے لہجے میں بولا۔

''سمندر میں جہاں بڑے بڑے ڈوب جاتے ہیں۔'' وہ مدبرانہ لہجے میں بولا۔

بات بالکل ہی میرے پلے نہیں پڑی تھی۔

میں ہونقوں کی طرح سر ہلا کر رہ گیا۔

''تو پریشان نہ ہو...... جب کل تو چلے گا تو تجھے پتہ چلے گا کہ محبت کی یونیورسٹی کیا ہوتی ہے۔'' وہ بولا۔

''اچھا...... اچھا۔'' میں نے سر ہلا کر کہا۔

تھوڑی دیر تک میں اور کرمو ساتھ رہے اور پھر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ اس روز موسم بے حد سہانا تھا شام کے 4 بج چکے تھے کرمو کے جانے کے بعد میں کھیتوں کے راستے سے ہوتا ہوا اپنے گھر کی طرف جانے لگا۔

ابھی میں تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ میں نے اسے دیکھا جسے دیکھ کر ہمیشہ میرے دل کی دھڑکن اتھل پتھل ہو جاتی تھی...... بانو...... جس کی ہر ادا میں مستی تھی اور چال میں بانکپن تھا اس کی مست جوانی مجھ سمیت بہت سوں کے دلوں پر تیر چلاتی تھی اسے دیکھ کر مجھے ہمیشہ ایک ہی گانا یاد آتا۔

''چودھویں کا چاند ہو یا آفتاب ہو
جو بھی ہو خدا کی قسم لاجواب ہو

مجھے آتا دیکھ کر وہ رک گئی اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔

''کہاں سے آ رہا ہے لفنٹر۔''

''تیرے لئے دودھ کی نہر کھودنے گیا تھا۔''

اور ویسے بھی گلابی رنگ کا لاچہ اور کرتا بہت خوب صورت لگتا ہے تجھ پر۔''

میری بات سن کر اس کی غزالی آنکھوں سے جیسے آگ برسنے لگی۔

''تو بہت بے شرم ہے۔ اگر تیرے ابا کو پتہ لگا نا تو تیری قبر مسجد کے باہر ہی بنے گی...... اور مجھ سے ایسی باتیں مت کیا کر...... بدتمیز۔''

''کیا کروں...... تجھ کو دیکھتا ہوں تو دل بدتمیز ہو ہی جاتا ہے۔'' میں نے ڈھٹائی سے کہا۔

''بے حیا...... آوارہ...... میں بتاؤں گی ابا کو۔''

اتنا کہہ کر وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

اور میں بھی بے شرموں کی طرح ہنستا ہوا آگے نکل گیا۔

گھر میں داخل ہوا تو ابا صحن میں عصر کے لئے وضو فرما رہے تھے۔

''آ گئے...... آوارہ گردی کر کے......'' ابا وضو کر کے تولیہ سے منہ پونچھتے ہوئے بولے۔

میں نے ابا کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''تم ظہر کے وقت سے غائب ہو...... نہ نماز میں تھے اور نہ ہی درس میں...... تم کیوں بھول جاتے ہو کہ تم مسجد کے امام کے بیٹے ہو۔ جواب دو۔'' ان کا لہجہ سخت تھا۔

مجھ سے کوئی جواب بن نہیں رہا تھا کہ اسی لمحے دروازہ کھلا اور میرا بھائی عمیر گھر میں داخل ہوا اس نے ہاتھ میں ایک تھیلا پکڑ رکھا تھا اس میں سبزی تھی۔

ابا اور مجھے دیکھ کر وہ فوراً سے بیشتر سمجھ گیا کہ کیا معاملہ ہے۔

''ابا جی...... یہ ماسٹر صاحب کے گھر پر تھا میں نے اس سے کہا تھا کہ چلا جائے دو دن بعد ریاضی کا پرچہ ہے۔'' عمیر نے بات بناتے ہوئے جھوٹ بولا۔

ابا نے چند لمحے تک اس کی طرف اور میری طرف دیکھا پھر عمیر کی طرف دیکھ کر بولے۔

''تمہاری مرضی بیٹے مگر یہ سدھرنے والا نہیں۔''

عمیر نے کوئی جواب نہیں دیا اور سر جھکا دیا۔

''جماعت میں صرف 10 منٹ ہیں تم دونوں وضو کر کے آنا مسجد میں پانی نہیں ہے۔'' ابا یہ کہتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے۔

نماز عصر کب ختم ہوئی پتہ ہی نہ چلا لوگوں کا تو پتہ نہیں لیکن میں بس ٹکریں مارتا رہا اور نماز پوری ہو گئی اس رب کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کے بعد میرے ذہن میں صرف دنیا اور دنیا کے خیالات تھے میں یہی سوچ رہا تھا کہ نماز ختم ہو اور میں بھاگوں، چنانچہ عمیر سے نظر بچا کر میں باہر آ گیا مسجد سے باہر نکلتے ہی میری ساری کیفیتوں کو سکون مل گیا۔

مسجد سے تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ مجھے کرمو آتا دکھائی دیا۔

میں نے کرمو کو آواز دی تو وہ رک گیا۔

''کہاں جا رہا ہے...... اتنی جلدی جلدی۔'' میں نے پوچھا۔

''ابے تجھے ڈھونڈ رہا تھا۔'' وہ بولا۔

''کیوں......؟'' میں نے سر ہلا کر پوچھا۔

''میں وہاں جا رہا ہوں جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔'' کرمو بیڑی سلگاتے ہوئے بولا۔

''کیا مطلب؟''

''ابے...... الو...... میں امینہ بائی کے کوٹھے پر جا رہا ہوں چلتا ہے تو چل...... میں نے تجھے کہا تھا نا کہ محبت کی یونیورسٹی دکھاؤں گا۔''

''نن...... نہیں...... ابا بہت ماریں گے۔'' میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''ابے مرد بن۔'' وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔

''مگر......!''

''ابے اگر مگر کچھ نہیں...... تو امینہ کی بیٹی نرگس کو ایک دفعہ ناچتے دیکھ لے گا نا تو۔'' وہ انتہائی بازاری لہجے میں بائیں آنکھ دباتے ہوئے بولا۔

☆......☆......☆

وہ ایک عجیب و غریب دنیا تھی ایسا بازار جسے میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ سازندے تماش بین طبلے کی

تھاپ، رقص وسرور کا ماحول ام الخبائث جس طرح پی اور پلائی جارہی تھی، وہ میرے لئے حیرت انگیز تھا میں آنکھیں پھاڑے وہ سب دیکھ رہا تھا مجھ پر ایک مدہوشی کا عالم سوار تھا۔

بہت سے لوگ پہلے سے بیٹھے تھے سب کے منہ پان سے بھرے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی حسین لڑکی جس کے پیروں میں گھنگھرو بندھے تھے وہ طبلے کی تھاپ پر اپنا بدن تھرکاتی تھی۔ ایسا ہوش ربا نظارا میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

میں اس کی معصوم صورت تکتا رہا۔ دفعتاً میری آنکھوں کے سامنے جھماکا ہوا۔ مجھے ایسا لگا کہ نرگس کی جگہ بانو موجود ہے۔ نرگس میں مجھے بانو نظر آرہی تھی۔

میں نے دیکھا کہ کرمو نے جیب سے بہت سے نوٹ نکال کر میرے سامنے پھیلا دیئے...... نرگس شرماتی لجاتی میرے سامنے بیٹھ گئی۔

”میں کیا کروں کرمو مجھے ہر جگہ وہی دکھائی دیتی ہے۔“ میں نے بے بسی سے کہا۔

”ابے بدبو اس کی اولاد......“ ابھی وہ مزید کچھ کہتا کہ نرگس کسی بجلی کی طرح میری طرف آئی اور میرا ہاتھ پکڑ لیا...... اس کا ہاتھ پکڑنا ہی تھا کہ میرے پورے جسم میں 1000 وولٹ کا کرنٹ دوڑ گیا۔ شرم سے میری گردن جھک گئی۔ اور میں...... سٹ پٹا گیا۔

”پھر زحمت کیجیے گا......“ اس کا لہجہ بڑا ہی دلکش تھا۔

”ک ک...... کیوں۔“ میں نے گھبرا کر پوچھا۔

”وہ اس لئے کہ آپ مجھے اچھے لگے ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”ادے گدھے تو بڑا خوش نصیب ہے کیونکہ آج تک اس نے مجھے گھاس نہیں ڈالی۔“ کرمو چہک کر بولا۔

”کوشش کروں گا۔“ میں نے بدقت تمام کہا۔ اتنا کہہ کر کرمو کے ساتھ باہر نکل گیا۔

گھر پہنچا تو رات کا اندھیرا ہر طرف پھیل چکا تھا اس وقت گاؤں کے چند گھروں میں بجلی آئی تھی، جو کہ بڑے گھر تھے۔ جیسے ہی گھر میں دیوار کود کر داخل ہوا عمیر جو کہ دالان میں لالٹین کی روشنی میں پڑھائی کر رہا تھا چونک کر اٹھ بیٹھا۔

”کون...... چور......“ اس کے لہجے سے بوکھلاہٹ صاف ظاہر تھی۔

”ششش...... عمیر...... میں ہوں......“ میں نے سرگوشی میں کہا۔

میری آواز سن کر جیسے اس کی جان میں جان آئی۔

”میں کب تک تمہارے لئے ابا سے جھوٹ بولتا رہا ہوں گا۔“ عمیر کی آواز میں ناراضگی تھی۔

”میں نے تو نہیں کہا جھوٹ بولنے کے لئے۔“

”تم تھے کہاں......؟ ابا تمہارا پوچھ رہے تھے۔“

”کہاں ہیں ابا۔“ میں نے بدستور سرگوشی میں پوچھا۔

”ابا...... تو ابھی سوئے ہیں...... اور دو دن بعد پرچہ ہے تمہاری تیاری ذرا بھی نہیں ہے......“ عمیر کی آواز میں غصہ تھا۔

”تو تیرے پیٹ میں کیوں درد ہے فیل میں نے ہونا ہے تو نے تو نہیں اور یہ میرے سامنے بڑے بھائی کا ناٹک مت کیا کر۔“ میں نے بھی منہ بناتے ہوئے کہا۔

اور اسکا جواب سنے بغیر میں تیزی سے کمرے کے اندر چلا گیا۔

☆......☆......☆

فجر کی نماز میں ابا نے جھنجھوڑ کر جگا دیا تھا، رات دیر تک جاگتے رہنے کے سبب میری آنکھ نہیں کھل پا رہی تھی۔

”اٹھو...... کیا مردوں سے شرط باندھ کر سوئے ہو۔“ ابا کی آواز میں شدید غصہ تھا۔

”ابا...... بہت نیند آرہی ہے......“ میں نے غنودگی میں جواب دیا۔

”اٹھو...... بیٹے جس نے فجر کے انعامات کھو دیئے اس نے سب کچھ کھو دیا۔ میرے آقا ﷺ فجر کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔“ ابا نے دوبارہ مجھے جھنجھوڑتے

ہوئے کہا۔

”اچھا......“ میں نے مردہ سے لہجے میں کہا اور اٹھ بیٹھا۔

”میں جا رہا ہوں تم بھی پہنچ جانا...... دیکھو عمیر مسجد پہنچ چکا ہے۔ باپ مسجد کا پیش امام ہے اور بیٹا......“ ابا بے بسی سے سر ہلاتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے۔

ابا کے جانے کے بعد میں نے چارپائی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نیند کا غلبہ بہت زیادہ تھا، لیکن ابا کا خوف تھا مجھے پتہ تھا، نماز چھوٹ گئی تو مار پڑے گی رات عشاء بھی نہیں پڑھی تھی اور مغرب بھی...... چنانچہ میں چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے مجھے آواز دی ہو۔

میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا تو آواز دینے والا کوئی نہ تھا آواز پھر سنائی دی۔

”ابے...... کہاں جا رہا ہے۔“

”نماز پڑھنے......“ میں نے خود کلامی کی۔

”سو جا...... اتنی اچھی نیند بعد میں نہیں ملے گی۔“ آواز پھر میرے کانوں سے ٹکرائی۔

”مگر نماز نیند سے بہتر ہے۔“ میں نے خود کلامی کی۔

”تو ٹھیک کہہ رہا ہے...... نماز کے لئے کپڑے پاک ہونا شرط ہے تیرے کپڑے ناپاک ہیں۔“

وہ آواز سن کر میں سوچ میں پڑ گیا واقعی میرے کپڑے تو ٹھیک نہیں تھے۔

”لیکن ابا......“ میں نے پھر کمرے کے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔

”تو جائے گا کپڑے بدلے گا نماز تو ہو جائے گی...... تو سو جا بعد میں قضا پڑھ لینا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

میرے اندر کی آواز یعنی میرا نفس مسلسل مجھے نماز سے روک رہا تھا بالآخر وہ کامیاب ہو گیا۔

ایسی کوئی اچنبھے کی بات بھی نہ تھی کہ نفس کامیاب نہ ہوتا۔ میں اس وقت نماز پڑھ لیتا تو نماز چھوڑنے کے گناہ سے بچ جاتا۔ نفس نے تو بڑے بڑوں کو گناہ گار اور مردود کروا دیا ہے۔ شیطان سے لے کر فرعون تک فرعون سے لے کر ابوجہل تک ہر ظالم اس نفس کا شکار ہوا۔

میں اس وقت نماز چھوڑ کر دوبارہ خواب خرگوش میں کھو گیا۔

اور پھر ابا کی وہ مار میں بھولا نہیں۔ جو نماز چھوڑنے پر پڑی تھی۔

☆......☆......☆

پھر اس پٹائی کے بعد شاید پہلی بار میرے دل میں ابا کے لئے کچھ نفرت کا احساس پیدا ہوا، مجھے ایسا لگا کہ ابا عمیر سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور مجھ سے نہیں اب میں ابا کو تپانے کے لئے جان کر بھی نماز چھوڑ دیتا آوارہ گردی کرتا...... کرمو کے ساتھ ایک دوبار اس مہ جبیں کے درشن کئے تھے ابا میرے لئے پریشان رہنے لگے تھے ابا نماز کی تاکید کرتے اور کالج کی پڑھائی کو کہتے تو میں ڈھٹائی سے منع کر دیتا۔

وہ دن مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں گاؤں سے نکالا گیا۔ جب میری وجہ سے ابا پر دل کا دورہ پڑا تھا۔

وہ شام کا وقت تھا موسم بڑا ہی سہانا تھا نماز 4:30 بجے کھڑی ہو جایا کرتی تھی، اس وقت 5 بجے کا وقت تھا۔

میں کھیتوں والے راستے سے ہوتا ہوا پرانے کنویں کی طرف جا رہا تھا جہاں اکثر کرمو سے میری ملاقات رہا کرتی تھی۔

جب میں اس جگہ پہنچا جہاں پرندوں کو ڈرانے کے لئے پتلا کھڑا کیا جاتا ہے تو اچانک میرے کانوں نے نقرئی ہنسی کی آواز سنی۔ تو میں چونک اٹھا یہ ہنسی میں لاکھوں میں ایک پہچان سکتا تھا وہ بانو کی آواز تھی ہنسی کی آواز اس پتلے کے عقب سے آرہی تھی۔

میں تیزی سے اس آواز کے تعاقب میں پہنچا تو نظارہ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... غم اور غصے کی شدت کے سبب میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔

بانو ایک لڑکے کی گود میں سر رکھے ڈھٹائی سے ہنس رہی تھی وہ لڑکا کوئی اور نہیں بلکہ میرا بھائی عمیر تھا، جو ابا کے سامنے بہت شریف اور پارسا بنتا تھا، اس نے آج میری محبت پر ڈاکہ ڈالا تھا۔

"عمیر......" میں چلایا۔

وہ دونوں چونک کر سیدھے ہوگئے ایک ہی پل پر دونوں کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔

میں سکتے کی سی کیفیت میں ان دونوں کو گھور رہا تھا۔

"ابا...... کو مت...... بتانا۔" عمیر ہکلایا۔

اور میں عمیر کو انتہائی خطرناک قسم کی گالی دیتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔

"وہ تمہاری بھی ماں ہے جسے تم گالی دے رہے ہو۔" عمیر بھی غصے میں آ کر بولا۔

"کمینے...... کتے...... بھائی کی محبت پر ڈاکہ ڈال کر مجھے سبق پڑھا رہا ہے۔"

"میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔" عمیر کے بجائے بانو دانت پیستے ہوئے بولی۔

اس کی آنکھیں لال بھبھوکا تھیں۔

اتنا سننا تھا کہ مجھے ایسا لگا کہ میری ساری دنیا اندھیری ہوگئی ہو۔ جو لوگ محبت میں چوٹ کھاتے ہو وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ دکھ کتنا بڑا ہے۔

میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ لمحے بعد وہ پھر بولی۔

"کسی آوارہ اور لفنڈر سے شادی کرنے کے بجائے خودکشی کرنا زیادہ بہتر ہے، میں ویسے بھی عمیر سے پیار کرتی ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے عمیر کا ہاتھ تھام لیا اس کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت تھی۔

میرے دل کی دنیا میں لرزہ کی کیفیت طاری تھی...... دفعتاً میں نے آنسو پونچھے اور سخت لہجے میں بولا۔

"نفرت ہی سہی...... مگر تمہارے عاشق کو جان سے مار دوں گا۔ پھر تو تم مجھ سے پیار کرو گی ناں......" میرے لہجے میں سفاکی تھی۔

اتنا کہہ کر میں نے عمیر پر حملہ کردیا عمیر شاید اس کے لئے تیار نہ تھا چند ہی منٹوں میں عمیر بے بس ہو کر گر پڑا...... وہ بے ہوش ہو چکا تھا اس کا چہرہ جگہ جگہ سے زخمی ہو چکا تھا اور کپڑے پھٹ چکے تھے میں بھی تھک چکا تھا میں نے پلٹ کر دیکھا تو بانو وہاں نہ تھی شاید وہ موقع جان کر کھسک چکی تھی میں نہیں جانتا تھا کہ بانو میرے لئے کتنی بڑی مصیبت کھڑی کر چکی تھی۔

میری سانس تھوڑی بحال ہوئی تو میں نے دیکھا کہ عمیر اب بھی بے ہوش ہے۔ غصے اور نفرت میں، میں یہ بھول چکا تھا کہ عمیر میرا بھائی ہے۔

میں کھیتوں میں ادھر ادھر کوئی ایسی چیز ڈھونڈنے لگا جس سے میں اس کا کام تمام کرسکوں...... مگر مجھے ایسی کوئی چیز نہ ملی۔

دفعتاً مجھے کراہنے کی آواز سنائی دی تو میں نے دیکھا کہ عمیر ہوش میں آ رہا تھا...... میری شیطانی جبلت دوبارہ جاگ گئی، میں نے سفاک نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس پر سوار ہوگیا اس کے سینے پر بیٹھ کر اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ اس وقت میرا خون سفید ہو چکا تھا۔

عمیر مچلنے لگا ہاتھ پیر مارنے لگا...... وہ بری طرح سے ایڑیاں رگڑ رہا تھا کہ دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ میرے سر پر کسی نے وار کیا ہے ہزاروں سورج میری آنکھوں کے سامنے طلوع ہو کر غروب ہوگئے ہوں وار انتہائی شدید تھا میں بھنا کر پلٹا لیکن نو وارد کا دوسرا وار مجھے زمین پر لے آیا...... پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

ہوش آیا تو میرا پورا جسم رسیوں میں جکڑا ہوا تھا...... میرے سر میں شدید قسم کا درد ہو رہا تھا...... میں اس جگہ پڑا تھا وہ چوبارہ تھا جو کہ ایک بہت بڑے پیپل کے پیڑ کے نیچے تھا سخت ریت اور بجری کی مدد سے پیپل کے ارد گرد ایک چبوترا سا قائم کردیا گیا تھا۔ جسے چوبارے کا نام دیا گیا تھا دن کی روشنی ہر طرف پھیل چکی تھی، اس کا مطلب کہ میں پوری رات رہا تھا اس چوبارے میں گاؤں کی پنچائیت لگا کرتی تھی۔

اس پیڑ کے آس پاس بہت سے لوگ جمع تھے

اور کرسیوں پر پنچائیت کے بزرگ لوگ جمع تھے کرسیاں اس پیڑ کے سایہ میں لگی تھیں الغرض گاؤں کی اس مختصر سی عدالت میں میرا فیصلہ ہونا تھا۔ کافی دیر تک بندھے رہنے سے میرے جسم میں درد سا ہونے لگا تھا میں محسوس کر رہا تھا کہ وہاں ہر بیٹھا ہوا ہر کھڑا ہر شخص مجھے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا حیرت کی بات یہ تھی کہ مجھے ابا کہیں نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

اچانک کرسی پر بیٹھا ایک شخص اٹھا اور ایک نفرت بھری نظر میری طرف ڈالی اور پھر حاضرین محفل سے مخاطب ہوا۔

"یہ جو یہاں بندھا ہوا پڑا ہے...... ہمارے محترم اور معزز امام صاحب کا بیٹا ہے...... اس نے نہایت ذلیل اور شرم ناک حرکت کی...... چودھری صاحب کی اکلوتی بیٹی پر مجرمانہ حملہ کیا...... اس کو بے عزت کرنا چاہا بچانے والا عمیر کو جان سے مارنے کی کوشش کی...... اگر عمیر وہاں نہ آ جاتا تو یہ اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو جاتا...... اس کی وجہ سے بے چارے امام صاحب اس ذلیل کی حرکتوں کو سن کر اللہ کو پیارے ہوگئے اور عمیر زخمی حالت میں چودھری صاحب کے گھر پر ہے۔" اتنا کہہ کر وہ شخص خاموش ہوگیا، تمام حاضرین کی نگاہوں سے غم و غصہ دکھائی دینے لگا تھا۔

ان الزامات کو سن کر میں حیرت زدہ رہ گیا...... میں بانو کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا ہاں میں نے عمیر پر ضرور حملہ کیا تھا۔ یہ خبر میرے لئے کسی تازیانے سے کم نہ تھی۔

ابا اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔ میری آنکھوں سے از خود آنسو بہنے لگے تھے کچھ بھی تھا وہ میرے والد تھے جو ہر وقت میرے لئے فکر مند رہتے تھے۔ میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ میری زبان جیسے رک گئی...... غم کا ایک بڑا بوجھ میرے پر تھا...... میرے چہرے پر تکلیف غم و کرب کے آثار تھے۔

"تمہیں کچھ کہنا ہے۔" پنچایت کا ایک پنچ کرسی سے اٹھ کر میرے پاس آ کر بولا۔

"نن...... نن...... مم...... مم...... کچھ نہیں...... میرے ابا۔" میں کراہا۔

"انہیں دفنا دیا آج صبح فجر میں۔" پنچ بولا۔

یہ خبر میرے لئے کسی بم سے کم نہ تھی۔ ظالموں نے مجھے میرے باپ کا چہرہ بھی نہیں دیکھنے دیا تھا۔

میری اس حالت کی ذمہ دار بانو تھی۔ چودھری تھا عمیر تھا، میں نے دل میں ایک بہت بڑی قسم کھائی کہ "میں ان سے انتقام ضرور لوں گا۔"

پنچایت نے تمام شہادتوں کے پیش نظر مجھے انتہائی سخت سزا سنائی۔

اگر مجھ پر عمیر پر حملہ کرنے کا الزام ہوتا تو دکھ نہ ہوتا مگر بانو کی عزت پر حملہ کرنے کے الزام میں وہ الزام جو کہ جھوٹ اور بدنیتی پر مبنی تھا۔

مجھے گاؤں سے نکال دیا گیا خالی ہاتھ دو جوڑے کپڑوں میں، میں گاؤں سے جاتے وقت ایک بار اپنے والد کی قبر سے لپٹ کر رونا چاہتا تھا، مگر مجھے اس کی اجازت نہ دی گئی...... لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میرے دل میں انتقام کا چراغ ضرور روشن ہو چکا تھا، جو کہ اب صرف اور صرف عمیر اور بانو کے خون سے بجھ سکتا تھا۔

میں ریلوے پلیٹ فارم پر بیٹھا ریل آنے کا انتظار کر رہا تھا، نہ میری جیب میں پیسے تھے مجھے بھوک بھی ستا رہی تھی دفعتاً مجھے کرمو آتا دکھائی دیا۔ جو سیدھا میری طرف آ رہا تھا کرمو آتے ہی مخصوص انداز میں مسکرایا اور "بولا کیسا ہے تو۔"

"ٹھیک ہوں...... تو سنا......" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

"تیرے ساتھ بہت برا ہوا دوست مجھے یقین ہے بانو نے تجھے پھنسایا ہے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں...... لیکن میں واپس آؤں گا بدلہ لینے...... ایک دن۔" میری آنکھوں میں ایک عزم تھا میں جانتا تھا جو میں ٹھان لیتا ہوں کر کے رہتا ہوں۔

"یہ کچھ پیسے ہیں بڑی طاقت ہے ان میں تو رکھ لے تیرے کام آئیں گے۔" کرمو نے پیسے میری جیب

Pakistanipoint Waqar Azeem

میں ٹھونستے ہوئے کہا۔

میں نے پیسوں کا منع نہیں کیا اور ریل میں چڑھ گیا۔

میں نے زندگی میں پہلی بار گھر سے باہر قدم نکالا تھا ریلی کے سفر میں سارے مسافر بھی اجنبی تھے، مجھے ایک ایک کر کے سارے کے سارے واقعات میری نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔ ابا کا چہرہ، کبھی عمیر کا چہرہ کبھی گاؤں کے سارے دوست میری نگاہوں کے سامنے ایک ایک کر کے آگے گئے بانو کا میرا جب بھی میرے سامنے آتا غصے سے میری مٹھیاں بھینچ جاتیں میں ریل میں بیٹھا رہا سفر ہوتا رہا۔ پھر میری ٹرین ایک بڑے شہر کے پلیٹ فارم پر جا لگی۔

اسٹیشن سے اترتے ہی اس شہر کی رونق دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔

تیزی سے بھاگتی گاڑیاں، بھاگتے ہوئے انسان دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اسٹیشن سے میلوں دور تک سائن بورڈ پڑھتا، بسوں اور ٹرالوں کا شور سنتا ہوا بڑی بڑی دکانوں میں رکھے ہوئے سامانوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

میں چل چل کر تھک گیا تھا لیکن راستہ ہی ختم نہ ہوتا تھا۔

میرے پیر دکھنے لگے تھے نیا شہر دیکھنے کا تجسس دوسرے مسئلوں کی وجہ سے ماند پڑ گیا تھا۔

بھوک بھی لگ رہی تھی کہیں دو گھڑی بیٹھ کر آرام کرنے کو بھی دل کرتا تھا بھوک کا مسئلہ میں نے اس طرح حل کیا کہ ایک ریڑھی پر دال چاول کھائے اور پی کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ انسانوں کے اس جنگل میں کوئی ہمدرد نہیں، میں کیا کروں، کہاں جاؤں؟ رہنے کا سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں مجھے اپنا گاؤں یاد آنے لگا تھا۔ گاؤں میں تو سرِ شام زندگی سو جاتی ہے لیکن شہر 10 یا 11 بجے تک جاگتا ہے مجھے اس بات کی فکر ہونے لگی کہ باقی پیسے ختم ہوں گے تو کیا ہوگا۔

اس لئے مجھے شدید قسم کی پریشانی ہونے لگی تھی چنانچہ صرف اور صرف نوکری کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا پاکستان کا ابتدائی زمانہ تھا اس نومولود ریاست کے اپنے مسائل تھے، چنانچہ حصول روزگار میرے لئے اتنا آسان نہ تھا جتنا میں سمجھ رہا تھا۔

چنانچہ میں نے اس شہر کی بڑی بڑی دکانوں میں جا کر نوکری حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا کئی بڑی دکانیں نظر آئیں مگر ان دکانوں میں اندر جانے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ آخر ایک دکان کے سامنے آ کر میں رک گیا۔ کافی دیر تک میں اس دکان کے سامنے کھڑا رہا۔ جب سارے گاہک چلے گئے تو میں ڈرتے ڈرتے دکان کے اندر داخل ہوا۔

”فرمایئے......؟“ کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ایک شخص نے میرا حلیہ دیکھ کر پوچھا۔

”جی......“ اس کے اندازِ تخاطب سے میں گھبرا گیا۔

میرے چہرے پر گھبراہٹ دیکھ کر وہ شخص سمجھ گیا۔

”اوہ...... بھکاری ہو...... جاؤ بھائی کوئی اور گھر دیکھو۔“

”اتنے ہٹے کٹے ہو کر بھیک مانگتے ہو......شرم نہیں آتی۔“ وہ شخص سخت لہجے میں بولا۔

”میں بھکاری نہیں ہوں۔“ میں نے اونچی آواز میں کہا۔

”تو پھر کیا ہو......جاؤ بابا نکلو باہر ورنہ میں پولیس کو بلاتا ہوں۔“ اس کا لہجہ بدستور سخت تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میں چند لمحے ٹھہر کر وہاں سے چلا گیا۔ پہلی جگہ ہی ناکامی ہوئی پھر میں نے ہمت کر کے کئی دکانوں میں کوشش کیں مگر ہر جگہ ناکامی ہوئی کوئی ضمانت مانگتا کوئی دھکے دے کر نکال دیتا۔ دو دن کے بعد میری حالت ابتر ہو چکی تھی۔

اتنے بڑے شہر میں نہ تو سر چھپانے کا ٹھکانہ تھا نہ ہی پیٹ بھرنے کے لئے روٹی چنانچہ رات گزارنے کے لئے ریلوے ویٹنگ روم ہی مناسب تھا میرے

سارے پیسے ختم ہو چکے تھے پچھلے 24 گھنٹے سے میں نے کچھ نہ کھایا تھا نہ ہی پیا تھا چنانچہ میرا سر بری طرح سے چکرانے لگا تھا۔

ریلوے ویٹنگ روم تک جانے کے لئے میں تھوڑا ہی چلا ہوں گا کہ بیچ سڑک پر میرا سر چکرانے لگا شاید نقاہت کے سبب ایسا تھا شام کے سائے رات میں تبدیل ہو رہے تھے، دفعتاً میری آنکھیں تیز روشنی سے خیرہ ہونے لگیں کوئی کار قریب آ رہی تھی کار کے ہارن مجھے بیچ سڑک سے ہٹنے کا اشارہ دیئے جا رہے تھے، لیکن میری ہمت نہ ہو پا رہی تھی سر بری طرح سے چکرا رہا تھا پھر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک نہایت ہی عالی شان قسم کے بیڈ پر پایا ایک نرس کے کپڑے پہنے ایک عورت میرے سامنے تھی اور وہ انجکشن تیار کر رہی تھی۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو وہ یکدم بول پڑی۔

”آپ لیٹے رہیے نہیں تو آپ کی نقاہت بڑھ جائے گی۔ میں آپ کو طاقت کا انجکشن لگا دوں۔“ اس کے ہونٹوں پر نہایت مہربان مسکراہٹ تھی۔

انجکشن دینے کے دوران وہ مسلسل مجھے دیکھ کر مسکراتی رہی تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنا کام مکمل کر کے چلی گئی میں نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے کمرے کا جائزہ لیا۔

کمرہ واقعی بہت خوب صورت اور بڑا تھا، جتنا بڑا یہ کمرہ تھا اتنا ہی بڑا گاؤں میں ہمارا گھر تھا چاروں طرف دیواروں پر خوب صورت عورتوں کی عریاں تصاویر لگی تھیں۔

میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے یہاں کون لایا تھا؟ لیکن جو بھی تھا میرا ہمدرد اور محسن تھا۔

کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ مجھے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ آنے والا ایک ویٹر تھا جس نے ایک ٹرالی سنبھال رکھی تھی جس میں کھانے پینے کی اشیاء موجود تھیں ٹرالی اوپر سے نیچے تک انواع واقسام کے لوازمات سے بھری تھی، ویٹر ٹرالی چھوڑ کر چلا گیا کھانے سے اچھی طرح سیر ہو جانے کے بعد مجھے نیند آنے لگی تھی۔ اتنا عمدہ اور پرتعیش کھانا میں نے پہلی بار کھایا تھا۔

جو بھی میرا میزبان تھا وہ واقعی بے حد رحم دل اور فراخ دل انسان تھا۔ میں سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ مجھے دوبارہ قدموں کی آہٹ سنائی دی میں نے دیکھا کمرے میں داخل ہونے والا شخص ایک انگریز تھا اس کی عمر 60-65 سال کے درمیان تھی اس شخص کے سارے بال سفید تھے جبکہ ڈاڑھی کے بال کالے شاید اس نے ڈاڑھی پر رنگ لگایا ہوا تھا۔

اس نے جسم پر نہایت خوب صورت سوٹ زیب تن کر رکھا تھا اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور نہایت چمکدار تھیں چھوٹے قد کے سبب وہ نہایت عجیب لگ رہا تھا۔

”تم نے کھانا ٹھیک سے کھایا۔“ اس نے خالی پلیٹوں کی طرف دیکھ کر نہایت صاف ستھری اردو میں کہا۔

”ج...... جی...... بہت مہربانی۔“ میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا تھا۔

”میرا نام جون فرینک ہے تم میری گاڑی سے ٹکرائے تھے اور تمہاری حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بھوکے بھی اور بے آسرا بھی ہو۔“

”جی...... بالکل میں نے دو دن سے کچھ کھایا نہیں تھا۔“ پھر میں نے اسے اپنی کہانی سنانی شروع کر دی۔

میری کہانی کے دوران وہ بالکل ہی خاموش رہا۔ جب میں خاموش ہوا تو وہ مسکرا کر بولا۔

”تو کچھ سیکھا تم نے اپنی داستان سے۔“ اس کا انداز بڑا ہی مدبرانہ تھا۔

”میں سمجھا نہیں۔“

”خوب...... میں جون فرینک 1940ء میں ہندوستان میں داخل ہوا جانتے ہو کیوں......“ وہ چھوٹے چھوٹے دیدے گھماتا ہوا بولا۔

”نہیں......“ میں نے بے وقوفوں کی طرح کہا۔

”ہندوستان شروع سے ہی مجھے پراسرار لگتا تھا

،ہندوستان کی سرزمین جادوٹونہ اورتوہمات سے بھری تھی ،چنانچہ اس سرزمین پر میں نے جادو،کالی قوتیں حاصل کیں میری یہ کالی قوتیں حاصل کرنے کا جنون بڑھتا چلا گیا پھر ہندوستان تقسیم ہوگیا میں پاکستان آگیا۔پاکستان میں انگریزوں کا بنایا ہوا ایک قدیم قبرستان ہے سنا ہے کہ یہ قبرستان آسیب زدہ قبرستان ہے وہاں قوتوں کا خزانہ دفن ہے،اور وہ خزانہ جس کے پاس آجائے اس کی کالی قوتیں اس پر مہربان ہوجاتی ہیں میں تمہیں اتنے پیسے دوں گا کہ تم خوش ہوجاؤ گے۔“

”مگر تم وہاں کیوں نہیں جاتے۔بقول تمہارے پاس بہت سی قوتیں ہیں۔“میری بات سن کر جون فرینک مسکرایا اور بولا۔

”ہر طاقت کی کچھ نہ کچھ حدود ہوتی ہیں......اس طرح وہ علاقہ وہ قبرستان میں صرف ایسے لوگ جاسکتے ہیں جو شیطانی قوتوں کی حدود میں نہ آسکتے ہوں۔“

اس کی نرالی منطق میری سمجھ میں نہ آئی لیکن پیسے کی بات آخر میری سمجھ میں ضرور آ گئی۔

جون فرینک کی ہدایات کے مطابق میں اس قبرستان میں موجود تھا۔

☆......☆......☆

ہلکی ہلکی بوندا باری شروع ہوچکی تھی سردی کی شدت میں اضافہ ہوچکا تھا رات کے تقریباً ڈیڑھ بج چکے تھے چاروں طرف سناٹا اندھیرا اور موت کی خاموشی تھی، شہر خموشاں کا یہ قبرستان اپنے اندر نہ جانے کتنے راز لئے ہوئے تھا میں ایک ٹوٹے پھوٹے چبوترے پر بیٹھا کسی ایسی انہونی کا انتظار کررہا تھا۔

دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ کوئی گہرے گہرے سانس لے رہا ہو۔سانسوں کی آواز مجھے اپنے برابر سے آرہی تھی...... جیسے کوئی جانکنی کی کیفیت سے دوچار ہو۔اچانک مجھے دور کہیں سے گیدڑ کے رونے کی آواز سنائی دی۔

خوف سے میرے مساموں سے ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا۔

دفعتاً میرے کانوں میں چھن......چھن......کی آواز سنائی دی۔

جیسے کوئی عورت پائل پہن کر ٹہل رہی ہو۔

میرے حلق سے دل خراش چیخ نکلی......میں نے بھاگنے کی کوشش لیکن میرے پیر من من بھر کے ہوگئے۔میرے قدموں نے میرے جسم کا ساتھ دینے سے انکار کردیا......جون فرینک کی تمام ہدایات میرے ذہن سے نکل گئیں کہ اچانک مجھے فضا میں ایک قہقہہ سنائی دیا قہقہہ نہایت خوف ناک اور مردانہ تھا۔

”جون فرینک نے تمہیں دھوکہ دیا ہے......اس نے تم کو میرے حوالے کردیا ہے......تاکہ میں تمہاری مدد سے اپنا کام کرسکوں...... جون فرینک نے تمہارے بدلے مجھ سے شیطانی قوتیں حاصل کی ہیں۔“ ایک پراسرار آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

”ک......کون ہو......تم......؟“

”تمہارا جسم اب میرا گھر ہوگا...... ہا......ہا......ہا......“

ایک خوفناک قسم کا قہقہہ میرے کانوں سے ٹکرایا واقعی لالچ کا انجام بہت برا ہوتا ہے نہ جانے میرے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

اچانک میری آنکھوں کے سامنے چمکدار قسم کے ذرات منقسم ہونے لگے پھر مجھے ایک زوردار دھکا لگا اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

میرے ساتھ کس قدر لرزہ خیز واقعات پیش آنے والے ہیں اگر مجھے ذرا بھی علم ہوتا تو میں اس منحوس قبرستان میں داخل ہی نہ ہوتا مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے شدید جھٹکوں سے میری آنکھ کھل گئی میں نے دیکھا کہ میں کسی ٹرین میں موجود ہوں اور ایک برتھ پر لیٹا ہوں اور ریل کے جھٹکوں سے میری آنکھ کھلی ہے مجھ پر ایک بڑی عمر کے ایک صاحب جھکے ہوئے ہیں مجھے اٹھتے دیکھ کر بڑے صاحب جو کہ 60 سال کے قریب ہوں گے فوراً پانی کا گلاس میری جانب بڑھادیا واقعی مجھے پانی کی بے حد طلب محسوس ہورہی تھی میں نے پانی فوراً غٹاغٹ پی لیا۔

”اب کیسے ہو......بیٹے۔“

”میں یہاں کیسے آیا......“ مجھے نہایت شدید نقاہت اور کمزوری محسوس ہورہی تھی۔

بڑے صاحب کچھ دیر تک بے یقینی کی کیفیت میں مجھے دیکھتے رہے اور پھر بولے۔

”بیٹے......کراچی سے تم ہمارے ساتھ ہی ریل میں چڑھے تھے۔“بڑے صاحب کی بات سن کر میرا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا میرے چہرے پر گھمبیر پریشانی دیکھ کر بڑے صاحب پھر بولے۔

”شاید تم کو کوئی بیماری ہے......تم کو بھول جانے کی بیماری ہے تم ہم سے باتیں کرتے کرتے چکرا کر گر پڑے تھے۔“

”چکرا کر گر پڑا تھا......“میں نے حیرت سے خود کلامی کی۔

میں تو اس قبرستان میں تھا پھر میں ریل میں کیسے آیا یہ ایک راز تھا شاید اسی پراسرار قوت نے مجھے ریل میں پہنچایا تھا۔

”کیا ہوا...... خیر تو ہے بیٹا۔“ بڑے صاحب اپنی داڑھی میں خلال کرتے ہوئے تشویش بھرے لہجے میں بولے۔

”نہیں......کچھ نہیں......“

ابھی میں مزید کچھ اور ہی کہنا چاہتا تھا کہ میری آنکھیں چندھیا گئیں وہ لڑکی بے حد خوبصورت تھی جو کہ آرام سے چلتی ہوئی بڑے صاحب کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔

”ابو......باتھ روم کا بلب نہیں جل رہا۔“

اس کی آواز میرے کانوں میں رس گھول گئی......

اس کی آواز واقعی بے حد خوب صورت تھی وہ خود بھی بے حد نرم اور نازک تھی اس کی عمر 18-19 سال کے لگ بھگ تھی اس کی خوب صورتی بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں پھر بھی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔

وہ واقعی بے حد حسین نرم ونازک اور لطیف تھی بالکل اوس کے پہلے قطرے کی طرح۔

”بابا...... باتھ روم کی لائٹ نہیں جل رہی بلب فیوز ہوگیا ہے۔“

لڑکی نے اپنے والد سے مخاطب ہوکر نقرئی آواز میں کہا۔

”بس بیٹی سفر پورا ہونے کو ہے۔“بڑے صاحب نے لڑکی سے مخاطب ہوکر کہا۔

لڑکی واقعی خوب صورت اور حسین تھی۔دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ جیسے کہ کسی نے میرے کان میں سرگوشی کی ہو وہ عجیب غیر انسانی سی آواز تھی جیسے کوئی بھیڑیا میرے کان میں غرایا ہو۔

”تمہارا جسم میری روح کا مسکن ہے ...... اور میری روح کی خوراک اس خوب صورت کی معصومیت اور خوف ہے۔“

”نن......نہیں۔“ میرے حلق سے خوف زدہ سی آواز نکلی۔

”تم انکار نہیں کرسکتے......یہ میرا حکم ہے۔“

اسی لمحے مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے کانوں میں بے شمار سیٹیاں گونجنے لگی ہوں میری آنکھوں کے سامنے نیلے پیلے ستارے رقصاں تھے۔ دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ میرے جسم میں بجلی بھرگئی ہو۔ میں اٹھ کھڑا ہوا میری آنکھیں سرخ ہوچکیں تھیں۔

میں نے دہشت بھری نظروں سے لڑکی کی جانب دیکھا جو کہ اپنے والد سے بات چیت میں مشغول تھی...... میں نے تنویمی انداز میں آگے بڑھ کر اس کی نرم ونازک کلائی پکڑلی۔

میرے اس عمل سے وہ چونک گئی اور اس کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔

”یہ ...... کیا کررہے ہو......“ بڑے صاحب چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”بڈھے ...... تیری یہ بیٹی آج میرا شکار بنے گی......“میری آواز بدلی ہوئی تھی۔

میں جو کچھ کررہا تھا اس میں میرے ارادے کا دخل نہ تھا وہ شیطانی قوت مجھ سے میرے جسم کے ذریعے اپنے

ناپاک عزائم کی تکمیل مجھ سے چاہتی تھی۔

”کمینے...... ذلیل...... اس کا باپ ابھی زندہ ہے۔“

”تو مر جاؤ......“ یہ کہہ کر میں نے لپک کر اس بڈھے کا گلا پکڑ لیا اور بڈھے کو فضا میں بلند کر دیا وہ بڈھا مرغ بسمل کی طرح تڑپتا رہا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا پھر ڈھیر ہو گیا۔

”بابا......“ لڑکی چیخ کر بڈھے کی جانب بڑھی لیکن میں نے اسے لپک کر پکڑ لیا...... اس کے چہرے پر خون کی تمازت نے اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیئے تھے میں نے اسے دبوچ لیا۔ خود کو میرے آہنی شکنجے سے بچانے کے لئے ہاتھ پیر مارتی رہی پھر میں نے اسے ایک جھٹکے سے نیچے گرا دیا پھر میں انسان سے جانور بن گیا اور اس کی معصومیت کو روندتا رہا اس کی کربناک چیخیں ابھرتی ڈوبتی رہیں۔ اور جب میرے ہوس کا سیلاب ٹھنڈا ہوا تو وہ بے ہوشی کی کیفیت سے دوچار تھی۔ اسی لمحے میں نے دانتوں سے اس کی شہ رگ کاٹ ڈالی...... وہ ایک لمحے کے لئے تڑپی پھر میں نے اسے تڑپنے کا موقع نہ دیا۔

اس کا گرما گرم خون میری پیاس بجھاتا رہا اور میں انسان سے درندہ بن گیا...... میں کسی خون آشام بھیڑیئے کی طرح خون پیتا رہا...... اس کے بعد مجھ پر جیسے بے ہوشی کی کیفیت طاری ہونے لگی...... بے ہوش ہونے سے قبل مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ مجھے کسی نے ریل سے دھکا دیا تھا ٹرین جس جگہ سے گزر رہی تھی اس اطراف بے شمار خودرو جھاڑیاں پودے اور بڑا سا میدان تھا گرتے ہی میں اس خودرو جھاڑیوں میں جا پڑا تھا۔

آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو ایک جھونپڑی میں گھاس سے بنے ہوئے بستر پر پایا۔ جھونپڑی میں نیم اندھیرا تھا میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو میں درد سے کراہ کر رہ گیا لگتا تھا ریل سے کودتے وقت گرتے ہی کہیں چوٹ آ گئی تھی میں نے سر اٹھا کر اپنے جسم کی طرف دیکھا تو میرا پورا جسم عجیب سی سبز مائل مٹی سے اٹا پڑا تھا جس سے اٹھنے والی عجیب سی مہک میرے دماغ پر اثر انداز ہو رہی تھی نہ جانے میرے جسم پر کیا لگا ہوا تھا جس سے میرا پورا جسم سن ہو کر رہ گیا تھا۔

دفعتاً میرے کانوں میں قدموں کی آہٹ سنائی دی، نہ جانے کون آنے والا تھا میرا دل دھک سے رہ گیا ہزاروں قسم کے اندیشے اور وسوسے میرے دماغ میں گونجنے لگے مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں آنے والا مجھے نقصان بھی پہنچا سکتا تھا۔

”گھبراؤ مت تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔“ آواز سنتے ہی مجھے جیسے میرے کانوں میں کسی نے شہد ٹپکا دیا ہو آواز اس قدر حسین اور خوب صورت تھی کہ میں اپنی نظریں اس وجود پر گاڑ دیں وہ ایک ٹھوس اور آنچ دیتے بدن اور دلفریب خطوط رکھنے والی حسینہ تھی اس نے دھانی رنگ کی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی۔

اس کی مخروطی گردن کتابی چہرہ روشن آنکھیں اف اس کا حسن میں بھول نہیں پایا ہوں۔ وہ میری طرف مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”ڈرو مت پورے جنگل میں تم اس جھونپڑی میں محفوظ ہو تم مجھے زخمی حالت میں جھاڑیوں میں پڑے ملے تھے۔“

”میرے جسم پر کیا لگایا ہے۔“ میں نے کراہتے ہوئے پوچھا۔

”تم بہت زیادہ زخمی تھے ایسا لگ رہا تھا کہ تم کو کسی نے بہت مارا ہے...... پورا شریر زخموں سے چور تھا...... اس لئے زخم سکھانے کے لئے جڑی بوٹیوں کا عرق لگانا پڑا۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

اس کی بات سن کر میرا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا میں جس طرح گرا تھا اس طرح مجھے اتنی خطرناک چوٹیں نہیں آنی چاہئیں تھیں۔

میرے چہرے پر حیرت دیکھ کر وہ سمجھی کہ شاید مجھے یقین نہیں آیا۔

”میرے بھولے بادشاہ میں سچ کہہ رہی ہوں...... تم بہت زخمی تھے...... ویسے بھی کانتا جھوٹ

نہیں بولتی۔“

میں جس طرح کے واقعات سے گزر رہا تھا ایسے میں کچھ ہونا میرے ساتھ ممکن تھا۔

”یہ لیپ دو دن تک تمہارے بدن سے لگا رہے گا دو دن بعد یہ خود بخود جھڑ کر گر جائے گا اس کے بعد تم جنگل میں موجود ندی میں نہا لینا۔“ یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

کانتا کون تھی یہ میں نہیں جانتا تھا...... بس وہ تو مجھ جیسے لالچی کے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئی تھی۔

نہ جانے میں کب تک جاگتا رہا اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی...... کافی دیر گزری ہو گی جسم میں شدید قسم کی کھجلاہٹ محسوس ہونے لگی میری آنکھ کھل گئی......

مجھے ایسا لگا کہ میرے جسم میں کچھ کلبلا رہا ہے میں نے غور سے دیکھا تو خوف سے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا میرا پورا جسم چاول کے دانے کے برابر چھوٹے چھوٹے سفید کیڑوں سے بھرا پڑا ہے۔ سفید کیڑے بڑی ہی تیزی سے میرے پورے جسم کو چاٹ رہے تھے کانتا میرے بالکل سامنے کھڑی مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

یہ سب دیکھ کر میرے حلق سے دل خراش چیخ نکل گئی۔

”یہ کیا......“ میرے چیختے ہی منظر بدل گیا وہاں نہ کیڑے تھے نہ ہی کانتا۔ بس میں اور میری چیخیں تھیں۔

میرے چیخنے کی آوازیں سن کر کانتا بھاگتی ہوئی جھونپڑی میں داخل ہو گئی کانتا کے ہاتھ میں ایک لالٹین تھی۔

لالٹین کی روشنی میں، میں نے کانتا کو دیکھا تو خون کی حدت میرے جسم میں تیز ہو گئی میرا خون جیسے لاوا بن کر میرے جسم میں دوڑنے لگا کانتا نے جسم پر ایک ہلکی سی چادر ڈال رکھی تھی جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے کپڑوں میں نہیں تھی مجھے اس طرح گھورتے دیکھ کر وہ یکدم شرما گئی پھر دوسرے لمحے وہ انجان سی بن گئی۔

”کیا ہوا کیوں چیخ رہے تھے؟“

”کک کچھ نہیں......“ میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

”کہیں کوئی برا خواب دیکھ لیا......“ اس کی نظریں مجھے اپنے جسم کے پار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

”نن...... نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں۔“

”اچھا......“ اس نے مجھے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر باہر نکل گئی۔

وہ ساری رات میری آنکھوں میں کٹ گئی مجھے ہر طرف سفید سفید کیڑے کلبلاتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے ہر تھوڑی دیر میں چونک جاتا کہ کہیں وہ کیڑے واپس نہ آ جائیں۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ کانتا بہت خطرناک عورت ہے اس کا جھونپڑا مکڑی کے جال کے جیسا ہے وہ اس جھونپڑے میں اکیلی کیوں رہتی تھی؟ ایسے بہت سے سوالات تھے جو کہ حل طلب تھے۔

دوسری صبح جب وہ جھونپڑی میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں میرے لئے ناشتہ تھا اس بار اس کو دیکھ کر میرے حواس بھی قابو میں نہ رہے ایسا لگ رہا تھا کہ شعلہ بدن کپڑوں کی قید سے باہر آنے کے لئے مچل رہا ہے جھونپڑی میں داخل ہوتے ہی نہایت ہی قاتل نگاہوں سے میری طرف دیکھا اس کی نگاہوں میں میرے لئے دعوت تھی جیسے کہہ رہی ہو۔ ”حسن کے بہتے دریا میں ڈبکی لگا لو۔“

ناشتہ میں شہد، سیب اور دوسرے جنگلی پھل تھے چونکہ میں اٹھنے کے قابل نہ تھا اس لئے ناشتہ اس نے مجھے اپنے ہاتھوں سے کروایا۔

ناشتہ کرواتے وقت وہ نہایت عجیب نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی جیسے کہ کوئی بھوکی شیرنی اپنے شکار کو دیکھتی ہے۔

ناشتہ کرانے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں سرخ اور چہرہ لال تھا۔ جاتے جاتے اس نے مجھے محبت پاش نظروں سے دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

”میرے بھولے بادشاہ تم بہت سندر ہو۔“

میں اس کی بات سن کر حیرت سے اسے تکنے لگا۔

پھر نہ جانے میرے من میں کیا آیا۔

میں نے مسکرا کر کہا۔ "تم بھی کچھ کم نہیں ہو۔"

میری بات سن کر اس کا چہرہ جیسے گلنار ہوگیا اور پھر وہ جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔

صبح سے شام تک وہ میری خوب خدمت کرتی اور رات میں نہ جانے کہاں چلی جاتی۔

میرے جسم پر چڑھا ہوا لیپ چونکہ پتھر کی طرح سخت ہو چکا تھا اس لئے میں ہلنے جلنے سے قاصر تھا ایک بات نہایت حیرت انگیز تھی یہ عجیب و غریب قسم کا لیپ جب تک میرے جسم سے لگا رہا تھا حوائج ضروریہ کی حاجت پیش نہ آئی لیپ کے ساتھ مجھے دو روز ہو چکے تھے۔

ایک روز صبح کے وقت وہ ناشتے کے ساتھ مٹی کا پیالہ بھی لائی جس میں سبز رنگ کا کوئی سیال تھا۔

اس نے وہ سارا سیال میرے جسم پر انڈیل دیا سیال کے جسم پر گرتے ہی وہ لیپ ایسے جھڑنے لگا جیسے خزاں کے موسم میں درختوں سے پتے جھڑتے ہیں چند ہی منٹوں میں میرا سارا جسم اس لیپ سے صاف ہوگیا لیپ صاف ہوتے ہی میں نے دیکھا کہ میرا اوپری دھڑ برہنہ ہے جبکہ نچلے حصے پر صرف ایک جانگیہ موجود ہے۔

میرے جسم کو دیکھتے ہی اس کی غزالی آنکھوں میں خمار سا چھا گیا، سرخ سرخ سے ڈورے اس کی آنکھوں میں تیرنے لگے۔

وہ نہایت بھوکی نظروں سے مجھے گھورنے لگی تھی اور پھر بغیر کچھ کہے ہونٹ چباتی ہوئی باہر نکل گئی۔

کانتا کا اس طرح گھورنا میری سمجھ سے باہر تھا، میں پورا دن جھونپڑی میں پڑا رہتا تھا کانتا اس بیچ میں دو چار دفعہ آتی ناشتہ دے کر نہ جانے کہاں چلی جاتی، یہ چیز میری سمجھ سے باہر تھی کہ رہتی کہاں ہے کرتی کیا ہے؟ اس جنگل میں کیوں ہے؟ مجھے کیوں جھونپڑی سے باہر نکلنے نہیں دیتی۔؟

ان سوالات کے جوابات تشنہ تھے کافی دن جھونپڑی میں پڑے گزر چکے تھے جب بھی میں باہر نکلنے کی کوشش کرتا وہ مجھے منع کر دیتی۔

میں اس جھونپڑی سے باہر نکلنا چاہتا تھا اور پھر ایک روز میں نے ہمت کر کے جھونپڑی سے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس رات قریب 8یا7 کا وقت ہوگا کانتا کے آنے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی جھونپڑی سے باہر نکلنے کے بعد پہلے تو مجھے کچھ نظر نہ آیا کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد رات کی تاریکی میں جنگل نے اپنے خدوخال نمایاں کرنا شروع کر دیئے تھے درخت جھاڑیاں، بیلوں کے خاکے دھندلے اور سرمئی نظر آرہے تھے میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا تاکہ میرے قدموں کی آہٹ کانتا تک نہ پہنچ جائے۔

میں ایک جگہ رک کر جائزہ لینے لگا۔ جائزہ کیا لیتا تھا درخت اتنے گھنے تھے کہ تاریکی میں اور زیادہ گھنے محسوس ہو رہے تھے۔

میں چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگل سے نکل کر کسی قریبی بستی یا شہر جا پہنچوں تاکہ نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کروں انتقام لوں۔ مجھے اس جنگل میں ایک ماہ سے زیادہ گزر چکا تھا مجھ پر وہ پراسرار کیفیت دوبارہ طاری نہ ہوئی تھی جس کے زیر اثر میں نے ایک بے بس اور مجبور بوڑھے کا خون اور نوجوان لڑکی کی معصومیت کا قتل کیا تھا شاید اس شیطانی قوت نے میرا پیچھا چھوڑ دیا تھا یہ میری خام خیالی تھی میرا وہم تھا میں اس پراسرار طاقت کے نئے حربے کا شکار ہونے جا رہا تھا جس کا مجھے علم نہ تھا اور نہ اندازہ تھا انتقام کے جنون نے لالچ اور حرص نے مجھے کہاں لا کر کھڑا کر دیا تھا جس قوت کو میں تسخیر کرنا چاہتا تھا آج وہی قوت مجھے تسخیر کر چکی تھی اپنے بھائی سے بدلے کے حصول نے آج میری یہ درگت بنا دی تھی۔

رات کی تاریکی میں کافی دیر تک چلنے کے بعد مجھے ایسا لگا کہ میں راستہ کھو بیٹھا ہوں میرے جیسا بے وقوف آدمی شاید اس دنیا میں کوئی ہوگا میں نکل تو آیا تارچ کے بغیر اب مجھے راستہ دکھائی دینا بند ہو چکا تھا۔

آگے جانا خطرے سے خالی نہ تھا اور واپسی کا راستہ میں بھول چکا تھا اگر میں یوں اندھوں کی طرح آگے

بڑھتا تو ممکن تھا کہ میری ملاقات موت سے ہوتی انتقام لئے بغیر اگر میں مر جاتا تو میری روح ہر وقت بے سکون رہتی۔ اور جب تک میں بالو کو حاصل نہیں کر لیتا اس وقت تک میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

میں وہیں ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ مجھے اپنے پیروں کے قریب سرسراہٹ سی محسوس ہونے لگی میں چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور فوراً سے پیشتر میرے ذہن میں سانپ کا خیال آیا...... میں ڈر کے مارے پیچھے ہٹنے لگا۔ اور پیچھے ہٹتے ہوئے میری کمر ایک جھاڑ سے جا لگی۔

"چھن...... چھن...... چھن۔" اچانک میرے کانوں نے پائلوں کی جھنکار سنی آواز اتنی تیز اور واضح تھی کہ خوف سے میرے بدن کے سارے مساموں نے پسینہ اگل دیا۔

"چھن...... چھن...... چھن......"

"کہاں ہو...... ناتھ...... میں ہر جنم تمہاری پرتکیشا کرتی ہوں جدائی کی آگ میں مجھے مت جلاؤ۔" ایک درد و کرب میں ڈوبی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"چڑیل......" فوراً میری زبان پر آیا تو میں الٹے قدموں واپس بھاگا۔

میری مثال ایسی تھی کہ جدھر سینگ سمائے ادھر ہی بھاگو۔

بھاگتے بھاگتے میرے پیر کسی پتھر سے ٹکرائے اور میں اچھل کر گرا اور گرتے ہی مجھے ایسا لگا کہ بہت سے سورج اچانک طلوع ہو کر غروب ہو گئے ہوں پھر اندھیرا چھا گیا۔

☆......☆......☆

آنکھ کھلتے ہی مجھے نہ جانے کیوں عجیب سا احساس محسوس ہوا شاید یہ احساس کسی قسم کے خوف کا تھا۔ مجھے اپنا سر بھی بے حد بھاری محسوس ہو رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ میرے سر پر منوں بوجھ ہو، کچھ ہی لمحوں کے بعد میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ایک پتھریلی سی کوٹھری میں پڑا ہوں جیسے کوئی جیل ہو۔

اس کوٹھری کا حال بھی اسی ٹارچر سیل جیسا تھا جہاں عموماً خطرناک قسم کے قیدی رکھے جاتے ہیں دیواروں پر بڑی بڑی زنجیریں نصب تھیں جن میں ہڈیوں کے بوسیدہ پنجر بندھے ہوئے تھے شاید یہ وہ مجبور قیدی تھے جو یہاں کسی جرم کی وجہ سے لائے گئے ہوں گے اور پھر بھوکے پیاسے مر گئے ہوں گے، میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ میں یہاں کیوں قید ہوں؟ مجھے یہاں کون لایا نہ جانے میں کس گورکھ دھندے میں پھنس گیا تھا؟ میں نے خود پر نگاہ ڈالی تو میں حیران رہ گیا کہ میرے جسم پر کرتا شلوار کی جگہ سیاہ رنگ کا ایک چوغہ موجود ہے میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس نیم اندھیری کال کوٹھری میں کیا کر رہا ہوں کس نے مجھے بند کیا ہوا ہے۔

انہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ مجھے کسی کے قدموں کی آہٹ کی آواز سنائی دی۔ میں چوکنا ہو کر بیٹھ گیا کہ دیکھیں کون آتا ہے۔ قدموں کی آہٹ قریب آتی گئی۔ نوارد جیسے ہی میرے سامنے آیا تو اس کو دیکھ کر میں چونک گیا...... نوارد کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

نوارد کوئی اور نہیں بلکہ کانتا تھی...... میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کانتا کو یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

کانتا کا روپ اس بار بالکل ہی بدلا ہوا تھا...... اس نے گیروے رنگ کا باریک سا چوغہ ڈال رکھا تھا جس سے اس کے خوب صورت جسم کی رعنائیاں ظاہر ہو رہی تھیں اس نے چہرے پر بھبھوت مل رکھا تھا۔

"کیوں بدھو مہاراج...... بھاگ چلے تھے۔" اس کے لہجے سے طنز ظاہر ہو رہا تھا میں نے کوئی جواب نہیں دیا...... مجھے اس سے ڈر محسوس ہو رہا تھا۔

"ہمارے چنگل سے بچ نکلنا آسان نہیں ہے سمجھے تم۔" وہ زہرخند سے بولی میں اس کی بات سن کر چونک پڑا ہمارے سے کیا مراد تھی کیا وہ اکیلی نہ تھی۔

چند لمحوں تک وہ میری طرف قہر آلود نظروں سے گھورتی رہی پھر الٹے قدموں واپس چلی گئی۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ کانتا کس قدر خطرناک عورت ہے اس کا مجھے علم نہ تھا۔

چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ مجھے چیخوں کی آوازیں سنائی دیں چیخوں کی آوازیں نسوانی تھیں ساتھ ہی ساتھ مجھے مردانہ آوازیں بھی سنائی دیں کوئی شخص گالیاں بک رہا تھا دویا تین منٹ گزرے ہوں گے کہ میں نے دیکھا کہ دو تین ہٹے کٹے حبشی غلام ایک لڑکی کو بالوں سے گھسیٹتے ہوئے لا رہے ہیں لڑکی نہایت معمولی سے کپڑوں میں تھی صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اسے کسی قریبی گاؤں سے اٹھا لائے ہیں لڑکی کی حالت بڑی دگرگوں تھی، اسکا سوتی شلوار قمیض جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا انہوں نے بڑی بے دردی سے کوٹھری کا دروازہ کھول کر اندر دھکا دے دیا۔

لڑکی کوٹھری کے فرش پر گرتے ہی بری طرح سسکنے لگی۔

لڑکی کی حالت بے حد نازک تھی۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا کوٹھری کے بائیں طرف ایک سلیمن زدہ مٹکا اور ایک گندا سا گلاس موجود تھا، میں کراہتے ہوئے اٹھا اور مٹکے سے پانی بھرا اور لڑکی کے سامنے کر دیا لڑکی نے سسکتے ہوئے سر اٹھایا اور چند لمحے تک میری طرف دیکھنے کے بعد سارا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

لڑکی کوئی خاص خوب صورت نہ تھی مگر اس میں ایک کشش تھی خاص کر اس کی آنکھیں جسے دیکھ کر مجھے بانو یاد آ گئی وہی بانو جس سے میں نے محبت کی تھی، وہی جس نے مجھ سے نہیں میرے بھائی سے محبت کی تھی وہی بانو جس نے مجھے لنڈورا آوارہ نہ جانے کیا کیا کہا تھا اسی سے بدلہ لینے کے لئے آج میں اس حال میں تھا۔

''کون ہو تم...... یہ سب کیا ہے......؟'' میں نے اس سے نرم لہجے میں پوچھا۔

''مم...... میں نہیں جانتی...... میں صرف اتنا جانتی ہوں یہ وہ گروہ ہے جو مکمل چاند رات میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی کی قربانی دیتا ہے۔''

چاند کی وہ ایک مخصوص رات ہر تین ماہ بعد آتی ہے۔ رات آنے میں صرف دو دن باقی ہیں اور دو دن بعد...... ہم دونوں...... مجھے یہ لوگ اغوا کر کے لائے ہیں۔ میں یہاں سے دو کوس دور ایک گاؤں ہے وہاں رہتی ہوں۔'' اتنا سنتا تھا کہ میں کانپ کر رہ گیا گویا ہم دونوں یہاں قربانی کے لئے لائے گئے تھے۔

''کیا ہم بھاگ نہیں سکتے؟''

''پتہ نہیں...... مجھے اپنے بوڑھے والد کی فکر ہے، رات کے اندھیرے میں انہوں نے مجھے گھر سے اغوا کیا ہے۔ میری موت کے بعد میرے والد کا کیا ہوگا۔'' اتنا کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔

☆......☆......☆

نہ جانے کتنی دیر یوں ہی گزری ہوگی...... پھر میں نے دیکھا کہ وہ لڑکی جس کا نام رملا تھا روتے روتے سو گئی تھی اور میں جاگ رہا تھا مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ لڑکی کو دیکھ کر یہ بات تو سچ ثابت ہو گئی تھی کہ نیند سولی پھر بھی آ جاتی ہے میری موت میں زیادہ وقت نہ تھا، نہ جانے کیوں مجھے لگتا تھا کہ میں نہیں مروں گا...... پھر بھی بانو اور اپنے بھائی سے انتقام لئے بغیر میں مر نہیں سکتا تھا۔

کچھ ہی وقت گزرا ہوگا کہ مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

آنے والا کوئی اور نہیں کاتنا تھی کاتنا نے جسم پر جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور چہرہ فل میک اپ سے مزین تھا کاتنا کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کٹورا تھا۔ کاتنا مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی...... اس کے چہرے پر فاتحانہ تاثرات تھے جیسے کہ وہ اپنی کامیابی کے بالکل نزدیک ہو۔

''کیسے ہو مہاراج۔'' اس کی طنز میں ڈوبی آواز میرے کانوں میں زہر گھول رہی تھی۔

''مجھے جانے دو...... میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔''

''بگاڑا تو میرا ان لوگوں نے بھی نہیں تھا جن کو میں نے قتل کئے بس آج آخری قربانی ہے اس کے بعد دیوی خزانے کا راز مجھ پر ظاہر کر دے گی جس کے لئے میں نے بہت سے معصوموں کو مارا۔''

یہ کہہ کر وہ کہیں کھو گئی جیسے کہ آنے والے مستقبل

کے بارے میں سوچ رہی ہو۔

''تم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گی۔'' میں نے دل میں کہا۔

مگر اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

☆......☆......☆

پراسرار اور شیطانی مندر قربانی کے لئے تیار تھا۔ لیکن قربانی سے پہلے بھوانی دیوی کے مکروہ بت کی پوجا ہونا باقی تھی جگہ جگہ قدیم زمانے کے بڑے بڑے چراغ روشن تھے، اگربتی کا خوشبودار دھواں پورے ہال میں بھرا ہوا تھا مجھے اور اس لڑکی کو لوہے کے پنجرے میں مورتی کے بالکل قریب رکھا گیا تھا بھوانی دیوی کی مکروہ مورتی کے قریب دو مشعلیں روشن تھیں۔

اچانک فضا میں گھنٹے کی آواز گونجی۔ ساتھ ہی ساتھ ناقوس پھونکے جانے لگے۔

کاتنا نے اس وقت سرخ اور چست لباس پہن رکھا تھا وہ لباس بالکل ایسا تھا جیسا کہ اسٹار وارکی فلموں میں لڑکیوں نے پہن رکھا ہوتا ہے، کاتنا کے سارے محافظوں نے سیاہ چوغے پہن رکھے تھے ان کے چہرے نقابوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔

کاتنا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس مکروہ مورتی کے قریب آئی اس کے چہرے پر عقیدت اور محبت کا دریا موجزن تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''عظیم دیوی...... تیری طاغوتی عظمتوں کو سلام تیرے ماننے والے سارے شیطان کے پرستار ہیں۔ وہ شیطان جو اندھیرے کا شہنشاہ ہے وہ شیطان جس نے تجھے کالی قوتیں بخشی ہیں۔ خزانے کا راز ظاہر کر دے دیوی۔'' اتنا کہہ کر وہ سجدے میں گر گئی اس مشرکہ کو سجدے میں گرتے دیکھ کر میری روح اندر سے کانپ گئی، ایک رب پاک کے سوا کسی اور کو سجدہ کیسے جائز ہو سکتا ہے بہر حال کافی دیر تک وہ سجدے میں پڑی۔

پھر اس نے سر اٹھایا...... چند لمحے تک وہ میری طرف دیکھتی رہی او پھر زور زور سے ناقوس پھونکنے لگی ناقوس کی تیز آوازوں نے وہاں پر کالے چوغے والوں پر عجیب سی وحشت پیدا کر دی یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کہ وہ پاگل ہو گئے ہوں چند لمحات تک وہ طوفان بدتمیزی جاری رہا اس کے بعد میری نظر ایک بہت بڑے کلہاڑے پر پڑی غالباً وہ کلہاڑا ہمارے سر کاٹنے کے لئے لایا گیا تھا۔ موت مجھے اپنے سامنے رقص کرتی نظر آ رہی تھی میرے ساتھ والے پنجرے میں بند لڑکی کی حالت بہت نازک تھی وہ ایک ہی رات میں صدیوں کی بیمار نظر آ رہی تھی کاتنا کلہاڑا اٹھائے ہماری جانب بڑھنے لگی اس کے ساتھ اس کے دو ساتھی بھی تھے۔

دفعتاً مجھے اپنے کانوں میں تیز سیٹیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں مجھے اپنی آنکھوں کے ارد گرد نیلے پیلے نقط رقصاں نظر آئے دفعتاً ایک تیز غراہٹ کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''مجھے اس لڑکی کی خون چاہئے جو اس پنجرے میں ہے۔''

مجھ پر پھر وہی کیفیت طاری ہونے لگی تھی میرے حلق سے تیز چیخ کی آواز نکلی جیسے کوئی بھیڑیا غرایا ہو۔

میں نے ایک زور کی لات پنجرے پر ماری پنجرا ٹوٹ گیا اسی لمحے کاتنا کی منحوس آنکھوں میں حیرت نمودار ہوئی۔

میں وحشت سے سینہ پیٹتا پنجرے سے باہر نکل آیا۔

میں نے کاتنا کو گردن سے پکڑ کر اچھال دیا...... کاتنا اڑتی ہوئی اس مکروہ بت سے جا کر لگی پھر وہیں چپک گئی بھوانی کے اس مکروہ بت کے ہاتھوں میں پکڑی برچھیاں اس کے سینے میں اتر گئی تھیں۔

کاتنا کا انجام دیکھ کر اس کے ساتھی چیخیں مارتے وہاں سے بھاگ نکلے وہ لڑکی سہمی ہوئی دوسرے پنجرے میں بیٹھی ہوئی تھی اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ چکا تھا میں جنون کی کیفیت میں پنجرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

میری لات نے پنجرے کا دروازہ توڑ دیا تھا۔

لڑکی کسی خوف زدہ ہرنی کی طرح پنجرے سے لگ گئی تھی مجھے وہ لمحہ اچھی طرح سے یاد ہے...... اس نے

مجھے اللہ رسول کے واسطے دیئے تھے شاید میں بہرا ہو چکا تھا اس پراسرار قوت کے زیر اثر میں نے اس معصوم کی آبرو لوٹی...... پھر اس کا خون بھی پیا...... جب میں اپنی سفاکی سے فارغ ہوا تو وہ لڑکی مر چکی تھی یکدم مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی میرا جسم ہلکا پھلکا ہونے لگا...... شاید قبرستان والی وہ قوت مجھے چھوڑ کر جا چکی تھی۔

میں نے خوف زدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تو مندر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ کاننا کی لاش عبرت کا نمونہ بنی اس بے جان بت کے سامنے تھی، کاننا کی پھٹی پھٹی خوف اور حیرت کے تاثرات منجمد ہو چکے تھے، لڑکی کی نیم برہنہ لاش میری سفاکی کا ثبوت دے رہی تھی مندر کے سارے محافظ بھاگ چکے تھے میں اس مندر میں لاشوں سمیت خون سے لت پت کھڑا تھا۔

خوف سے میرا برا حال تھا میں دل ہی دل میں اس وقت کو برا بھلا کہہ رہا تھا جب میرا سامنا جون فرینک سے ہوا تھا جو مجھے بیچ کر نہ جانے کہاں مزے کر رہا ہوگا دفعتاً مجھے اپنے اس مردود بھائی اور اس بانو پر غصہ آنے لگا جو کہ میری خوشیوں کے قاتل تھے میں مر نہیں سکتا تھا انتقام لئے بغیر۔

اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے کہ کوئی میرے بالکل پیچھے کھڑا ہے۔

میں نے گھوم کر دیکھا تو میری آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

اب بھوانی کی پتھر کی بے جان مورتی میرے سامنے کھڑی تھی اس کی پتھریلی آنکھوں میں آگ کے شعلے سے دہکتے نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً اس کا پتھریلا بازو مشینی انداز میں ہلا اس نے میری گردن پکڑلی اور مجھے چوہے کی طرح اوپر اٹھالیا اس کے لب ہلے۔

''کاننا...... میری پجارن تھی...... اور تو نے...... میں تجھ سے اس کا بدلہ لوں گی۔'' اس کی آواز غراہٹ سے مشابہہ تھی اتنا کہہ کر اس نے مجھے ہوا میں اچھال دیا۔

میرا جسم فضا میں اڑنے لگا۔ مجھے اپنے کانوں میں ہوا کی شائیں شائیں سنائی دے رہی تھیں ہوا کے زور کے سبب آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔

میری آنکھ کھلی تو پانی کے تیز شور کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی میں فوراً اٹھ بیٹھا میں نے دیکھا کہ میں کسی جہاز کے عرشے پر پڑا ہوں۔ رات کا گہرا اندھیرا چاروں طرف چھایا ہوا ہے فضا میں پانی کے شور کے سوا اور کوئی آواز نہیں تھی۔

میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں چاروں طرف دیکھا مگر وہاں گھپ اندھیرے کے سوا کچھ نہ تھا۔

''کوئی ہے؟'' میں نے جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو کر چلا کر پوچھا۔

مگر جواب ندارد تھا بہت دیر تک چیختے چلاتے رہنے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں اس جہاز پر اکیلا ہوں اور یہ جہاز سمندر کے وسط میں کھڑا ہے۔

خوف اور دہشت سے میرا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔ یہ سوچ کر مجھے ہول آنے لگے تھے کہ میں اس ویران جہاز میں اکیلا ہوں اور وہ سمندر کے وسط میں کھڑا ہے۔

بھوک اور پیاس کی شدت سے میرا برا حال تھا۔

اچانک مجھے ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ آواز کچھ ایسی تھی کہ مائیک سسٹم میں خرابی کے بعد جیسی آواز پیدا ہوتی ہے۔ میری کیفیت اس خوف ناک اور دہشت ناک فلم کے ہیرو سے مختلف نہ تھی جو کہ خوف ناک واقعات کا شکار ہو جاتا ہے فرق صرف اصل اور نقل کا تھا۔

میں نے سوچا کہ اس طرح مرنے سے بہتر ہے کہ ہاتھ پیر مار کر مرا جائے اسی لئے میں اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا عرشے سے نیچے کیبنوں کی طرف جانے کا راستہ ڈھونڈنے لگا راستہ ڈھونڈنے میں مجھے کئی دفعہ ٹھوکروں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اندھیرا اس قدر گھپ تھا کہ میں آگے بڑھ نہ پایا۔ مجبوراً مجھے صبح کا انتظار کرنا پڑا۔ بھوک پیاس کی شدت بہت بڑھ چکی تھی آخرکار مجھے نیند آ گئی۔

مستند ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کے ہدایات و مشوروں سے لکھی گئی مفید کتاب

قیمت -/100 روپے

ہیپاٹائٹس اور علاج (کالا یرقان)

پڑھئے ہیپاٹائٹس کیوں اور کیسے ہوتا ہے، جگر کی ساخت، جگر کا اہم کام، یوریا بننے کا عمل، ناکارہ خون کے ذرات، مفید عضو، ہیپاٹائٹس اور کینسر، جنسی علامات، مرض کی وجوہات، قدرتی نظام، گردوں کا عمل، ہیپاٹائٹس اے، اور ہیپاٹائٹس بی، ایلوپیتھی اور ہومیو پیتھی علاج، ہیپاٹائٹس کا طبی علاج، دافع درد جگر، نسخہ دافع یرقان، نسخہ آملہ، شربت انار، عرق کاسنی، نسخہ آب آہن تاب، خشک انجیر سے علاج، گردے کا درد، گردے کا ورم، جگر پر ورم، جگر میں گرمی، یرقان (پیلیا)، زیادہ پیشاب آنا، گردوں کے نقص، جگر میں ورم کے لئے، تلی کا رائے سے علاج، تلی بڑھنا، تلی کا ورم، آک سے یرقان کا علاج، امراض گردہ مثانہ کے چند نسخے، دن میں صرف دو بار کھایئے، دن میں آٹھ گلاس پانی پینا ضروری ہے، روزانہ پندرہ منٹ ورزش کریں، حفظان صحت کے 39 اصول، اور دیگر معلومات اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفیٰ

شمع بک ایجنسی نوید اسکوائر اردو بازار کراچی
Ph:32773302

میں نہ جانے کب تک سوتا رہا، کسی قسم کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی...... وہ آواز نہ جانے کیسی تھی کہ ڈر وخوف سے میرے جسم میں لرزہ طاری ہوگیا...... میں نے ادھر ادھر دیکھا تو صبح کا اجالا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔

میں نے بے چین نگاہوں سے چاروں طرف کا جائزہ لیا تو عرشہ پر ہر طرف سیاہ رنگ نظر آیا جہاز کا ایک ایک حصہ سیاہ رنگ کا نظر آرہا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی فضا میں ہر طرف نحوست سی محسوس ہو رہی تھی۔

عرشے کے جس آخری سرے پر میں موجود تھا وہاں سے ایک زینہ نیچے کی طرف جارہا تھا شاید وہ راستہ تہہ خانے کا تھا۔

جیسے ہی میں سیڑھیوں سے اتر کر نیچے جانے لگا مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے مجھے سرگوشی کی ہو کہ "وہاں مت جاؤ۔" لیکن میں زنگ آلود سیڑھیاں عبور کرتا نیچے اتر گیا۔

اس چھوٹے سے تہہ خانے میں عجیب سی سیلن زدہ بدبو سی پھیلی ہوئی تھی۔ تہہ خانہ میں نیم اندھیرا تھا سامنے ایک چبوترے پر ایک تابوت موجود تھا جس کا رنگ بھی سیاہ تھا۔

اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی طاقت مجھے کہہ رہی ہو کہ "تابوت کا ڈھکن اٹھادوں۔" میں آہستہ آہستہ تابوت کی جانب بڑھنے لگا بھوک پیاس کا ہر احساس مفقود ہوچکا تھا جیسے ہی میں نے تابوت کا ڈھکن اٹھایا...... ایک تیز چیخ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی...... چیخ کی آواز درد وکرب سے بھری تھی اور پھر دہشت کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔

تابوت کے کھلتے ہی غول در غول چمگادڑوں کا ہجوم چیختا ہوا باہر نکل گیا چند لمحوں میں پورے کا پورا تہہ خانہ چمگادڑوں سے بھر گیا چمگادڑوں کے چیخنے کی آوازیں عجیب سا ماحول پیدا کررہی تھیں حیرت کی بات یہ ہے کہ چمگادڑیں مجھ پر حملہ کرنے کے بجائے چھت سے الٹا لٹک گئی تھیں۔

پھر کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ میری آنکھیں دہشت وخوف سے پھیل گئیں، تابوت سے میں نے انسانی پنجہ باہر آتے دیکھا۔ جو کہ بالکل استخوانی تھا...... میں نے بری طرح سے چیخنا شروع کردیا۔

"یا اللہ میں کس شیطانی چکر میں پھنس گیا ہوں۔"

پنجہ تابوت سے باہر آتا گیا یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی رسی بل کھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ پنجہ کا سائز بڑا ہوتا ہی جارہا تھا۔

میں نے پیچھے ہٹنا شروع کردیا ایک لمحہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میرے لئے پیچھے ہٹنے کے لئے جگہ نہ تھی بس وہ پنجہ پورے تہہ خانے کے اندر گھوم رہا تھا پنجہ کس کا تھا وہ تابوت سے باہر ہی نہیں آیا تھا۔ میں دیوار سے لگا خوف ودہشت سے بھرے آفت کا منتظر تھا۔

اچانک میرے حلق سے تیز چیخ نکلی اور میں جھٹکے سے منہ کے بل گر گیا کیونکہ اب اس پنجے کی گرفت میری پنڈلی پر بے حد مضبوط ہوچکی تھی، اس پنجے نے مجھے تابوت کی جانب کھینچنا شروع کردیا وہ لمحات میرے لئے قیامت خیز تھے میں نے اپنے آپ کو اس تابوت کے اندر اترتے دیکھا...... پھر میں نے تابوت کا ڈھکن بند ہوتے دیکھا۔ میں نے واضح محسوس کیا کہ میں کئی ہڈیوں کے پنجر پر پڑا ہوں اور وہ استخوانی ہاتھوں نے مجھے جکڑ رکھا ہے۔

☆......☆......☆

جس وقت مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے اوپر سرخ رنگ کی چھت ہے جس پر جالے لٹک رہے ہیں میں ایک پتھر کے چبوترے پر بالکل سیدھا لیٹا ہوا ہوں میرے کانوں میں دبی دبی سی ایسی آوازیں آرہی تھیں جیسے کہ بہت سی عورتیں بین کررہی ہوں۔ اتنا تو میں اندازہ کرچکا تھا کہ میں تابوت میں نہیں تھا پھر میں کہاں تھا یہ مجھے نہیں معلوم تھا میں نے اٹھنا چاہا لیکن میں جسم کو نہیں ہلا سکا جیسے میرا جسم پتھر کا ہوچکا تھا۔ نہ ٹانگیں ہلتی تھیں نہ ہاتھ پاؤں میری آنکھیں اور دماغ زندہ تھا۔

یہ ایک اونچی چھت والا کمرہ تھا سامنے کی سرخ دیوار میں سیاہ شگاف بنا ہوا تھا۔

دائیں بائیں کی دیواروں پر انسانی ہڈیوں کے تین پنجر لٹکتے نظر آرہے تھے۔ میرا دل دہشت سے

ڈوبنے لگا تھا۔

اب میں شاید پہلے سے بھی زیادہ بڑی مصیبت میں پھنس گیا تھا، وہ قوت جو مجھ پر مسلط تھی وہ اپنی ضرورت کے تحت مجھ پر حاوی ہوتی تھی میرے کام نہیں آرہی تھی مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کہ میں مرچکا ہوں۔ مجھے سب کچھ یاد تھا کہ میں کون ہوں دفعتاً میرے کانوں نے کچھ عجیب سی آوازیں سنیں جیسے بہت سی عورتیں رو رہی ہوں۔ جیسے لوگ کسی میت پر بیٹھے رو رہے ہیں پھر یہ آوازیں آہستہ آہستہ دور ہونے لگیں۔

میری آنکھیں سامنے کے دیوار کے شگاف پر جمی ہوئی تھیں۔

میرے دیکھتے دیکھتے شگاف سے دھواں اٹھنا شروع ہوگیا۔

دھواں واضح ہونے لگا۔ اس دھوئیں سے جو پہلی شکل ابھری اس بوڑھے کی تھی جس کی بیٹی کا میں نے ٹرین میں خون پیا تھا اس بوڑھے کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں ان آنکھوں میں نفرت اور غصہ موجود تھا، دوسری صورت کاننا کی تھی، جس کی آنکھوں میں طنز اور حقارت موجود تھی۔

دفعتاً اس دھوئیں نے جسم کی صورت اختیار کرنا شروع کردی، اس بار کاننا مکمل صورت میں تھی۔

کاننا کا حال اس وقت نہایت عجیب وخوف ناک تھا وہ اپنے کپڑوں سے بے نیاز تھی اس کے حسین وخوب صورت جسم سے سنہرے رنگ کا ایک سانپ لپٹا ہوا تھا اس کی دائیں چھاتی سے خون نکل رہا تھا جسے سانپ پی رہا تھا۔ کاننا کے چہرے پر اذیت وکرب کے آثار تھے۔

"یہ میرا بیٹا ہے...... یہ وہ بیٹا ہے جو ماں کے دودھ کی جگہ خون پیتا ہے۔"

وہ بڑے پیار سے سانپ کو چمکارتے ہوئے بولی۔

"یہ تم سے میرا بدلہ لے گا...... تم بھوانی کے عذاب کا شکار ہو...... میں تم کو مارنا چاہوں تو مار سکتی ہوں مگر جو مزا اذیتوں سے مارنے میں ہے وہ کسی میں نہیں۔"

اتنا کہہ کر اس نے بڑے پیار سے سانپ کو فرش پر پھینک دیا۔ میں چیخنا چاہتا تھا مگر چیخ نہیں پاتا تھا۔

سانپ رینگتا ہوا میری طرف بڑھنے لگا میرا چہرہ دہشت سے سفید پڑ گیا۔ کچھ ہی لمحوں میں سانپ میرے جسم پر چڑھنے لگا۔

اس سے قبل کہ سانپ میری گردن سے منہ لگا پاتا کہ اچانک سانپ فضا میں کئی فٹ اوپر اچھلا، جب وہ نیچے آیا تو وہ ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔

جہاں کاننا کھڑی تھی وہاں سے تھوڑے فاصلے پر نیلے رنگ کا دھواں نظر آنے لگا تھا اس دھوئیں کے حجم نے پھیلتے پھیلتے ایک انسانی جسم کی صورت اختیار کرلی اب وہاں ایک 60-65 سالہ بوڑھا شخص کھڑا تھا جو کہ پستہ قد تھا اس نے پادریوں والا لباس پہن رکھا تھا اس کے سر کے سارے بال سفید ہوچکے تھے سب سے حیرت انگیز بات یہ عام پادریوں کی طرح اس کے چہرے متانت کے بجائے خباثت ٹپک رہی تھی۔

"کیسے ہو...... فادر جیکب؟" کاننا مسکراتے ہوئے بولی۔

"مرا ہوا انسان کیسا ہوسکتا ہے...... ویسے تمہارا یہ جسم بہت خوب صورت ہے اگر میں زندہ ہوتا تو ایک رات تمہارے ساتھ ضرور گزارتا۔" فادر نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور فادر...... مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔"

"اسی لئے تو میں نے اس کے جسم کو جون فرینک کی مدد سے اپنا گھر بنایا تھا کہ عورت کی مدھ بھری جوانی ہمیشہ میری کمزوری رہی ہے یہ پرانے قبرستان میں اپنی غرض کے تحت داخل ہوا۔ اس کے اندر لالچ، مطلب، غرض ہر چیز موجود تھی اس لئے میں اس کے جسم میں داخل ہوسکا۔"

"مگر فادر اس نے مجھے قتل کیا...... میرے مقصد کو ناکام کیا۔" کاننا نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی میری وجہ سے...... جب اس پر کوئی آفت آئے گی تو میں ضرور آؤں گا۔" فادر مسکراتے ہوئے بولا۔

"مگر...... میں اس سے انتقام ضرور لوں گی

اور فادر تم سے بھی۔"

"ضرور...... میں تیار ہوں...... مگر اتنا یاد رکھو کہ میں اپنے دشمنوں کو معاف نہیں کرتا۔ تمہیں مارنے سے پہلے میں اپنی کہانی سنانا پسند کروں گا۔"

میں بھی فادر کی کہانی سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہوگیا۔ آج پہلی بار وہ روح سامنے آئی تھی جس کی وجہ سے مجھ سے دو خون ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

روزا بہت خوب صورت تھی بالکل شبنم کی بوند کی طرح معصوم اور خوبصورت ان دنوں ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی آئے دن لوگ فساد کرتے آپس میں لڑتے اور منہ کی کھاتے میں ان دنوں چرچ میں پادری تھا ایک لڑکی روزانہ عبادت کرنے آتی میں اس کو جب بھی دیکھتا تو میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہونے لگتی ایک روز میں نے اسے کنفیس بکس میں داخل ہوتے دیکھا۔

وہ اپنے کسی گناہ کو قبول کرنے آئی تھی وہ یہ سمجھتی تھی کہ پادری دعا کریں گے اور گناہ معاف ہو جائیں گے میں نے اس کا گناہ سنا اسے اپنے کیبن میں بلایا اور اس کے ساتھ زیادتی کی۔ اس نے جا کر پولیس میں شکایت کردی۔ انگریزوں کی حکومت تھی انگریز کسی زیادتی اور ریپ کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے مجھے پھانسی ملی اور مجھے بغیر دعا کے دفن کردیا گیا جب سے میری روح ہر لالچی انسان کے جسم میں گھر بناتی رہی۔ یہ بھی میرا شکار بنا میں نے 200 سال تک مختلف لڑکیوں سے زیادتیاں کیں اور اگر مجھے مذہبی طریقے سے دفن کردیا جاتا تو شاید میری روح کو سکون مل جاتا۔"

فادر اپنی کہانی سنا رہا تھا اسی دوران میں نے جدوجہد کرکے رسیوں کی بندش ڈھیلی کرلی تھی ان لوگوں نے میرے پیر نہیں باندھے تھے میں کسی طرح اس قید سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

وہ شگاف جس سے کاسا برآمد ہوئی تھی میرے بھاگ جانے کا واحد ذریعہ تھی۔

"فادر تم نے اپنی کہانی سنادی اب چپ چاپ چلے جاؤ۔ مجھے اس سے اپنی موت کا بدلہ لینا ہے۔" کاسا غرائی۔

"ہرگز نہیں۔" فادر مسکرایا۔

اتنا سننا تھا کہ کاسا نے ایک زوردار چیخ ماری...... دوسرے لمحے وہاں ایک بہت خطرناک قسم کا شیر کھڑا تھا، کاسا نے شیر کا روپ دھارا تو فادر مسکرایا۔ اور دوسرے پل فادر کی جگہ سبز دھاریوں والا دوسرا شیر کھڑا تھا۔

دونوں شیر دھاڑتے ہوئے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوگئے۔ کبھی ایک شیر کا پلہ بھاری ہوتا کبھی دوسرے کا۔

مجھے موقع ملا...... میں نے آہستہ آہستہ اٹھتے ہوئے اس شگاف میں چھلانگ لگادی۔

شگاف میں چھلانگ لگاتے ہی مجھے ایسا لگا کہ میں ہوا میں اڑ رہا ہوں تیز ہوا کے جھکڑ مجھے تنکے کی طرح ادھر ادھر ڈولا رہے ہیں میرا وجود بالکل ہلکا پھلکا ہو چکا تھا میرے کانوں میں شائیں شائیں اور تیز ہوا کی آوازیں آرہی تھیں۔ کافی دیر تک یہ سب چلتا رہا دفعتاً مجھے ایک زوردار جھٹکا لگا اور میں زمین پر جا گرا میرا سر کسی پتھر سے ٹکرایا پھر میری آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا۔

نہ جانے میں کتنی دیر تک بے ہوش رہا ہوش آنے پر میں نے اپنے آپ کو عجیب سی جگہ پر پایا میں نے دیکھا کہ یہ ایک گول دیواروں والا کمرہ ہے جس کی چھت کی کڑیوں کے ساتھ انسانی کھوپڑیاں لٹک رہی ہیں، ہر کھوپڑی خون سے بھری ہوئی تھی جس سے خون ٹپک ٹپک کر مجھ پر گر رہا ہے چاروں طرف نیلگی روشنی پھیلی ہوئی ہے میرا ذہن پوری طرح بیدار آنکھیں کھلی ہیں منہ کھلا ہے لیکن جسم بے جان ہے خون ٹپکتا ہوا میرے چہرے اور جسم پر گر رہا تھا چار نوجوان عورتیں جن کے بال کھلے تھے اور دونوں ہاتھ سینوں پر بندھے تھے سیاہ لمبے کرتے پہنے ہوئے تھیں میرے گرد سر جھکائے بیٹھی ہوئی دھیمی آواز میں بین کررہی تھیں۔

کاش میں نے عقل سے کام لیا ہوتا تو آج میں گاؤں سے باہر نہ نکلا جاتا بابا کی باتوں کو مانتا تو اس

شیطانی چکر میں نہ گرفتار ہوتا۔

اچانک وہ عورتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور میرے گرد چکر لگانے لگیں میں نے دیکھا کہ کوئی بھی عورت سیاہ رنگ کی نہیں سب گوری خوب صورت انگریزوں کی طرح ان کے بال سنہرے ہیں۔

چکر لگانے کے بعد وہ ساری عورتیں میرے سامنے کھڑی ہوگئیں کچھ لمحے تک وہ ایسے ہی کھڑی رہیں اس کے بعد انہوں نے اپنے سارے کپڑے اتار پھینکے اس کے بعد جو منظر میرے سامنے آیا اسے دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا سانسیں تیز ہوگئیں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

چاروں عورتوں کی ناف پر ایک سنہرے رنگ کا بچھو چپٹا ہوا تھا جس کی وجہ سے ان عورتوں کے چہروں پر اذیت صاف پڑھی جاسکتی تھی ان کی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف دکھائی دے رہے تھے۔

دفعتاً فضا میں عجیب سی بو پھیلنے لگی۔

بو سونگھتے ہی مجھے ان عورتوں کے چہروں پر دہشت صاف دکھائی دی...... دوسرے پل وہ تیزی سے منتشر ہونا شروع ہوگئیں۔ بو اس قدر گندی اور تیز تھی کہ مجھے ابکائی محسوس ہونے لگی۔

کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ...... میں نے دیکھا کہ سامنے والی دیوار میں شگاف پڑ گیا ہے۔ اس شگاف سے عجیب و غریب قسم کے چہرے والے لوگ اندر داخل ہو رہے ہیں ان کے چہرے نیلے اور آنکھیں کسی سرچ لائٹ کی طرح سرخ تھیں وہ تعداد میں دس کے قریب تھے۔ ان سب کے سر بالوں سے بے نیاز تھے وہ سارے کے سارے سیاہ رنگ کے لبادے میں ملبوس تھے۔ ان لوگوں نے ہاتھوں پر سیاہ دستانے چڑھا رکھے تھے وہ میرے گرد طواف کررہے تھے ان کے حلق سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے بہت سے کتے مل کر ایک ساتھ غرا رہے ہوں میں پتھرائی ہوئی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہا تھا سمجھ نہیں آتا تھا یہ منحوس مخلوق کون ہے۔

یکایک انہوں نے اپنے حلق سے آوازیں نکالنا بند کردیں اور سر جھکائے تین تین قدم پیچھے ہٹ گئے۔

اچانک کسی عورت کی مہیب چیخ نے خاموشی کا جگر چاک کردیا...... اچانک مجھے کمرے کے گھپ اندھیرے میں کوئی شگاف سے اندر آتا دکھائی دیا۔

آنے والا جیسے ہی سامنے آیا تو خوف سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

آنے والی نے سیاہ رنگ کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا وہ کوئی اور نہیں میری دشمن جان کاسا تھی، کاسا کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"تم نے جس شگاف میں چھلانگ لگائی وہ میری دنیا میں داخل ہونے کا ایک دروازہ تھا۔ میں نے اس فادر کے بچے کو ایسی جگہ پہنچایا ہے جہاں سے وہ کبھی واپس نہیں آسکتا...... اب تم ہمیشہ کے لئے میرے انتقام کا شکار ہوتے رہو گے نہ مرو گے اور نہ جیو گے صرف غلام بن کر رہو گے۔"

اتنا کہہ کر اس نے حلق سے عجیب قسم کی آواز نکالی آواز کا نکالنا ہی تھا کہ نہ جانے کہاں سے ایک سیاہ پوش سامنے آگیا اس سیاہ پوش کا سارا جسم چمکدار ریشمی لبادے میں ڈھکا ہوا تھا اس کے چہرے پر سیاہ رنگ کا لبادہ تھا۔

"آج سے یہ تمہارا غلام ہے اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو لیکن یاد رکھنا مرنے نہ پائے۔" کاسا نے غراتے ہوئے کہا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ خیال رہے گا اور یہ مرے گا نہیں۔" اس سیاہ پوش کے منہ سے آواز نکلی۔

"بہت خوب......" کاسا مسکرائی اور پھر غائب ہوگئی۔

کاسا کے غائب ہوتے ہی...... چلکاش نے میری طرف دیکھا اپنے چہرے پر پڑا لبادہ اتار پھینکا اس کا نام چلکاش تھا۔ چہرے کا لبادہ اترتے ہی میری چیخ نکل گئی۔

وہ ایک انسانی کھوپڑی تھی جس کی ناک اور آنکھوں کے سوراخ کے بیچ ایک چھوٹا سا چمکدار سانپ کبھی ناک کے سوراخ میں گھستا تو آنکھوں سے باہر آتا

اورآنکھوں سے گھستا تو ناک سے باہر آتا۔

چلکاش آرام آرام سے چلتا ہوا میری جانب آیا میں دہشت بھری نظروں سے چلکاش کو دیکھ رہا تھا۔

"آج سے تو میرا غلام ہے...... تو سب کچھ بھول جائے گا...... جو میں بتاؤں گا وہ یاد رکھے گا۔"

میں نہیں جانتا تھا کہ چلکاش کیا کرنے والا ہے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے وہ چمکدار سانپ اٹھایا اور مجھ پر چھوڑ دیا۔

خوف اور دہشت سے میرے حلق سے چیخ نکل گئی سانپ نے بڑی سرعت کے ساتھ میرے ماتھے پر ڈس لیا۔

سانپ کے ڈستے ہی مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ میری رگوں میں انڈیل دیا ہو اور مجھ پر بڑی تیزی سے غنودگی طاری ہونے لگی یوں لگا کہ جیسے میں خود کو فراموش کرتا جارہا ہوں میری یادداشت جیسے دھندلی ہوتی جارہی ہو چاروں طرف اندھیرا چھاتا جارہا ہو مجھے اپنے اندر ایک نئی شخصیت ابھرتی محسوس ہورہی تھی جو کہ خود کو بھی نہیں جانتی تھی پھر مجھے ہوش نہ رہا۔

☆......☆......☆

میں کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ میں نہیں جانتا تھا، ہوش آنے پر میری شخصیت بدلی ہوئی تھی چلکاش اور دوسرے شیطانوں سے محبت سی محسوس ہورہی تھی۔

"آج سے تمہارا نام جبلی ہے...... اور تم میرے غلام ہو...... اور میرا پہلا حکم ہے کہ یہ مشروب پی جاؤ۔"

اس نے ایک سیاہ رنگ کا پیالہ میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

پیالے سے عجیب سی بدبو اٹھ رہی تھی جیسے کہ کچا گوشت سڑ گیا ہو مگر مجھے وہ بو خوشبو محسوس ہورہی تھی۔

میں نے اس پیالے کو دیکھا اور پھر سارا مشروب غٹاغٹ پی گیا۔

میرے مشروب ختم کرتے ہی مجھے سینے میں نہایت شدید قسم کی جلن محسوس ہونے لگی۔

"شاباش...... اب تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے...... اگر میں خوش ہوا تو تمہیں اپنا جانشین بناؤں گا۔"

"میں نے اس کی بات نہ سنی، مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کہ میرے سینے میں آگ لگ چکی ہو نہ جانے وہ کس قسم کا مشروب تھا جس سے مجھے شدید قسم کی جلن محسوس ہورہی تھی۔

میرے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر چلکاش اپنی کرخت آواز میں گویا ہوا۔

"یہ دیوتاؤں کا جل ہے...... تمہیں مہان بنادے گا، اب تمہیں میرا کام کرنا ہوگا۔"

"میں ہر آزمائش پر پورا اتروں گا...... میں نے سر جھکا کر کہا مجھے خود حیرت تھی کہ یہ جملہ میرے منہ سے کیسے نکل گیا، میں ان کی عجیب وغریب زبان کیسے بولنے لگ گیا تھا۔

یہ اسی کالے جادو اور شیطانی قوتوں کا اثر تھا میں خود بھی نہیں جانتا تھا کہ میں کیا بن گیا ہوں بس ایک حکم کا غلام۔

"شاباش...... اب اس اسٹریچر پر لیٹ جاؤ۔"

چلکاش خوش ہوکر بولا۔ میں چپ کرکے اس اسٹریچر پر لیٹ گیا...... میں نہیں جانتا تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ بس میں چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔

چلکاش نے آگے بڑھ کر میری قمیض نوچ لی...... میرا سینہ ننگا ہوگیا کچھ ہی لمحے کے بعد چلکاش نے اپنے منہ میں ہاتھ ڈال دیا جب ہاتھ باہر نکالا تو ایک چوہے کے سائز جتنی چھپکلی نکال لی میں نے زندگی میں کبھی اتنی بڑی چھپکلی نہیں دیکھی تھی۔

اچانک اس نے وہ حرکت کی کہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

میرے حلق سے بے ساختہ چیخ نکل گئی وہ چھپکلی میرے سینے پر رینگ رہی تھی اور بار بار اپنی سرخ سرخ زبان سے میرے سینے کو چاٹنے لگی۔

"اس کا نام زہابا ہے اور یہ تمہاری رکھشک ہے۔"

کچھ دیر بعد چلکاش نے حلق سے عجیب سی آواز نکالی۔ آواز کے نکالتے ہی دروازہ کھل گیا اور ایک سیاہ

پوش لڑکی اندر داخل ہوئی۔

"آج سے تم اس کے ساتھ رہو گی اور اسے کام سمجھادو کہ کیا کرنا ہے۔" یہ کہہ کر چلکاش باہر چلا گیا۔

وہ چھپکلی میرے سینے سے اس طرح چمٹی رہی تھی جیسے کہ میرا سینہ اس کی قیام گاہ ہو۔

"یہ کچھ نہیں کرے گی۔" مجھے اس طرح ڈرتے دیکھ کر سیاہ پوش لڑکی بولی۔

"زہابا...... تم جاؤ۔" لڑکی چھپکلی کی طرف دیکھ کر بولی۔

چھپکلی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا کہ جیسے اس کی بات سن لی۔

دوسرے لمحے وہ میرے سینے سے اتر گئی۔

"جب تم اسے پکاروگے...... یہ آجائے گی۔" اتنا کہہ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اسٹریچر سے نیچے اتار دیا، اس کے ہاتھ پکڑتے ہی میرے جسم میں دوڑتا لہو یکدم تیز ہوگیا ایسا لگا کہ جسم میں خون کی جگہ پگھلا ہوا سیسہ دوڑ رہا ہو مجھ پر ایک خمار آلود کیفیت طاری ہوگئی میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور پھر بولی۔

"کسی وقت میں تمہاری یہ آرزو بھی پوری کردوں گی۔"

"میں چاہتا ہوں بہت جلد وہ دن آئے جب مجھے قرب ملے۔" میں نے بھی جواباً مسکرا کر کہا۔

زہر نے میرے اندر کی ساری انسانیت کو ختم کردیا تھا۔ سیاہ پوش لڑکی مجھے لے کر چلتی رہی اور میں بھی اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا دروازے کے دوسری طرف ایک سرنگ نما راستہ تھا سرنگ نما تاریک راستہ ایک کیبن کے بند دروازے کے پاس جاکر ختم ہوگیا ہم کیبن میں داخل ہوگئے کیبن زیادہ بڑا نہ تھا۔

کیبن کی دیوار پر ایک نہایت عجیب سی پینٹنگ لگی ہوئی تھی جس میں ایک عورت اور مرد نظر آرہے تھے مرد نے عورت کے سینے میں تلوار گھونپ رکھی تھی۔

عورت کے سینے سے خون بہہ بہہ کر دیوار کے سہارے کھڑے ایک تابوت پر گر رہا تھا۔

میرے لئے کوئی بھی بات حیرت انگیز نہ تھی کہ ایک بے جان پینٹنگ سے خون کیوں نکل رہا تھا۔

سیاہ پوش لڑکی نے تابوت کے ساتھ کھڑا ہونے کو کہا۔ اور تابوت کا ڈھکن اٹھادیا...... تابوت کے اندر ایک آدمی مردہ حالت میں پڑا تھا۔ سیاہ پوش لڑکی نے بڑی تیزی سے اس مردے کے سارے کپڑے اتار لئے مردے کے کپڑے اترتے ہی اس کا جسم تیزی سے گلنے لگا چند ہی لمحوں میں وہاں صرف بھربھری مٹی کا ڈھیر تھا۔

سیاہ پوش لڑکی نے بڑی ہی حقارت سے اس مٹی کی طرف دیکھا۔ اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔

"جبلی...... یہ سارے کپڑے تم پہن لو۔"

میں نے کسی معمول کی طرح اس کے ہاتھ سے کوٹ اور پینٹ لے لیا اور لمحے میں کوٹ پینٹ میرے جسم پر نظر آرہا تھا۔

پھر اس نے نہ جانے کہاں سے ایک عطر کی بوتل نکالی اور مجھ پر چھڑک دی۔

خوشبو کا ایک جھونکا اور میرے پورے جسم کو معطر کرگیا۔

"جبلی...... آج سے یہ تابوت تمہارا گھر ہے...... تم اسی میں رہو گے۔"

"تمہارا حکم سر آنکھوں پر۔" میں نے کہا۔

"شاباش...... اپنا کان ادھر لاؤ۔"

میں جیسے ہی اپنا کان اس کے قریب لے گیا اس نے نہ جانے کیا چیز پڑھی...... کہ گرم ہواؤں کے تیز جھونکے مجھے اپنے کان میں چلتے محسوس ہوئے۔

"میں نے تمہارے کانوں میں آقائے ابلیس کا سب سے طاقتور طلسمی منتر پھونک دیا ہے اب تم انسانوں کی دنیا میں ویسا کروگے جیسا ہم چاہیں گے۔"

"ہاں...... میں وہی کروں گا...... جو تم لوگ کہوگے۔" مجھے ایسا لگا کہ جیسے میری آواز مجھے اندھے کنوئیں سے آتی محسوس ہورہی ہو۔

"شاباش...... اب آنکھیں بند کرلو۔"

اور جیسے ہی میں نے آنکھیں بند کیں میرے

پھر زمین سے اٹھ گئے۔ مجھے اپنے اردگرد تیز ہواؤں کا شور محسوس ہو رہا تھا، کبھی سمندر کی طوفانی موجیں شور کرتی محسوس ہوتی...... میں ہوا میں پرواز کر رہا تھا۔

مجھے اپنے اردگرد سناٹا محسوس ہو رہا تھا...... مجھے ایسی بو محسوس ہونے لگی کہ جیسے کہیں تازہ دفن کئے گئے مردے کی قبر کسی نے کھول دی ہو۔

''آنکھیں کھول دو......'' سیاہ پوش لڑکی کی آواز آئی جیسے ہی میں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ میں کسی قبرستان میں کھڑا ہوں اور سیاہ پوش لڑکی کا کہیں پتہ ہی نہیں۔

میرے چاروں طرف قبریں ہی قبریں تھیں...... ان قبروں پر سوکھی شاخوں والے درخت جھکے ہوئے تھے ان کے اوپر چاند نکلا ہوا تھا جس کی ماتمی اور اداس روشنی قبرستان کی فضا کو اور زیادہ ڈراؤنا بنا رہی تھی۔

''آگے آگے بڑھتے جاؤ...... جبلی۔'' سیاہ پوش لڑکی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں آگے بڑھنے لگا حتیٰ کہ قبرستان کا نیم شکستہ گیٹ میرے سامنے آ گیا تو اچانک مجھے وہی سیاہ پوش لڑکی دوبارہ نظر آئی۔ جو کہ گیٹ کے سامنے کھڑی تھی وہ آہستہ سے چلتی چلتی میرے سامنے آ گئی اس نے اپنی چمکتی مدہوش کن آنکھوں سے مجھے گھورا اور پھر بولی۔

''ہمارے طاقتور طلسمی منتروں کی بدولت تم دنیا کی ہر زبان سمجھ سکو گے...... روپیہ پیسہ تمہارے اشاروں پر ناچے گا تم جہاں چاہو جا سکتے ہو...... جو روپ لینا چاہو لے سکتے ہو ایک بات یاد رکھنا...... صرف مسجد سے دور رہنا ورنہ تمہارا انجام بہت خوف ناک ہوگا۔ تم اس وقت پیرس میں ہو...... اب جاؤ میں ہمیشہ تم پر نظر رکھوں گی اب جاؤ۔'' اتنا کہہ کر وہ غائب ہو گئی۔

اور میں جیسے ہی قبرستان سے باہر نکلا میرے سامنے ایک پکی سی سڑک تھی میں بڑے خوش خوش انداز میں اس سڑک پر چل رہا تھا مجھے کوئی پروا نہ تھی کہ میں شیطانوں کے کس قدر بھیانک گروہ میں پھنس چکا ہوں اچانک مجھے سڑک کے بیچ سے ہلکی ہلکی روشنی پھوٹتی دکھائی دی۔

روشنی کا قطرا ایک ننھے سے جگنو کی طرح تھا...... آہستہ آہستہ روشنی کا سائز بڑھنے لگا...... روشنی دائرے کی شکل میں تھی اور دائرے سے کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

اس نے دائرے کے اندر مجھے ایک نہایت ہی خوب صورت اور نورانی صورت دکھائی دی وہ ایک سفید باریش بوڑھا تھا جو مجھے دیکھ رہا تھا بوڑھے کی صورت کے ظاہر ہوتے ہی فضا یکدم جیسے معطر ہو گئی تھی کہ اتنی دلفریب اور حسین خوشبو میں زندگی میں کبھی نہیں سونگھی تھی اس بوڑھے کے لبوں کو جنبش ہوئی۔

''کیا حال بنالیا ہے...... میرے بچے تو نے۔''

''کون ہو تم...... بڑے میاں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

میری بات سن کر بوڑھے کی آنکھوں سے حیرت ظاہر ہوئی۔

''اپنے آپ کو پہچان بدنصیب...... میں نے تیرے کان میں بچپن میں لوری کی جگہ اذان کی آواز سنائی تھی۔'' بوڑھے کی آواز میں افسردگی تھی۔

''کیا مطلب میں سمجھا نہیں......'' میں نے حیرت سے کہا۔

''میں تیرا باپ ہوں بدنصیب...... توبہ کا در ابھی بند نہیں ہوا...... پہچان اپنے آپ کو شیطان کی راہوں پر مت چل...... ناخلف۔''

''بکواس مت کرو...... بڑے میاں تمہارا کوئی بیٹا نہیں ہوں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

میری بات سن کر اس بوڑھے کی آنکھوں سے غم ظاہر ہونے لگا...... چند لمحوں تک وہ کچھ نہ بولا پھر اس کی آواز سنائی دی۔

''تیرے نصیب میں ٹھوکریں کھانا لکھا ہے...... کاش تو وقت کی مار کھائے بغیر سدھر جائے۔'' پھر اس بوڑھے کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا ساتھ ہی وہ روشنی بھی۔

میں حیران و پریشان تھا کہ بوڑھا جو کہ خود کو میرا

باپ ظاہر کر رہا ہے۔ میرا نام تو جبلی ہے...... میرا تو کوئی باپ نہیں...... میرے ذمہ جو کام سونپا گیا تھا مجھے وہ کرنا تھا...... میں سڑک پر چلا جا رہا تھا میں تھوڑی دور ہی گیا ہوں گا کہ مجھے ایک کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔

میں نے سڑک پر مڑ کر دیکھا کسی کار کی روشنیاں میری طرف بڑھ رہی تھیں۔

کار میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی میں شش و پنج میں مبتلا تھا کہ میں کار میں بیٹھوں کہ نہیں۔ میرے کانوں میں سرگوشی کی آواز سنائی دی۔ ''یہ کار تمہیں تمہاری منزل کی طرف لے جائے گی بیٹھ جاؤ اس میں۔'' آواز اسی سیاہ پوش لڑکی کی تھی۔

سیاہ پوش کا حکم سنتے ہی میرا ڈر و خوف ختم ہو گیا اور میں کسی غلام کی طرح گاڑی میں بیٹھ گیا۔

کار اندر سے نہایت ٹھنڈی تھی۔

''گڈ ایوننگ سر......'' ڈرائیور نے مجھے مودبانہ لہجے میں کہا۔

میں نے بھی جواباً سر ہلا کر اس کے سلام کا جواب دیا۔

''سر کیا حال چال ہیں آپ کے میں آپ کو شہر کے سب سے مہنگے ترین ہوٹل میں لے چلوں گا......''

ڈرائیور نہایت ہی شائستہ قسم کی انگریزی میں بولا۔

''میں ٹھیک ہوں...... میں تو اس شہر میں نیا ہوں۔'' میں نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

ایک بات تو میں ضرور سمجھ گیا تھا کہ ان شیطانی قوتوں کی وجہ سے میں دنیا کی ہر زبان بول اور سمجھ سکتا تھا۔

میری گاڑی جیسے ہی پیرس کے سب سے بڑے ہوٹل پہنچی میرے کان میں ہلکی سی سرگوشی سنائی دی۔

اس ہوٹل کے ڈانسنگ فلور پر ایک لڑکی تمہیں ملے گی جس کے بال گولڈن رنگ کے ہوں گے تمہیں اس سے دوستی کرنی ہے تمہارا نام پرنس احسن ہے اسے ایشائی بہت پسند ہیں تم اسے بہلا کر پیرس کے سب سے بڑے گرجا گھر کے پیچھے لاؤ گے۔ اس کے بعد میں تمہیں بتاؤں گی کہ کیا کرنا ہے۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

ایک سرخ باوردی ملازم نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور میں مسکراتا ہوا ہوٹل میں داخل ہو گیا۔

میں اس بات پر حیران تھا کہ گاڑی سے نکلتے ہی میرے کپڑے یکدم ہی بدل گئے تھے رات کی رنگینیاں عروج پر تھیں۔

ہوٹل کے ہال کی بھرپور رنگینیاں عروج پر تھیں ڈانسنگ فلور پر برہنہ اور نیم برہنہ عورتیں رقص کر رہی تھیں کچھ لوگ ان پر توجہ دے رہے تھے اور کچھ نہیں، ہال میں مدہم سروں میں موسیقی بج رہی تھی ویٹرس اور ویٹر لوگ بڑے بڑے طشت ہاتھوں میں لئے ادھر ادھر سروس میں مشغول تھے۔

کوئی بہکا ہوا شرابی کسی ویٹرس کو گدگدا دیتا تو وہ مسکراتی ہوئی بھاگ جاتی۔ کئی ویٹرس اور رقاصائیں گاہکوں کے ساتھ بک ہو کر ہوٹل کے کمروں میں جا رہی تھیں۔

میں نے ایک میز منتخب کی اور اس پر بیٹھ گیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور سگریٹ سلگائی، چند ہی لمحوں کے بعد ایک نہایت خوب صورت ویٹرس میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

''یس سر...... آرڈر پلیز۔'' اس نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے کہا۔

میں نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھا۔ وہ ایک ٹھوس بدن اور دلفریب خطوط رکھنے والی لڑکی تھی۔

اس نے کھلے گلے والا اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ جس سے اس کی آنچ دیتی رعنائیاں جھلک رہی تھیں۔ اس کا چہرہ اور اس کی آنکھیں بڑی خوب صورت تھیں۔

''ون لارج وسکی ود سوڈا......'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''اوکے سر......'' اور کھانے کو کیا لاؤں؟''

چکن سینڈوچ اور فرنچ فرائز......'' میں نے مسکراہٹ اچھالتے ہوئے کہا۔

وہ جانے لگی تو میں نے اسے آواز دیتے ہوئے کہا۔

میری آواز پر وہ رک گئی۔
''یس سر......'' وہ مسکرائی۔
''تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنا ایک اچھا تجربہ ہوگا۔'' میں نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔
میری بات سن کر وہ دل آویز انداز میں مسکرائی اس کی مسکراہٹ بے حد جاندار تھی۔
''وائے ناٹ سر...... ہماری روزی آپ لوگوں کے دم سے ہے۔''
یہ کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی چل دی۔
آرڈر کے پورا ہونے تک میں اسی ویٹرس کے بارے میں سوچتا رہا۔
''عیاشی میں پڑ کر اپنے مقصد کو بھول مت جانا۔'' ایک مدھم سی سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی جو کہ یقیناً اسی سیاہ پوش لڑکی کی تھی۔
''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' میں نے پرعزم لہجے میں کہا۔
شراب کے گلاس کے پہلے گھونٹ نے میرے سینے میں آگ سی لگادی تھی۔ جو انسان زندگی میں کبھی نہ پیا ہو اس کے ساتھ وہی جو پہلی بار پینے والوں کے ساتھ ہوتا ہے میرا چہرہ تکلیف اور کڑواہٹ کے احساس سے بگڑ گیا تھا۔ دفعتاً میری نظر گیٹ پر پڑی ہال کے گیٹ سے جیسے چاند طلوع ہوا تھا۔ اس لڑکی کا حسن وشباب جیسے اس پورے ہال کی تمام لڑکیوں پر بھاری تھا۔
سفید رنگ کے اسکرٹ پر گندمی رنگ نیا سا امتزاج پیدا کررہا تھا۔ اس کی مخروطی گردن، کتابی چہرہ، بڑی بڑی روشن سیاہ آنکھیں سنہرے بال ہر مرد کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے کافی تھے۔
یہی ہے وہ لڑکی اس کا نام سالومن ہے...... اس کا شکار ذرا ہوشیاری سے کرنا۔'' وہی مدھم سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔
وہ لڑکی ہال میں داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔ ہزاروں نظروں نے اس کا طواف کیا تھا تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک خالی میز منتخب کرکے اس پر بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ بہت سے نوجوانوں نے اسے رقص کی دعوت دی تھی مگر ان سب کو مسکرا مسکرا کر ٹالتی رہی کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ میں نے دیکھا کہ ایک میل ویٹر اس لڑکی کی ٹیبل کے سامنے نظر آیا وہ لڑکی اسے آرڈر پلیس کررہی تھی۔
پورے ہال میں انگریزی میوزک مدھم آواز میں گونج رہا تھا۔
''تم جاؤ۔ اسے ایشین بہت پسند ہیں تمہاری دال گل جائے گی۔''
وہی مدھم سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔
میں آہستہ سے اٹھا اور اس کی طرف چلنے لگا۔
''ایکسکیوزمی...... میں آپ کے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں۔'' میں نے انتہائی مودبانہ طریقے سے اس سے اجازت طلب کی۔
اس نے سر سے پیر تک میری طرف دیکھا پھر مسکرا کر بولی۔
''یس وائے ناٹ......'' اس کی آواز سن کر مجھے ایسا لگا کہ کوئی دور ویرانے میں کلاسیکل موسیقی پر مشق کررہا ہو، واقعی اس کی آواز بے حد خوبصورت تھی۔
میں شکریہ ادا کرکے بیٹھ گیا۔
''مجھے ایشین بے حد پسند ہیں اسی لئے میں نے آپ کو اس سیٹ پر بیٹھنے دیا...... مجھے اپنے ملک کے لوگوں سے نفرت ہے۔'' وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔
''وجہ پوچھ سکتا ہوں...... نفرت کی۔'' میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔
''چھوڑیں...... وجہ کو...... اوہ سوری میں نے کچھ پوچھا ہی نہیں کیا لیں گے آپ۔'' وہ مسکرا کر بولی۔
میں دیکھ چکا تھا کہ ویٹر اس کی ٹیبل پر جوس کا گلاس رکھ کر گیا ہے شاید وہ شراب نہیں پیتی تھی۔
''فریش جوس کوئی سا بھی......'' میں نے مسکرا کر کہا۔
اس نے ویٹر کو بلا کر جوس کا آرڈر دیا۔
اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔

''میرا نام سالومن ہے...... اور آپ کا نام؟''
اس کی بات سن کر میں سوچنے لگا کہ میں اس کو کیا نام بتاؤں وہ میری جواب کی منتظر تھی۔
''وجے کمار بتادو......'' وہی مدھم سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی اچانک میں نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا وہ بڑی ہی گہری نظروں سے میری جانب دیکھنے لگی...... دوسرے لمحے اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔
مجھے ایسا لگا کہ جیسے کہ اس نے سرگوشی سن لی ہو......
''کیا سوچ رہے ہیں نام نہیں بتاتا تو کوئی مسئلہ نہیں۔'' اس نے ایک بار پھر اپنی خوب صورت مسکراہٹ میری طرف اچھالتے ہوئے کہا۔
''اوہ...... ایسی بات نہیں...... مجھے وجے کمار کہتے ہیں۔''
میرا نام سن کر اس کے ہونٹوں پر نہایت معنی خیز مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔
مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ کہہ رہی ہو کہ مجھے بے وقوف بنانا آسان نہیں، میں سب جانتی ہوں۔'' نہ جانے کیوں میری چھٹی حس کہہ رہی تھی سالومن کوئی آسان شکار نہیں جو وہ نظر آتی ہے وہ ہے نہیں۔
''بہت خوب صورت نام ہے آپ کا غالباً آپ انڈیا سے ہیں۔''
''جی بالکل......'' میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔
اس بار اس نے میری طرف ایسی نظروں سے دیکھا کہ جیسے اسے میری بات پر یقین نہ آیا ہو۔
''بہت خوب مسٹر وجے...... سالومن آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ میری جانب بڑھادیا۔
جیسے ہی اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آیا تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے ہاتھ بہت گرم تھا جیسے کوئی بہت تعفن زدہ چیز میں نے پکڑلی ہو۔
کسی خوب صورت لڑکی کا ہاتھ تھامنے میں جس طرح کا احساس ہونا چاہئے سالومن کا ہاتھ تھامتے ہی میں نے ایسی کوئی کیفیت محسوس نہیں کی۔
لیکن نہ جانے کیوں مجھے قبرستان کی ویرانی محسوس ہوئی لیکن مجھے کیا مجھے تو اسے گھیر کر گرجا گھر کے پیچھے لے کر جانا تھا۔
''سالومن...... تم بہت خوب صورت ہو۔'' میں نے اپنے لہجے کو نشیلا بناتے ہوئے کہا۔ میری بات سن کر وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔
اس کی ہنسی اس کی طرح نہایت خوب صورت تھی لیکن میں اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔
''آپ بھی کچھ کم نہیں ہیں...... مسٹر وجے۔''
''ذرہ نوازی ہے آپ کی......'' میں نے اسے مکھن مارتے ہوئے کہا۔
''کل آپ کیا کررہی ہیں مس سالومن۔'' میں نے اسے گھیرنے کی ابتداء کرتے ہوئے کہا۔
''اوہ...... کچھ خاص نہیں۔''
''میں اس شہر میں بالکل نیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اس شہر میں گھمائیں پھرائیں......'' قدرے توقف کے بعد میں نے کہا۔
''اوہ ضرور...... کل دوپہر 3 بجے میری گاڑی آپ کو پک کرے گی۔ اب مجھے چلنا چاہئے کافی دیر ہوگئی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
اور میں اسے جاتے دیکھتا رہا۔ جیسے وہ میری نظروں سے اوجھل ہوئی میں نے اپنی نظر سالومن کی کرسی کی جانب گھمائی یہ دیکھ کر میں اچھل پڑا سالومن کی کرسی پر وہی سیاہ پوش لڑکی اب بیٹھی ہے۔
سیاہ پوش لڑکی اپنی بڑی سیاہ آنکھوں سے مجھے ستائشی نظروں سے گھور رہی تھی۔ یہ پہلی بار تھا جب میں نے اسے بغیر نقاب کے دیکھا تھا اس کا چہرہ بہت خوب صورت گو کہ رنگ سفید نہ تھا مگر گندمی رنگ کے باوجود ایک کشش موجود تھی اس کے چہرے پر اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں دیکھ کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے یہ آنکھیں میں

نے کہیں دیکھی ہیں۔ لیکن ہزار ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی مجھے یاد نہ آیا۔

"بہت اچھے جا رہے ہو۔" وہ مسکرائی۔

"آپ یہاں......" میں نے سٹ پٹا کر پوچھا۔

"کیوں اس میں حیرت کی بات کیا ہے؟ تم ہماری طاقت کو نہیں جانتے خیر چھوڑو ان فضول باتوں کو کل جب اس کے ساتھ جاؤ گے تو بہت دھیان سے کام کرنا اور ہاں وہ جو نظر آتی ہے وہ ہے نہیں بہت احتیاط برتنا۔" اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

"آپ بے فکر رہیں جبلی بہت دھیان سے کام کرے گا۔"

"شاباش...... اب میں جاتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں کافی دیر اسی میز پر بیٹھا رہا اور اس فلور پر موجود لوگوں کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہا اور جب میں تھک گیا تو اسی ہوٹل میں بک اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا جس کی رہنمائی ایک ویٹر نے کی تھی۔

رات میں ویٹر حسب وعدہ میرے کمرے میں آ گئی۔

وہ رات میرے لئے نہایت یادگار ثابت ہوئی تھی، اس کی قربت کا ایک ایک لمحہ آج بھی میرے ذہن پر نقش ہے وہ ایک واقعی بھرپور لڑکی تھی جس میں غضب کی بلاخیزی تھی جس نے واقعی مجھے اسیر کر کے رکھ دیا تھا۔

جب وہ میرے پاس سے گئی تو میرا جوڑ جوڑ نڈھال ہو رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ میں کسی منہ زور اور سرکش گھوڑے کی سواری کر کے آ رہا ہوں جاتے جاتے اس کے چہرے کے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ اسے گھڑ سوار بہت پسند آیا ہے۔

دوسرے دن دوپہر 3 بجے سالومن کی گاڑی آ گئی تھی اس روز میں نے کوشش کی کہ سالومن کسی طرح متاثر ہو جائے تاکہ وہ میرے ساتھ گرجا گھر آنے کے لئے تیار ہو جائے چنانچہ میں نے ڈریس اپ ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، پیلے رنگ کے سرج سوٹ میں کسی ریاست کا پرنس معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے ہی میں کمرے سے باہر نکلا تو اسی سیاہ پوش کی سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"جبلی...... یہ تمہارا امتحان ہے...... اگر تم کامیاب ہوئے تو سمجھنا آقائے ابلیس کے خاص چیلے کہلاؤ گے۔"

"یہ آقائے ابلیس میں پہلی بار سن رہا ہوں تمہارے منہ سے۔" میں نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"ہم سب کا آقا جس نے آج تک ہم کو درشن نہیں دیئے۔" اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

"اچھا......" میں نے ہونقوں کی طرح سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یاد رکھنا...... تم جیسے ہی اس کی گاڑی تک پہنچو گے میری آواز تم سے دور ہو جائے گی...... پھر تم کو اپنی عقل خود لڑانی ہے۔"

"دور ہو جائے گی مطلب؟" میں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

سیاہ پوش لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ میں گاڑی تک پہنچ گیا۔

اس کی گاڑی بھی اس کی طرح شاندار تھی۔ اس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ نہایت امیر وکبیر ہے۔

میرے پہنچتے ہی ہوٹل کے ایک ویٹر نے لپک کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور میں اس میں بیٹھ گیا۔

ایک بات میرے لئے نہایت حیرت انگیز تھی سالومن کی کار کا رنگ نہایت سرخ تھا جیسے کہ انسانی خون یوں لگتا تھا کہ جیسے کسی نے کار کو تازہ تازہ انسانی خون سے نہلایا ہو۔

کار میں میرا استقبال کرنے کے لئے سالومن موجود تھی سالومن نے سرخ رنگ کی فراک پہن رکھی تھی سالومن نے تیار ہونے میں ضرورت سے محنت کی تھی۔ نہ جانے کیوں سالومن کو دیکھ کر خوف کی ایک سرد لہر میرے

اندر دوڑ گئی۔

"تھینکس...... یو آر ویری اسمارٹ۔" اس نے مسکرا کر میری تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی کچھ کم نہیں۔"

"کس پر بجلیاں گرانے کا ارادہ ہے۔" میں نے بھی اسی لہجے میں کہا۔

میری بات سن کر وہ ہنس پڑی...... اسے ہنستے دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میں نے زندگی میں اتنی خوب صورت ہنسی نہیں دیکھی تھی۔

"آپ پر...... بجلیاں گرانے کا ارادہ ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہم تو ویسے ہی آپ سے گھائل ہو چکے ہیں۔" میں نے کسی روایتی عاشق کی طرح ڈائیلاگ مارتے ہوئے کہا۔

"شاعری کر رہے ہو...... یا بے وقوف بنا رہے ہو۔" وہ مسکرائی۔

"نہیں...... سچ بول رہا ہوں۔"

"اوہ...... باتیں اچھی بنا لیتے ہو۔ اچھا چھوڑو کہاں چلیں۔"

"میں چاہتا ہوں...... پیرس گھومیں...... اس کے بعد اس پرانے گرجا گھر کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں جو کہ آسیب زدہ مشہور ہے۔"

"اس گرجا گھر کے بارے میں کیا جانتے ہو تم۔"

"زیادہ نہیں بس اتنا کہ وہ آسیب زدہ ہے اور ویران ہو چکا ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"وہ گرجا گھر پیرس کا سب سے قدیم گرجا ہے۔ اب وہاں عبادت نہیں ہوتی بلکہ لوگ وہاں شکتیاں دان دینے جاتے ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کچھ نہیں...... آؤ میں تمہیں یہ شہر گھماتی ہوں۔" اس نے میرے سوال کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

اس کی بات سے میں سوچ میں پڑ گیا کہ یقیناً وہ گرجا گھر ضرور بہت پراسرار جگہ ہے ورنہ چلکاش اور سیاہ پوش لڑکی، سالومن کو گرجا گھر کے پیچھے لانے کو نہ کہتے۔

کیا ان کے پاس اتنی قوتیں نہ تھیں کہ وہ سالومن کو خود لا سکیں یا سالومن کے پاس ان سے زیادہ قوتیں ہیں۔ سالومن بھی میری سمجھ سے باہر تھی، ضرور اس کے پاس بھی ایسا کچھ تھا جس کی وجہ سے سیاہ پوش لڑکی نے مجھے ہوشیار رہنے کو کہا تھا۔

وہ کیا چیز تھی میں نہیں جانتا تھا؟ بس میں تو اتنا جانتا تھا کہ سیاہ پوش لڑکی اور چلکاش میرے مالک تھے جو انہوں نے مجھے کہا ہے وہ مجھے کرنا ہے۔

سالومن نے مجھے پیرس شہر گھمانا شروع کر دیا تھا۔ اگر پیرس کو خوابوں کی جنت کہا جائے تو کم نہ ہوگا، اگر آپ ایفل ٹاور پر کھڑے سمندر کا نظارہ کریں تو وہ نظارہ آپ کے لئے دنیا کا حسین ترین نظارہ ہوگا اس کے بعد نوٹرا ڈیم بھی دیکھنے والوں کے لئے قابل دید ہے اور بہت سی قابل دید جگہیں جن میں گھوما پھرا جا سکتا ہے اور لکسم پارک کافی نمایاں جگہ ہے۔

غرض شام تک میں تھک کر چور ہو چکا تھا لیکن ابھی تک میری سیاحت پوری نہیں ہوئی تھی۔

سالومن بھی کافی تھک چکی تھی، جو کہ اس کے چہرے سے ظاہر تھا۔

"گرجا گھر کے بارے میں کیا خیال ہے۔" میں نے بھرپور تھکن کے باوجود جانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ہم دونوں اس وقت کار میں بیٹھ چکے تھے۔

"ضرور ضرور...... مگر پہلے ایک ایک ڈرنک ہو جائے...... آج میں تمہیں ایک ایسا ڈرنک پلاؤں گی جو کہ تمہاری ساری تھکن دور کر دے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے نہایت معنی خیز لہجے میں کہا۔

اس کے بدلے ہوئے لہجے کو محسوس کر کے میں چونک پڑا لیکن مجھے کوئی فکر نہ تھی لیکن میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"آج ٹھنڈ بہت زیادہ ہے...... وہ ڈرنک سردی

میں تمہیں گرا دے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"واقعی...... پھر تو وہ ضرور پینا چاہئے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور کیا بات ہے اس مشروب میں؟" میں نے چند سیکنڈ کے بعد دوبارہ پوچھا۔

"وہ ڈرنک پوری دنیا میں نہیں سوائے ایک جگہ کے۔ اس کے اثرات بہت فائدہ مند ہیں۔" اتنا کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کردی اس کی ڈرائیونگ بہت شاندار تھی اس کا اندازہ مجھے ہوگیا تھا، شام کے 7 بج چکے تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد اس نے کار ایک ویران اور سنسان سڑک پر روک دی۔ میں ابھی اس سے کار روکنے کی وجہ پوچھنے ہی والا تھا کہ میری نظر اپنے بائیں جانب پڑی...... نظر پڑتے ہی میں چونک گیا...... اور خوف کی ایک سرد لہر مجھے اپنے اندر دوڑتی محسوس ہوئی میرے بائیں جانب ایک قبرستان تھا قبرستان کے اندر جلتے بڑے بڑے برقی قمقموں کی روشنی میں قبریں صاف نظر آرہی تھیں میں سمجھ چکا تھا کھیل شروع ہوچکا ہے سالوسن شاید میری اصلیت سے واقف ہوچکی ہے اور مجھے یہاں ختم کرنے لائی ہے؟ میں زہانا کو آواز دینے کے بارے میں سوچ رہی تھا کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا میں بری طرح سے چونک پڑا۔

"ڈرومت...... سامنے دیکھو۔" اس نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے ونڈ اسکرین سے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا تو میرے اندازے کے مطابق قبرستان سے قریب ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک چمکتا سائن بورڈ نظر آرہا تھا جس پر بڑے بڑے حرفوں میں B A R لکھا نظر آرہا تھا۔

"یہی وہ جگہ ہے جہاں سے وہ ڈرنک ملتا ہے۔" سالوسن مسکرائی۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں عجیب وغریب کیفیات کا نزول ہورہا تھا سالوسن کی شخصیت لمحوں بھر میں مجھے پراسرار معلوم ہونے لگی تھی آخر اس ویرانے میں اس قبرستان کے راستے میں بار کھولنے کا مقصد کیا تھا؟

میں اپنی حیرت چھپا نہ سکا اور پوچھ بیٹھا۔

"یہ بار ہماری اپنی ہے یہ ڈرنک بہت ہی خاص ہے اور غیر قانونی پر امپورٹ کیا جاتا ہے؟ اس لئے پولیس کے ڈر سے یہاں کھولا ہے...... اور کوئی ایسا خاص بات نہیں۔" اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

نہ جانے کیوں مجھے اس کا یہ جواب بے وزن اور کھوکھلا محسوس ہوا نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے؟ لیکن کیوں اس کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔

چنانچہ میں نے زہانا کو بلانے کا فیصلہ کرلیا۔

"اب چلیں......" وہ میری طرف دیکھ کر بولی۔

"ضرور...... کیوں نہیں۔" اتنا کہہ کر میں نے دل ہی دل میں زہانا کو آواز دینا شروع کردی آواز دینا ہی تھی کہ میرا جسم گرم ہونا شروع ہوگیا جو کہ اس بات کا اعلان تھا کہ زہانا بس آرہی ہے۔

دفعتاً سالوسن نے اپنا دایاں ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا...... اپنی خوب صورت سے آنکھوں سے مجھے گھورنا شروع کردیا میں نے محسوس کیا کہ ان آنکھوں سے جیسے ننھی ننھی چنگاریاں نکل رہی ہوں...... جیسے کہہ رہی ہو تم کسی کو بھی بلالو مگر میرے چنگل سے بچ نہیں سکتے۔

دفعتاً میرا جسم گرم سے سرد پڑنا شروع ہوگیا صاف ظاہر تھا کہ زہانا واپس جارہی ہے۔

"چلیں کہاں کھو گئے......" وہ میری طرف دیکھ کر نہایت معصومانہ انداز میں مسکرائی۔

اس کی مکاری اور بھولپن سے میرا خون کھول اٹھا...... مگر مجبوری تھی اب تو کچھ نہیں ہوسکتا تھا...... لاچار میں بھی اس کے ساتھ گاڑی سے اتر گیا گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے میں نے گوشت کے جلنے کی بو محسوس کی خوف کی لہر میرے اندر دوڑ گئی۔ "کیا اس نے زہانا کو ماردیا تھا؟"

"کیا سالوسن چلاکاش اور سیاہ پوش لڑکی سے زیادہ طاقتور تھی۔؟" میں پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی نظروں

سے اس کی طرف دیکھنے لگا جبکہ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

☆......☆......☆

بار کے اندر کا منظر بالکل وہی تھا جیسا ہونا چاہئے اندر ایک خوب صورت فانوس چھت کے درمیان لٹکا جھلملا رہا تھا بار میں ایک 60 سالہ بوڑھا کیف ومستی میں بار کے چکنے فرش پر محو رقص تھا۔

سالوسن مجھے لے کر اس کاؤنٹر کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی جہاں شراب کی بوتلیں چنی ہوئی تھیں۔

بار کے اندر عجیب طرح کی خاموشی چھائی ہوئی تھی لوگ تو موجود تھے لیکن اپنی اپنی جگہوں پر اپنی میزوں پر بیٹھے سر جھکائے ہوئے تھے۔

کاؤنٹر کے دوسری جانب ایک گلاب فام نازک اندام کھڑی تھی جس کی پشت ہماری جانب تھی۔

سالوسن نے کاؤنٹر کے پاس پہنچ کر کھنکارا تو وہ لڑکی ہماری جانب مڑ گئی اسے دیکھ کر میری عاقبت روشن ہوگئی۔

لڑکی نہایت دلکش اور خوبصورت تھی اس نے نہایت باریک رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا، جس سے اس کا دہکتا جسم صاف نظر آرہا تھا وہ سالوسن کو دیکھ کر سیدھی اس کی جانب بڑھی۔

"یس میڈم......؟" اس کی آواز نہایت خوب صورت تھی میں اس دلکشی اور سحر میں کھو گیا۔

"وہ لے آؤ...... آب حیات......" سالوسن اس کی طرف دیکھ کر تحکمانہ لہجے میں بولی۔

آب حیات کا سن کر وہ چونک پڑی میں نے دیکھا کہ اس کے خوب صورت چہرے پر لرزہ طاری ہوگیا ہے لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولی اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ کاؤنٹر سے ملحق چھوٹا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

دو منٹ بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں سربمہر (سیل) بوتل تھی جس کے اندر عجیب طرح کا محلول تھا جو کہ تھوڑی تھوڑی سکنڈ میں رنگ بدل رہا تھا۔

"اسے پی لو...... یہ دیوتاؤں کا مشروب ہے......" جو تمہاری کھوئی شخصیت واپس دے گا...... تمہیں یاد دلائے گا کہ تم جبلی نہیں ہو...... پرنس احسن نہیں ہو......" یہ کہہ کر اس نے میرے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

اس کی بات سن کر میں چونک پڑا تو گویا وہ سب کچھ جانتی تھی جیسے اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا اسی لمحے ایک بجلی سی میرے اندر دوڑ گئی۔

دفعتاً ایک تیز چیخ کی آواز میرے کانوں میں گونجی اور میں گھبرا گیا چیخ کی آواز نسوانی تھی مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ آواز میں نے کہیں سنی ہے۔

"یہ مشروب پیو......" اس نے مشروب گلاس میں نکال کر دیتے ہوئے مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

میں ہچکچایا لیکن دوسرے لمحے میں نے دیکھا کہ سالوسن کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے اور بجلی کی تیز لہر میرے اندر دوڑنے لگی ہے۔

سالوسن کی آنکھوں سے نکلتی شعاعوں نے جیسے مجھے بے بس کردیا تھا یوں لگ رہا تھا کہ میں حکم کا غلام ہوں میں حکم نہ مانوں گا تو وہ شعاعیں وہ شعاعیں مجھے جلا دیں گی۔

پھر میں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے وہ مشروب پی لیا۔

وہ مشروب نہایت ہی فرحت بخش تھا یوں لگا کہ جیسے کسی نے خوشبوؤں سے میرے جسم وجان کو معطر کردیا ہو۔

پھر مجھے سب کچھ یاد آگیا کہ میں کیا ہوں ایک ایک بات سب کچھ میرے دل میں سالوسن کے لے عقیدت محسوس ہونے لگی تھی۔

"اب کیسا لگ رہا ہے۔" وہ مسکرائی۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے...... میں احسان مند ہوں۔"

"تو پھر احسان کا بدلہ اتارنا ہوگا...... مجھے مکتی دے کر...... میں 500 سالہ زندگی کا عذاب کاٹ کر تھک چکی ہوں۔" اس کے لہجے میں تھکن عیاں تھی۔

"کیا مطلب؟" میں چونک پڑا۔

"مطلب میں سمجھاتی ہوں...... میرے پاس بہت قوت ہے۔ سیاہ پوش لڑکی وہ دراصل کا ناہی ہے۔ تم سے بدلہ لینے کے لئے ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی تھی وہ تمہارے ذریعے گرجا گھر میں مجھے بلا کر میری بلی دیتی۔ اگر میں گرجا گھر میں داخل ہو جاتی تو پھر کوئی قوت مجھے تمہارے ہاتھوں ذبح ہونے سے نہیں روک سکتی تھی میری موت ہوتے ہی وہ تمہیں بھی مار دیتی تمہارے اور میرے خون سے غسل کرتی اور میری ساری قوتیں اس کو مل جاتیں۔ لیکن اب وہ قوتیں میں تم کو دوں گی اپنی مکتی کے لئے۔"

"مگر کیوں؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"وہ اس لئے کہ میں سکون سے مرسکوں میں نے 500 سال کی طویل زندگی گزاری ہے اب میں تھک چکی ہوں۔"

"500 سال۔" میں نے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

میری آنکھوں میں بے یقینی محسوس کر کے وہ دھیرے سے مسکرائی اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولی۔

"میری یہ قوتیں میری 500 سالہ ریاضت کا نتیجہ ہیں جو میں تم کو دے رہی ہوں۔ جب تم اس زندگی سے تھک جاؤ میری طرح تو یہ قوتیں کسی اور کو دے دینا۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ کا دباؤ سختی سے میرے ہاتھ پر دینا شروع کر دیا۔

دفعتاً مجھے ایک جھٹکا سا لگا یوں لگا کہ جیسے اس کی آنکھوں سے شرارے نکل کر میری آنکھوں میں منتقل ہو رہے ہوں۔ مجھے اپنے اندر ایک تبدیلی سی محسوس ہونے لگی۔ ایسا لگا کہ میرے اندر 1000 پاور کا کرنٹ دوڑنے لگا ہو اچانک میں سالومن کو دیکھ کر چونک پڑا اس کے وجود پر بڑی تیزی سے بڑھاپے کے آثار نظر آنے لگے تھے، جیسے ہی اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو یہ دیکھ کر میں چونک پڑا کہ سالومن کی جگہ ایک نحیف و نزار بڑھیا بیٹھی ہے۔

"میرا وقت قریب ہے...... اب تم بے تحاشہ قوتوں کے مالک ہو۔" وہ کراہتے ہوئے بولی۔

"تمہارا شکریہ...... سالومن...... اب میں انتقام لے سکوں گا۔" میں اپنے اندر قوتوں کا خزانہ محسوس کر رہا تھا۔

مگر سالومن نے کوئی جواب نہ دیا اس کی آنکھیں بند تھیں اچانک اس کا جسم بھربھرانے لگا کچھ لمحوں میں اس کا جسم راکھ کے ڈھیر کی طرح بکھر گیا۔ سالومن کو بکھرتے دیکھ کر میں وہاں سے اٹھ گیا، ایک لمحے کے لئے اس پر اچٹتی نظر ڈالی اور بار سے باہر نکل آیا...... تھوڑی ہی دور چلا ہوں گا کہ میں نے مڑ کر بار کی طرف نظر ڈالی۔ لیکن اب وہاں کچھ نہ تھا ہاں البتہ سالومن کی کار ضرور کھڑی تھی میں نے کار اسٹارٹ ہی کی تھی کہ میرے کانوں میں ہلکی سی سرگوشی سنائی دی جو کہ سالومن کے سوا کسی کی نہ تھی۔

"جب تم کو مکتی کی ضرورت ہو...... زندگی سے تھک جاؤ تو اپنی قوتیں کسی اور کو دے دینا میری طرح تم بھی بھربھرا جاؤ گے...... یہ قوتیں صرف ظلم کرنے سے بڑھتی ہیں نیکی کا خیال دل میں آیا تو قوتیں ختم ہو جائیں گی۔" آواز خاموش ہو چکی تھی۔

دوسرے دن میں نے سامان باندھا اور پاکستان جانے والے طیارے میں سوار ہو گیا جہاز ائیر پورٹ سے ٹیک آف کر گیا تھوڑی ہی دیر مسافروں کی مختلف قسم کے مشروبات دیئے جانے لگے تھے تھوڑی ہی دیر بعد میں نے اپنے لئے جوس منگوا لیا تھا جہاز کو پرواز کئے ہوئے 15 منٹ ہی گزرے ہوں گے اکانومی کلاس سے مجھے کچھ آوازیں سنائی دی پھر مجھے تیز تیز قدموں کی آوازیں سنائی دیں میں نے دیکھا کہ دو نوجوان جنہوں نے انتہائی قیمتی تھری پیس سوٹ پہن رکھے تھے اور شکل و صورت سے پیشہ ور غنڈے لگ رہے تھے دونوں کے ہاتھوں میں گنیں تنی ہوئی تھیں۔

"ہمیں مسافروں سے کوئی دشمنی نہیں مگر ہوشیاری کی صورت میں اس کی کھوپڑی میں سوراخ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" پہلا غنڈہ سرد لہجے میں بولا۔

اتنا کہتے ہی وہ کاک پٹ میں گھس گئے۔ ان کے کاک پٹ میں جاتے ایک اور نوجوان جس کے ہاتھ میں بم تھا سیدھا اکانومی سے فسٹ کلاس میں آ گیا اور مستعد ہو کر کھڑا ہو گیا مسافروں کی حالت نہایت خراب تھی عورتوں اور بچوں نے رونا شروع کر دیا تھا۔

دفعتاً پائلٹ کی آواز سنائی دی جو کہ خوف سے بھری تھی۔

"حاضرین یہ جہاز اغوا ہو چکا ہے...... آپ اپنے حوصلوں کو قائم رکھیں ہم ان سے بات کر رہے ہیں۔"

اتنا سننا تھا کہ مسافروں کی چیخیں نکل گئیں۔ بمبار غنڈہ مستور کھڑا ادنا بھی حرکت کی صورت میں وہ بم مار کر جہاز کو تباہ کر دیتا۔

مجھے ان کی پرواہ نہ تھی میں تو جانتا تھا کہ یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن مسافروں کے چہرے پر خوف و دہشت تھی یہ چیز بھی ان کے لئے روح فرسا تھی کہ جہاز اغوا ہو کر کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہا ہے۔

میں نے اطمینان سے جیب سے چیونگم نکالا اور منہ میں رکھ لیا۔ دوسرے مسافر بھی میرا سکون اور اطمینان دیکھ کر حیران تھے۔

اچانک میری نظر کھڑکی کی طرف دور روشنیوں سے ایک سیاہ ہیولہ تیزی سے گردش کرتا ہوا میری کھڑکی کی طرف آ رہا ہے جیسے وہ کھڑکی کے نزدیک آیا اس ہیولے کے اندر مجھے کا نتا کی صورت دکھائی دی وہ بالکل شیشے کے قریب آ کر مجھے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے اس کی آنکھوں میں میرے لئے حقارت اور نفرت تھی وہ غرائی۔

"یہ سارے لوگ میرے بھیجے ہوئے ہیں یہ لوگ انسان نہیں بدروحیں ہیں جو جہاز کو تباہ کر دیں گی یہ ہائی جیکر کے روپ وہ گناہ گار بدروحیں ہیں جو کہ کسی بھی صورت رحم نہیں کرتیں۔ میرا انتقام تم سے پورا ہو جائے گا۔"

اس کے انکشاف سے میں چونک گیا۔ یہ جاننے کے بعد کہ یہ لوگ انسان نہیں ہیں میں چوکنا ہو گیا مجھے ان

عالم فاضل نائی

یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جب پڑھانے کے لئے آئے تو اس حال میں تھے کہ چہرے پر جابجا چرکے اور خراشیں لگی ہوئی تھیں، جن پر پھاہے اور پٹیاں بھی ہوئی تھیں۔ ایک طالب علم کے پوچھنے پر انہوں نے وضاحت کی۔

"آج ایسے شخص نے میرا شیو بنایا ہے جو پانچ زبانوں کا ماہر ہے۔ جیسے فرانسیسی ادب کا بہترین اسکالر سمجھا جاتا ہے اور جو اپنی تحریروں کی وجہ سے دوسرے ممالک کے علاوہ ہمارے ملک میں بھی مشہور ہے۔"

طالب علم نے حیرانی سے پوچھا۔ "مگر جناب ایسا عالم و فاضل شخص نائی کیسے بن گیا؟"

پروفیسر نے جواب دیا۔ "وہ نائی نہیں بنا ہے بلکہ زندگی میں پہلی بار میں نے اپنا شیو خود بنایا ہے۔"

(ذکا اللہ بھٹی۔ کراچی)

سے انہی قوتوں سے نمٹنا تھا۔

کا نا جا چکی تھی۔

میں نے بیٹھے بیٹھے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں دل ہی دل میں ان قوتوں کو آواز دینے لگا کہ سالومن کی ودیعت کی ہوئی تھیں اچانک مجھے ایسا لگا کہ میرے اندر بجلی دوڑنے لگی ہو۔

میں نے ہاتھ کا ہلکا سا اشارہ اس بم بردار کی جانب کیا دوسرے لمحے میرے لئے حیران کن تھا۔

وہ زمین پر گر کر یوں تڑپنے لگا جیسے مرگی کا دورہ پڑ گیا ہو...... دوسرے لمحے اس کے منہ سے سفید رنگ کا ایک سانپ نکل کر رینگنے لگا۔ وہ ہائی جیکر تو اسی لمحے بے ہوش ہو گئے مگر اس کے جسم میں رہنے والی بدروح سانپ کے روپ میں نکل کر مجھ پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہی تھی۔

اچانک میں نے دیکھا کہ اکانومی سے ایک

نوجوان اسلحہ لئے فرسٹ کلاس میں داخل ہورہا ہے...... اس نے میری جانب حقارت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر کاک پٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ کاک پٹ سے وہ دونوں باہر نکلے اور میری طرف بڑھنے لگے جہاز کے بہت سے مسافر بے ہوش ہوچکے تھے۔ بہت سے چیخیں مار کررونے لگے تھے۔ وہ تینوں مشینی انداز میں چلتے میری جانب آرہے تھے۔

جیسے ہی وہ میری جانب آئے اسی لمحے سانپ نے زقند بھری اور سیدھا مجھ پر آرہا جیسے ہی سانپ نے مجھے ڈسا اسی لمحے وہ گرکر تڑپنے لگا۔

میں نے جیسے ہی ہاتھ کا اشارہ کیا ان تینوں کے جسموں میں آگ لگ گئی اور وہ تڑپنے لگے جہاز کے سارے مسافر اب مجھے نہایت ہی عجیب نظروں سے گھور رہے تھے جہاز کی ایمرجنسی لینڈنگ ہوتے ہی میں نے اپنی پراسرار قوتوں سے کام لیا اور فرار ہوگیا ورنہ لوگ مجھے گھیر لیتے اسی شام میں دوسرے طیارے میں سوار ہوکر پاکستان کے شہر کراچی پر لینڈ کرگیا۔

کراچی ہزاروں لوگوں کی امیدوں کا مرکز ہر وشنیوں کا مرکز تھا، کراچی شہر کے اندر میں نے پہلی رات ایک بہت بڑے ہوٹل میں گزاری، کچھ دن کراچی شہر میں رہنے کے بعد میرا ارادہ گاؤں کی طرف روانہ ہوجانے کا تھا۔

مگر شاید دوسرے ہنگامے میرے منتظر تھے۔ جب میں بھوکا پیاسا اس شہر میں بھٹک رہا تھا تو اس شہر میں گھومنے کی دیکھنے کی میری بڑی خواہش تھی اس روز میں نے اپنی قوتوں سے کام لے کر بہت سے پیسے پیدا کیے اور اپنے لئے کپڑے خریدے کپڑے خرید کر بازار سے نکلا ہی تھا کہ میری نظر ایک لڑکی پر پڑی جو کہ دوسری اور بہت سی لڑکیوں کے ساتھ سفید شلوار قمیض میں بس اسٹاپ پر کھڑی تھی لڑکی کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ اس کی صورت نہ جانے کیوں مجھے جانی پہچانی سی لگ رہی تھی یاد نہیں آرہا تھا کہ کہاں دیکھا ہے۔

لیکن لڑکی واقعی بے خوب صورت تھی لیکن نہ جانے کیوں اس لڑکی کو حاصل کرنے کا ارمان میرے دل مچلنے لگا تھا۔

میں نے اس لڑکی کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

کچھ ہی دیر میں لڑکی نے ایک رکشہ رکوایا اور اس میں بیٹھ گئی میں نے بھی ایک رکشہ رکوایا اور اس میں بیٹھ گیا۔

''کہاں جانا ہے؟''

''اس رکشے کے پیچھے چلو۔'' میں نے رکشے والے سے کہا۔

رکشہ والے نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور پھر مسکرا کر بولا۔

''صاحب ایک سے ایک موتی اس فقیر کی جھولی میں ہے کاہے کو اس کے پیچھے جاتا ہے کہو تو لے چلوں وہ اس سے بھی زیادہ مست ہے۔'' رکشے والے کا لہجہ بہت عامیانہ تھا۔

اس کی بات سن کر مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن میں نے تحمل سے جواب دیا۔

''میری جاننے والی ہے۔ بہت دنوں بعد دیکھا ہے۔''

''ہاں سب کہتے ہیں......''

''تم کو چلنا ہے تو چلو...... ورنہ میں اتر جاتا ہوں۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''ہاں اتر جاؤ...... سارے بے غیرت میری ہی گاڑی میں چڑھتے ہیں۔'' اس کا لہجہ بہت خراب اور عامیانہ تھا۔

لڑکی کا رکشہ نظروں سے اوجھل ہوچکا تھا۔

اس رکشے والے پر مجھے بہت غصہ آرہا تھا لیکن میں چپ کرکے اتر گیا۔

اترتے وقت میں نے صرف اتنا کہا کہ ''رکشہ دھیان سے چلانا ٹریفک کے بہت حادثات ہوتے رہتے ہیں۔''

رکشہ ڈرائیور نے میری ان سنی کردی اور رکشہ بڑھادیا اگے جاکر اس نے دوسرے مسافر اٹھائے

اور گاڑی چلادی۔

میں نے واپس کمرے کمرے آنکھیں بند کرلیں اپنی قوتوں کو آواز دینے لگا میں اس ڈرائیور کی موت کا خواہاں تھا، دفعتاً میرا جسم گرم ہونے لگا مجھے اپنے اندر بجلیاں سی دوڑتی محسوس ہوئی۔

دفعتاً ایک تیز قسم کے دھماکے کی آواز سے میں نے آنکھیں کھول دیں میں نے اپنے سے تھوڑی دور کے فاصلے پر بہت سی بھیڑ جمع دیکھی میں نے صرف اتنا دیکھا کہ ایک بس کھڑی ہے جس کے ونڈ اسکرین کے شیشے ٹوٹے پڑے ہیں فضا میں ایمبولینس کے سائرن کی آوازیں گونج رہی ہیں اس سے زیادہ کا منظر میں نے نہیں دیکھا میں دوسرے رکشے کی مدد سے اپنے ہوٹل آگیا۔

دوسرے دن اخبار میں، میں نے پڑھا ایک بس نے رکشہ کو کچل دیا۔ جس میں 4 سے زیادہ لوگ مارے گئے تھے۔

ایک ہفتے کے دوران میں نے بہت سے ہنگامے مچائے ہوٹل میں کوئی رات کسی عورت کے بغیر نہ گزرتی تھی، ایک پیش امام کا بیٹا سخت مجرم اور گناہ گار بن چکا تھا۔

ڈیڑھ ہفتے کے بعد میں نے پھر اسی لڑکی کو دیکھا جو کہ ایک کار سے اتر کر شاپنگ مال میں داخل ہورہی تھی اس لڑکی کے ساتھ شاپنگ مال میں داخل ہونے والوں کو دیکھ کر میرے سارے زخم پھر سے ہرے ہوگئے اور مجھے یاد آگیا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔

یہ لڑکی کوئی اور نہیں بلکہ بانو کی بہن شازیہ تھی...... جو کراچی میں پڑھتی تھی اس کے ساتھ کوئی اور نہیں بانو اور عمیر تھے۔

میرا دل انتقام کی آگ میں جلنے لگا وقت آگیا تھا بدلے کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا۔

میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا شاپنگ مال میں داخل ہوگیا شاپنگ مال اتنا بڑا وسیع تھا کہ وہ لوگ مجھے کہیں نظر ہی نہ آئے لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور اپنی قوتوں سے کام لینے کا فیصلہ کرلیا جلد ہی وہ مجھے نظر آگئے۔

وہ لوگ ایک جیولری شاپ میں موجود تھے۔ جیولر شاپ کے سامنے ایک کیفے ٹیریا تھا میں فوراً اس کیفے میں گھس گیا چائے کا آرڈر دینے کے بعد آنکھیں بند کرلیں اور اپنی قوتوں کو آواز دینے لگا جلد ہی وہ تینوں مجھے نظر آنے لگے...... ان کی باتیں تک سمجھ میں آنے لگیں۔

''باجی آپ خوش نصیب ہیں جسے چاہا اسے حاصل کیا......'' شازیہ عمیر کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''ہاں...... نیت سچی ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے......'' اس نے عمیر کے ہاتھ پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

جواباً عمیر بھی مسکرادیا۔

''باجی...... گاؤں واپسی کب ہوگی......'' شازیہ بولی۔

''جب ان کا کام ختم ہوجائے گا......'' اس نے عمیر کی جانب بڑے ہی پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ جان کر اس کی شادی مجھ سے نہیں ہوسکتی وہ میرے بھائی کی ہوچکی ہے غم وغصہ صدمے سے میری حالت پاگلوں جیسی ہوگئی تھی لیکن بانو کو حاصل کرنا میری زندگی کا مقصد تھا سو میں اسے پورا کرکے رہوں گا۔

وہ رات مجھے اچھی طرح یاد ہے جس رات کے بعد میری زندگی میں بہت بڑی تبدیلی پیدا ہوئی اس رات بہت تیز بارش تھی گرج چمک اور طوفانی ہواؤں نے ایک قیامت بپا کی ہوئی تھی میں مسلسل سائے کی طرح تین دن سے ان دونوں کے پیچھے لگا ہوا تھا، وہ دونوں مجھے ایک ساتھ اکیلے نہیں ملے، آخر کار قسمت نے مجھے یہ موقع فراہم کردیا۔

بانو کی بہن بارش کے سبب اپنی کسی سہیلی کے یہاں رک گئی تھی اور وہ دونوں بنگلے میں اکیلے تھے۔

چنانچہ میں موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے بنگلے کے مین گیٹ کے اندر داخل ہوگیا حیرت کی بات یہ تھی کہ نہ مجھے کتے نظر آئے نہ ہی کوئی چوکیدار میں اپنی قوتوں کا استعمال کرتے ہوئے ان کی خواب گاہ تک پہنچ گیا۔

خواب گاہ کا دروازہ بند تھا اندر سے دھیمی دھیمی ہنسی

کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"تم بہت خراب ہو...... تنہائی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔" بانو کی سرگوشی کی آواز سنائی دی۔

"ہاں تم جیسی خوب صورت بیوی ساتھ ہو...... پھر کون رکتا ہے۔" عمیر نے ہنستے ہوئے کہا۔

پھر ایک ساتھ دونوں کی ہنسی سنائی دی۔

ان دونوں ہنستے بولتے خوش دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا میرے ارمانوں کا خون کرکے یہ دونوں اس طرح خوش نہیں ہوسکتے تھے۔

چنانچہ میں اپنی قوتوں کی مدد سے دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوگیا۔

اندر کا منظر نہایت ہی رنگین تھا۔ زیرو پاور بلب کی روشنی بھی ان کی نیم برہنگی چھپانے میں ناکام تھی۔

مجھے یوں کمرے کے اندر نمودار ہوتے دیکھ کر بانو کے حلق سے چیخ نکل گئی اس نے فوراً ہی چادر میں خود کو چھپالیا۔

مجھے یوں نازل ہوتے دیکھ کر عمیر ڈر سا گیا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"ک ک کون ہو تم......"

"تمہاری بیوی تو بہت خوب صورت ہے۔" میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"بے غیرت انسان تو ہے کون اندر گھسا کیسے۔"

اس کا لہجہ سخت تھا۔ شاید عمیر مجھے پہچاننے میں ناکام تھا۔

جواب میں، میں ہنس پڑا اور میں نے ہاتھ کا اشارہ کیا پورے کمرے میں مکمل روشنی پھیل گئی۔

میری صورت سامنے آتے ہی ان دونوں کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"زبیر......" عمیر زیر لب بڑبڑایا۔

اس کی آنکھوں سے خوف سا ظاہر ہونے لگا تھا۔

لیکن بانو کی کیفیت اس سے مختلف تھی بانو کسی بھوکی شیرنی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

"کمینے...... کتے...... للنڈر...... بے غیرت...... میں تیرا منہ نوچ لوں گی۔" وہ چلاتی ہوئی بیڈ سے نیچے اتر آئی۔

"م م...... میں پولیس کو فون کرتا ہوں......" عمیر بڑبڑایا اپنے موبائل کی جانب بڑھا۔

اس سے قبل کہ وہ موبائل اٹھا پاتا۔

میرے ہاتھ کے اشارے سے وہ فضا میں بلند ہوگیا۔ اور وہیں معلق ہوگیا یہ سب منظر دیکھ کر بانو کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"تم میرے ساتھ چلو گی...... بانو بیگم۔" میں نے کہا۔

"ن ن...... نہیں خدا کا خوف کرو میں تمہاری بھابھی ہوں۔"

"میرا تم سے صرف ایک ہی رشتہ ہے انتقام کا۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

اتنا سننا تھا کہ بانو رونے لگی۔ معافیاں مانگنے لگی۔

میں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

"میں اسے اپنے ساتھ لے جارہا ہوں عمیر بابو میرے جاتے ہی تم آزاد ہوجاؤ گے لیکن زندگی تمہیں بوجھ لگنے لگے گی...... اتنا کہہ کر میں نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

تو بانو کے اردگرد سفید رنگ کا دبیز دھواں پھیلتا چلا گیا۔

بانو کو لے جانے کے بعد میں نے اسے ایک ہوٹل کے کمرے میں رکھا ہوٹل والوں کو اپنی بیوی بتا کر یہ بیمار ہے علاج کے لئے آیا ہوں۔

ہوٹل والوں کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا انہیں تو نوٹوں سے مطلب تھا چنانچہ رات ہوتے ہی میں نے خوب ساری پی کر اپنے ڈبل روم میں داخل ہوگیا بانو مسلسل بے ہوش تھی۔ میرے خوابوں کی دیوی میرے سامنے موجود تھی۔

بے ہوشی میں اس کے چہرے کی معصومیت اور زیادہ نکھر گئی تھی۔

میں کمرے میں داخل ہوکر اسے اپنی قوتوں کی مدد سے اسے ہوش میں لے آیا۔

ہوش میں آتے ہی وہ خوف زدہ انداز میں بستر

سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کی معصوم نگاہوں میں خوف کے ساتھ خاموش التجا بھی تھی میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا وہ سہم کے پیچھے ہٹ گئی۔

"آج مجھے اپنا پیار مل گیا...... جسے میں نے چاہا آج میں اسے حاصل کرلوں گا۔" میں کامیابی کے نشے سے بولا۔

"نہیں...... نہیں...... ایسا نہیں ہوسکتا میں اپنی عزت کی خاطر جان دے دوں گی۔" اس کے لہجے میں ٹھوس اور آہنی چٹانوں جیسی سختی موجود تھی۔

"مجھے تمہاری زندگی کی کوئی پرواہ نہیں میرا بدلہ پورا ہوجائے تو جہاں چاہے چلی جانا۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"کچھ تو شرم کرو...... میں تمہاری بھابھی ہوں۔" وہ آنکھوں میں آنسو لا کر بولی۔

اس کے آنسو دیکھ کر میں ہنس پڑا میرے دل کو بہت سکون مل رہا تھا۔

"جان من...... میں تو اس الزام کو سچ ثابت کرنا چاہتا ہوں جو تم نے مجھ پر لگایا تھا وہ الزام سچ ثابت ہوجائے تو تم چلی جانا۔"

میں اسے اپنا بنانے کی نیت سے آگے بڑھا تو وہ یکدم پھر گئی۔

"رک جا...... مردود قہر الٰہی سے ڈر تیرا حشر خراب ہوگا۔" اس کی نظروں میں خوف اور بے بسی دونوں موجود تھیں۔

میں نے اسے گھیرنے کی کوشش کی کچھ دیر تک وہ خود کو بچاتی رہی پھر بے بس ہوکر بیڈ پر گر پڑی۔

میں طاقت کے نشے میں سرشار اس کی جانب بڑھنے لگا۔ میرے تیور بھانپ کر وہ اور خوف زدہ ہوگئی اس کی غزالی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ چھت کی جانب دیکھنے لگی بانو کے آنسو دیکھ کر مجھے بڑا سکون مل رہا تھا۔

وہ کسی بے بس پرندے کی طرح بیڈ پر پڑی ہانپ رہی تھی مجھے بیڈ پر چڑھتے دیکھ کر اس نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی وہ لڑکھڑا کر گری اور اس کا سر بیڈ کے سرہانے سے ٹکرایا اور وہ بے سدھ ہوگئی۔

میرا نشہ تیز ہورہا تھا اس کو بے ہوش دیکھ کر میرا دل جیسے باغ باغ ہوگیا میرے سینے میں ہوس کے طوفان اٹھنے لگے۔ میں نے اس کے جسم کو پامال کرنے کے لئے پہلا قدم اٹھایا ہی تھا کہ ایک کرخت آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"رک جاؤ...... زبیر ایک مظلوم کی بے بسی پر طاقت کا مظاہرہ کررہے ہو۔ شرم کرو...... یہ تمہارے بھائی کی بیوی ہے۔"

میں نے اس آواز کو واضح طور پر سنا تھا مگر میرے اور بانو کے سوا وہاں کوئی تھا ہی نہیں پھر یہ آواز کس کی تھی ایک لمحے کو دوبارہ کو سوچا پھر بانو کے جسم کو بے نقاب کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میرا ہاتھ سن ہوگیا...... ایسا لگ رہا تھا کہ میرا ہاتھ فالج زدہ ہو میں نے اپنی قوتوں کو آواز دینی شروع کی مگر ہاتھ ٹھیک نہ ہوا میں جھلا کر بیڈ سے نیچے اتر آیا بیڈ سے اترتے ہی ہاتھ ٹھیک ہوگیا، ہاتھ ٹھیک ہوتے دیکھ کر میں پھر بیڈ پر چڑھ گیا بانو کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ہاتھ پھر سن ہوگیا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہورہا ہے میرے ساتھ۔

"زبیر تم جتنی چاہے کوشش کرو...... مگر اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہوسکو گے...... یہ لڑکی پاک اور معصوم ہے اس نے ایسی طاقت کو آواز دی ہے جو بہت پاک اور عظیم ہے۔"

میں بیڈ سے نیچے اتر آیا اور حلق کے بل چلا کر بولا۔

"مرد ہو تو سامنے آؤ...... پھر میں تم کو بتاتا ہوں میں کون ہوں۔"

"افسوس...... صد افسوس...... تم اپنے اللہ کو بھول گئے سدھر جاؤ اب بھی وقت ہے توبہ کے دروازے تم پر بند نہیں ہوئے۔"

”میں اس لڑکی کو چھوڑوں گا نہیں، جب تک میں اسے برباد نہیں کردیتا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔“ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

یہ کہہ کر میں بھاگتا ہوا بیڈ پر چڑھ گیا بانو کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا کہ مجھے زور کا جھٹکا لگا میں بیڈ سے فرش پر جاگرا میں نے اٹھنے کی کوشش کی تھی کہ مجھے دوبارہ جھٹکا لگا میں پھر فرش پر جاگرا۔ پھر جیسے کسی نے میری جوتوں سے پٹائی کردی ہو سر پر پڑنے والی جوتوں کی ضربیں بہت شدید تھیں۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

☆☆☆☆☆☆

ہوش آیا تو میں نے خود کو کوڑے کے ڈھیر پر پایا۔

میرے جسم سے عجیب طرح کا تعفن اٹھ رہا تھا۔ جیسے کہ میں سالہا سال کوڑے کے ڈھیر پر پڑا رہنے کا عادی ہوں میرے جسم پر قیمتی کپڑوں کی جگہ پھٹا پرانا جانگیہ جو کہ ستر پوشی میں بھی پوری طرح سے ناکام تھا۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک دل دوز حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ میرے پورے جسم پر بڑے بڑے آبلے تھے جن سے پیپ اور خون رس رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ میرے ساتھ یہ کیا ہوگیا؟ وہ کون تھا جس نے مجھے اس حال میں پہنچایا ہے؟ میں نے آنکھیں بند کرکے اپنی قوتوں کو آواز دینا شروع کردی تو دوسری تلخ اور خطرناک حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ میری قوتوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے میرا اتنا برا حال تو کانتا نے بھی نہیں کیا تھا جتنا برا ان طاقتوں نے کیا تھا وہ یقیناً کوئی عظیم قوتیں تھیں؟ جو مجھے گناہ سے روکنا چاہتی تھیں میرے تمام سابقہ گناہوں کی پاداش نے مجھے اس حال میں پہنچادیا گیا تھا؟

میری آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے کہ مجھ سے کیا ہوگیا، مجھ سے اپنی گزشتہ زندگی کے سارے پتے سیاہ نظر آنے لگے میں نے اپنے بھائی کے ساتھ ظلم کیا بھابھی کے ساتھ ظلم کرنا چاہا؟ میرے گناہ قابل معافی تھے، بہرحال میں کراہتا ہوا اٹھا اور آگے بڑھا تو آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی نظروں میں اپنے لئے حقارت پائی۔

تھوڑا سا آگے جاتے ہی چھوٹے چھوٹے بچے پتھر لے کر میرے پیچھے لگ گئے۔

پتھروں کے وہ وار مجھے یاد ہے آج تک میں بھولا نہیں کہ کس بری طرح سے میری پٹائی ہوئی تھی بچوں سے جان چھڑانا دشوار ہوچکا تھا میں زخمی ہوچکا تھا۔ میرے سر اور ڈاڑھی کے بال بڑے بڑے ہوچکے تھے جسم پر آبلے جن پر ہر وقت مکھیاں بھنبھناتی رہتی تھی نتیجہ یہ ہوا مجھے اٹھا کر خیراتی اسپتال میں ڈال دیا گیا۔

جب میں خیراتی اسپتال والے مجھ سے بیزار ہوگئے تو انہوں نے مجھے اٹھا کر شہر سے دور ایک ویران جنگل میں مرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

میں سارا سارا وقت اپنے گناہوں پر پچھتاتا رہتا تھا۔ جنگل میں سارا سارا دن بھٹکتا رہتا جو مل جاتا وہ کھالیتا رات ہوتی تو کسی پیڑ کے نیچے پڑ جاتا کافی وقت گزر گیا تھا اب تو مجھے پہچاننا بھی دشوار ہوگیا تھا آبلوں سے نکلنے والی بدبو میرے لئے عذاب بن گئی تھی اسپتال والوں کے پہنائے گئے کپڑے پھٹ چکے تھے جسم پر میل کچیل کی تہیں پڑ چکی تھیں ڈاڑھی بڑھ چکی تھی۔

ایک روز میری زندگی میں تبدیلی آئی قدرت کو مجھ پر رحم آیا دوپہر کا وقت تھا دھوپ تیز تھی میں ایک پیڑ کے نیچے پڑا تھا میرے ذہن کی سوچوں کا محور صرف میرے گناہ اور سابقہ زیادتیاں تھیں دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ میرے نیچے کوئی چیز رینگ رہی ہو...... میں گھبرا کر اس جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا میں نے دیکھا وہاں ایک نیلے اور سرخ رنگ کا سانپ رینگ رہا تھا سانپ خوب صورت تھا اس کے سر پر سرخ رنگ کا چھوٹا سا تاج تھا۔ سانپ بہت چھوٹا سا تھا مجھے دیکھ کر وہ سانپ پھن پھیلا کر کھڑا ہوگیا۔

میں نے دیکھا اس کے اردگرد سبز رنگ کی روشنی ہے وہ مجھے بہت دلچسپی سے گھور رہا ہے۔

میں نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن میرے قدم من من کے ہوگئے مجھ سے ہلا ہی نہیں جاتا تھا۔

دفعتاً سانپ نے اچک کر میرے ماتھے پر ڈس لیا

میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔ گویا میری کہانی ختم، مجھے ڈستے ہی سانپ نہ جانے کہاں غائب ہوگیا میرے جسم میں اٹھنے والے سوزش بہت زیادہ تکلیف دہ تھی تکلیف کے ساتھ ساتھ گرمی کا احساس بھی بڑھنے لگا تھا۔ میں نے بھاگنا شروع کردیا بھاگتے بھاگتے مجھے پانی کی ایک جھیل نظر آئی میں نے فوراً اس جھیل میں چھلانگ لگادی پانی میں گرتے ہی میرے پورے جسم میں سکون کی لہر دوڑ گئی جیسے جیسے میں نہاتا جاتا ویسے ویسے سوزش اور گرمی ختم ہوجاتی حتیٰ کہ میں پوری طرح سے پرسکون ہوگیا۔

میں نہا کر باہر نکلا تو جسم بے حد ہلکا اور چاق وچوبند محسوس ہورہا تھا جسم سے سارے آبلے اور بدبو ختم ہوچکی تھی میں پوری طرح سے صحت مند ہوچکا تھا شاید مجھے معاف کردیا گیا تھا تھوڑی دور پتھر کے نیچے مجھے کپڑوں کا ایک جوڑا نظر آیا جو کہ اٹھا کر فوراً پہن لیا شاید وہ جوڑا میرے لئے تھا جو کہ مجھ پر پورا آگیا۔

اب میں کراچی جاکر اپنے بھائی اور بھابھی کو ڈھونڈ کر ان سے معافی مانگنا چاہتا تھا سال بھر اس حالت میں رہنے کے بعد میرے اندر کی ساری نفرت اور برائی ختم ہوچکی تھی دل لیکن سکون کی دولت سے خالی ہوچکا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے بغیر ٹکٹ ریل میں بیٹھ گیا جس اسٹیشن سے بیٹھا تھا وہ ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا سارے راستے یہ فکر کھائی رہی اگر ٹکٹ چیکر نے ٹکٹ مانگا تو کیا جواب دوں گا میرے ساتھ اور بھی مسافر تھے جو سفر کررہے تھے دوسرے اسٹیشن پر ٹکٹ چیکر چڑھا اس نے ایک ایک مسافر کا ٹکٹ چیک کرتا رہا میرے پاس سے یوں گزر گیا جیسے اس نے مجھے دیکھا ہی نہ ہو کھانے کے وقت پر مسافروں نے اپنے اپنے ڈبے نکال کر کھانا شروع کردیا لیکن ڈبے کے بہت سے مسافروں میں کسی ایک نے مجھ سے اخلاقاً بھی نہ پوچھا یوں لاتعلقی سے کھاتے رہے جیسے میں ان کے درمیان موجود ہوں ہی نہیں بھوک کی شدت سے میرا برا حال تھا زبان ترس گئی تھی ایک عرصے سے کھانے پینے کو ورنہ میں تو جنگلی پھلوں پر گزارہ کرتا تھا سالن کی سوندھی مہک سے میرا دماغ خراب ہوتا جارہا تھا میرا دل چاہ رہا تھا کہ ان سے چھین لوں مگر میرا دل کسی گناہ پر آمادہ نہ تھا۔

خدا خدا کرکے سفر ختم ہوا جیسے ہی میں اسٹیشن سے باہر نکلا کشادہ سڑک پر آیا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ خوف و دہشت سے میرے قدم زمین میں ہی گڑ گئے میں نے حسرت بھری نظروں سے مسجد کی جانب دیکھا میرا دل خوف سے کانپ اٹھا کب اذان کب ختم ہوئی مجھے اس کا احساس نہ ہوا۔ مسجد کب نمازیوں سے خالی ہوئی مجھے پتے ہی نہ چلا بس میں اپنی جگہ کھڑا آنسو بہاتا رہا کسی نے مجھے بازو سے پکڑا تو میں یکلخت ہوش میں آگیا۔

ایک ادھیڑ عمر کا شخص میرے سامنے کھڑا مجھے حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا بظاہر وہ کوئی آسودہ حال نہیں معلوم ہورہا تھا لیکن اس کی نگاہوں میں میرے لئے ہمدردی کا جذبہ ضرور موجود تھا۔

”بھائی تم بہت دکھی معلوم ہوتے ہو...... میں تمہارے کسی کام آسکتا ہوں۔“ نو وارد کی زبان سے اپنے لئے ہمدردی کے لفظ سن کر میرا دل بھر آیا اور میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

مجھے روتا دیکھ کر وہ شخص مجھے ساتھ لے گیا اس کا نام باقر تھا وہ شخص مسجد کا موذن وخطیب تھا اور مسجد کے اندر ہی اس کی رہائش تھی جہاں وہ بالکل اکیلا رہتا تھا اس نے میرے سامنے کھانا لاکر رکھا تو میں دیوانوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا اتنے دنوں بعد روٹی سالن کھانے کو ملا تھا۔ وہ میری ایک ایک حرکت کا جائزہ لیتا رہا جب میں سیر ہوکر کھا چکا تو وہ بولا۔

”اگر مناسب سمجھو تو اپنے دل کا بوجھ میرے سامنے ہلکا کرسکتے ہو۔“

میں نے اس طرح اصرار کرنے پر اپنے حالات زندگی سے آگاہی دی۔ وہ محو حیرت میری داستان سنتا رہا جب میں خاموش ہوا تو وہ بولا۔

”تم نے اچھا کیا جو مجھے بتادیا...... تم نے ایک عرصے تک اللہ کی عبادت سے انکار کیا لیکن اب تم راہ راست پر آگئے ہو اگر تم اس کی بارگاہ میں سر جھکاؤ تو

تمہاری خوشیاں تم کو ضرور مل جائیں گی ندامت بڑے بڑے گناہوں کو دھو دیتی ہے۔"

دوسری صبح میں باقر کے پھٹے پرانے کپڑے پہن کر نماز فجر کی ادائیگی کی میرا دل جانتا ہے دوران نماز مستقل میری آنکھوں سے آنسو بہتے رہے میں قادر مطلق کے سامنے شرم سے گڑ جاتا تھا ندامت کے احساس نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا جب نماز ختم ہوئی تو میں سر سجدے میں رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا میرے دل کی یہی آرزو تھی کہ بس مجھے میرا بھائی مل جائے بھابھی مل جائے ان کے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگ سکوں۔

باقر نے میری آنکھوں میں آنسو دیکھے تو مجھے تسلی دیتا ہوا بولا۔"ایک دن ضرور تم کو تمہاری منزل مل جائے گی۔اللہ تعالیٰ ان آنسوؤں کی لاج ضرور رکھے گا۔"

مجھے باقر علی کے ساتھ رہتے ایک ماہ بیت چکا تھا میں صبح سے لے کر رات تک پلیٹ فارم پر قلی گیری کرتا شام کو باقر علی سے قرآن پاک کی تلاوت سنتا۔

ایک روز شام کے وقت میں نے مسجد سے ملحق ایک حجرے میں بہت سی عورتوں بچوں بوڑھوں کی آمد دیکھی سب کی آنکھوں میں کوئی نہ کوئی پریشانی نظر آتی۔

"یہ کون لوگ ہیں باقر علی یہ حجرہ تو ہمیشہ بند رہتا ہے۔"

ہر ماہ کی 28 تاریخ کو ہمارے پیر شاہ صاحب آتے ہیں جو کہ ضرورت مندوں کو تعویذ، دم، اور دوا وغیرہ دیتے ہیں وہ حکیم بھی ہیں۔" باقر علی مسکرا کر بولا۔

"اچھا تو پھر ان سے ملنا ضروری ہے۔" میں نے بھی مسکرا کر کہا۔

دفعتاً میں نے حجرے کے سامنے ایک بڑی گاڑی کو رکتے ہوئے دیکھا۔

گاڑی کے اندر سے نکلنے والی کو دیکھ کر میں چونک کر رہ گیا۔

نو وارد کے چہرے پر غم کی کیفیت موجود تھی چہرے سے وہ بہت پریشان معلوم ہوتی تھی۔

وہ کوئی اور نہیں بانو تھی...... وہی بانو جس کا میں مجرم تھا، وہی بانو جس سے میں نے محبت کی تھی۔

"یہ عورت کون ہے اور یہاں کیوں آتی ہے؟"

میرا لہجہ پرتشویش تھا میری بات سن کر باقر غمگین ہو گیا پھر اداس سے لہجے میں بولا۔

"یہ بے چاری بہت پریشان ہے اس کا شوہر بیمار ہے تین ماہ سے آ رہی ہے برابر لیکن پیر شاہ صاحب اس سے ملنے سے انکار کر دیتے ہیں کہتے ہیں وقت کا انتظار کرو گزشتہ 4 ماہ سے آ رہی ہے۔"

بانو گاڑی سے نکل کر حجرے کی طرف جا رہی تھی کہ میں نے حجرے سے نکل کر کسی کو باہر آتے دیکھا وہ ایک سفید ریش بزرگ تھے جن کے سر پر سفید عمامہ تھا بزرگ کو باہر آتا دیکھا باہر کھڑے لوگوں کے سر عقیدت سے جھک گئے۔بزرگ کی عمر 60 سے 65 سال کے درمیان تھی ان کے چہرے پر وقار اور آنکھوں میں جلال کی کیفیت تھی۔

بانو بزرگ کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئی۔جبکہ باقر علی انہیں آتا دیکھ کر مسجد کے صحن سے اٹھا اور دوڑتا ہوا بزرگ کے پاس پہنچ گیا۔

"حضرت آپ نے زحمت کیوں فرمائی مجھے طلب کر لیا ہوتا۔" باقر علی لجاجت سے بولا۔

بزرگ نے باقر کی بات کا جواب نہ دیا اور بانو کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

"بی بی...... تمہارے شوہر کی بیماری کا علاج اندر ہے۔" بزرگ نے مسجد کے صحن کی طرف اشارہ کیا جہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔

باقر نے میری جانب دیکھ کر ہاتھ کا اشارہ کیا تو میں اٹھ کھڑا ہوا جیسے میں وہاں تک پہنچا بزرگ اندر جا چکے تھے۔

بانو نے مجھے ایسے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

میری کیفیت اس مجرم کی تھی جو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا سزا کا منتظر ہو۔اچانک میں نے دیکھا کہ بانو کی آنکھوں میں نفرت کی کیفیت ابھری دوسرے ہی لمحے اس نے بھرپور تھپڑ میرے چہرے پر رسید کر دیا

ساتھ ہی ساتھ جو منہ میں آتا جا رہا تھا بکتی جا رہی تھی میں نے بھی اسے روکا نہیں اس کی بھڑاس نکل جانے دی باقر علی اور دوسرے لوگ حیرت سے میری درگت بنتے دیکھ رہے تھے۔باقر نے بیچ میں آنا چاہا تو میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"باقر بھائی یہ بانو ہے۔"

میری بات سن کر باقر رک گیا۔

بانو کے دل کی بھڑاس نکل چکی تو وہ وہیں کھڑی کھڑی سسکنے لگی۔دوسرے لمحے وہاں کھڑے لوگوں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا میرا سر اس کے قدموں میں تھا۔

"مجھے معاف کر دو بھابھی...... میں تمہارا مجرم ہوں...... میری روح پر تمہارا قرض ہے بھابھی۔"

میرے منہ سے بھابھی کے لفظ سن کر وہ چونک پڑی پھر بھراتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اگر تم میرے شوہر کو ٹھیک کر سکو تو میں تم کو معاف کر دوں گی۔"

"آپ کے شوہر کو ہوا کیا ہے۔"

"اس پر کسی شیطانی وجود کا سایہ ہے......" وہ روتے ہوئے بولی۔

بانو کی بات سن کر میں چونک اٹھا۔

"میں اس کا علاج کیسے کر سکتا ہوں۔"

"یہ تم بابا سے پوچھو جنہوں نے تمہارا مشورہ دیا ہے۔" اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

بانو تو چلی گئی مگر میرے دل کو بے سکون کر گئی۔

عقیدت مندوں اور سائلوں کے چلے جانے کے بعد میں نے شاہ صاحب سے ملاقات کی۔مجھے دیکھ کر وہ مسکرائے پھر بولے۔

"اس غریب کا علاج تم ہی کر سکتے ہو۔کیونکہ مرض بھی تم اور دوا بھی تم ہو۔"

شاہ صاحب کی بات سن کر میں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

قدرے توقف کے بعد شاہ صاحب نے ایسی بات بولی جس کا تصور بھی میں نہیں کر سکتا تھا۔

میں جولہا شاہ صاحب کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

"جاؤ میرے بیٹے یہی تمہارا امتحان ہے یہی توبہ بھی۔"

☆......☆......☆

مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں عمیر کا علاج کیسے کروں گا کیونکہ نہ تو میرے پاس قوتیں تھیں اور نہ ہی میں روحانی امراض کا ماہر تھا۔خیر جو بھی ہو گا اللہ مالک ہے۔یہ وہ جگہ نہ تھی جہاں سے میں نے بانو کو اغوا کیا تھا۔

بانو سیدھا مجھے عمیر کے کمرے میں لے گئی۔

عمیر کے کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔عمیر شاید سو رہا تھا۔

"سو رہا ہے کیا۔" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"ہاں......" بانو نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"یہ سب ہوا کیسے بھابھی؟"

میری بات سن کر بانو نے طویل سانس لی اور کہا۔

"جب تم اس ذلیل حرکت میں ناکام ہونے کے بعد بے ہوش ہوئے تو میں ہوش میں آ چکی تھی تم کو بے ہوش ہوتے دیکھ کر میں وہاں سے بھاگ گئی اس کے بعد سے عمیر کو میں نے اس حالت میں دیکھا اس کے بھی ذمہ دار تم ہو۔" اس کے لہجے میں غصہ در آیا۔

"میں شرمندہ ہوں بھابھی اپنے ہر گناہ کا کفارہ میں اپنے خون سے ادا کروں گا۔"

میرے جواب پر بانو نے مجھے غور سے دیکھا اور پھر نظر جھکا لی۔

بانو نے جیسے ہی کمرے کی لائٹ جلائی تو میں نے دیکھا کہ عمیر پلنگ پر پڑا ہے اس کے دونوں ہاتھ پیر زنجیروں سے بندھے پڑے ہیں اس کے چہرے پر بڑھاپے کی تمام علامتیں موجود تھیں۔

یوں کہنا مناسب ہو گا کہ جسم تو جوان تھا لیکن چہرے پر بڑھاپے کی تمام علامتیں موجود تھیں چہرہ بدرجہ پیلے پن کا شکار تھا یوں لگ رہا تھا کہ جیسے دق کا شکار ہے۔

جیسے ہی میں اس کے نزدیک پہنچا اس نے

آنکھیں کھول دیں اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے مجھے بلند وبانگ قہقہہ لگایا۔
”مر گیا تو...... آج تجھے مار کر میری آتما کو شانتی مل جائے گی۔“ اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔
میں نے کوئی جواب نہ دیا میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی زنجیریں توڑ دیں اب وہ بستر پر اکڑوں بیٹھا ہوا مجھے گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔
مجھے ایسا لگا کہ مجھے زوردار دھکا لگا ہو اور میں فضا میں تیرتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ سر پر لگنے والی چوٹ بہت شدید تھی مجھے گدی پر کوئی گرم شے بہتی ہوئی محسوس ہوئی میرا سر پھٹ گیا تھا خون نے نکلنا شروع کر دیا تھا مگر میں نے ہمت نہیں ہاری تھی، میں کراہ کراٹھ کھڑا ہوا۔
یہ منظر دیکھ کر بانو سہم کر دیوار سے چپک گئی تھی۔
”بہت درد ہو رہا ہے......“ عمیر یہ لفظ بولتا ہوا بستر سے نیچے اتر آ گیا۔
”میں تجھے تڑپا تڑپا کر ماروں گی...... اپنی موت کا بدلہ ضرور لوں گی۔“ اس کی آواز بدستور بدلی ہوئی تھی۔
اس نے میرے قریب آ کر ہاتھ کا اشارہ کیا اور میں فضا میں معلق ہو گیا۔
”کاننا...... تم کو مجھ سے بدلہ لینا ہے تو میں تیار ہوں میرے بھائی کو چھوڑ دو۔“
میری بات سن کر عمیر چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت در آئی۔
”تجھے کیسے معلوم...... میں کاننا ہوں۔“
”شاہ صاحب نے بتایا تھا...... مجھ سے سودا کر لو...... اور میرے بھائی کو چھوڑ دو...... بدلے میں تم میرے ساتھ جو چاہو کرو۔“
میری پیش کش سن کر عمیر کے حلق سے بلند وبانگ قہقہہ نکلا۔
”اچھا ہے بہت اچھا ہے...... بھائی کے اندر رہ کر تجھ کو تڑپانا زیادہ آسان ہے ویسے بھی مجھے معلوم ہے میں سیدھا تجھ پر وار کرتی تو تو بچ جائے گا۔ مگر تیرے بھائی کے اندر رہ کر تجھ سے بدلہ لینا زیادہ آسان ہوگا میں روز تجھ کو تڑپاؤں گی اور میرا بدلہ پورا ہوگا۔ اچھا ہے بہت اچھا ہے۔“
اتنا کہتے ہی عمیر بے ہوش ہو کر گر پڑا اور میں نیچے گر پڑا...... میں اٹھ کر سیدھا عمیر کی جانب بھاگا میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے سے جھریاں غائب ہو رہی ہیں اور وہی جھریاں میرے چہرے پر ظاہر ہو رہی ہیں دل و دماغ کو اندھیرے میں جانے سے پہلے میں نے دیکھا کہ بانو کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار ہیں۔

☆......☆......☆

قارئین کرام! میں بانو زوجہ عمیر اس داستان کے آخری سطور تحریر کر رہی ہوں۔
میں عمیر سے بچپن سے محبت کرتی تھی بالآخر ہم نے لڑ جھگڑ کر شادی کر لی مجھے شروع سے اس میں کچھ نیا نظر آتا تھا جو زبیر میں نہیں تھا عمیر کے ٹھیک ہونے کے بعد زبیر کو میں نے اسی حالت میں دیکھا، تین ماہ تک وہ ہمارے ساتھ ہی رہا وہ کسی کو نہ پہچانتا تھا نہ بات کرتا تھا۔
اس دوران اکثر راتوں کو چیخنے اور چلانے لگتا اس کے چلانے میں بے حد درد اور کرب تھا جیسے وہ مدد کے لئے کسی کو پکار رہا ہو۔
میں زبیر سے شرمندہ ہوں لیکن کیا کرتی اس وقت زبیر کو سنبھالنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا ورنہ وہ عمیر کو مار دیتا۔
ایک رات زبیر اچانک غائب ہو گیا شاید وہ بدروح اسے اپنے ساتھ لے گئی تھی اس نے میری خاطر اپنی زندگی کا سودا کر لیا، اس نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ اپنے گناہوں کا کفارہ اپنے خون سے ادا کرے گا۔
اب میں اور عمیر اپنے گھر میں بہت خوش ہیں ہمارا ایک سال کا بیٹا بھی ہے جس کا نام ہم نے زبیر رکھا ہے۔
زبیر ہمارے درمیان اب نہیں ہے مگر اس کی یادیں ضرور ہمارے ساتھ ہیں اس نے محبت کا قرض اپنے خون سے ادا کیا۔ عمیر اور میں دن رات زبیر کے لئے دعا کرتے ہیں۔